مہاراجہ کشن پرشاد

مہاراجہ کشن پرشاد

کی

زندگی کے حالات

تعارف

شکر ہے کہ راجہ سر کشن پرشاد مہا راجہ یمین السلطنت کی زندگی کے مختصر حالات کی چھپائی ختم ہوئی۔

مہاراجہ کی زندگی کا پھیلاؤ جو اسی (۸۰) سال سے کم نہ تھا، ان کی تعلیم و تربیت، پیشکاری، فوج کی وزارت، مدار المہامی، خانہ نشینی، صدر اعظمی اور اس کے بعد کے زمانہ میں موصوف کی ہمہ گیر مصروفیتوں، دلچسپیوں، ہمدردیوں، سے متعلق اہل ملک کے واسطے ایک شاندار انسانیت کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ مہا راجہ کے جیتے جی ہر ایک کو ان تک رسائی حاصل تھی اور ان کے ملنے والے تو ممدوح سے ہر طرح مستفید ہوتے ہی تھے۔ ان کے علاوہ مہا راجہ سے عقیدت رکھنے والے اگر ان سے ملتے بھی نہ تھے تو ان کے وجود کے خیال ہی سے خوش ہوتے تھے۔ یوں تو دکن میں پہلے ہی سے انسانوں کا قحط ہو چلا تھا مہا راجہ کے انتقال نے ایک ایسا خلا پیدا کردیا کہ اچھے انسانوں کے شیدا ملک کی حرماں نصیبی کو دیکھ کر سہم گئے کہ ایک اچھے امیر، سچا انسان، مفلسوں کا دوست، یتیموں کا مربی، وضع داری میں یکتا، مروت میں یگانہ، بڑے پایہ کا سخی اور پریمی دنیا سے سے کیا گیا کہ تہذیب و شائستگی کی انجمن کی شمع گل ہو گئی۔

مہاراجہ کی یادگار قائم کرنے کے سلسلہ میں کئی جلسے ہوئے اور متعدد تحریکیں پیش ہوئیں۔ بڑے امیروں اور مہا راجہ کے ہواخواہ دولت مندوں نے مروت کے سارے یادگار کے قیام میں دلچسپی کا اظہار کیا اور رقمی وعدے بھی کئے لیکن غفلت اون کے سروں پر سوار رہی یہاں تک کہ اون میں سے بعض خود موت کا شکار ہو گئے۔ سعدی کا یہ شعر نظر کے سامنے آگیا۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زان پیشتر کہ بانگ بر آئد فلاں نماند

جبکہ بڑی یادگار مہا راجہ کی شان کے مطابق قائم نہ ہوسکی تو راقم نے مہاراجہ کی سیرت اور اون کی سوانح حیات کو درسی کتب میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں مجھے دو حضرات کی مدد سے کامیابی ہوئی۔ ایک سید آغا حیدر حسین کہ موصوف نے مخالفتوں کے باوجود میرے ایک مضمون کو داخل نصاب کراھی دیا۔ دوسرے بزرگ مرزا محمد بیگ صاحب ناظم اسٹیٹ پیشکاری۔ موصوف نے مہا راجہ کی زندگی کے حالات کو طبع کرانے کےلئے وزیر مال مسٹر کرافٹن سے رقمی منظوری حاصل کی اور ایک کمیٹی کا تقرر منظور کرایا جو دیوان بہادر آر وامودوآئنگار، راجہ نرسنگ راج بہادرعالی سید علمبر دار، مرزا محمد بیگ، رائے مانک پرشاد، اور مہدی نواز جنگ پر مشتمل تھی۔ مرزا صاحب موصوف کی دلچسپی اورکوشش نہ ہوتی تو یہ کتاب منظر عام پر نہ آتی۔ مرزا صاحب کے اسٹیٹ سے علحدہ ہونے کے بعد ان کے جانشین رائے مانک پرشاد صاحب نے اس کتاب کی طباعت میں ہرممکنہ سہولت بہم پہونچائی۔ مولوی حافظ محمد مظہر صاحب جو حیدرآباد کے ایک مشہور علماؑ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور دکن کے نظم و نسق کی گزشتہ (۸۰) اسی سالہ تاریخ پر گہرا عبور رکھتے ہیں مہا راجہ کی زندگی کے حالات اس کثرت سے جمع کئے کہ اس میں بے دریغ تخفیف نہ کی جاتی تو اس کتاب کا حجم دو ہزار صفحے تک پہونچ جاتا۔ اختصار، کفایت اورخود کمیٹی کے فیصلہ کے لحاظ سے کتاب کی ضخامت کو پانسو صفحے اور کمیٹی کے منظورہ عنوان اور ابواب کی حدتک محدود رکھا گیا۔

اس کتاب کی تکمیل میں سید غلام پنجتن صاحب اور مرزا یگانہ نے بھی دلچسپی لی ھے اور مولوی حسن الدین صاحب نے طباعت اور تصحیح کا کام بخوبی انجام دیا ھے۔ فقط

۲۷۔ ستمبر سنہ ۱۹۵۰ع
حیدرآباد دکن

مہدی نواز جنگ

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ

حصہ سوم

اوصاف و شخصی زندگی

حصہ چہارم

FOREWORD

I am grateful to Nawab Mehdi Nawaz Jung Bahadur for kindly giving me an opportunity to pay my humble tribute to the memory of the great and good Maharajah Kishen Pershad, by writing a small foreword to this very useful publication.

Maharajah Sir Kishen Pershad had become an institution in Hyderabad. If any one is fully entitled to the title of अजातशत्रु (a person for whom no enemy was ever born) it is the Maharajah. The saying that नरः पतित कायोऽपि यशःकायेन जीवति—a man although he has got rid of his mortal coil still lives and is immortal in consequence of his fame (body of fame), absolutely fits him.

He was really and truly a *Mahatma* with in the meaning of the Sanskrit verse :

विपदि धैर्यमथाभ्युदये क्षमा
सदसि वाक्पटुता युधि विक्रमः ।
यशसि चाभिरुचिर्व्यसनं श्रुतौ
प्रकृतिसिद्धमिदं हि महात्मनाम् ॥

(Bravery in adversity, calmness and modesty in prosperity, eloquence in company, powers in battle, eagerness for fame and longing for scriptures—these are the well established and born attributes of a Mahatma).

The Maharajah respected all religions equally. It is a well known fact, although he was a staunch Hindu.

Although under the law, between a Hindu and a Musilm there can be no valid marriage, he had Hindu wives as well as Muslim wives and gave them separate establishments. He left only one son and two daughters by the Hindu wife. Even in his last will he enjoined on his son Raja Khajah Pershad to respect all religions equally. At the same time, he admonished him to be true and steadfast in his adherence to his ancestral faith. He was proud to call himself a *Mehra Khatri*.

His charities were very large and universal so much so that he erred on the side of extravagance in that respect. During his drives he used to scatter silver and copper coins all along the road.

He was extremely kind to his children. He was a man of great culture and a poet.

Whenever he came to a meeting he used to show his respect to the audience by turning to his right and left and salaaming at every step.

His death was deeply mourned by all classes of people irrespective of caste or creed and when his body was taken to the cremation ground the procession was nearly a mile long.

Dated 22nd September, 1950.

S. ARAVAMUDU AIYANGAR.

حصہ اول

عام تبصرہ

(ایک تاریخی پس منظر)

حصہ اول

عام تبصرہ

مہاراجہ چندولعل کے پوتے مہاراجہ نرندر پرشاد کی بیٹی جوالا بی بی اپنا سنجوگ ایک متوسط گھرانے کے چشم و چراغ راجہ ھری کرشن کے ساتھ لکھا کر آئی تھیں - ذات پات کی برابری چھوڑ کر باقی سسرال اور میکے میں زمین آسان کا فرق تھا - رسم و رواج کے مطابق رخصتی کے وقت ڈومنیاں بدھائی گارھی تھیں اور مہارانی صاحبہ اپنی چہیتی بیٹی سے ملکر رورھی تھیں تو اس گھڑی آسان پر ستارے ھنس رہے تھے اور تارے کہتے تھے کہ ھم تو وہ چال چلینگے کہ اس جوڑے سے جو لال پیدا ھو وہ لعل شب چراغ اپنے ننہال کے آسان کی شہرت و وقار پر آفتاب بنکر چمکے - چنانچہ ایسا ھی ھوا - ۲۸ - جنوری سنہ ۱۸۶۴ع کو چندو لعل کی دیوڑھی میں جوالا بی بی کے بطن سے ایک بچہ پیدا ھوا - نجوم کے حساب سے اس کا نام پرشوتم داس رکھا گیا - مہاراجہ نرندرپرشاد نے بچہ کو گود میں اٹھایا اور سینے سے لگا کر کشن پر شاد نام رکھا - کشن پرشاد اسم بامسمی نکلے - کشن کے شیدا خواجہ پرنثار اور کامل صوفی- جب سن شعور کو پھونچے اور برے بھلے کی پہچان ھوئی اسی وقت سے ان کی زبان پر گیتا اور قرآن اور دل میں مولا اور بھگوان رھے- انہوں نے گیانیوں کے ساتھ آسن مار کر ھری ھر کی سمرن جپی اور صوفیوں کے ساتھ دو زانو ھو کر اللہ ھو کی ضربیں لگائیں -

شادؔ کا مذھب شاد ھی جانے آزادی آزاد ھی جانے

ان کا شاعرانہ تخیل نہ تھا بلکہ ان کے مشرب کا حقیقی اور واقعی اظہار- ان کی حسن پرستی آگے چلکر خدا پرستی کا زینہ بنی ان کا مسلك شاہ پرستی تھا اور رعایا پروری ان کا ایمان - وہ صاف گو سپاھی بھی تھے اور صاحب تدبیر بھی - موسیقی سے ان کو لگاؤ تھا اور مصوری سے دلچسپی - وہ خوش نویس بھی تھے اور زود نویس بھی - ان کی تدبیر کی طرح تحریر میں بھی پختگی تھی - ان میں وقار بھی تھا انکساری بھی - کبھی رندانہ شوخی تھی تو کبھی فلسفیانہ متانت - ان کی یار باشی ھمیشہ یار نوازی کا پہلو لئے رھتی تھی - دھیان گیان میں بھی ان کا وقت گذرتا تھا اور لہو و لعب میں بھی - ان کے دربار میں ھر قسم کے لوگ آتے اور جگہہ پاتے تھے - لیکن ان کے دربار کے آداب و دستور اور ان کی خودداری اوباشی اورسفلہ پروری کو راہ نہ دیتی تھی ان کی انکساری انکی گردن فرازی کو آگے لیکر چلتی تھی وہ جھک کر اپنے عزو وقار کی مہر دلوں پر لگاتے تھے کروفر کے اظہار اور جاہ و تمکنت کی نمایش سے اپنا سکہ نہیں بٹھاتے تھے ان کی فیاضیوں

میں کشادہ دلی اور دوستی میں استقامت تھی انکے حسن و عشق کی زندگی

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

کی مرقع تھی ۔ کسی نے ان کو یہ کہتے نہیں سنا کہ میں نے اتنا دیا اور نہ کسی طرف اشارہ کرکے ان کو یہ کہتے کسی نے دیکھا کہ اسکو میں نے کہاں سے کہاں پہونچا دیا وہ انسان تھے اور ان میں انسانی کمزوریاں بھی تھیں ۔ ان پر جوانی بھی آئی تھی مگر بھوت بنکر نہیں ۔ ان میں بڑی خوبی یہ تھی کہ اونہیں اپنی کمزوریوں کا احساس تھا ۔

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس
عروج مہر بھی دیکھا تو دو پہر دیکھا

ان کی زندگی میں دو مرتبہ ان کا نیر اقبال گہن میں آیا ایک مرتبہ تو جب کہ اون کے پشت و پناہ اور اون کے چاھنے والے نانا کا انتقال ھوا اور دوسری مرتبہ جب وہ مدارالمہامی سے علحدہ ھوے ۔ پہلے موقع پر تو انہوں نے اپنے عزیز و اقربا اور احباب کو اپنا مخالف پایا اور دوسرے موقع پر اپنے مداحوں اور خوشامدیوں کو جس میں ہر درجے کے لوگ تھے رخ بدلتے دیکھا لیکن ان کی پیشانی پر بل نہیں آیا اور نہ ان کا ھاتھ رکا ۔

شب غم اور شب غم کی مصیبت کٹ ھی جاتی ھے
غرض یہ ھے کہ سب کچھ ھوکے تڑکا ھوھی جاتا ھے

جب نحس ستاروں کا اثر زایل ھوا اور دنیا پرستوں نے پھر ان کی آستان بوسی شروع کی تو انہوں نے کسی سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ بھائی تم تھے کہاں ۔ اور اسی خندہ پیشانی سے ملے گویا کچھ ھوا ھی نہ تھا ۔ الحاصل ان کی خوبیوں کے مقابلے میں کمزوریاں ایسی تھیں جیسے کھانے میں نمک ۔

کمزوریوں کو پس پشت ڈالکر سوانح نگار اگر خوبیوں کو ھی اجاگر کرے تو وہ سوانح نگار نہیں رہتا ۔ بھاٹ بنجاتا ھے ۔ اوسے تو زندگی کے روشن اور تاریک دونوں پہلو دکھاتا ھے ۔ قصیدہ گوئی اور سوانح نگاری میں فرق ھے ۔ سوانح نگاری کی ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ھونا سہل نہیں اور خصوصاً مہاراجہ مرحوم ایسی شخصیت کی جس کی زندگی کا تعلق ایک امیر گھرانے سے شروع ھوکر شاعری ۔ مصوری ۔ فقیری سے ملا جلا حیدر آباد ایسی وسیع ریاست کی وزارت تک اور پھر دور جدید میں صدارت عظمیٰ تک پہونچا ھو تصویر کھینچنا نادشوار ترھے ۔ پولیس ایکشن کے بعد سے بدلے ھوئے حالات نے سوانح نگار کی قلم پر سے وہ بندشیں اٹھادی ھیں اور وہ پردے چاک کردئیے ھیں جن سے حیدر آباد کی تاریخ لکھتے وقت نواب عماد الملک مرحوم اور حیدر آباد افیرس کی بارہ ضخیم جلدیں ترتیب دیتے وقت نواب محسن الملک مرحوم کو دشواریاں پڑی تھیں ۔ خود مہاراجہ مرحوم نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں سیاسی پہلو ترک کردیا ھے ۔ یہ تو سب جانتے

ھیں کہ اس خاندان میں سلطنت آصفیہ کے دور میں تین مرتبہ مدارالمہامی آئی مگر ان سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے واقف نہیں جن سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے روک تھام کی وجہ سے یا رد عمل کے طور پر یہ منصب جلیلہ چند و لال نرندر پرشاد اور کشن پرشاد کو بلا دوڑ دھوپ فضل ایزدی کے طور پر ملا ۔ بعضوں کو کیا بہت سے لوگوں کو اس خاندن کی پیشانی پر برار کے کلنک کا ٹیکہ نظر آتا ھے۔ لیکن یہ ان کی عدم سیاست‌دانی اور انگریزی فراست سے ناواقفیت کا نتیجہ ھے جس کی زیادہ تر ذمہ دار وہ دشواریاں اور ماحول تھا جن سے نواب عماد الملک اور نواب محسن الملک ایسے مایہ ناز نادر المثال اور واقفان راز و حقیقت ھستیوں کو پالا پڑا ۔ سوانح حال کے لکھنے والوں کا پہلا اور سب میں بڑا کام یہ ھے کہ وہ حقیقت کو بے پردہ کرکے اس ٹیکے کو ان بے کنٹھ باشیوں کے پیشانی سے مٹادے اور دودہ کا دودہ اور پانی کا پانی کرکے دکھادے ۔

جو خوش حال گھرانے میں پیدا ھوکر عیش و نعم میں گذارتا ھے اسکے متعلق انگریزی میں کہا جاتا ھے کہ یہ سونے کا چمچہ منھہ میں لئے پیدا ھوا ھے ۔ لیکن کبھی ایسا بھی ھوتا ھے کہ ایسے نومولود کو وہ لوھے کے چنے چبانا پڑتے ھیں کہ چھٹی کا دودہ ھمیشہ یاد آ جاتا ھے ۔ غریب گھرانے کا بچہ اپنی آس پاس کی جھوپڑیوں کے ماحول میں پیدا ھوتا ھے ۔ اسکی دنیا بہت چھوٹی ھوتی ھے روایات نہیں ھوتے مفلسی اسکو ترکے میں ملتی ھے ۔ مفلسی اسکے دماغ کو مفلوج کردیتی ھے اور بھوک اسکے ھاتھ پیروں کی قوت چھین لیتی ھے ۔ لیکن جو بچہ امیر گھر میں پیدا ھوتا ھے اگرچہ دونوں کی جسمانی ساخت ایک ھی ھوتی ھے دونوں کی پیدایش کے وقت نیچر کا ایک ھی سا عمل ھوتا ھے لیکن غریب کا بچہ اونچی نیچی زمین پر بھٹے پرانے گودڑ کے تکڑوں پر ڈال دیا جاتا ھے اور امیر گھر کا بچہ گدوں اور پالنوں میں آنکھ کھولتا ھے جیسے جیسے وہ بڑا ھوتا جاتا ھے اس کا ماحول اسکی فطرت پر اثر انداز ھوتا رھتا ھے اور خاندانی روایات غیر شعوری طریقے سے اسکے دل و دماغ میں سمائے جاتے ھیں اور جب وہ شعور کی حد میں داخل ھوتا ھے تو ایک بڑائی کے احساس کے ساتھ ۔ اسکو دولت تو بلا مشقت ملتی ھے مگر اخلاق و اطوار بنانا پڑتے ھیں ۔ اسکے جسم کو سونے میں تولنے والے تو اسکے گھر کے لوگ ھی ھوتے ھیں مگر اسکی عادت اور خصلت کے تاڑنے والے بہت سے ۔ تا قیام شمس و قمر قائم رھنے والی جاگیروں اور منصبوں کی سند تو اسکے بزرگ اس کے لئے حاصل کرچکے ھوتے ھیں مگر شہرت دوام کی سند حاصل کرنے اسے طبیعت پر قابو رکھنا پڑتا ھے بڑی بڑی کٹھن منزلوں سے گذرنا پڑتا ھے ۔ کشن پرشاد نے چندو لال کی دیوڑھی میں جنم لیا بچپن میں نانا کے دل میں بسے آنکھوں میں سمائے ۔ مہا راجہ نرندر پرشاد کو قدرت نے سب طرح کی دولت دیکر اولاد نرینہ سے محروم رکھا تھا ۔ ایسی حالت میں اپنے اس نواسے کے ساتھ محبت ھی نہیں بلکہ محبت بیکران ھونا عین فطرت تھا ۔ امراء کے گھر میں ایک بڑا عیب اکثر و بیشتر یہ ھوتا ھے کہ گھر کے مالک کو جسکے ساتھ بہت رغبت اور محبت ھو سب اس سے

دل میں جلنے لگتے ھیں بھائی بھائی تک اس جلاپے میں خون کے پیاسے ھو جاتے ھیں ۔ سنت ابراھیمی کی پیروی تو صرف مسلمان ھی کرتے ھیں مگر یعقوب کی اولاد کے اس مسلک کی جھلک ھندو مسلمان عیسائی پارسی سب کے گھروں میں تھوڑی بہت پائی جاتی ہےجہاں وراثت و امارت کا معاملہ ھو وھاں تو در و دیوار تک دشمن ھوجاتے ھیں مہا راجہ نرندر نے کشن پرشاد کو اپنی آغوش تبنیت میں حسب ضابطہ لیکر اپنے خاندان میں ان کو سب سے افضلیت دیدی اور اس طرح انہیں اپنے سے لیکر راجہ ٹوڈر مل تک کی روایات اور خصوصیات خاندانی کا علمبردار بنا دیا ۔ اور ان امور کے مد نظر انکی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ۔ مہا راجہ کشن پرشاد نے اپنے کو اپنے کردار اور اطوار سے کہاں سے کہاں پہونچا دیا ۔

''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید ،،

اگرچہ ۶ ۔ ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۱ ھجری کو مہا راجہ کشن پرشاد راجہ بہادر کے خطاب سے سرفراز ھوچکے تھے اور انکی تبنیت ایک مسلمہ امر تھی لیکن سازشیں ان کے خلاف جاری تھیں ۔ ان پر آگ برسائی جاچکی تھی گولی چلائی جاچکی تھی اور زھر بھی دینے کی کوشش ھوئی مگر ۔

'' جسکو خدا رکھے اسکو کون چکھے ،،

وہ ان بلاوں سے محفوظ رھے ۔ مہا راجہ نرندر ۱۲۔ رمضان سنہ ۱۳۰۶ ھجری کو اس دنیا سے رخصت ھوئے اس وقت مہا راجہ کشن پرشاد کی عمر ۲۶ سال کی تھی ۔ ابھی مہا راجہ نرندر پرشاد بستر مرگ پر تھے کہ سرگوشیاں شروع ھوگئیں ۔ جو اپنے آپ کو متبنے نہ ھونے کی صورت میں حق دار اور امید وار سمجھتے تھے وہ آمادۂ پیکار ھوگئے اور ادھر بڈھے مہا راجہ کے طائر روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا اور بیفکری کے دنوں اور سکون کی راتوں نے ان کے جانشین کا ساتھ چھوڑ دیا ۔ دولت و ثروت کی ھوس نے ان کے قریب کے رشتے داروں کو اندھا بناھی دیا تھا اس پر چند اعلی حکام نے شہ دی اور یہ ترکیبیں ھونے لگیں کہ کشن پرشاد آخری رسوم و کریا کرم نہ انجام دینے پائیں ۔ اگر چہ اس میں کامیابی نہ ھوئی کریا کرم بھی مہا راجہ ھی نے کیا اور آگ بھی انہوں نے پکڑی مگر یہ موت ان پر ایک مصیبت بنکرنازل ھوئی اور اپنے بیگانے بن گئے سرکاری تصفیہ نے بھی طول کھینچا اور جو معاملہ چار ماہ میں طے ھوتا اس میں پورے چار سال لگ گئے ۔ ۲۰۔ رجب سنہ ۱۳۱۰ھ کو حضرت غفران مکان نے موروثی خدمت پیشکاری سے مہا راجہ مرحوم کو سرفراز فرمایا اور خلعت عطا کیا ۔ اس چار سال کے زمانے میں دنیا والوں کی بے رخی دیکھ کر مہا راجہ بہادر کا دل اھل دل کی تلاش میں نکلا اورسکون قلب کو پالیا اسی زمانہ کا یہ شعر ہے ۔

ز وحدت میشود کثرت نمایاں * زکثرت میشود وحدت نمودار

بھگوان کشن نے بھی گیتا میں یہی فرمایا ہے کہ

اپنے اندر سب کو - سب کو ایک ایشور کے اندر

اور سب کے اندر ایک ایشور کو دیکھے -

انہوں نے عین جوانی میں جو صوفیت کا راستہ لیا تھا اس میں اگر امارت اور وزارت داخل نہ ہو جاتی تو ذرا شبہ نہ تھا کہ وہ سچے بھگت اور نیک بندوں میں کبیر داؤد - رائے داس - تکا رام - بابا فرید ایسے بزرگوں کی صف میں ہوتے -

مہاراجہ کشن پرشاد کی ولادت سے سات سال قبل تیمور کے خاندان کی تاریخ کا باب ختم ہوچکا تھا اور دھلی کے تاجدار کو جو نام ھی نام کا شہنشاہ رہ گیا تھا اس کو اس کے جان و جگر فرزندوں کے سروں کی آخری نذر پیش کرکے رنگون پھو نچا دیا گیا تھا سنہ ۱۸۵۷ع اور اس کے بعد کا زمانہ چندو لعل کے خاندان کے لئے بڑی آزمایش کا زمانہ تھا مغلیہ دربار سے ان کے خاندان کی وابستگی اکبر اعظم کے زمانے سے تھی یہ عزت دوسرے امرائے آصفیہ میں سے کسی کو حاصل نہ تھی - علم و فضل میں مہاراجہ نرندر پرشاد ، نواب عمدۃ الملک اور نواب مختار الملک کے ٹکر کے سمجھے جاتے تھے بلکہ انکی عربی تعلیم ان دونوں سے بہتر تھی - ان کو سنسکرت - تلنگی اور مرھٹی خوب آتی تھی - اور داد و دھش میں بھی وہ اپنے دادا سے کچھ کم نہ تھے - فقرا اور مشائخ کا ان کے پاس جماؤ رھتا تھا اور اکثر وہ اسلامی طور پر عبادت بھی کرلیتے تھے اس کے علاوہ باقی باتوں میں وہ ھندو مذھب و رواج کے پابند تھے - عمدۃ الملک امیر کبیر کے سوتیلے بھائی نواب رشید الدین خاں وقار الامراء میں اور مختار الملک (نواب سالار جنگ اول) میں ھمیشہ کشمکش رھتی تھی جو مہاراجہ نرندر پرشاد کے لئے سخت باعث تکلیف تھی - حالانکہ دھلی کے لال قلعہ سے حیدر آباد کو کوئی تعلق نہ تھا - مگر یہ معرکہ دھلی کے بادشاہ اور انگریزی سرکار کے درمیان نہ تھا - بلکہ ھندو اور مسلمان سب ھی اس میں شریک تھے - اگرچہ سالار جنگ نے ریاست کو انگریزوں کے ساتھ ھی رکھا تھا اور ریاست کی طرف سے ھر طرح کی کمک انگریزی سرکار کو پھونچ رھی تھی - پھر بھی طبیعتوں میں ایک ھیجان تھا جس میں ھندو اور مسلمان دونوں شریک تھے - بہ حیثیت پیشکار اور ایک بااثر امیر کے جس کا دربار ھندو اور مسلمان دونوں کے لئے کھلا ھوا تھا ان کو اس زمانے میں بہت تدبیر سے کام لینا پڑا - انہیں سب سے پہلے معلوم ھوگیا تھا کہ رزیڈنسی پر حملہ ھونے والا ھے اور انہوں نے سر سالار جنگ کو فوراً اس کی روک تھام کی طرف توجہ دلادی اگر ریزڈنسی پر یہ حملہ ھوگیا ھوتا تو ساری صورت حال ھی بدل جاتی حیدر آباد نے سب کچھ کیا اور بڑے بڑے پایہ کے انگریزوں نے اس کا اعتراف بھی کیا لیکن جب ملک میں ھر طرف امن ھوگیا تو یہ ناممکن تھا کہ انگریزی پالیسی حیدر آباد کے ساتھ کچھ اور ھو اور ھندوستان کی دوسری ریاستوں کے ساتھ کچھ اور - جس سال کشن پرشاد پیدا ھوئے اوسی سال سرجان لارنس نے وائسریگل لاج کو زینت بخشی اور ھندوستان کی

حکومت کی باگ اون کے ہاتھ میں آئی ۔ جو کچھ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر ہوتا اس کا چرچا ہی نہیں بلکہ اس کا اثر حیدرآباد پر پڑتا ۔ ان بدلتے ہوئے حالات کا اثر کشن پرشاد کے بچپن کے دل و دماغ پر پڑتا ہی ہوگا ۔ بدلتے ہوئے ماحول کے ساتھ برٹش پالیسی بھی بدلتی رہتی تھی ۔ کشن پرشاد کی تعلیم و تربیت میں اس ماحول سے دو چار ہونے کے لئے جہاندیدہ مہاراجہ نے جو تدابیر کیں اس کا اثر جیسا پڑا وہ اس طرز روش سے ظاہر ہے جو مہاراجہ نے آگے چلکر اختیار کی اور بڑی بڑی دشواریوں اور پیچیدگیوں کا حل دریافت کر سکے ۔ وہابیوں کا انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان ۔ ہندوستان اور افغانستان کے درمیان بسنے والے قبیلوں کی شورش ۔ امیر دوست محمد خاں کے انتقال کے بعد افغانستان میں بد امنی ۔ تخت و تاج کے مختلف دعویداروں کے جھگڑے ۔ سر جان لارنس کا امیر شیر علی سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا ۔ روس کا تیزی کے ساتھ سنٹرل ایشیا میں اپنی قوت کا بڑھانا ۔ اسکا کوہ قند خیوا اور بخارا کی سرحدوں تک آجانا ۔ پھر تاشقند پر دوسرے سال اڈا جانا ۔ یہ سب مہاراجہ بہادر کے بچپن میں ہوا مگر ان ایسی ذہین و حافظہ والے انسان کے لئے ان کا یاد رکھنا دشوار نہیں ۔ جب روس نے خیوا اور بخارا کو اپنا اطاعت گزار بنالیا اوس وقت مہاراجہ کافی جوان ہوچکے تھے تاریخ شاہد ہے کہ برٹش پالیسی کی ہندوستانی ریاستوں کے تعلقات اور برٹش انڈیا میں سختی اور نرمی کی لہریں عرصہ تک ان ہواؤں کی تابع رہی ہیں جو ہندوستان کے شمال و مغرب میں چلتی تھیں ۔

روس انگلستان کے بڑھتے ہوئے اثر اور ان چالوں سے جو انگلستان براعظم یورپ میں چل رہا تھا خائف تھا اور اسکو یہ خوف لگا ہوا تھا کہ جنگ کریمیا کی طرح سے پھر کوئی جنگ کھڑی کرا کر وہ روس پر حملہ آور نہ ہو جائے اس لئے روس اس ترکیب میں لگا ہوا تھا کہ وسط ایشیا میں اپنی قوت کو اسقدر بڑھائے کہ وہ انگلستان کی شہنشاہیت کے لئے خطرہ بنجائے ۔ اور افغانستان یا اسکے قریب ایک ایسا اڈا بنائے جہاں سے وہ انگریزی چالوں کا ترکی بہ ترکی جواب دے سکے ۔ اب انگلستان کے لئے ضروری ہوا کہ سنہ ۱۸۵۷ع کے بعد سے جو اس نے پالیسی اختیار کی تھی کہ مسلمانوں کو اسقدر کچل دے کہ وہ کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں بدل دے اور صرف اس پر عمل کرے کہ ہندو اور مسلمان کبھی شیرو شکر نہ ہوسکیں مسلمانوں کے دلوں میں ترکی کے ساتھ ہمدردی پیدا کرکے روسیوں کی طرف سے انکے دلوں میں نفرت پیدا کردے اور افغانستان کو اپنائے ۔ افغانستان کی گتھی کو نہ لارنس سلجھاسکے اور نہ لارڈ نارتھ بروک بلکہ افغانستان اور ایران کے درمیان میں جو جھگڑا سیستان کی سرحد کے متعلق ہوا اس میں دخل دیکر معاملات کو اور پیچیدہ بنا دیا انگلستان سے ہندوستان تک پہونچنے میں مہینے لگ جاتے تھے تار برق جو ان دونوں کے درمیان خبر رسانی اور اجرائی احکام کا زود ترین ذریعہ تھا اسکے کھمبے ایران اور ایشیائے کوچک ہوکر انگلستان تک پہونچتے تھے ۔ اور ظاہر ہے کہ کسی بڑی لڑائی کے وقت یہ سلسلہ ٹوٹ سکتا تھا لیکن اس خدشے کو لارڈ پالم سی لیمسٹن نے اپنی ہمت اور خود اعتمادی سے نکال

دیا۔ انہوں نے اس احتیاط اور راز داری کے ساتھ کہ انکے دیگر شریک کار وزراء کو بھی خبر نہیں ہوئی سوئز کی نہر نکالنے کا معاملہ طئے کرلیا ۔ نہر سوئز کے کھدنے کے بعد انگلستان اور ہندوستان کے درمیان جو بعد المشرقین تھا وہ جاتا رہا اور سمندر کے اندر کیبل ڈالکر پیام و رسل کے ٹوٹنے کا ڈر بھی مٹادیا گیا ۔ شمالی مغربی سرحدات اور افغانستان کے معاملات کا اثر حیدرآباد اور دوسری ریاستوں پر امپریل سرویس ٹروپ کی شکل میں پڑا ۔ تار برق کے راستے کی تبدیلی کا اثر تو پورے ہندوستان پر پڑا اور اس کے بعد وائسراؤں اور گورنر جنرلوں کے اختیار تمیزی میں وہ وسعت نہ رہی جو پہلے تھی ۔ ہندوستان کے داخلی و خارجی مسائل میں ہوم گورنمنٹ کی مداخلت شروع ہوگئی اور لندن سے بلا روک ٹوک احکام اجراء اور مشورے ہونے لگے ۔ انگریزوں نے روسیوں کے خلاف جو پالیسی اختیار کی اسکے تحت حیدرآباد کی پرانی پالیسی بالکل ہی بدل گئی ۔ اور حیدرآباد سلطنت مغلیہ کی یادگار اور اسلامی ریاست بننا شروع ہوا اور بڑٹش انڈیا میں یہ احساس خانقاہوں کی امداد ۔ تعلیم گاہوں میں چندے ۔ فقراء اور مشائخ کے وظیفوں۔ حجاج کے قافلے پر قافلے بھیجکر پیدا کرایا گیا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ سنہ ۱۸۷۷ع میں ترکوں کی حمایت اور قسطنطنیہ اور باسفورس تک روس کو آنے سے روکنے کے لئے ہندوستان کی فوجیں بھی مالٹا پر لیجاکر ڈال دی گئیں ۔ یہی وہ سنہ ہے جس میں انگلستان کی پارلیمنٹ نے شاہی خطاب کا قانون پاس کیا اور اسکے بعد لارڈ لٹن نے وہ مشہور و معروف دھلی دربار منعقد کیا جس میں سب بڑے بڑے راجہ اور نواب شریک ہوئے ۔ سر سالار جنگ دیکھ چکے تھے کہ بمبئی میں پرنس آف ویلز کے استقبال میں شرکت سے حضور نظام کو روکنے کا کیا نتیجہ ملا تھا اس موقع پر انہیں اقتدار اعلی کا سوال دل سے نکال دینا ہی پڑا ۔ اور تاج برطانیہ کی برتری اور سرپرستی کا کھلم کھلا اعتراف کرنا ہی پڑا ۔ اس موقع پر بڑے شان و شوکت کا اظہار کیا گیا اور ہندوستان کے مسلمانوں کے دل میں حیدرآباد کی محبت اور اسکی عظمت ہی نہیں بلکہ اس خیال کے بٹھانے کی کوشش کی گئی کہ وہ اسلامی سلطنت ہے ۔ اس سفر میں مہا راجہ باوجود کم سنی کے ہمراہ رکاب تھے ۔ اس سفر کی کیفیت جو انہوں نے اپنی زندگی کے حالات میں بعد کو قلم بند کی ہے اسکو اپنی جگہ پر نقل کیا جائیگا ۔ اس سلسلے میں بھی انہوں نے سیاسی پہلو کے اظہار سے اجتناب کیا ہے ۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ انگریز کس طرح آتے جاتے تھے لیکن کلکتہ میں سید امیر علی اور دھلی میں سید احمد خاں محض اس وجہ سے باریاب نہ ہوسکے کہ انگریز ملازم سے جس روش کی پابندی نہیں کرائی جاتی وہ اسکو منظور کریں اور بگلوس اور دستار میں حاضر ہوں اور اس گورے کالے کے فرق کو ان لوگوں کی غیرت قومی قبول نہ کرسکی ۔

مہا راجہ نے اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھا کہ سنہ ۱۸۷۸ع میں جب دیسی پریس نے روس اور انگلستان کے تعلقات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تو باغیانہ خیالات کے پھیلنے کا اندیشہ ہوا اور ورنکلر پریس ایکٹ ہندوستان میں نافذ ہوا ۔ حیدرآباد

سے لگی ہوئی ریاست ناگپور کا انہیں حشر معلوم تھا انھوں نے اب یہ بھی دیکھا کہ پچاس سال تک میسور کی ریاست انگریزوں کے ہاتھ مین رکھکر سابق مہا راجہ میسور کے متبنے کو تلاش کرکے حوالے کی گئی اس موقع پر انہیں وہ مرہٹہ ریاست بھی یاد آگئی ہوگی جہاں ناناصاحب کی تبنیت ریاست کی حدتک نظر انداز کے کردیگئی تھی - بڑودے کا واقعہ ان کےدل پر نقش کا لحجرهوگا کہ مہا راجہ بڑودہ اور زیڈنٹ وقت کی چشمک کیا رنگ لائی - کسی نے رزیڈنٹ کو زھر دینے کی کوششش کی اور طویلے کی بلابندر کے سرپڑی - کلکتہ ھائی کورٹ کے چیف جسٹس کی صدارت میں ایک کمیشن بیٹھاجسکے ہندوستانی اراکین مہا راجہ گوالیار - مہا راجہ جیپور - اور سرڈنکر راؤ تھے - ان تینوں نے مہا راجہ کو بے قصور قرار دیا مگر نتیجہ کیا ہوا بد انتظامی کے الزام میں مہا راجہ کو گدی سے اتار دیا اور ایک نو عمر رشتے دار کو گدی پر بیٹھا دیا - اور اس وقت سے پولٹیکل زبان میں دیسی ریاستوں کے تخت مسندیا گدیاں بنگئے -

ورناکلر پریس ایکٹ کی منسوخی لارڈ رپن کی آزاد خیالی اور ہندوستانیوں کےساتھ علم دوستی کا کرشمہ سمجھی جاتی ھے لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ اس آزاد خیالی اور علم دوستی کا جذبہ اس وقت پیدا ہوا جب افغانستان کے معاملات کی یکسوئی ہوگئی جب لارڈ ڈفرن کے بعد پنج دہ کا معاملہ طئے ہوگیا اور جب روس کی ھرات کی طرف پیش قدمی کی خلش سٹ گئی تو پالیسی نے ایک اور پلٹا کھایا دیسی ریاستوں میں تو رزیڈنٹ کی مداخلت اوج کمال کو پہونچ گئی ڈیورنڈلائن کی سرخی ابھی مغرب کی طرف سوکھی بھی نہ تھی کہ ہندوستان کے مشرقی کنارے پر منی پور کے راجا اور ولیعہد کی بدمزگی رنگ لائی - لارڈ کرزن کے قدم سیمنٹ لزوم کے آتے ہی جوکچھ ہوا وہ تواسی صدی کی بات ھے وہ آٹھوں گانٹھ کمیت تھے وہ تین سال وزارت خارجہ اور ایک سال وزارت ہند کے محکموں کی خاک چھان چکے تھے مشرق کے اکثر ممالک کا سفر کرچکے تھے اعلےٰ درجہ کے مصنف اور بلند پایہ مقرر - بلا کے مستعد اور محنتی تخیل کے مالک تحکم پسند اور ضدی تھے اونھوں نے ڈلہوزی کی یاد تازہ کردی - وہ بھونچال بنکرآئے - بادل بنکر برسے - اور بیچینی کی ایک لہر چھوڑ کر چلدئے - خلیج فارس کی طرف توجہ کی وھاں کے شیوخ کو سبز باغ دکھلایا اور دوسری طاقتوں کے بیڑوں کےلئے یہ خلیج بندکردی جو لارڈ کچنر تک سے ٹکر میں نہ ھچکچایا - وہ ایک قلاش اور مفلس ریاست کے وزیر کو کیا نظر میں لاتا -

هر کس نه شناسنده راز است وگر نه * اینها همه راز است که معلوم عوام است

ایک انگریزی مورخ نے لکھا ھے کہ گریٹ برٹن کے بادشاہ الفرڈ اعظم کی بڑائی کی سب میں بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے کسی ایسی مہم کا ارادہ نہیں کیا جسکو وہ سر نہ کرسکے - مہا راجہ کی کامیاب زندگی کا یہ ھی راز ھے وہ زمانے کو پہچانتے تھے اپنی قوت کو جانچتے تھے اور پھر قدم اٹھاتے تھے دوسروں کی زندگی سے وہ سبق لیتے تھے -

آزمودہ را آزمودن جہل است،

کے اصول کے پورے پابند تھے ۔ وزارت کے ملنے سے پہلے انہیں رزیڈنسی میں حاضری دینا پڑی وفاداری کا استحان لیا گیا ۔ وزارت اگر اونھیں ملی تو طریقہ کار کیا ہوگا یہ سب اون سے پہلے دریافت کرلیا گیا ۔ اسکے بعد لارڈ کرزن سے اجازت حاصل کی گئی خود والی ریاست نے ایک اقرار نامہ لکھایا ۔ ان سب کا ذکر موقع اور محل سے آئیگا سرسالار جنگ اول کی توصیف اور تعریف جو ہندوستان سے انگلستان تک ہو رہی تھی ان کی انگریز دوستی کے جو قصیدے خود بڑے بڑے پائے کے انگریز پڑھ رہے تھے وہ سب اپنی جگہ پر رہے ۔ جب اونھوں نے کم سن مالک کو بمبئی لیجا کر پرنس آف ویلز کے استقبال میں شریک نہ کرنا چاہا اور ریاست کے اقتدار اعلےٰ کو قایم رکھنے کے لئے بہانے ڈھونڈے تو انکی خدمات سب

نقش و نگار طاق نسیاں ہوگئیں

جب سر رچرڈ میڈ کو پڑھا لکھا کر حیدرآباد پر مسلط کیا گیا تو مہا راجہ کشن پرشاد ایسے بچہ نہ تھے اونھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نواب رشید الدین خان وقار الامراء نواب بشیر الدولہ پر غالب آئے شمس الامرا بھی وھی ھوئے اور امیر کبیر بھی ۔ یہ کیوں ۔ اس لئے کہ رزیڈنٹ کا ھاتھ انکے سر پر تھا ۔ یہ ھی نہیں بلکہ فارن آفس سے راست حکم آیا کہ وہ کوریجنٹ مقرر کئے گئے ۔ یہ سب کیوں ہوا نواب سالارجنگ کو نیچا دکھانے کی غرض سے ۔

حیات اور موت دونوں آپکی آنکھوں کے تابع ھیں
نگاھیں کہہ رھی ھیں ھم مسیحا بھی ھیں قاتل بھی

سر رچرڈ ملاقاتوں میں کہدیا کرتے تھے کہ ”کیا تم سالار جنگ کو نظام بنانا چاہتے ہو ۔ سالار جنگ نے ریاست کو تباھی کے کنارے لا کھڑا کیا ھے ۔ اونھوں نے ریاست کو پردیسیوں ہندوستانیوں ۔ مدراسیوں اور پارسیوں سے بھر دیا ھے اور ملک کے آدمی جن پر ملک کے فلاح کا مدار ہے سب پریشان اور تباہ حال ھیں سالار جنگ کو حکومت کا شوق ھے وہ یہ نہیں چاھتے کہ ھز ھائی نس ریاست کا انتظام اپنے ھاتھ میں لیں“۔ وہ دریافت کرتے تھے کہ کیوں نوجوان نظام کو ضروری تعلیم اور تربیت نہیں دیگئی ۔ انکی لیڈی صاحبہ نے ایک دفعہ سرور الملک سے فرمایا کہ جب امیر کبیر انکے یہاں آتے ھیں تو اپنے خدم و حشم کو پھاٹک پر چھوڑ دیتے ھیں لیکن سالار جنگ جب آتے ھیں تو ایسا نہیں کرتے اور انکے ساتھیوں کے غل شور سے سر درد کرنے لگتا ھے باوجود اسکے کہ غالب جنگ اور مقدم جنگ ایسے من چلے جمعدار انکے پاس تھے جو سالار جنگ کے اشارے پر آگ میں کود پڑنے کو تیار رہتے تھے اور سید حسین بلگرامی اور مسٹر اولیفنٹ ایسے قلم کے دھنی اور مہدی علی ایسے آسمان سے تکلی لگانے والے موجود تھے پھر بھی انکی وزارت

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

کا مصداق بن گئی تھی - آنکی زندگی میں برار کا معاملہ تو ٹال دیا گیا لیکن اقتدار اعلے کو برٹش تاج کے نمایندے کے سامنے اونھوں نے دھلی میں سر جھکائے اپنی زندگی میں دیکھ لیا - جب وزارت سہا راجہ نرندر پرشاد کے سپرد کی گئی تو سہا راجہ نےاپنے کانوں سے ان کو اکثر کہتے سنا

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ * بازمی گوئی کہ دامن ترمکن هشیار باش

عما د السلطنۃ کی مدار المہامی کا دور سہاراجہ نے دیکھا تھا مسٹر کارڈری کا یہ جواب بھی انہوں نے سنا تھا کہ ھزھائی‌نس کا گدی سے اترنا سہل ہےاور نواب لائق علی خان کو برخاست کرنا مشکل - پھر کرنل راس جو چھ ماہ کے لئیے مسٹر کارڈری کے رخصت کے زمانے میں آئے ان کو یہ کہتے سنا کہ وائسرائے اور سکرٹری آف اسٹیٹ تو کیا دونوں ھوس آف پارلیمنٹ حتی کہ ملکہ قیصر ھند تک سالار جنگ اول کے خدمات کا احترام کرتے ھیں اور وہ ان کے لڑکے یا خاندان کو نقصان پہونچانے کی اجازت نہ دیں گے - اور پھر یہ بھی دیکھا کہ کرنل مارشل حضور نظام کے پرائیوٹ سکرٹری ھوئے اور سالارجنگ گھر بیٹھے -

قربان تیری اٹکھیلیوں کے خود سر چڑھائے خود سارا تارے
آسان جاہ تو آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

انہوں نے محسن الملک - وقار الملک اور سردار الملک کو حیدرآباد سے رخصت ھوتے ھوئے دیکھا انہوں نے علی حسین اور سید علی کو ھٹتے ھوئے دیکھا سر وقار الامراء کیوں ھٹائے گئے - اور

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

کا موقع کس طرح آیا - سر کیسن واکر کیسے آئے اور ڈنلاپ اور ھینکن کا دماغ کیسے بگڑا - دنیا کے لئیے یہ واقعات کوئی اھمیت نہ رکھتے ھوں لیکن مہاراجہ کے لئیے سبق آموز تھے -

اب نہ وہ زمانہ تھا نہ وہ لوگ - اب رزیڈنٹ نہ امراٴ سے بغل گیر ھوتا تھا اور نہ جوتا اتار کر دربار میں آتا تھا - نواب میر محبوب علی خاں کے بچپن میں ان کی تعلیم کا افسر اعلی انگریز تھا - رزیڈنٹ تعلیم و تربیت کا نگران تھا - اختیار ریاست ملتے ھی حضور نظام اور رزیڈنٹ کے پرائیوٹ مشورے اور راست خط وکتابت شروع ھوچکی تھی فارن آفس اور رزیڈنٹ سے جو حضور نظام سے راز کی خط وکتابت ھوتی اس میں مدارالمہام کو اوسی وقت رائے دینے کا موقع ملتا جب ان دونوں میں سے کوئی چاھے یہ ضرور تھا کہ اکثر و بیشتر مراسلت دیوان کے پاس بھیج دی جاتی اور حضور نظام مشورہ لے لیتے تھے حضرت غفران مکان کے مزاج میں سرورالملک کے بعد افسر الملک داخل ھوچکے تھے

جو سولہ آنے انگریز کے مداح اور دعا گو تھے۔ دوسرے اکبر جنگ تھے ۔ جن کا ماضی سندھ کی ریاست اور وھاں کےامیروں کی تباھی و بربادی سے درخشان تھا ۔ برار کے معاملے میں جو کچھ ھونا تھا وہ لارڈ کرزن نے پرائیویٹ گفتگو میں طئے کرھی لیا تھا سہاراجہ بہادر کا تعلق صرف دفتری کا رروائی تک تھا اور یہ کہ اس معاملے کا رد عمل جو عام و خاص پر ھو اس کو ایک ھیجانی صورت نہ اختیار کرنے دیں اور کرزن کی مزید دست درازیوں سے ریاست کو بچا کرنکال لے جائیں۔ جو کچھ ھونا چلا آیا تھا اور جس کا تذکرہ صفحات بالا میں آیا اس سے مہاراجہ واقف تھے وہ خوب جانتے تھے اور ھر شخص جانتا تھا کہ لارڈ کرزن اپنی ضد کا پکا ھے۔ وہ اپنی طرف سے اس معاھدے کی تکمیل کرانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گا ۔ لارڈ کرزن نے دوران گفتگو میں حضرت غفران مکان سے کہا کہ

”میں نہیں چاھتا کہ یور ھائنس کو کسی جھوٹی امید میں رکھوں میں نہایت صاف صاف کہدیتا ھوں کہ نہ صرف میری پالیسی یہ ھوگی کہ بلکہ میرے بعد آنے والے وائسرائے کی بھی پالیسی ھوگی اور انگلستان کی حکومت کی بھی یہی پالیسی ھوگی یعنی برار کسی زمانے میں بھی واپس نہیں دیا جا سکے گا “

مہاراجہ بہادر نے زمانے کو دیکھا ریاست کی خامیوں کو دیکھا اور یہ بھی صحیح اندازہ کرلیا کہ برار کی رائے عامہ بھی اس معاملے میں ان کے ساتھ نہ ھوگی ۔ ذرا اس معاملے میں ھچر مچر ھوئی اور اس معاملے نے ھندوستان کے اخباروں میں نزاعی صورت اختار کی تو لارڈ کرزن کی پہلی سیاسی چال یہ ھوگی کہ مرھٹوں کا پریس جو اس وقت اس کو تختہ مشق بنائے ھوئے ھے اس کا رخ حیدرآباد کی طرف پھیردے ۔ خود تلک مہاراج ایسا کرزن کا دشمن اس پر راضی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ برار حضور نظام کی ریاست میں پھر ملادیا جائے اور انگریزی نظم و نسق ختم کردیا جائے ۔ دوسرا تیر جو کرزن کے فتراک میں تھا وہ سکہ و ٹپہ کا تھا سر وقار الامراؑ کے زمانہ وزارت میں چاندی کی خرید و فروخت اور سکہ کی ڈھلائی کا جو نا خوش گوار دور چل رہا تھا اس کے اثرات باقی تھے۔ دبی زبانوں میں خود وراثت کا قصہ کھڑے ھونے کا اندیشہ تھا ۔ ایسے میں وقت کی مصلحت ۔ موقع کی نزاکت ۔ اوراندرونی حالات کا تقاضہ یہ ھی تھا کہ ۲۵ لاکھ کی رقم ھی پر اکتفا کیا جائے اور دوسرے شروں سے محفوظ رکھا جائے ۔ اگر مہاراجہ بہادر کی وزات اس معاملے میں عین دانشمندی اس تصفیہ کو نہ سمجھتی تو برار بھی بلاری کی طرح جاتا اور سکہ اور ٹپہ بھی ۔

من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال

سنہ ۱۹۰۲ع میں کسی کے وھم اورگمان میں بھی نہ آتاتھا کہ آگے چل کر جب برار کا قصہ پھر نکلے گا نوبت ایسے خط تک کی آئے گی جو لارڈ ریڈنگ نے اس معاملے میں حضور نظام کو لکھا اور برطانوی حکومت اورآصفیہ حکومت میں کشیدگی پیدا ھوچلے گی ملک کے حالات نا سازگار اور ناخوش گوار ھونا شروع ھونگے تو جس شخص نے سنہ ۱۳۱۰ف

میں مدارالمہامی کا جائزہ سر وقارالامرا سے لیا تھا وھی سنہ ۱۳۳۶ف میں انکے بیٹے نواب ولی الدولہ مرحوم سے صدارت عظمی کا جائزہ لیے لیگا - مہاراجہ بہادر کے دوسرے دور میں ریلوے کی واپسی عمل میں آئی اور اس کے بعد رزیڈنسی کا علاقہ واپس ہوا اور ۲۳ - اکٹوبر سنہ ۱۹۳۶ع کو برار کا تہہ نامہ پھر ہوا اور یہ قرار پایا کہ صوبہ جات متوسط اور برار کے گورنر کے تقرر میں حضور نظام کی رضا مندی

ضروری ہوگی - برار میں برطانوی پرچم کے ساتھ پرچم آصفی بھی لہرایا جائے گا - حضور نظام برار کی رعایا کو خطابات سے سرفراز فرمائیں گے - مساجد میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جا سکے گا - حضور کا ایک ایجنٹ برار مقرر ہو سکے گا - ولی عہد سلطنت آصفیہ ہز ہائنس پرنس آف برار کے نام سے مخاطب فرمائے جائیں گے -

کسی ہندوستانی ریاست کے وزیر کے کارناموں کو اور خصوصاً اس کی سیاسی داؤں پیچ کو اس معیار سے جانچنا جس سے کہ ایک آزاد ملک کے وزرا کے کارنامے اور تدبیریں جانچی جاتی ہیں کسی طرح مناسب نہیں ہو سکتا اس کی سیاسی اہلیت کتنی ہی بڑھی چڑھی کیوں نہ ہو اس کی نگاہ کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو اسکی عقل کتنی ہی دور رس کیوں نہو اس میں رائے عامہ کو اپنا طرفدار بنالینے کا کتنا ہی مادہ کیوں نہ ہو اس میں کتنی ہی قوت عمل کیوں نہ ہو لیکن اس کا میدان عمل صرف اس دائرے تک وسیع ہوتا ھے جو ریاست کے لئے فارن آفس مقرر کردے - اور اس کا دل و دماغ ان اصلاحات سے زیادہ میں مشغول نہیں ہو سکتا جس کو گورنمنٹ آف انڈیا مناسب سمجھے ان بندشوں اور دقتوں کو جن کو آج کھلم کھلا بیکسی اور بے بسی کی زنجیریں کہہ سکتے ہیں پیش نظر رکھ کر جب ہم مہاراجہ کی سیاسی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ ایک قطعی کامیاب کار فرما ثابت ہوتے ہیں - ناسازگار حالات شورشوں ہنگاموں اور شدت پسندی کے دور میں جو خدمات مہاراجہ نے انجام دیں وہ حیدرآباد کی تاریخ میں ایک زرین باب نظر آئیں گی اون کی مقبولیت عام ضرب المثل ہوگئی - سیاسی عقائد ہرشخص کے جدا ہیں وہ فرماتے ہی نہیں تھے بلکہ اپنی وصیت نامہ میں بھی یہ فقرہ چھوڑ گئے ہیں -

" اپنا فرض منصبی سمجھ کر گورنمنٹ برطانیہ کے بھی وفادار رہو - صاحب‌عالیشان سے مخلصانہ تعلقات محبت موانست قائم رکھو - کیونکہ برطانیہ کے ارباب حل و عقد سے اچھے تعلقات ہماری سلطنت اور رعایا دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہیں -

اور انہوں نے ہمیشہ اس پر عمل کیا - ان کا تمام عمر یہ مسلک رہا تھا کہ جو رزیڈنٹ آتا اوسکو نہایت خندہ پیشانی اور صاف دلی سے خوش آمدید کہتے اور اسکو بڑی دھوم دھام سے دعوت دیتے اور جاتے وقت اسی دھوم دھام سے رخصتی ڈنر دیتے اور اس کی مفارقت پر اشک بار ہوتے تھے اس سے خانگی تعلقات خط و کتابت قایم رکھتے تھے - دسمبر کے مہینے میں ان کا محبوب مشغلہ ایسے پرانی جان پہچان والے انگریزوں کو انگلستان کرسمس کے تحفے روانہ کرنا تھا - باوجود اس انگریز دوستی اور شاہ پرستی کے وہ پولیٹکل

لیڈروں سے ملتے ہوئے دوسرے امراء کی طرح جھکتے نہ تھے البتہ اپنی طرف سے سبقت نہ کرتے تھے اگر کوئی ان سے ملے تو اس سےنہایت آزادی سےملتے تھے۔ سر محمد اقبال سے تو انکے شاعرانہ برادری کی حیثیت سے پرانے تعلقات تھے ۔ سولانا محمد علی سے بھی انہوں نے ملنے میں دریغ نہیں کیا اور انکو اسٹیشن پر ناشتہ اور تحفے بھیجے مہاراجہ بہادر کی سیاسی زندگی میں بھی خانگی زندگی کی طرح ہندو مسلمان کا سوال نہ تھا جب بیرونی تحریکیں حیدرآباد میں آئیں اور ہندو مسلمان کا سوال اٹھنا شروع ہوا تو انہوں نے فرمایا

'' تم دریائے راوی میں طوفان پیدا کرلو مگر موسی
اور عیسی کےسنگم میں افتراق پیدا نہیں کر سکتے ،،

جو سیاسی چنگاریاں جن کو تقاضائے وقت کہو یا مفسدہ پردازی انکے دور حکومت میں دبی ہوئی تھیں وہ ان کے باب حکومت سے علحدہ ہوتے ہی بھڑک کر خاصہ شعلہ بن گئیں ملک میں افتراق اور انتشار اوران کے بد نتایج جو پیدا ہونا شروع ہو گئے اون کو دیکھ کر مہاراجہ بہادر سے چپ نہ رہا گیا تو انہوں نے ایک مضمون '' ہندو بھائیوں سےخطاب،، کے عنوان سے شایع کیا ۔ جس میں انہوں نے تحریر فرمایا کہ

''میں حسباً و نسباً ہندو ہوں لیکن اس اسلامی حکومت میں وہ تمام اعزاز مجھکو عطا کئے گئے ہیں جو اسلامی حکومت کے لئے مخصوص ہیں ۔ جو مراحم و الطاف مجھ پر اور میرے ہندو خاندان پر اب تک مبذول ہیں اس پر مسلمان امرائے عظام بھی رشک کرتے ہیں ،،

آگے چل کر فرمایا تھا کہ

'' ہماری صرف لفظوں میں غلامی ان کی خطر ناک آزادی سے بدرجہا بہتر ہے۔

اگر اسکو بیرون ملک کے باشندے غلامی سمجھتے ہیں تو اس پر ہزاروں آزادیاں قربان کی جا سکتی ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر یہ غلامی ہے تو دنیا میں آزادی کا صحیح تصور کبھی پیدا ہی نہیں ہوا ،،

آج جب ہم ان فقروں کو پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اظہار خیال نہیں تھا بلکہ پیشین گوئی تھی جو آج لفظ بلفظ پوری اوتری ۔ ہماری غلامی صرف لفظوں کی حد تک تھی اورآزادی نہایت خطر ناک ثابت ہوئی ۔

ان کے نزدیک ملکی اور غیر ملکی کا تصور ۔ مذہب اور مسکن کی بناء پر نہ تھا وہ وہ فرماتے تھے کہ

''جو مالک اور ملک کی خدمت اہلیت دیانت اور درد سے کرے اور انسانوں کی خوشنودی کو ترجیح دے وہ سچا ملکی ہے عام اس سے کہ عرف عام میں وہ غیر ملکی ہو اور وہ

ملکی بدترین غیر ملکی ہے جو ذاتی اغراض کو ملک کے مفاد پر ترجیح دے - یہی کسوٹی ہے جس پر میں شخصیتوں کو کستا ہوں ''۔

انہیں ہندومسلمان روایات اور مشرقی ثقافت کا سنگم کہنا بیجا نہ ہوگا وہ اپنے دور اول میں ہی یہ فرماتے تھے کہ

'' ریاست حیدرآباد میں جبتک ہندو مسلم اتحاد و اتفاق ہے اس وقت تک ریاست نیک نام رعایا میں امن و سکون اور مالک کی شہرت میں فرق نہیں آسکتا اس اصول کے خلاف جب کبھی عمل ہوگا بیچینی اور اضطراب رونما ہوگا '' -

آج سے نہیں بلکہ افلاطون کے زمانے سے آزادی پر حکما اور سیاست کے ماہر اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے چلے آئے ہیں اور آزادی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے دور حاضر کی آزادی کے متعلق جو بے وقت کی شہنائی بجتی چلی آرہی ہے وہ مہاراجہ کے نزدیک

فراغت کی مشت خاک کو اوڑا دینے والی آندھی ہے
اونہوں نے آزادی کا یہ تصور پیش کیا ہے کہ

''در اصل سچا آزاد وہی عالی حوصلہ خوش وقت بلند بخت بندہ ہے جو صفت راستی اور راست بازی سے متصف ہو اور ثانیاً طمع و حرص کو اپنے دل سے دور کرچکا ہو ''۔

اس دور میں نہیں بلکہ سنہ ۱۹۰۵ع میں مہا راجہ بہادر نے آزادی پر ایک مقالہ لکھا تھا اس میں فرماتے ہیں

''جو سچا آزاد ہے وہ قیود طبعی اور تمدنی سے پریشان نہیں ہوتا اور نہ ان کو اپنی آزادی کا مانع و مخل سمجھتا ہے ''۔

اس زمانے کے انگریزی تہذیب کے دلدادہ لوگوں پر جو آزادی کا راگ الاپ کر پرانی تہذیب اور شائستگی کو قیود بیجا سے تشبیہہ دیتے تھے کس نفیس پیرایہ میں طنز کیا ہے۔

''آزادی اسکے معنی نہیں کہ صبح اٹھتے ہی چھوٹی حاضری کھائی دو پہر کو بریک فاسٹ سہ پہر کو چائے شب میں ڈنر اور پھر سلیپنگ سوٹ پہن کر بیڈ روم میں گئے اور دراز ہوگئے یا یہ کہ وسکی سوڈا پیا - شامپین کی بوتل خالی کی - دو درجن سگریٹ کا دھواں اڑایا ''۔

مہا راجہ بہادر کی سیاسی نظر کتنی دور بین تھی اس کا اظہار اس ایک فقرے سے ہوتا ہے جو مہا راجہ بہادر نے سر محمد اقبال کو اپنے خط مورخہ ۴ - جنوری سنہ ۱۹۲۷ع میں لکھا تھا -

"مگر میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد کے معاملات اس مرکز سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں جہاں پر ان کو فقیر نے ایک دن پیچھے چھوڑا تھا"۔

گذشتہ پندرہ سال کی پوری کیفیت اس ایک فقرے کی تفسیر ہے ۔

مہاراجہ بہادر کے مذہب کے متعلق جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہیں کوئی اونہیں کبیر مترا کہتا ہے تو کوئی نانکی ۔ کوئی ملحد و مشرک کوئی بھرشٹ ۔ کوئی نظامی کوئی صابری کوئی چشتی کوئی قادری ۔ ایسی باتیں انکے کانوں تک ضرور پہونچتی ہونگی جبھی تو اونھوں نے کہا ہے :—

میں آئینہ ہوں نظر مجھ سے جو ملاتا ہے
وہ جیسا آپ ہے ویسا ہی مجھکو پاتا ہے

جسنے انکی تصانیف کو دیکھا ہے اور صوفیانہ اشعار پڑھے ہیں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اونھوں نے تقابلی مذاہب (Comparative Religion) کا مطالعہ غور سے کیا ہے اور بہت سی چیزیں جو اصولی ہیں سب مذہبوں میں پائیں مثلاً مسلمانوں کو اپنے جہاد کے مسئلہ پر بڑا ناز ہے کہ جیتے تو غازی مرے تو شہید ۔ بھگوت گیتا میں بعینہ یہ مسئلہ موجود ہے سری کشن مہا راج اور ارجن کے دوسرے مکالمہ کو پڑھ لیجئے اوسکے سینتیسویں فقرے میں ہے ۔

"اگر مارا گیا تو بیکنٹھہ پائیگا ۔ جیت کی صورت میں تو دھرتی پر عیش کریگا ۔ اس لئے اٹھ اے کنتی کے لڑکے اور لڑائی کا ارادہ کرلے"۔

ہر مذہب اور ملت کے لوگوں کی دھیان اور گیان کی باتیں سنکر جو نقوش بچپن اور جوانی میں انکے دل پر جمتے گئے ان کا اظہار بھی انہوں نے کیا اور اس کا عمل بھی ۔ اس معاملے میں خود مہاراجہ بہادر کی مندرجہ ذیل رباعی قول فیصل کا حکم رکھتی ہے ۔

اللہ یکے ہست ہمیں ایمانم * احوال دگر مذہب و ملت دانم
توحید بود مرکز ایمانم شاد * کافر تو مگو مرا موحد خوانم

جو اونھیں اچھی طرح جانتے ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ وہ اپنے آبائی مذہب پر قایم تھے اور اپنے سورج بنسی کھتری ہونے پر ہمیشہ فخر کرتے تھے ۔ البتہ وہ ہر مذہب کے بزرگان دین سے عقیدت رکھتے تھے ۔ ان کے نزدیک مذہبی اختلافات کی جڑ

چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

تھی ۔ یہ اس ماحول کا غیر شعوری اثر تھا جس میں اونھوں نے پرورش پائی تھی ۔ اور اس مشترکہ تہذیب کا نتیجہ تھا جس پر اکبر کی عظمت کا مدار ہے ۔ انکے یہاں جب مذہبی صحبتیں ہوتیں تو ان میں ہر مذہب و ملت کے لوگ جو انکے دربار

میں جگہ پائے ہوئے تھے شریک ہوتے - ایسی صحبتوں نے کبھی مناظرے و مباحثے کی صورت اختیار نہیں کی جو مسئلہ ہوتا خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کرنے والا بیان کردیتا جب مہا راجہ زیادہ متاثر ہوتے تو سبحان سبحان کہتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آھستہ آھستہ ھوھو کرنے لگتے - ایک صاحب کے متعلق مولوی فرحت اللہ بیگ صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ وہ مہا راجہ کو نہایت سختی کے ساتھ لامذھب سمجھتے تھے - ایک مرتبہ ان صاحب کو مرزا صاحب مہا راجہ مرحوم کی خدمت میں باریاب کرنے کے لئے لیگئے - اتفاق سے اس صحبت میں مذھی رنگ کی گفتگو چھڑ گئی یہ صاحب حاضرین کا جائزہ آنکھوں ھی آنکھوں میں خاموش بیٹھے لیتے رہے اونھوں نے مہا راجہ بہادر کی یہ کیفیت بھی دیکھی کہ پہلو پرپہلو بدل رہے ھیں - یہ دیکھ کر انھوں نے اپنی رائے بدل دی جب مرزا صاحب نے اون سے وجہ دریافت کی تو کہنے لگے :-

”میں نے دیکھا کہ جب کشن مہاراج کا ذکر آیا تو مہا راجہ بہادر کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک آگئی اور انکے چہرے پر مسرت کی سرخی پھیل گئی“۔

سر محمد اقبال کو بھی حیدرآباد اور جب مہا راجہ پنجاب گئے تھے تو لاھور میں ایسی صحبتوں میں شریک ہونے کا اتفاق ھوا ھے اور ان کا خیال ھے کہ مہا راجہ پر فلسفہ وحدۃ الوجود کا خاص اثر تھا - مہا راجہ بہادر کے متعلق اونھوں نے فرمایا ھے :-

ھے یہاں شان امارت پردہ دار شان فقر
خرقہ درویشی کا ھے زیر قبائے زر نگار

مولوی مسعود علی محوی کو بہت زیادہ مہا راجہ مرحوم کی عام اور خاص صحبتوں میں رہنے کا اتفاق ھوا ھے اونھوں نے مہا راجہ کی شان میں مرثیے کے طور پر ایک ترجیع بند لکھا ھے جس کے ایک شعر کا یہ مطلب نکلتا ھے کہ انکے مذھب کے متعلق غلط فہمی عام تھی -

زمیں میخواست گیرد درکنارش * فلک در فکر غسل آتشیں بود

خواجہ حسن نظامی فرماتے ھیں کہ اون سے مہا راجہ بہادر سے یوں تو دھلی دربار میں جو جارج پنجم کا ھوا ملاقات ھوچکی تھی لیکن جب وہ سنہ ١٩١٣ع میں حیدرآباد آئے تو مہا راجہ نے ان سے فرمایا کہ یوں تو وہ سلسلہ قادریہ میں حضرت چندا صاحب کے ھاتھ پر بیعت کرچکے ھیں اب انکے ھاتھ پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت کرنا چاھتے ھیں - اور اونھوں نے بیعت قبول کرلی - مہا راجہ کی دیوڑھی میں خاص خاص لوگوں کی موجودگی میں ھر ماہ ھلالی کی ٦ - تاریخ کو قوالی بھی ھوتی تھی اور خواجہ بندہ نواز حضرت معین الدین چشتی کی نیاز بھی - وہ حیدرآباد میں اور حیدرآباد کے باھر جہاں جاتے فقرا اور اولیا اللہ کے مزاروں پر حاضری دیتے لیکن یہ دستور ھندوستان میں کئی صدیوں سے رائج ھوچکا تھا فقرا کی بیعت اور علمائے کرام کی بیعت میں فرق پیدا ھوچکا تھا - اسلامی صوفیوں اور ھندو دھرمی ویدانتیوں سے عقیدت رکھنے والے

مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی اور یہ سلسلہ اکبر اعظم سے کہیں پہلے سے چلا آرہا تھا اور یہی معاملہ مہا راجہ بہادر کی عقیدت کا بھی تھا - ان بیعتوں کی بناء پر یہ کہنا محال ہے کہ یہاں تک مہا راجہ مسلمان تھے- وہ اتنے ہی ہندو تھے جتنے کہ مہاراجہ نرندر پرشاد اور چندو لال یا ان سب کے مورث اعلےٰ راجہ ٹوڈر مل -

جمعدار بہادر خاں مرحوم جو آگے چل کر نواب بہادر یار جنگ کے خطاب سے ممتاز ہوئے اور پھر اس کو چھوڑ کر قائد ملت بنے ان کے مذہب کے متعلق فرماتے ہیں کہ

"دسہرہ دیوالی میں ہندو پنڈت پھول اور میوے کی تھالیوں کے ساتھ آتے ان کی پیشانی پر قشقہ لگاتے اور اپنے مذہبی اشلوک پڑھ کر ان پر دم کرتے اور وہ ایک سچے بھگت کی حیثیت سے اس کو قبول بھی کرتے - ابھی چند لمحے نہیں گذرنے پاتے کہ ان کی زبان سے قرآن مجید کی آیتیں پھول کی طرح جھڑنے لگتیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مسلمان کے سوا کچھ اور ہیں۔"

مہاراجہ بہادر کے مذہب کے متعلق بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن حیدر آباد کے دور حاضر کے جوان شاعر وجد نے اس بارے میں جو کہا ہے وہ شاعری کے تخیل سے نکل کر مہاراجہ کے مذہبی زندگی کا اصلی مرقع بن گیا ہے-

"قوم کہتی ہے تجھے غازی تفریق شکن"

مہاراجہ کا مذہب انسانیت کے ایک پاک مقصد کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ انسانیت کو ایسے بلند مقام پر پہونچاتا ہے جہاں امیر و غریب - شاہ وفقیر کا فرق نہ ہو - جہاں صرف امن اور شانتی کا دور دورہ ہو - جب مہاراجہ ہردوار گنگا جی میں اشنان کرنے کو گئے وہاں انہوں نے یہ دعا مانگی -

"مجھ میں اے پربھو دھنتائی دے جیسا کہ اس دریا کو تونے عطا فرمائی ہے کہ برے بھلے - پاپی - کشٹ - برھمن - چھتری - ویش - شدر سب کو ایک سمجھتی ہے ایک دیکھتی ہے اور سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتی ہے ویسا ہی میرا من ہوجائے -"

"اے داتا جس طرح اس کو تونے فیض پہونچانے کے لئے پیدا کیا ہے مجھ جیسے ناقص غریب مخلوق سے تواپنی مخلوق کی اطاعت لے اور مجھے خدمت گزاری کی عزت دے میں جب تک زندہ ہوں عبادت اور مخلوق کی خدمت میں فرق نہ سمجھ کر ہردم ہروقت تیری اسطرح اطاعت کروں کہ اپنی ہستی کو تیری ہستی کی نذر کردوں مجھ میں کوہ ہمالیہ کی طرح استقلال دے کہ تیری بلاؤں پر صابر رہکر تیری نعمتوں کا شکر گزار رہوں - جس طرح دریا کا پانی خس و خاشاک کو بہادیتا ہے ویسے ہی میرے دل سے کدورت - بغض - حسد - کینہ - رشک - تعصب و نخوت اور غرور کے خس و خاشاک کو اپنے دریائے کرم کی موج سے بہادے -"

جوعقیدت مہاراجہ کوسری کرشن جی سےتھی وہاں کی بلند پایہ مثنوی ''جلوہ کرشن،، سے ہویدا ہے۔ اس سے ان کے صحیح جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ گرو گوبندسنگھ کی توصیف و ثناء میں انہوں نے زور قلم دکھایا ہے۔ مگر کلام کے پرکھنے والے پرکھ لیتے ہیں کہ آمد کہاں ہے اورآورد کہاں۔ مہاراجہ خود فرماتے تھے کہ میری گھٹی میں عقیدت کا پٹ پڑا ہے۔ اکثر مہاراجہ پر یہ اعتراض کیا گیا کہ مسلمان بزرگوں کے ساتھ ان کی محبت مصنوعی ہے اور نمایش کی خاطر اونھوں نے یہ روپ بھرا ہے۔ یہ باتیں ان کے کانوں تک پہونچیں اونھوں نے جو جواب دیا وہ جواب نہیں بلکہ فطرت انسانی کی توضیح ہے۔ فرماتے ہیں کہ

''عقیدت اور محبت کسی کےساتھ بناوٹی اور مصنوعی نہیں ہوتی پہلے ہی سے فطرت میں یہ چیزیں خدا کی جانب سے ودیعت ہوتی ہیں۔ میری عقیدت بزرگان ربالعزت اور بزرگان دین محمدی کے ساتھ سن بلوغ کے پہلے ہی سے تھی۔ اسوقت مجھے کونسا مدار المہامی کا تاج سرپر رکھنا تھا اورکونسی امارت کی آرایش اورزیباش منظور تھی اورکس ملک گیری کے نظم و نسق کی طرف دل مائل تھا،،
'' یہ اعتراض تعصبانہ کہ بزرگان اسلام سے کیوں عقیدت ہے یا یہ عقیدہ نمائش اور خود غرضی کے ساتھ ہے ایساسمجھنے والوں سےخدا سمجھے — دوستی، محبت اور عشق کے لئے قیود اور مذہب کی پابندی اور تفریق ملت بوالعجبیست،،

مہاراجہ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ موحد تھے۔ تصوف میں اونھوں نے کافی تحقیقات کی تھیں اور انہوں نے بڑے بڑے صوفیوں کے حالات زندگی اور ان کے اقوال سے واقفیت حاصل ہی نہیں کی تھی بلکہ اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی تھی وہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی ذات کسی مذہب کسی قوم اورکسی خاص فرقہ کی طرفدار نہیں ہے اور نہ خدا کسی قوم اور مذہب کا ہے۔

مہاراجہ کی شاعری کا ذکر اپنے موقع پر آئیگا اسی سلسلے میں ان کے چند اشعار جو بہت مقبول عام ہوکر لوگوں کی زبانوں پر چڑھ گئے یہاں نقل کئے جاتے ہیں جس میں اونھوں نے اپنی حقیقت کو عارفانہ رنگ میں پیش کیا ہے۔

باغ میں گل ہوں گل میں بوہوں　　خندۂ جام جوش سبو ہوں
سوز کہیں ہوں ساز کہیں ہوں　　راز کہیں ہمراز کہیں ہوں
ہستی میری شان خدا ہے　　روح میری فرمان خدا ہے
میں ہوں شہود سر حقیقت　　راہ رو مبداۓ طریقت

مہدی نواز جنگ بہادر نے اس دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے اور سیدھے سادھے فقروں میں مہاراجہ کے مذہب کے متعلق سب کچھ کہدیا ہے کہ

مہاراجہ کا مذہب انسانیت

اور

پریم ان کا مسلک تھا

جنگ عظیم کے قبل مورخ اور اخبار نویس سب اس اصول پر کاربند تھے کہ پبلک کو کسی کی خانگی زندگی سے کوئی سروکار نہیں - عام بحث و تنقید اس کی پبلک لائف کی حد تک رہنا چاہئے چنانچہ آج بہت ہی کم گذشتہ صدی کے مشاہیر ایسے ہیں جن کے متعلق ہمیں ان کے پبلک خدمات - علمی اور فنی مشاغل سے زیادہ کا پتہ چل سکے - گذشتہ تیس سال میں مشاہیر کی خانگی زندگی بھی منظر عام پر آ گئی ہے چونکہ حسیات ذھنی اور واردات قلبی کا اثر محض کسی شخص کے عوام سے تعلق رکھنے والے افعال ھی پر نہیں پڑتا اور تصنع و خلوص کے معلوم کرنے کا مدار اسی پر ہے کہ اس کے کردار کے اس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے جو عوام سے پوشیدہ اور اس کی گھریلو زندگی سے متعلق ہے - اس لئے اب بڑوں کی خانگی زندگی بھی معرض بحث میں آ گئی ہے - خود مہاراجہ بہادر پر ان کی زندگی میں ہی ان کے مذھب کی طرح ان کی خانگی زندگی پر چہ میگوئیاں کی گئی ھیں - مہاراجہ بہادر کو اپنے سورج بنسی ہونے پر بڑا فخر تھا وہ رام چندرجی کی نسل میں پیدا ھونے پر بڑا ناز کرتے تھے - رام چندرجی کے پتاجی کی کثرت ازدواجی کا جو خمیازہ رام چندرجی کو بھگتنا پڑا اس کے مد نظر ان کی حد تک تو یک زوجگی کا عمل رہا لیکن پھر وھی کثرت ازدواجی جاری رھی اور آج تک ہے مہاراجہ کثیر الاولاد اور کثیر الزوجات تھے ان کی تین ھندو اور چار مسلمان محل تھے جن میں سے ھر ایک کو انہوں نے قانونی - اخلاقی - اور خاندانی رواج کے مطابق زوجگی کا درجہ دیا تھا - وہ دولت اولاد سے مالا مال تھے ان کے پندرہ لڑکے اور پندرہ سے زیادہ لڑکیاں تھیں - بچوں میں سے نو ھندو اور چھ مسلمان تھے لڑکیاں بھی اپنی اپنی ماں کے مذھب کی پابند تھیں - انکو دس لڑکوں اور چند لڑکیوں کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا - اور پانچ بیویوں کی لاش پر آنسو بہانا پڑے - ان صدموں نے اونہیں بہت رقیق القلب بنادیا تھا دوسروں کو غمگین دیکھ کر خود اداس ھو جاتے تھے انکی پیرانہ سالی میں چھوٹی رانی تو اونہیں ایسا غم دے گئیں کہ وہ مجاھد غم بن گئے -

پھر ان کا ھر شعر غم کی دنیا　　الم کی دنیا ستم کی دنیا
فسانہ غم سنا سنا کر　　مجاھد غم بنا رہا تھا

تہذیب و تمدن کی ارتقاء کی تاریخ کو دیکھنے کے بعد کسی کو اس نتیجہ پر پہونچنے میں پس و پیش نہ ہوگا کہ تہذیب جنسی احساس کو ابھارتی رھی ہے - اور جو آزادی اور برابری عورت اور مرد کو ایک وحشی قوم میں تھی مہذب قوم میں نہیں ملی تہذیب ھی کے ساتھ زن - زر - زمین - ملکیت بن گئے اور عورت اپنے پیدایشی درجے سے اتر کر اثاث البیت بن گئی - مارکس نے کہا ہے کہ انسان کی زندگی میں دو ابتدائی اور ضروری چیزیں ھیں جن سے کبھی نجات نہیں مل سکتی - غذا اور احساس جنسی - ایسے سماج میں جہاں ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لئے کاوش و محنت کرنا پڑتی ہے غذا ہمیشہ خواھش جنسی پر غالب رہتی ہے ایسے سماج میں جیسے مذھب کہلائے جانیکا فخر حاصل ہے اور جس کے اراکین کے سامنے روٹی کمانے کا سوال نہیں ھوتا اور دولت کی افراط ھوتی ہے وھاں جنسی خواھش سب پر غالب رہتی ہے - ایسے سماج کے افراد کو

جس میں جنسی احساس بڑا ہوا ہو اور کثرت ازدواج معیوب نہ سمجھا جاتا ہو برھمچاریت یا زاھدخشک کے نظرئے سےجانچنا عبث ھے۔ ایسے تجزئے نہ ان کی سوسائٹی میں ان کو ذلیل کرتے ھیں اور نہ وہ اپنے حلقے سے باھر والوں کی رائے سے متاثر ہوتے ھیں یہ کلیہ ھے کہ انسان اپنے میلان طبع اور اپنی صلاحیت کے مطابق خیال کرتا ھے اور اپنی استطاعت اور اون عقیدوں کے مطابق جو اسکے دل و دماغ میں سرایت کر جاتے ھیں گفتگو کرتا ھے ۔ لیکن اس کا عمل رسم و رواج ھی کا پابند رھتا ھے اسکی سوسائٹی کا ماحول اسکو اپنے حلقے میں لئے رھتا ھے۔ اگر ھم اس کے افعال کا مبصرانہ تجزیہ کریں تو اس میں انفرادی افتاد طبع کے تحت بلا قصد و ارادہ صادر ہونے والے افعال کم ملیں گے اس کے افعال میں رسم و رواج اور محض سوسائٹی کا شعور ھی شعور ہوگا۔ اخلاق کو کتنا ھی اونچا لیجایئے مگر انسانی فطرت قائم رھے گی ۔ پانی کو کتنا ھی ابالئے ایک آتشہ دو آتشہ سہ آتشہ مگر پانی پانی ھی رھیگا شراب نہ بنے گا ۔ اخلاقیات کی بہتر سے بہتر پوشاک انسان کو پہنا دو مگر اس کے اندر وھی پرانا گندم ۔ حوا ۔ اور شیطان والا آدم رھے گا ۔

مہاراجہ کی جنسی زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ھے کہ فطرت نے ان پر بڑا ظلم کیا تھا ان کے دل میں درد بھر کر امیر گھر میں پیدا کر دیا ۔

اونہوں نے امیر گھرانے کی روایات قائم رکھیں جس ماحول میں وہ پیدا ہوئے اس میں صدیوں پہلے ایک زوجگی کے مدفن پر عورت کے حسیات رقابت چڑھائے جاچکے تھے اور کثرت ازدواج کا دور دورہ تھا رانیوں اور بیگموں کے علاوہ حرم اور داشتہ کا لوازمات امیری میں شمار تھا ۔ یہ تو عیش پسندی کے وہ سامان تھے جو محل کی چار دیواریوں میں مقید اور محض تنہائی کے لئے تھے۔ محفل احباب میں امراء کی جنسی کثرت پسندی کی ہوس بجھانے کے لئے ارباب نشاط تھے ۔ ظاھر ھے کہ ایسا عمل جنسی عیش پسندی کے دائرہ سے نکل کر محبت کے پاک حدود میں داخل نہیں ہو سکتا ۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ھے ۔ محبت ، برابری اور احترام اور دونوں طرف سے قربانی چاھتی ھے لیکن جہاں عورت کو محض اثاث البیت سمجھا جائے جہاں عفت اور عصمت کی نگہبانی قید و بندش ہو ۔ التفات و و مراعات محض نفسانی خواھش کی خاطر ہو اور طبیعت پر عیش دوستی غالب ہو وہاں محبت کا فقدان لازمی ھے۔ اس کلیہ کے خلاف مہاراجہ نے اپنی فطری سرشت سے مجبور ہو کر کیا تو مگر وہ پوری زنجیریں نہ توڑ سکے ۔ انہوں نے خود کو حرم اور داشتاؤں سے تو محروم رکھا مگر متعدد شادیاں کیں ۔ وہ محبت کی برا بر برابر تقسیم کرنے میں کامیاب ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں مگر جہاں تک احترام و مراعات کا دخل ھے اونہوں نے اپنی شرکائے زندگی کو برابر رکھا ۔ رشک ۔ حسد ۔ جلاپا ۔ آپس کی سازشوں نے ان کے محلوں میں جگہ نہیں پائی ۔ اور اپنی اولاد میں خلوص و محبت کا رنگ بھر کر وہ انسانیت پیدا کردی تھی جو امیروں اور رئیسوں میں اگر عنقا نہیں تو کمیاب ضرور ھے۔

جاگیر دارانہ نظام کی پابندی میں جیسے امراء کے یہاں نوبت نقارے شہنائی ہوتی ھے ویسے ھی ارباب نشاط بھی ۔ جس طرح وقت مقررہ پر نوبت جھڑتی ھے اور شہنائی

بجتی ہے اسی طرح رات کی خاص صحبتوں میں ارباب نشاط ۔ دعوتوں اور تہواروں میں رقص و سرود کی محفل ایک دستور سا ہے جس کو مخرب اخلاق کہنا نادانی ہے ۔ اس دستور کی پابندی مہاراجہ مرحوم کے یہاں بھی تھی ۔ ہندوستان کی عظمت کو مٹانے اور اسکی تہذیب کو گرانے میں ہمارے کرم فرماؤں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے ۔ فیوڈل زمانے کی یادگاریں ریاستیں اور جاگیر قائم رکھنا اور یہ بھول جانا کہ یورپ کی فیوڈل امراء اور بادشاہ ہمارے امراء سے بدتر تھے عجب تماشے کی بات ہے ۔ ہمارے رقاصہ اور مغنیہ کو چاہے وہ کسی امیر کی زینت محفل ہو یا مندر کی داسی رنڈی کے نام سے موسوم کرکے صرف موسیقی ایسے پتر فن کی توہین نہیں کی گئی ہے بلکہ نسائیت کو ذلیل کیا گیا ہے ۔ جسکو ہمارے یہاں طوائف یا ڈیرہ دار کہتے ہیں اسکی مائل پیشہ ور کو انگریزی میں کورٹیزن کہتے ہیں محض ایک غلط لفظ پراسٹی ٹیوٹ یا رنڈی ایسے موسیقی پیشہ عورتوں کے لئے استعمال کرکے ہمنے اپنے ملک کی گانے والیوں کو خود قعرمذلت میں گرادیا ہے ۔ اور عورت ہو یا مرد دونوں ہماری رقاصہ اورمغنیہ کو نفرت یا افسوس و ترس کی نگا سے دیکھنے لگے ہیں ۔ ورنہ گانے اور ناچنے والیوں کا ہر ملک میں احترام کیا گیا ہے ۔ لارڈ ایوری کہتے ہیں کہ ایک زمانے میں بعض قومیں ایسی تھیں جن میں ایسی عورتوں کی نشست قانوناً شادی شدہ عورتوں سے بلند تھی ۔ ایسی عورتوں کا ایتھنس میں بڑا مرتبہ تھا اور یہی برتری انہیں ویسلی میں حاصل تھی ۔ مندروں میں گانے والیاں ہر زمانے اور ہر ملک میں احترام کی مستحق تھیں ۔ اسٹریبو کی تحقیقات کا ماحصل یہ ہے کہ جو لڑکیاں مندر میں چھوڑدی جاتی تھیں انسے اونچے اونچے درجے کے لوگ شادی رچاتے تھے ۔ سیلون میں بھی یہی حال تھا ۔ سیمنر نے لکھا ہے کہ سیزروں کے زمانے میں جو تھیبیا کے امیر گھرانوں میں سب سے خوبصورت لڑکی ہوتی وہ آمان کے مندر پر چڑھادی جاتی وہ آزاد زندگی گا بجا کر بسر کرتی دولت بھی کماتی ۔ عزت کی نظر سے دیکھی جاتی اور جوانی ڈھلتے ڈھلتے کسی بڑے آدمی سے شادی کرلیتی ۔ سولھویں صدی عیسوی تک سوئس کے مشہور شہر زیورچ میں یہ دستور تھا کہ جب باہر سے کوئی بڑا آدمی آتا تو اسکی خاطر تواضع کرنے کے لئے شہر کے حکام وہاں کی سب سے خوبصورت اور شائستہ مغنیہ کو اپنے ساتھ رکھتے جو میز پر انکے برابر بیٹھکر مہمان داری کے فرائض انجام دیتی جیسا کہ ہندوستان میں ہے وہی عمل کہ زوجہ گھر کی رانی بنی گھر میں بیٹھی رہے یورپ میں صدیوں رہا ہے ۔ مشہور مغنیہ ایس پے شیا جس سے پیر یکلس نے بعد کو شادی کرلی ۔ حکیم سقراط کی مد نظر تھی ۔ آرچے نیسا کا نام افلاطون کے ساتھ لیا جاتا ہے ۔ ڈیموستھنیز نے اپنی ساری کمائی ہوئی دولت لائس پر خرچ کر ڈالی تھی ۔ یونان اور روم کے عروج کے زمانے میں ایسی عورتیں بڑی دعوتوں اور تہواروں کی زینت بڑھاتی تھیں ۔

یوروپین تہذیب کے وارفتگان ہماری تہذیب اور ہمارے امیروں کے درباروں میں طوائفین کو دیکھکر روزامینڈ اور هنری دوم ۔ جین شور اور ایڈورڈ چہارم ۔نیل گوئین

اور چارس - میدام دو بیرے اور فرانس کے پندرھویں لوئس وغیرہ کو بھول جاتے ھیں چونکہ مہاراجہ نے موسیقی کو بطور آرٹ کے خود بھی سیکھا تھا اور انہیں نرت بھاؤ اور پرانے دیوتائی رقص سے خاص واقفیت تھی اس لئے اس فن کے واقف کاروں سے انکو دلچسپی تھی اور وہ انکی قدر کرتے تھےجس طرح تک بند شاعر - چھوٹے فقیر بےعلم نجومی رمالوں کا انکے یہاں گذر تھا ایسی ویسی مغنیہ بھی انکا وقت ضائع کر تیں اور انعام لے کر رخصت ھو جاتی تھیں - مہا راجہ خود تکلیف برداشت کرلیتے تھے مگر کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ لگنے دیتے تھے - اکثر ناٹک ڈرامہ تھیٹر والے انکی خدمت میں حاضر ھوکر اونھیں اپنے کھیل تماشوں میں آنے کی دعوت دیتے - ایسے موقعوں پر بعض اوقات اونھیں کوفت ھوتی اور جن لوگوں کو انکے ساتھ جانے کا اتفاق ھوتا وہ ان سے واپس ھونے کی خواهش کرتے مگر وہ یہ کہکر ٹال دیتے کہ اگر فقیر بیچ میں سے اٹھہ کر چلا گیا تو ان کا دل ٹوٹ جائیگا - اگر نغمہ سریلا ھو اور الفاظ خواہ کسی زبان کے ھوں مگر پر معنی تو ان پر خاص اثر ھوتا تھا اور ان کی کیفیت انکے چہرے سے نمایاں ھو جاتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک قوال نے انکے سامنے محوی صاحب کی ایک غزل گائی جسکاان پر بہت اثرھوااورجب اوس نےیہ آخری شعرگایا :-

بصحرائے عدم آباد بر ہر نقش پا محوی
بیاد کارواں ھائے گذ شتہ نا لہا کردم

تو مہا راجہ مرحوم پر سخت رقت طاری ھوگئی - ادب کی محفل ھو یا رقص و سرود کی یا صبح کا عام دربار ہر طرح کی صحبت میں اونھیں آداب محفل کا بہت خیال رھتا تھا اور ان صحبتوں میں شریک ھونے والے کچھ نہ کچھ سیکھ کر ھی اٹھتے تھے - خواہ کتنی ھی مخصوص صحبت کیوں نہ ھو کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ کوئی رکیک فقرہ استعمال کرے بعض وقت پھبتیاں بھی ھوتی تھیں اور فقرے بھی مگر شائستگی کا پہلو لئے ھوئے - جن لوگوں کو انکی رقص و سرود کی محفلوں میں شامل ھونے کا موقع ملا ہے وہ ھی جانتے ھیں کہ ایسی محفلیں ایک طرح کی پرانی تہذیب کی تقلید میں آرٹ کی سر پرستی تھیں نہ کہ عیش و سرمستی کی انجمنیں -

مہاراجہ کی تعلیم و تربیت امرا گھرانے کے مطابق ھوئی تھی اور وہ فنون سپہ گری سے خوب واقف تھے - اونھوں نے اپنے ابتدائی حالات خود قلمبند کئے ھیں وہ بجنسہ اس کتاب میں درج کئے جاتے ھیں تا کہ ان کا طرز تحریر بھی معلوم ھوسکے- اور استعداد علمی اور اس محبت خلوص اور احترام کا بھی پتہ چل سکے جو ان کو اپنے استادوں اور ھم جلیسوں کے ساتھ تھی مہا راجہ مرحوم کے حالات زندگی موجودہ اور آنے والی نسل کےلئے نہایت دلچسپ ھیں - مفید اور سبق آموز بھی - نہ صرف اس وجہ سے کہ وہ دکن کی ایک بڑی ریاست کے پیشکار - مدار المہام - اور پھر بڑھاپے میں صدر اعظم رہے ھیں بلکہ وہ ایک ایسے نازک دور میں پیدا ھوئے جب پرانی تہذیب دم توڑ رھی تھی اور نئی تہذیب اور نیا دور اوسکی جگہ لے رھا تھا مہا راجہ کو خود

بھی اپنی جوانی سے اسکی آرزو رھی کہ انکے آباء واجداد نے جو ناموری اور عزت حاصل کی ھے اور جو ملک اور قوم کی خدمت میں حصہ لیا اور جو اون کے گھرانے کا مسلک رھا ھے وہ ضبط تحریر میں آکر اس دور بیرنگی میں اپنا رنگ جمائے رھے ـ خصوصاً مہا راجہ نرندر پرشاد نے جو دلچسپی انکی تعلیم و تربیت اورکریکٹر بنانے میں لی ھے اس کا باران کے کندھوں پر سے ھلکا ہو جائے ـ تفکرات خاندانی سے چھٹکارا پاتے ھی پہلا کام اونھوں نے یہ کیا کہ پادری رجب علی کو جو فن تالیف و تصنیف سے کماحقہ واقفیت رکھنے کے علاوہ امراء و رؤسا وقت کے طور طریقوں سے بھی واقف تھے مہا راجہ نرندر پرشاد کی سوانح زندگی مرتب کرنے کے لئے ایک معقول رقم دیکر آمادہ کیا مگر افسوس ھے کہ پادری صاحب صرف ایک ھی جلد مرتب کرسکے جو شایع ھوئی مگروہ بھی غیر مکمل ھے ـ

ان کے جد اعلی مہا راجہ چندو لال باوجود اسکے کہ ملک کے نظم و نسق میں منہمک تھے ذوق تحریر و تصنیف بھی رکھتے تھے اور شاعری کا مذاق صحیح ـ اونھوں نے فارسی میں ایک کتاب ’’ عشرت کدۂ آفاق ،، لکھی ھے جس میں مختصر ذاتی و خاندانی حالات درج ھیں ـ شاھان آصفیہ کا تذکرہ بھی ھے ـ اور انکی فارسی غزلوں قصیدوں کے علاوہ اخلاقی حکایات بھی ـ مہا راجہ نے اس کتاب کے تاریخی حصہ کا ترجمہ راجہ راجیشور راؤصاحب خلف راجہ صاحب سمستان دوم کنڈہ سے کرا کر ’’فرحت کدۂ آفاق،، کے نام سے شائع کرایا اور انکے اردو کلام کو کلیات شاد ان کے نام سے زیورطبع سے آراستہ کرایا ـ اس کتاب کے دیباچہ میں مہا راجہ کشن پرشاد نے خود مختصراً راجہ چندو لال کے حالات زندگی پر تبصرہ کیا ھے اورکچھ خاندانی حالات بھی بیان کئے ھیں ـ اونھیں ادبی مشاغل سے اپنی جوانی کے زمانے ھی سے دلچسپی رھی وہ موقع بموقع اپنے سیرو سفر کے حالات ـ اپنا اردو فارسی کا کلام اور اپنی نثر کے نمونے پبلک میں پیش کرتے رھے ـ اونھیں اپنے اور اپنے خاندان کے مکمل حالات کو جمع کرنے کا اور ترتیب دینے کا ھمیشہ شوق رھا سنہ ۱۳۲۲ھ میں انھوں نے اپنی مدارالمھامی کے زمانے میں اوس کا مسودہ تیار کیا تھا جس میں اپنی ولادت تعلیم و تربیت ازدواج ـ اولاد ـ ابتدائی سیر و سفر اور خصوصاً ان دشواریوں کا جو اونھیں اپنے شفیق نانا کے بعدحصول جاگیرات وعہدۂ پیشکاری میں پیش آئیں تذکرہ کیا ھے ـ حضرت غفران مکان کے نوازشات کا ذکر بھی بڑی عقیدت مندی کے اظہار کے ساتھ کیا ھے یہ قلمی مسودات محفوظ ھیں جو آگے چلکر بڑے کام کی چیز ھونگے ـ افسوس یہ ھے کہ اونھوں نے پیشکار ریاست ـ وزیر فوج اور مدار المہام ریاست کی حیثیت سے جو کار نمایاں کئے اور حیدرآباد کی ترقی میں جو ان کا حصہ رھا وہ کبھی ضبط تحریر میں نہیں لائے ـ ممکن ھے کہ اس کا باعث کوئی سیاسی دانشمندی ھو یا کثرت کار سرکاری کی وجہ سے ان کو اتنی فرصت نہ ملی ھو وہ اسکے لئے وقت نکال سکتے ھوں ـ مدار المھامی سے سبکدوشی کے بعد اونھیں موقع ملا تھا ـ مگر وہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ وہ اس طرف توجہ کرتے اور نہ ان کی غیور طبیعت اس بات کو گوارا کرسکتی تھی کہ وہ اپنی کارگذاریوں کا خود

ڈھول پیٹنے ۔ البتہ اونھوں نے ادب کی خدمت کی ناول ۔ سیر و سیاحت کا تذکرہ ۔ افکار شاعرانہ تصوف کے مسائل انکا ادبی مشغلہ رہا جن میں سے اکثر و بیشتر طبع ہوکر عوام و خواص میں مقبول ہوئے ۔ صدارت عظمی کے زمانہمیں اونھیں اپنی سرگذشت لکھنے کا پھر خیال آیا ۔ اور پرانے مسودات پر نظر ثانی کی ۔ سرکاری زندگی کی تفصیلات جمع کرنا بظاہر ایک آسان کام معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس کا مواد جراید سرکاری رپورٹوں امثلہ محکمہجات معتمدی اور سرکاری دفاتر میں موجود ہے ۔ لیکن ان سے انتخاب اور پھر اس کا امتیاز کہ کون چیز قابل طبع ہے اور کون سی غیر مناسب ہے اس کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو نظر انتخاب بھی رکھتا ہو راز داری کا اہل بھی ہو مگر اونھیں کوئی ایسی اہلیت کا شخص نہ مل سکا ۔ جسکو فرصت بھی ہو۔ اور یہ دلی آرزو انکی زندگی میں پوری نہ ہوسکی ۔ ملازمت کی الجھنون سے نجات حاصل کرنے کے بعد نواب مہدی نوازجنگ بہادرنےجو اونکی صدارت عظمی کے پورے زمانے میں انکے راز داں بلند خیال مشیر اور معتمد پیشی تھے یہ فرض اپنے ذمہ لیا ۔ اور اس قابل تحسین کام کےلئے مہا راجہ کے اسٹیٹ سے رقم منظور کرائی نواب صاحب کومہا راجہ مرحوم کی خانگی اور سرکاری زندگی سے چونکہ پوری واقفیت ہے اور علم و ادب کا صحیح ذوق رکھتے ہیں اس لئے انکی نگرانی میں مہا راجہ مرحوم کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے ۔

مہا راجہ کی زندگی کا پہلا دور انکی پیدایش بچپن شباب کا ہے جس میں انکی تعلیم و تربیت مکمل ہوئی اور دربار شاہی میں جانے اور سفر میں حضور غفران مکان کی ہم رکابی کی سعادت حاصل ہوئی دوسرا دور سنہ ۱۳۱۱ ہجری سے شروع ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے آبائی اعلے عہدہ پیشکاری پر فائز ہوئے اور پھر وزارت فوج ملی تیسرا دور سنہ ۱۳۱۹ ھ مطابق سنہ ۱۹۰۲ع سے اونکی مدار المہامی کا ہے ۔ تقریباً بارہ سال تک وہ اس عہدہ جلیلہ پر رہے وہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے اس کا اپنے محل و موقع پر تفصیل سے ذکر کیا جائیگا اس وقت حضرت غفران مکان مبارک کے یہ دو شعرکافی سے کہیں زیادہ ہیں ۔

جب شاہ کو ملجاتا ہے مرضی کا وزیر * ملتا ہے جبھی تو حکمرانی کا مزا
مخلوق نہ کیوں چین سے سوئے آصف * جب شاہ خبر دار ہو بیدار وزیر

مدار المہامی سے سبکدوشی کے بعد وہ اپنے موروثی خدمت پیشکاری پر بحال رہے یہ دور مہا راجہ کےلئے اس زمانے کی فضا کی وجہ سے بڑی آزمایش مشکلات اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا تھا ۔ اسی زمانے میں اونھوں نے سیاحت کی اور اپنے فقر وامارت کے مشاغل جاری رکھےاور تصنیف اور تالیف کاکام جاری رہا ۔ مدار المہامی سے سبکدوشی کے وقت مہا راجہ نے جو ذیل کی رباعی لکھی وہ اس وقت کے تاثرات ذہنی کی آئینہ دار ہے ۔

میں گرچہ ھوں سرکار کے قدموں سے دور * صد شکر کہ مشہور ہوں فدوی حضور

کام آئیگی اک روز عقیدت میری * ہر حال میں ممنون ہوں اور ہوں مشکور

سنہ ۱۳۴۵ ہجری میں اونھیں صدارت عظمی کا عہدہ عطا ہوا اس وقت وہ زمانہ نہ تھا نہ اس زمانے کے امراء میں سیاسی بیداری پیدا ہوچکی تھی حاکم و محکوم کے درمیان خلیج حائل ہوتی چلی جارہی تھی اور فرقہ پرستی کا زور تھا اور خود غرضانہ چالیں چلی جا رہی تھیں ۔ لوگوں کو گمان تھا کہ مہا راجہ اپنی پیرانہ سالی اور زمانہ کی بیرنگی کے بدولت اپنا وہ وقار کھو بیٹھیں گے جو اونھیں حاصل ہے لیکن انکے دل و دماغ نے ان کا ساتھ دیا اور بہت سے فتنوں نے اٹھنے کا نام نہیں لیا وہ اس عہدے پر رہ کر ملک کی خدمت ۲۹ ۔ ذیحجہ سنہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۳۔ مارچ سنہ ۱۹۳۶ع تک کرتے رہے اور چار برس کے بعد ۴ ۔ ربیع الاخر سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۳ ۔ مئی سنہ ۱۹۴۰ع موافق ۸ ۔ تیر سنہ ۱۳۵۰ف روز دوشنبہ اونھوں نے متاع جان کو حقیقی مالک کے حوالے کردیا ان کے معتمد باب حکومت نواب مہدی نواز جنگ نے جو انکی سیرت کی سچی تصویر نثر اردو میں کھینچی ہے اور جو ”مجلہ عثمانیہ“ کے مہا راجہ نمبرمیں شائع ہوئی اس کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا ۔

”ہر قوم کی تہذیب و شائستگی کے حوالے اور ثبوت افراد قوم کے انسانی اور اعلی خصائل میں ملتے ہیں ۔

دنیا کے دور تسلسل میں قومی ترقی و تنزل کے اسباب بھی خواہان ملک کے ایثار اور جذبہ و طنیت اور بد سگالان قوم کی خود غرضیوں اور کج رویوں سے وابستہ رہے ہیں ۔

اچھی سیرتوں کی نسبت اہل ملک کے مذاق کو درست معیار پر قایم رکھنا ضروری ہے ۔ ان افراد قوم کی جو اپنی زندگی کے دن نفس کی شرافت کے ساتھ ملک سے محبت کا حق ادا کرنے میں پورا کئے ہوں سیرتوں کے نقوش قومی سرمایہ ہوتے ہیں ۔

نیک سیرتوں کے اصلی نمونے اہل عمل کے لئے چراغ ہدایت ہیں جو بصیرت بخشتے ہیں اور مکروھات زمانہ کے ساختہ پر داختہ غلط نمونے قومی تخیلات میں رخنہ انداز ہوتے ہیں ۔ سچے اکابر قوم کی تعظیم ان کی یاد کا احترام ان کے مثال کی تمثیل قوم کی زندگی پر اور ان سے انحراف اور بے پروائی قوم کی موت پر دلالت کرتے ہیں ۔

سلطنت آصفیہ دکن صانہا اللہ عن الشر والفتن ہندوستان کی اپنی قومی حکومت کی باقیات الصالحات ہے ۔ اس سلطنت کا وجود کسی اتفاق سیاسی گردش کی بناء پر نہیں بلکہ بطور بقائے اصلح اس ریاست کو بنانے اور بڑھانے والوں کی جان توڑ کوششوں قربانیوں اعلی ہمتوں اور عادلانہ عمل کا نتیجہ ہے ۔ اس ریاست کی مزید ترقی بھی انہی روایات کی بقاء اور ارتقاء پر منحصر ہے ۔

حیدرآباد کے سوراج نے امیروں ـ غریبوں ـ سپاھیوں ـ عہدہ داروں ـ منصبداروں تاجروں ـ ساھوکاروں ـ جمعداروں ـ جاگیرداروں میں ایسے کئی افراد پیدا کئے جو مروت محبت ـ رواداری ـ ایثار ـ جرأت اور بہادری کے قابل ذکر اعلی صفات رکھتے تھے ـ

آصفجاھی درباروں کے امیر امارت کی شان و شوکت اور بذل و عطا میں مشہور رھے اور ھر دور میں امیرانہ صفات کے ایسے امیر گذرے ھیں جن کے سوانح حیات دکن کی تاریخ کے مستقل باب رھیں گے ـ

راجہ راجایان مہا راجہ بہادر سرکشن پرشاد یمین السلطنتہ آنجہانی راجہ ٹوڈرمل اور مہا راجہ چندو لال کی آل سے تھے ـ سلطنت آصفیہ میں بڑی عزتوں کے حامل رھے ـ نواب سالار جنگ اول مختار الملک مرحوم و مغفور نے مہا راجہ آنجہانی کی تربیت میں دلچسپی لی تھی ـ غفران مکان حضرت میر محبوب علی خاں آصف سادس نے مہا راجہ کو پیشکار فوج اور مدار المہام بنایا اور اعلی حضرت نواب میر عثمان علی خان مدظلہ العالی نے گیارہ سال تک نہ صرف صدر اعظم باب حکومت سرکارعالی مقرر فرمایا بلکہ ایسے مراحم خسروانہ مبذول فرماتے رھے کہ مہا راجہ آنجہانی جو سلطنت آصفیہ کے دل سے جان نثار اور خیر خواہ تھے اعلی حضرت کے ساتھ اطاعت کیش عشق رکھتے تھے ـ

اس مضمون کو صرف مہاراجہ کی سیرت کی حدتک محدود رکھا جاتا ھے اولا ان کی پبلک خدمات کا تذکرہ اس کے خطوط سے باھر ھے دوسرے یہ کہ مہا راجہ کی بصیرت افروز سرکاری خدمات کے تذکرہ کو مکمل کرنے کے لئے محکمہ جات سرکارعالی کے ریکارڈس کے استعمال اور ان کی اشاعت کی اجازت درکار ھوگی جس کے بغیر اس رخ پر قلم اٹھانا مناسب نہیں ـ مہا راجہ کی خوبیوں پر اسی وقت بہتر روشنی پڑسکتی ھے کہ ان کے جس قدر ملنے والے باقی ھیں وہ مہا راجہ کے تعلق سے آپ بیتی قلم بند کریں ایسی آپ بیتیوں کا مجموعہ ترتیب دیا جائے تو وہ ایک دکھنی امیر کی خصوصیات کا آئینہ دار ھوگا ـ

مہا راجہ نے تقریباً اسی سال کی عمر پائی اس طویل مدت میں جن حالات اور صحبتوں سے وہ گذرے ان کی وسعتوں کے تناسب سے مہا راجہ مقبولیت عام کے مد نظر یگانہ فرد تھے ـ مہا راجہ کی خوبیاں جب سے ھوش سنبھالا ھے سنتا رھا جب ان کی خدمت میں کام کرنے کا موقعہ ملا تو جو سنا تھا اس سے کہیں زیادہ ان کی شرافت اور انسانیت کے تجربے حاصل ھوئے ـ مہا راجہ یکنتہ باشی کی شخصیت بڑی جاذب تھی ان سے جو کوئی ملتا تھا خوش ھوتا تھا ـ خواہ وہ بچہ ھو ـ جوان ھو ـ بڈھا ھو تاجر ھو ـ سیاح ھو ـ سیاس ھو حکیم ھو ـ شاعر ھو ـ چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا ـ مشرقی ھو یا مغربی ھو ان کا مدح سرا ھوا ـ ھر شخص ان کی تعریف میں کوئی نئی بات سناتا ـ کوئی ان کے سلام کے طریقہ سے خوش ھوتا تو کوئی ان کی مزاج پرسی کے طرز

سے مسرور ہوتا ۔ کوئی ان کے تبسم میں ہمہ گیر محبت کی جھلک دیکھتا تو کوئی ان کی گفتگو میں مستحکم خلوص کی صدا سنتا ۔ کوئی ان کو حاتم کہتا تو کوئی عہد مغلیہ کی آخری یاد گار۔

مہا راجہ کے سلام کے مختلف مدارج ہوتے تھے ۔ سلام کے جوابوں کے مختلف معیار تھے ایک ھی صحبت میں مختلف حیثیتوں کے حاضرین سے الگ الگ انداز تخاطب ہوتا امراؑ کے چھوٹے بچوں کو مہا راجہ ایسی تعظیم دیتے کہ گویا وہ مہا راجہ کے برابر کے تھے ۔ مہا راجہ سے پوچھا گیا کہ بچوں کی اتنی زیادہ تعظیم کیوں دی جائے تو فرمایا کہ نواب سالار جنگ اول کی تعلیم ھے ۔ تہذیب و سنجیدگی مہا راجہ مرحوم کی صحبتوں کے خاص امتیاز تھے کوئی حد سے بڑھتا بھی تو محفل کے رنگ اور مہا راجہ کے تیور سے فوراً ھی سہم جاتا ۔

صبح کی ملاقات عام میں عجیب عجیب لوگ جمع ہوتے تھے ان میں بعض غیر مخلص بھی ہوتے تھے ۔ مہا راجہ خوب جانتے تھے کہ ان کی شرکت کی کیا غرض ھے لیکن کبھی یہ ظاھر نہیں ہونے دیتے تھے کہ ان کی نظر میں کوئی گرا ہوا ھے ۔ دوسرے کے عیب کو چھپانے کی مہا راجہ میں خاص صفت تھی اس صفت کی وجہ سے بہت سے اشخاص دنیا کی ملامت سے محفوظ رھے ۔

مہا راجہ کی وفات کے روز شام کے پانچ بجے سے صبح کے پانچ بجے تک ان کی دیوڑھی پر اور دیوڑھی سے پرانے پل تک لاکھوں اشخاص کا مجمع تھا مفتی ، ملا ، برھمن ، سکھ ، مہنت ، پادری ، بدستور جمع تھے اور ھر ایک یہ محسوس کرتا تھا کہ ان کا بڑا دوست جدا ھوگیا ۔ عام مجمع میں ھر شخص کی زبان پر کوئی نہ کوئی کلمہ خیر تھا ۔ جب آرتی گذرتی تھی راستہ پر عورتیں پکارتی تھیں ”کشن پرشاد مر گئے “ اور بچے چلاتے تھے ” بچے والے راجہ “ عجیب سان تھا جس سے مہا راجہ کی نیکیوں کے غیر معمولی پھیلاؤ کا ثبوت ملتا ھے ۔

عموماً مہاراجہ عادتاً صبح چار بجے بیدار ہوتے تھے ۔ بیداری کے بعد سانس بند کرنے کی مختلف ریاضتوں سے فارغ ھو کر مراقبہ کیا کرتے تھے ۔ صبح چھ بجے کے قریب بر آمد ہوتے تھے ۔ حاشیہ کے لوگوں سے بات چیت کے بعد خطوط لکھتے تھے یا پینٹنگ کرتے یا شعر لکھتے تھے ۔ سات بجے سے مقررہ ملاقاتی حاضر ھوجاتے ان کے ساتھ چائے پیتے اور چائے کے بعد باھر جانے کو تیار ہوتے باھر جانے سے قبل پیشی کی تجوری کا معائنہ کرتے اور یہ اطمینان کرلیتے کہ اس دن کی خیرات کےلئے تجوری کے مختلف خانے جو مختلف سکوں اور کرنسی نوٹوں کے لئے مقرر تھے بھر دئے گئے ھیں اگر تجوری خاطر خواہ معمور نہوتی ناخوش ہوتے ۔ معمور ھوتی تو مطمئن ھو کر حاجتمندوں کا انتظار شروع کرتے ۔ اس موقعہ پر ایک نفسیاتی نکتہ قابل ذکر ھے۔ مہاراجہ کی طبیعت میں

خیر ات دینے کی ایک طلب سی تھی کسی روزکم خیرات ھوتی تو وہ بے چین رہتے تھے قلمدان او ر تجوری خالی ھوجائے تو بہت خوش نظر آتے تھے - اور پھر یہ فکر رھتی تھی کہ جلد سے جلد تجوری بھردی جائے کہ پھر ھاتھ چلنے لگے -

باھر جاتے تو سواری میں ان کے بازو ایک تھیلی رکھدی جاتی جس میں دھیلیاں - پاؤلیاں - دوانیاں - اور اکانیاں ھوتی تھیں - اس کے علاوہ سواری کی تجوری ھوتی تھی جس میں کچھ اشرفیاں کچھ نوٹ اورکچھ روپیے ھوتے تھے چلتی سواری میں تھیلی کا منہہ کھلتا تھا کہیں ٹھر جائیں تو تجوری کھلتی تھی راستے کی خیرات مانگنے والوں کو خیرات اور نہ مانگنے والوں کو خیرات غرض داد و دھش کے لئے ھر وقت کوئی نیا حیلہ ڈھونڈھ لیا جاتا -

پبلک فرائض سے فارغ ھونے کے بعد جب کبھی مکان پر ھوتے تو اوقات مقررہ میں صوفی، شاستری ، شعرا، علما ، اطبا کا مجمع رھتاتھا - علمی مباحث شعر و سخن فنون ، لطیفہ تشخیص امراض ، تجویز ادویہ پر ھر روز نئی باتیں ھوتیں - تناسخ ، تصوف،فقرا کے تذکرے اور مغلیہ تاریخ کے وہ واقعات جن میں ھندو مسلم باھمی محبت و سلوک سے متعلق ھوتے بڑی دلچسپی کے ساتھ زیر بحث رھتے -

مہاراجہ کو سلاطین دکن کے کارناموں کو سنانے میں بڑا لطف آتا تھا - نواب سالار جنگ اول مرحوم اور وہ امرا پائیگاہ جن کے حالات کو مہاراجہ نے اپنی کمسنی میں دیکھا تھا خاص طور پر ذکر فرماتے تھے - مثلا نواب خورشید جاہ مرحوم ناگ پنچمی کی تقریب میں کس طرح دلچسپی لیتے کیسی خیرات کرتے اور کس شان کی دعوت کرتے تھے - نواب آسمان جاہ مرحوم کس طرح بسنتی جوڑے اور بسنتی جواھرات پہنتے - جملہ ملازمین اور مصاحبین کے ساتھ جو بسنتی جوڑوں میں ھوتے بسنت پنچمی کی تقریب مناتے تھے - سالارجنگ اول ھولی کی تقریب میں کس شگفتگی سے شریک ھوتے اور خوشی خوشی ھر سال اپنے کپڑوں پر کس طرح گلال ڈلواتے تھے - چو محلہ میں نواب خورشید جاہ مرحوم کی موجودگی کو مسٹر بلوڈن کا محسوس نہ کرکے آگے بڑھ جانا اور اس کے بعد کے واقعات کہ مسٹر بلوڈن کو نواب خورشید جاہ مرحوم کا وھاں موجود رھنا کس طرح محسوس کرایا گیا - سالار جنگ اول مرحوم اور رزیڈنٹ کا چوکڑے میں فلک نما کی جانب سیر کے لئے نکلنا اور جہاں نما میں نواب رشید الدین خاں مرحوم کی جانب سے منعقدہ وقت مجلس موسیقی میں طلب کیا جانا - سر رچرڈ میڈ کے زمانہ میں سالار جنگ اول اور امیر کبیر میں اختلاف کا رونما ھونا اور امیر کبیر کو یہ محسوس ھونے کے ساتھ ھی کہ باھمی اختلاف میں ریاست کو نقصان پھونچنے کا احتمال ھے ایسی محبت ومودت کا ظاھر ھونا کہ جس کی مثال تاریخ دکن میں زندہ رھے گی - یہ چند تذکرے جو اس وقت خیال میں آگئے اشارتاً لکھدئیے گئے - مہاراجہ مرحوم ایسے صدھا واقعات کو ایسی تفصیل سے بیان فرماتے تھے کہ گذرے ھوئے واقعات کی پوری پوری تصویر سننے والوں کی آنکھوں میں پھر جاتی تھی -

مہاراجہ کا مذہب انسانیت اور پریم ان کا مسلک تھا ۔ بادشاہ کے ساتھ وفاداری ان کے مسلک میں داخل تھی ۔

داد و دھش سے ان کے عقائد کی توضیح ہوتی تھی ، جس شخص کا مذہب انسانیت ہو وہ کس طرح حاجتمندوں کی مدد کرتا ہے۔

مہاراجہ کی مخفی خیرات کی یہ حالت تھی کہ ان کے دین کا کسی کو علم نہ ہوسکتا تھا ۔کسی کو وہ کچھ دیتے تو اس کا خیال رکھتے کہ دوسرے کو علم نہو ۔ اکثر خود ہی اپنے ہاتھ سے دیا کرتے تھے اور دیتے وقت ان کی آنکھ نیچی ہوتی تھی کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر سائل شریف الخاندان ہوتو مہاراجہ آبدیدہ ہوتے تھے ۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ بمبئی سے حیدر آباد کےلئے روانہ ہونے کو تھے اور ان کی جیب خاص میں صرف گیارہ سو کلدار رہ گئے تھے ۔ مشرق قریبہ کے ایک غریب الوطن شہزادہ نے مہاراجہ سے ملاقات کی اور اپنی مالی مشکلات کاذکر کیا مہاراجہ کے پاس جو کچھ تھا یعنی گیارہ سو کلدار لفافہ میں بند کرکے ان کے حوالے کردئیے اور خود خالی ہاتھ ہوگئے ۔

مہاراجہ ایسی غیر معمولی سخاوت کی وجہ سے ہر وقت تنگدست رہتے تھے اکثر اوقات روزانہ کے مقررہ موازنہ سے بڑھکر دیدیتے تھے ۔ اور خود بڑی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ۔ ان کو بڑی تکلیف اس وقت ہوتی تھی جب کسی سائل کا سوال ان سے پورا نہ ہوسکے ۔ مہاراجہ ایک سفر سے واپس ہو رہے تھے اور جو کچھ پیسہ پاس تھا خرچ ہو چکا تھا ۔ حیدر آباد سے قریب کے ایک ریلوے اسٹیشن پر ایک شریف صورت سائل نے سوال کیا مہاراجہ کومعلوم تھا کہ ان کے پاس بہت کم رہ گیا ہے ۔ غرض تجوری خالی کردی اور سائل کا دامن بھردیا تجوری کی اس تلچھٹ کی مقدار بھی پانچ سو روپیہ سے کم نہ تھی ۔ مہاراجہ آنجہانی کے ایک دورہ میں ایک غریب عورت نے اپنی یتیم لڑکی کو ان کے قدموں پر ڈالکر کہا کہ اس بچی کا باپ ایک سپاہی تھا ۔ اس بچی کو مہاراجہ اپنی بچی سمجھ کر اس کی شادی کرادیں ۔ مہاراجہ نے بچی کے سرپر ہاتھ رکھا اور آگے بڑھ گئے ۔ ساتھیوں سے کہدیا کہ اس عورت کا پتہ اور نام لکھ لیں ۔ حیدر آباد واپس ہوئے تو اپنی جیب سے تعلقدار ضلع کی معرفت اچھے پیمانہ پر اس بچی کی شادی کا انتظام کرایا کئی جوڑے کچھ زیورات اور شادی کے لئے نقد رقم روانہ کی اور بچی کے نام تا حیات وظیفہ مقرر کردیا ۔ اور تعلقدار کو لکھا کہ مرسلہ سامان اور رقم سے ”میری بچی کی شادی کرادی جائے ،، نہ معلوم مہاراجہ مرحوم کی امداد سے کتنی تصنیفیں ہونگی کہ طبع ہوسکیں کسی اچھی کتاب کو طبع کرانے کی درخواست کبھی رد نہیں ہوئی اور جیب خاص سے ہمیشہ ہزار پانچسو کی امداد بے تکلف دی جاتی رہی ۔

مہاراجہ مغفور کے اسٹیٹ سے کثیر تعداد میں وظائف رعایتی دئیے جاتے تھے اگر میں غلطی نہیں کرتا ہوں تو ایک وقت ان کی تعداد سالانہ ساٹھ ہزار کے قریب تھی مہاراجہ سے ہر سال یہ عرض کیا جاتا تھا کہ جدید ماھواروں کی اجرائی کے لئے اسٹیٹ کے موازنہ میں گنجائش نہیں ھوتی ھے۔ جدید اجرائیوں کو گنجائش کے نکلنے تک روك دینا مناسب ھوگا۔ مہاراجہ خاموش ھوجاتے تھے اور جدید اجرائیوں کا سلسلہ جیب خاص سے برابر قائم رکھتے۔ جیب خاص کی گنجائش محدود تھی وہ بھی ختم ھوجاتی تو چار و ناچار جیب خاص سے جاری کردہ ماھواریں اسٹیٹ میں منتقل ھو جاتیں۔

مفید تحریکات میں مہاراجہ کو بھی دلچسپی تھی ممالك محروسہ کے اندر اور باھر بیسیوں تعلیمی اور ساجی تحریکیں مہاراجہ کی مالی امداد کی مرھون منت تھیں۔ تحریک انسداد گدا گری کے سلسلہ میں مہاراجہ چندو لال کی تاریخی اور عالی شان عمارت کو میرے سوال پر فوری بلدیہ کے حوالہ کرنے کا حکم صادر فرمایا اور انسداد گدا گری میں دلچسپی کا عملی ثبوت دیا۔

مہاراجہ کو بچوں سے خاص محبت تھی کوئی چھوٹا بچہ ان کے قریب سے نہ گذرا ھوگا کہ اس پر مہاراجہ نے شفقت نہ کی ھو۔

غریبوں کے میلے کچیلے بچوں کو گود میں لینا اور ان کو پیار کرنا مہاراجہ کی معمولی عادتوں میں داخل تھا اس سلسلہ میں ایک دلچسپ قصہ قابل ذکر ھے مہاراجہ مرحوم بنگلور سے حیدر آباد آرھے تھے راستہ میں ایک غریب عورت کا بچہ چلتی ریل سے باھر گرپڑا ریل کی رفتار تیز نہ تھی پھر بھی بچہ بری طرح زخمی ھوا۔ ریل رکی۔ رکنے کی وجہ معلوم ھوئی تو مہاراجہ باوصف کبرسنی ریل سے فوراً اتر پڑے بچہ کے پاس پہونچے۔ بیقرار ماں کو تسلی دی بچہ کو خود اٹھالیا اور اپنے سیلون میں لے آئے بچے کے خون سے مہاراجہ کے کپڑے رنگین ھوگئے تھے۔ اسٹاف ڈاکٹر کو طلب کیا بچے کی مرھم پٹی کرائی اور دوسرے اسٹیشن پر بچہ کی ماں کو انعام اکرام دیکر بچہ کے ساتھ رخصت کیا۔

مہاراجہ مرحوم کی عادت تھی کہ ہر سال الوال کی جاترا کے موقع پر برآمدہ میں بیٹھتے اور جاترائیوں کا تماشہ دیکھتے اور کام کے سلسلہ کو جاری رکھتے۔ اتفاقاً ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ شاگرد پیشہ سے کہا کہ اس کے رونے کی وجہ معلوم کیجائے شاگرد پیشہ نے اطلاع دی کہ بچہ ضد کر رھا تھا۔ تو اس کی ماں نے بچہ کو مارا اس لئے بچہ رورھا تھا مہاراجہ کو بچہ کے رونے پر ملال ھوا اور ماں پر اظہار ملامت فرمایا۔

میں نے کہا کہ ماں مجبور تھی کہ بچے کو مارتی اس کے مارنے کی وجہ یہ ھوگی کہ اس کی گرہ میں پیسہ نہ ھوگا۔ دل بہلانے کو بچہ کے ساتھ جاترا میں آگئی بچہ مٹھائی اور کھلونے کی دوکانوں کو دیکھ کر مچلا ھوگا وہ عورت یہ تو نہیں سمجھا سکتی کہ بچہ کی خوشی کو پورا کرنے سے وہ عاجز ھے۔ ماں کے لئے آسان یہی تھا کہ بچے کو مارتی

اس کو رلاتی اور اس کی توجہ کو پلٹ دیتی میلوں میں غریبوں کے افلاس اور مجبوری کے اکثر ایسے مشاہدے ہو سکتے ہیں ۔ اس جواب سے مہاراجہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا آنکھ میں آنسو بھر گئے ۔ جلدی میں برخاست کیا اور بچوں میں تقسیم کرنے کے لئے معتدبہ رقم روانہ کی اور اس بچہ کو خاص طور پر خوش فرمایا اور مجھ سے فرمایا کہ آپ نے ملك کے افلاس کی ایسی موثر تصویر پیش کی کہ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا ۔

مہاراجہ آنجہانی مروت کے پتلے تھے اگر ان کو یہ خیال ہوجاتا تھا کہ ان کی طرف سے کسی کی دل شکنی ہوئی ہے تو باوجودیکہ اس شخص کی غلطی مسلم ہو مہاراجہ کی صورت سے شرمندگی ظاہر ہوتی تھی ۔

ایک صاحب نے مہاراجہ مرحوم سے ایک ایسی خواہش کی کہ جس کو مرحوم پورا نہ کر سکتے تھے ۔ یہ صاحب بڑے چالاك تھے مہاراجہ مرحوم کو تحریر کیا کہ مہاراجہ کے دل میں شائد ان سے کوئی دشمنی ہے کہ ان کی حاجت براری نہیں کی ۔ مہاراجہ مرحوم اس تحریر سے بہت متاثر ہوئے ۔ بجائے اس کے کہ ان صاحب کی چشم نمائی کیجاتی ان کی خواہش کو پورا کردیا باوجودیکہ مہاراجہ مرحوم مروت کے مجسمہ تھے لیکن سرکاری معاملات اور ملك کے مسائل میں ان کی رائے نہایت سخت ہوتی تھی کوئی اثر کوئی حیلہ اور کوئی خوف ان کو متاثر نہیں کر سکتا تھا ۔

مہاراجہ آنجہانی کے تفریحی مشاغل میں عطروں کا تیار کرنا، ادویہ کا بنانا، جلد سازی، نقاشی، عکاسی، خطاطی، ناخن سے تحریر اور نقش و نگار، موم اور پلاسٹر سے مجسموں کا بنانا داخل تھے ۔ ساٹھ برس کی عمر تک ٹینس ، کشتی رانی ، سواری اور بڑے شکار میں دلچسپی لیتے تھے ۔ آخری زمانہ میں بلیرڈ کھیلا کرتے تھے ۔

مہاراجہ آنجہانی کو نیچرل زندگی بہت پسند تھی ۔ آبشار کی آواز سے بہت خوش ہوتے تھے ۔ بارش کے موسم میں بارش کی آواز کے مزے لیتے تھے ۔ جھاڑ کے زیرسایہ کام کرنے میں ان کو لطف آتا تھا ۔ منڈوے کے نیچے دو پہر بسر کرنے میں بڑا سکون ہوتا تھا۔ کبھی بڑے درختوں کی شاخوں میں نشیمن کے طرز پر بنوائے ہوئے کمروں میں بسیرا فرماتے اور جسمانی پرواز کا حظ حاصل کرتے ۔

صدارت عظمی کے زمانہ میں علاوہ اجلاس باب حکومت کے دفتری کام اکثر و بیشتر ایک پھوس کے چھپر تلے کرتے تھے ۔

مہاراجہ اپنے قیام گاھوں پر بلا لحاظ موسم بر آمدوں میں وقت بسر کرتے ان کے محلات کے آراستہ کمرے شاذ ہی استعمال ہوتے تھے ۔

مہاراجہ آنجہانی کی ذات میں امارت کا دبدبہ اور اپنے پرائے کے حفظ مراتب کا بہت خیال تھا ۔ اس کے ساتھ ساتھ حد درجہ انکسار، کسر نفسی اور شرافت نفس بھی

موجود تھی - جھوٹی شان ان کو نہیں بھاتی تھی - انسانیت کا برتاؤ ان کے خمیر میں تھا - ایک موقعہ پر یہ دیکھا گیا کہ سرکارعالی کے ایک معمولی درجہ کے عہدہ دار کو مہاراجہ نے ایسی تعظیم دی کہ دیکھنے والوں کو غیر معمولی معلوم ہوا - مہاراجہ سے عرض کیا گیا کہ سوائے امراءٔ عظام کے آپ صدر المہاموں کے لئے بھی اپنی کرسی سے آگے نہیں بڑھتے تو ان عہدہ دار صاحب کی تکریم امراءٔ عظام کے برابر کرنے کی کیا کوئی خاص وجہ ہے تو مہاراجہ نے نہایت شرافت اور سادگی سے فرمایا کہ ان عہدہ دار صاحب کے دادا نے مہاراجہ کے دادا پر کوئی احسان کیا تھا جس کا مہاراجہ کے والد ذکر فرماتے تھے اس احسان کا سلسلہ تھا کہ مہاراجہ مذکورہ عہدہ دار صاحب کے خاندان والوں کی عزت کرتے تھے -

مہاراجہ کو موسیقی سے خاص دلچسپی تھی - اچھے گانوں اور خصوصاً ستار سے بہت اثر لیتے تھے - اچھے گانے والے ہمیشہ مرحوم کی سرپرستی سے مستفید ہوتے رہے- قوالی کی صحبت بھی پسند تھی ہر مہینہ کی چھٹی تاریخ کو محفل سماع ایوان شاد میں مقرر ہوتی تھی -

غرض مہاراجہ آنجہانی کی ہر ادا خاص، ہر صفت ممتاز ان کے گھر کی معاشرت یگانۂ روزگار، ان کی سیرت اہل ملک کے لئے لائق تقلید مثال تھی - مبارک ہونگے وہ افراد جو مہاراجہ کی زندگی کے نمونہ سے سبق حاصل کریں ،، -

''ف ۱ - میں سرکشن پرشاد یمین السلطنت کھتری مہرا یعنی سپاھی نژاد صاحب سیف اپنی وصیت کو خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جو ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں - میرا اعتقاد ہے کہ کوئی خدا سوائے ایک خدا کے سزا وار حمد نہیں ہے-

ف ۲ - میں تعصب اور نفرت کو بری نظر سے دیکھتا ہوں ہر مذھب اور قوم کی عزت کرتا ہوں - انصاف راستی اور عدل کو انسان کے بہترین جوھر سمجھتا ہوں کیونکہ انصاف ہر متنفس اور حکومت کے لئے بہترین خصلت ہے میں اپنے اہل خاندان اولاد اور وارث کو ھدایت کرتا ہوں کہ خدا پر کامل بھروسہ رکھو - ہر تکلیف کا جواں مردی سے مقابلہ کرنا اور ہر مصیبت کو صبر سے برداشت کرنا صرف خدا ھی سے مدد طلب کرنا اور ہمیشہ اس کی مشیت پر راضی برضا رہنا یہی وہ تعلیم ہے جو ہمارے بزرگوں سے ملتی چلی آئی ہے اور جس کی پیروی کرنا ایک کھتری اور ایک جوان مرد سپاھی کے لئے ضروری ہے - میں بھی تم سب کو نیکو کارانہ زندگی گذارنے اور بوقت مایوسی خدا سے امداد طلب کرنے کی ھدایت کرتا ہوں - خصوصاً مجھے اپنے فرزند اور جانشین اور وارث راجہ بہادر خواجہ پرشاد سے توقع ہے کہ وہ ان سب امور کو جو میں نے اپنے مذھبی اعتقاد کے متعلق اوپر بیان کئے ہیں اپنا نصب العین بنائینگے -

ف ۳ ۔ خواجه بابا جهاں تک ممکن هو اپنے آبائی رسم و رواج کے جو اس خاندان میں رائج هیں پابند رهو ۔ اس خیال سے کہ ایسے مراسم اسلامی اعتقاد سے تعلق رکھتے هیں کیونکه ان مراسم سے در پرده نه صرف مستحقین اور حاجتمندوں کی حاجت روائی مقصود هے بلکه یه هارے خاندان کے وه خصائل هیں جو همیں وراثتاً پهونچے هیں اس لئے هر ایک عطاء جو ان کے متعلق هو همیشه جاری رکھی جائے ۔ سخاوت کے معنی هی یه هیں که بغیر کسی معاوضه کی امید کے کی جائے ۔

ف ۴ ۔ هر مذهب و ملت کی عبادت گاهیں واجب الاحترام هیں ۔

ف ۵ ۔ زمانه کا رخ بدل گیا هے اس لئے میں تمهیں پابند کرتا هوں که کبهی ایک سے زیاده شادی نه کرنا ۔ سوائے اس صورت کے که بیوی عقیمه هو یا لا علاج عضوی ناقابلیت کی وجه سے خدمت گذاری کے قابل نه رهی هو ۔

ف ۶ ۔ یاد رکھنا که بیوی امن کی ایک مورتی اور آرام کا سر چشمه هے اس لئے عزت و محبت اس کا حق هے ۔ اس سلسله میں کوئی ایسی جنبش نه هونی چاهئے جس کا نتیجه احباب اور اهل خاندان میں رنج و نا اتفاق کا باعث هو ۔

ف ۷ ۔ اپنے ملک و مالک کے همیشه وفا دار رهو ۔ هارا خاندان شاهان آصفجاهی کے وابستگان قدیم میں شار هوتا هے اور اس پر همیں فخر رها هے ۔ هارے آبا واجداد اپنی وابستگی اور وارفتگی کا صله همیشه دربار شاهی سے پاتے رهے چنانچه میرے مرحوم آقا میر محبوب علی خان نے میری ذات کو ایک ذره سے آفتاب بنا دیا ۔ جو کچھ مرحوم نے میرے ساتھ کیا میرے موجوده آقا میر عثمان علی خان سلطان دکن ادام الله اقبال نے نه صرف ان اعزاز کو جو ان کے نامور والد نے عطاء کیا تها بجائے خود قایم رکھا بلکه ان اعزاز میں ایسی نمایاں ترقی عطاء فرمائی که میرا هر تن مو عطائے خسروانه کا سپاس گذار هے اور عمر و دولت کی دعا دل سے نکلتی هے ۔

ف ۸ ۔ اپنا فرض منصبی سمجھ کر گورنمنٹ برطانیه کے بهی وفادار رهو ۔ صاحب عالی شان سے مخلصانه تعلقات محبت موانست قائم رکھو کیونکه برطانیه کے ارباب حل و عقد سے اچھے تعلقات هاری سلطنت اور رعایا دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید هیں ۔

ف ۹ ۔ اپنے دشمنوں سے اچھا سلوک کرو اور اپنے دوستوں پر مهربان رهو کسی کی ایذا دهی کا خیال نه کرو خواه تم کو کتنی هی تکلیف پهونچے ۔ دشمن سے مروت کرنا جواں مردی هے اور بدله لینا بز دلی ۔

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است * بادوستان تلطف با دشمنان مدارا

ف ۱۰ ۔ همیشه دوسروں کی عزت کرو ۔ تم خوش نصیبی سے سورج بنسی خاندان میں پیدا هوئے جس کے خاندان کا سلسله مہا راجه دهرم راج رام چندر جی سپاهی نژاد تک پهونچتا هے ۔ اس سے ظاهر هے که سورج بنسی خاندان سپاهی نژاد رها هے اور

سخاوت و مروت کے لحاظ سے صداقت میں بھی عدیم المثال رہا ہے ۔اس خاندان کی روایات قدیم کا اقتضاء یہ ہے کہ تم کو دوسروں کی عزت کرنی چاہئیے کسی جماعت کو نقصان پہونچانا خود اپنے کو اس جماعت کے سامنے حقیر کرلینا ہے۔

ف ۱۱ - سخاوت کرتے رہو کیونکہ یہ خصلت ہمیشہ مہا راجہ چندو لال کے خاندان کا امتیاز ہے - مہا راجہ چندو لال نے اپنے بعد ایک ایسا نام چھوڑا ہے جو سخاوت اور نیک کاموں کے لئے یادگار رہے گا ۔

ف ۱۲ - والدین کا مرتبہ بہت مقدس اور بلند ہے ان کو کبھی ناخوشی کا موقع نہ دینا خواہ وہ کسی حالت میں ہوں ان کی خوشی کے خواہاں اور ان کی دعائیں لیتے رہو۔

ف ۱۳ - بحالت موجودہ حیدرآباد کے تمام امراء تم سے عمر میں بڑے ہیں اس لئے تم کو چاہئیے کہ ان سب کی عزت اور ان کا ادب کرو تاکہ دوسرے بھی تمہاری خاندانی عزت کا خیال رکھیں ۔

ف ۱۴ - ایسی علمی لیاقت بڑھانے کی کوشش کرو کیونکہ یہی ذریعہ تمہاری زندگی کی خوشحالی اور ترقی کا ہوگا ۔

ف ۱۵ - اپنے دوستوں کے انتخاب میں ہمیشہ احتیاط اور خبرداری سے کام لو - اچھی نصیحت کی قدر کرو - بری اور نالائق صحبت سے دور رہو کیونکہ ہر شخص اپنی اچھی یا بری صحبت سے پہچانا جاتا ہے ۔ کبھی غرور کا انداز نہ دکھاؤ ہمیشہ خلق کے ساتھ رہو اور ہر شخص سے خلوص کے ساتھ ملو - جب ایک مرتبہ تم کسی کو معتبر سمجھ لو تو پھر اس کی عزت کرتے رہو اور اسکے مشوروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھو دوست ہمیشہ سچ کہے گا ۔ کبھی خوشامد سے خوش نہونا کبھی کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھنا اور نہ اپنے دل میں کسی کی دشمنی کی پرورش کرنا ۔ لیکن ہمیشہ اپنے سے غافل نہ رہنا کیونکہ اس دنیا میں گندم نما جو فروش بہت ہیں اور حقیقی دوست خیر خواہ بہت کم ۔

ف ۱۶ - اپنے علاتی ماؤں کا ادب کرو کہ یہ تمہارا فرض ہے - تمہارے علاتی بھائی اور بہنیں بھی تمہاری خاص توجہ اور محبت کے سزاوار ہیں کوشش کرو کہ سب باہم مل کر امن کے ساتھ رہیں خدا کرے کہ وہ بھی آپس میں ملکر رہنے کی قدر کریں ۔

ف ۱۷ - اپنے خداوند مجازی کے ساتھ کامل وفادار رہو کبھی ان کی مخالفت نہ کرو ہمیشہ ان کے فرمانبردار رہو اور ان کی مہربانی پر اترا کر اپنی حد سے آگے نہ بڑھو ۔

ف ۱۸ - ہمیشہ اپنے چھوٹوں اور ملازمین کی خطاؤں سے درگذر کرو کیونکہ درگذر کی عادت صفات بزرگانہ میں پائی جاتی ہے - ملازمین کو برخاست کرنے سے احتراز کرو - جہاں تک ممکن ہو رحم اور عفو سے کام لو - برطرفی کا خیال نہ کرو تاوقتیکہ تم کو ملازم کی بے وفائی کا کامل یقین نہ ہو ۔

ف ۱۹ - اپنے چھوٹے بھائی بہنوں سے اپنے بچوں کی طرح برتاؤ کرو۔

ف ۲۰ - کوشش کرکے سچے علماؑ اور سچے فقراؑ کی صحبت حاصل کرو کیونکہ ان کی صحبت ہمیشہ تمہارے لئے سود مند ہوگی سچے فقراؑ برکتوں کے سر چشمے ہیں (بناوٹی فقیر کی بھی باعتبار اس کے ظاہری صورت کے عزت کرو اور اس سے بھی حسن سلوک روا رکھو۔) ››

دولت و علم مرتبے کے ساتھ ساتھ قدرت نے ان کو عمدہ صورت ۔ عمدہ سیرت اور عمدہ صحت عطا کی تھی وہ معمولی کسلمندی اور معمولی علالت سے بڑھ کر شدید امراض میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے ۔ زندگی کی خوشیوں اور دلچسپیوں میں کافی حصہ لیا اور عمر بھی طویل ملی ۔ بے تعصبی، ادب ، شائستگی ، خوش اطواری ، خوش اخلاق ، خوش معاملگی ، غریب پروری، شریف نوازی، حاجت روائی کے اعلیے معیار کو اونہوں نے اپنے اقوال سے ھی نہیں بلکہ اپنے افعال سے مرتے وقت تک قائم رکھا اور اپنے نانا اور ان کے خاندان کی روایات کو بڑھایا ۔

مہاراجہ کشن پرشاد کی تعلیم متوسط پیمانہ پر ہوئی کوئی خاص علمی تبحران کو حاصل نہ تھا مگر کثرت مطالعہ نے ان کے معلومات وسیع کردئے تھے ۔ انہیں خصوصیت کے ساتھ اردو ہندی فارسی ادب سے نیز ویدانت و تصوف سے خاص دلچسپی تھی ۔ اس کے ساتھ تاریخ ہند و اسلام، طب یونانی ، ایور ویدك سے کافی واقفیت تھی ۔ انہوں نے طالب علمانہ زندگی رکھی ۔ خوش نویسی میں ید طولی حاصل کیا اپنی ذاتی میلان سے کاملین فن سے انہوں نے صلاح لی اور بتدریج اچھے خوش نویس ہوگئے وہ متعدد خطوں میں قلم برداشتہ لکھ سکتے تھے جب یونانی طب اور ایور ویدك کا شوق ہوا تو اس میں بھی انہوں نے اچھی واقفیت پیدا کرلی عربی بول چال کا شوق ہوا تو دیوڑھی کے متعینہ عربوں سے گفتگو کرنا شروع کیا اچھی خاصی عربی بولنے لگے ۔ کتابی تعلیم کے ساتھ گھوڑے کی سواری بندوق تلوار چلانا بنوٹ ورزش وغیرہ کی عملی اعلی تعلیم و تربیت اس زمانے میں امراؑ کے لئے لازمات سے تھی اور اس کی تعلیم بھی انہیں خاص اہتمام سے دلائی گئی ۔ مہاراجہ اپنی تحریرات میں باربار خود کو سپاہیوں کی نسل میں اور خود بھی سپاھی ہونے کا فخر کے ساتھ اعتراف کرتے رہے ہیں انہیں یہ شوق بھی رہا کہ علم کے ساتھ ہنر بھی حاصل کریں ۔ مصوری، فوٹو گرافی، دواسازی، عطاری ، کشتہ سازی، طباخی اور متعدد فنون میں ان کو اتنا ید طولی حاصل تھا کہ امارت نہ باقی رہے تو وہ کسی ہنر و پیشہ سے روزگار حاصل کر سکیں ۔ ذوق تالیف ان کو بے حد تھا سب سے زیادہ دلچسپی و رغبت شاعری سے تھی فی البدیہہ اشعار کہتے اور کثرت سے کہتے تھے غزل ، رباعی قطعات، قصائد زیادہ کہے ہیں ۔ اور ان کی شاعری کا بڑا حصہ حضرت غفران مکان و حضرت بندگان عالی کی مدح ۔ عاشقی، تصوف اور دوستوں کے تقاریب خوشی اور وقت غم میں تاریخ گوئی پر شامل ہے ان کے اشعار میں زبان صاف اور مضمون بلند رہتا تھا اپنے

جذبات قلبی کو بھی اشعار کے ذریعہ اکثر ظاہر کرتے تھے ۔ ایک بڑا ضخیم کلیات ان کے کلام کا جمع ہو سکتا ہے غالباً انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کو صاف کرا کے محفوظ رکھا ہے جس کا کچھ حصہ شائع ہوچکا ہے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ اردو ادب نگاری سے ان کو دلچسپی تھی انہوں نے متعدد ناول اور خیالی مضامین لکھے ہیں اور شائع کرائے ہیں ۔ ناولوں میں مغربی تہذیب کے نقائص پر اپنے دلی خیالات اور ذاتی آرا کو اہل قصہ کی باہمی گفتگو وغیرہ کے پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔ اپنے ذاتی حالات۔ خیالات ۔ جذبات اور روزنامچے اور اپنے معاصرین کے حالات پر بکثرت مستقل تالیفات اور مضامین کے ذریعہ روشنی ڈالی ہے۔ ان کتابوں اور مضامین سے مہاراجہ کی زندگی اور حیدر آباد کے گزشتہ نصف صدی کے حالات حکومت اور حضرت غفران مکان علیہ الرحمہ کے سوانح زندگی قلم بند کرنے میں کافی مدد لیجا سکتی ہے۔ ان کو ذاتی روز نامچہ لکھنے کا بڑا شغف تھا اور غالباً وہ محفوظ ہے ۔

خاص خاص اوقات اورزمانوں کے خاص کر سفر کے روز نامچے انہوں نے طبع بھی کرائے ہیں ۔ مہا راجہ بہادر کی مولفہ بکثرت کتابیں ان کے ذاتی مصارف سے اچھے اہتمام سے طبع ہوئیں ۔ جو ادیبوں ۔ عزیزوں ۔ دوستوں ۔ ماتحتوں ۔ اور ہمعصروں کو تحفہ دی گئیں۔ عرصہ تک ایک گلدستہ ” محبوب الکلام “ جس میں غزلیں طبع ہوتی تھیں اور ایک ماہوار رسالہ موسوم بہ ” دبدبہ آصفی “ اپنے ذاتی مصارف سے طبع اور شائع کرایا گلدستہ میں حضرت غفران مکان کی مہا راجہ کی اور حیدرآباد کے مشہور شاعروں کی غزلیں طرحی مصرعہ پر درج ہوتی تھیں۔ رسالہ ”دبدبہ آصفی “ میں خود انکے اور دوسرے اہل قلم کے مضامین شایع ہوتے تھے ۔ ان رسالوں کا اہتمام پنڈت رتن ناتھ سرشار و مولوی حبیب الرحمن صاحب مرحوم (برادر مولوی حکیم عبد الرحمن صاحب مرحوم سہارن پوری) اور اختر یارجنگ مینائی مرحوم سے متعلق تھا اگر چہ رسالوں کی اشاعت میں کافی رقم مہا راجہ مرحوم کی صرف ہوتی تھی مگر ذمہ داران رسالہ کی کافی توجہ نہ رہنے سے ان کو زیادہ مقبولیت حاصل نہ ہوسکی نہ بلند پایہ بن سکے ۔ بالآخر بند ہو گئے ۔ ملکی اخبارات و رسائل میں بھی مہا راجہ کی غزلیں قطعات اور مضامین خاص بھی شایع ہوتے رہے ہیں ۔ انہوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں اخبارات کے سالگرہ نمبروں یا خاص شماروں میں بعض مرتبہ اپنے ہم عصروں کے حالات اور دلچسپ مضامین لکھے ہیں ۔ ایک کتاب موسوم بہ ” رقعات شاد “ ہے ۔ مہا راجہ کے بڑے فرزند راجہ چندا پرشاد نے اپنے اہتمام سے اس کو طبع کرانا شروع کیا تھا ۔ مگر قبل ازتکمیل ان کا انتقال عین آغاز شباب میں ہو گیا ۔ مہا راجہ نے اوسکو خود مکمل کرایا اور بیٹے کی پر حسرت موت پر اپنے جذبات غم کو نہایت رقت کے ساتھ لکھا ہے اس کتاب میں مہا راجہ نے اپنے ہم عصروں سے جو خط و کتابت کی ہے اس کا منتخب حصہ درج ہے ۔ یہ کتاب مہا راجہ کے سوانح زندگی اور خیالات کو بڑی حدتک واضح کرتی ہے حالات حاضرہ کے متعلق وہ ایک مختصر کتاب ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے جب کوئی جدید وائسرائے آئے یا اس کتاب کو لکھے ہوئے عرصہ گذر جاتا اور حالات بدل

جاتے تو دوسری کتاب مرتب کراتے تھے اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے عام معلومات کے متعلق ضروری مواد ان کے پاس مہیا رہے - مشرقی موسیقی میں فنی طور پر بہت بڑی مہارت ان کو حاصل تھی - علماء - درویشوں - مجذوبوں سادھو پنڈتوں سے انکو بڑی عقیدت تھی - ہمیشہ ان کے پاس اہل کمال کی آمد و رفت رہتی تھی اور وہ ان سے بہت خوبی اور واقفیت کے ساتھ گفتگو کرسکتے تھے ان کی صحبتوں میں صاحبان علم و فضل اور شعرا جمع اور علم و فضل شاعری کے چرچے رہتے تھے جس میں تہذیب و سنجیدگی ہمیشہ اپنا پہلو لئے رہتی تھی - انہیں تصرف اور ویدانت سے بھی بڑا شغف تھا - فقیروں اور درویشوں سے بڑی عقیدت رہتی تھی - متعدد سفر کسی صاحب کمال درویش یا سادھو سے ملنے کےلئے انہوں نے کئے ہیں - وہ ایسے لوگوں سے بہت ادب سے پیش آتے تھے ایک کتاب انہوں نے ہم عصر فقراؑ کے حالات میں لکھی ہے - روحانی شغل و کسب کا بھی وہ علم رکھتے تھے - اور روحانیت کے صاحبان کمال کو سمجھتے تھے- وہ خود ساختہ فقیر یا سادھو جو صرف قال رکھتے اور حال سے عاری ہوتے انکو پہچان سکتے تھے مگر انکی بے مائیگی کو افشا نہ کرتے تھے - انکے ہندوستان کے اہل کمال اور مشاہیر سے تعلقات تھے اور انسے خط وکتابت جاری رہتی تھی - شمس العلماؑ الطاف حسین صاحب حالی کی کتاب حیات محمدی و یادگار غالب مطالعہ کرنے کے بعد ان سے ادب اور شاعری کے متعلق خط وکتابت آغاز ہوئی اور اسطرح باہم دوستانہ روابط قائم ہوگئے دور جدید کے مایہ ناز شاعر اقبال سے بھی ان کا بہت ارتباط تھا - ہمیشہ مخلصانہ خطوکتابت رہی - بادشاہ پرستی ان کا شعار تھا حضرت غفران مکان کو اپنا ملجاو ماوی سمجھتے تھے امرائے سلطنت میں حضرت غفران مکان مہا راجہ کشن پرشاد کو جتنا پسند فرماتے تھے اور ان پر بھروسہ کرتے تھے وہ سب جانتے ہیں- حضرت بندگان عالی کے ساتھ بندگی عقیدت و حفظ مراتب کو کبھی انہوں نے فروگذاشت نہیں کیا - نظم و نثر میں انہوں نے اپنے فرمانرواوں کی مدح و ثنا میں جو کچھ لکھا اور تخت و تاج آصفی کےساتھ اپنی وابستگی کا جس طرح اظہار کیا ہے وہ دل پر خاص اثر کرتا ہے اور ملک کےلئے منارۂ روشنی ہے - ان پر ایک بڑی حد تک اسلامی ثقافت کا اثر پڑا تھا لیکن وہ ایسے راسخ العقیدت ہندوں میں سے تھے جنکو دوسرے مذاھب سے تعصب نہیں ھوتا ھر مذھب و قوم کی خوبی اور اچھی بات کے معترف تھے - وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ علیہ کی درگاہ کو عقیدت سےجاتے تھے تو متھرا بنارس کے مٹھہ و مندروں میں بھی نظر آتے تھے وہ سب مذھب کے پیرون کے ساتھ یکسانیت سے ملتے جلتے تھے ایک طرف حضرت رسالت مابؐعلیہ السلام اور بزرگان کرام کے ساتھ اپنی شیفتگی و ارادت کا اظہار علانیہ کرتے تھے دوسری جانب شری کرشن مہا راج اور ہندو اکابر کے کمالات و مراتب کو عقیدت و احترام سے بیان فرماتے تھے - وہ اس سلسلہ میں کسی کے دل کو رنجیدہ بھی نہ کرنا چاہتے تھے اگر کوئی مسلمان عالم و عارف انبیا و اولیا کی تعریف میں رطب اللسان ہے تو اسکے ساتھ اسی قسم کی گفتگو کرتے تھے - اگر کسی ہندو سادھو سے مکالمہ ہے اور وہ ہندو اوتاروں

رشیوں اور سادھوں کا ذکر کررہا ہے تو اس کے ساتھ اسی مسلک کی گفتگو رہتی تھی یہ انکی بے تعصبی کا اقتضا تھا کہ وہ اپنا تخلص " شاد " ہی عام طور پر تحریر میں لکھتے تھے - البتہ سرکاری تحریرات خاص اور دعوت ناموں میں کشن پرشاد لکھتے تھے -

ان میں انکسار بے حد تھا ہمیشہ فقیر شاد اور اسی طرح کے منکسرانہ جملوں کے ساتھ وہ اپنا نام لکھا کرتے تھے سلام کشادہ پیشانی سے لیا کرتے تھے - گفتگو تہذیب شائستگی و اخلاق کے ساتھ کرتے تھے - بظاہر وہ خاموش اور کم گو دکھائی دیتے تھے مگر جب کسی سے دو چار بار مل لیتے اور وہ علمی و عملی کمالات کا حامل ہوتا تو اسکے ساتھ تو بے تکلفی اور طویل مکالمت کا سلسلہ قائم ہو جاتا تھا - وہ نہایت متواضع اور مہمان نواز تھے دیوڑی ہی میں دعوتوں کا سلسلہ بکثرت جاری رہتا تھا مغلائی اور انگلش دونوں طریقوں پردعوتیں ہوتی تھیں سرکاری طور پر لنچ اور ڈنر میں تو صرف سرکاری مقررہ فہرست اور انکے مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو مدعو کیا جاتا مگر دیگر خانگی تقریبات میں اپنے تمام ملاقاتیوں اور اگر ان کا انتقال ہوگیا ہے تو انکی اولاد کو یاد کرکے مدعو کیا کرتے تھے اور نہایت فراخ چشمی و تکلف کے ساتھ میزبانی کی جاتی تھی - وہ بوقت رخصت زیادہ تر پھول اور پان دیکر رخصت کرتےتھے انگریزی دعوتوں میں شریک ہونے کے موقعوں کی کبھی یورپین مہمان ہاتھ سے جانے نہ دیتے وہ لوگ ایسی دعوتوں میں خوشی سے آتے اور مہا راجہ کے حسن اخلاق سے بے حد متاثر ہوکر واپس لوٹتے تھے - حیدرآباد میں بمصداق اتراشھنہ مروک نام جو لوگ سرکاری عہدوں سے بوجہ پیرانہ سالی یا اور طرح پر علحدہ ہو جاتے اور انکا نام سول لسٹ میں نہ رہتا تو وہ سرکاری تقاریب میں یا ہواپرستوں کے یہاں پھر مدعو نہ کئے جاتے لیکن مہا راجہ بہادر کے یہاں یہ عمل نہ تھا - جسکا نام ایک مرتبہ انکی یہاں سے دعوتی رقعہ جاری ہوگیا اس مطابق کے ان موقعوں پرہمیشہ رقعے جاتے لیکن انہوں نے خاص طور پر ایک دعوت وظیفہ یاب افسروں کے لئے دی اور کارگذاروں کے ساتھ انکے پیش رو وظیفہ یابوں کو مدعو کرکے ماضی و حال کا سنگم قائم کیا - ایک مرتبہ صاحبان دعوت کے ساتھ انکے موٹر ڈرائیوروں کےلئے علحدہ مکان میں دعوت کا سامان مہیا کیا گیا تھا - دادودہش فیاضی میں وہ اپنی آپ نظیر تھے - انہوں نے اپنے استادوں اور ان کے اولاد کی دیوڑھی کے دوسرے متوسلون کی طرح ماہواریں مقرر کردی تھیں اور ان کے ہاں کی تقریبات میں کافی امداد دیتے تھے - اس کے علاوہ بھی ان کے پاس مانگنے والوں کا ہجوم رہتا تھا اور جہاں تک وسعت تھی وہ دینے میں دریغ نہ کرتے تھے - جو سائل ان تک پہنچ جاتا تھا وہ بیشتر کامیاب ہو جاتا تھا - سوال کا رد کرنا انکو گوارا نہ تھا - بدرجہ مجبوری وہ خاموش ہو جاتے تھے انکی فیاضیوں اور دادودہش کے ہزاروں قصے مشہور ہیں - وہ فقیروں کو کثرت سے خیرات دیتے تھے - جب انکی سواری کے باہر نکلنے کا وقت آتا تو فقیر راستوں پر بکثرت جمع ہو جاتے تھے اور یہ بگی یا موٹر سے رقم پھینکتے جاتے تھے اس قسم کی خیرات کو وہ رواج او وضع داری کی بنا پر جاری رکھے ہوئے تھے -" رقعات شاد " میں ان کا ایک خط ان

کے فرزند چندا پرشاد کا موسومہ نظر آتا ہے ۔ ایک دن بیٹے نے کہیں باہر جاتے ہوئے اپنے اتالیقوں سے یہ خیال ظاہر کیا کہ پیشہ ور گداگروں کو اس طرح خیرات دینا بے فائدہ ہے اسکی اطلاع جب باپ کے کانوں تک پہونچی تو باپ نے بیٹے کو تحسین و آفرین کے بعد خط میں لکھا کہ ایسے عمدہ خیالات کے اظہار کے صلہ میں پانچ اشرفیاں عطا کی جاتی ہیں ۔ اس بناء پر کہ ایک خدمت گزار کو بلا وجہ سخت و سست کہا گیا تھا ایک اشرفی جرمانہ کی طور پر وضع کرکے باقی اشرفیاں اہلکار متعلقہ سے حاصل کرلی جائیں اس کے ساتھ ہی توجیہہ کی کہ وہ اس طرح جوخیرات کیا کرتے ہیں وہ اپنے نام اور شہرت وغیرہ کے مدنظر ہے ۔ بہرحال مہا راجہ آنجہانی کی داد و دھش کا حساب لاکھوں روپیہ تک پہونچ جاتا ہے اور یہ کہنا درست ہے کہ اگر اصول کے ساتھ یہ خیرات کی جاتی تو ایک مستقل بیت المعذورین یا کسی قومی انسٹیٹیوٹ کو کامیابی سے چلایا جاسکتا تھا مگر مہا راجہ کی طبیعت ایسی تھی کہ وہ قدیم طریقہ خیرات ہی کو رواج کی بناء پر جاری رکھے ہوئے تھے ۔ اسکی وجہ طبقہ غربا و عوام میں انہیں خاص شہرت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی تھی ۔ مہا راجہ آنجہانی کے پاس ہر زمانے میں خواہ بر سر عہدہ ہوں یا نہوں حاجت مندوں کا کثیر مجمع تقریباً روزانہ جمع ہوتا تھا کہ ملازمت ۔ وظایف تعلیمی و دیگر امور میں انکی حاجت روائی کی جائے ۔ مہا راجہ کو چونکہ کسی کی بات رد کرنا ناگوار گزرتا تھا اس لئے وہ ہمیشہ سفارشی خطوط حکام مقتدر کو لکھا کرتے تھے ۔ بعض وقت عہدہ داران پیشی کو بھی انکے پاس روانہ کرتے تھے یا ٹیلیفون دلاتے ۔ بعض وقت خود بالمشافہ فرمادیا کرتے عرائض پر بہت طویل تحریرات لکھتے تھے ۔ سفارش کرتے وقت وہ یہ نہیں سوچتے تھے کہ انکی بات پوری ہوگی یا نہیں اور ملازمت میں اوس سے بڑہ کر بھی مستحق ہوں گے ۔ چونکہ کثرت سفارش کے اثر کو کم کردیتی ہے اس لئے ان کی سفارش کا اثر کم ہونے لگا تھا اور انکے معتمد علیہ افسران پیشی عرض کرتے بھی تھے کہ سرکار کی وقعت تحریر اس سے بے اثر ہو جاتی ہے ۔ مہا راجہ کا یہی جواب ہوتا کہ سائل کی بات رد کرنا ٹھیک نہیں جو کچھ کلمہ الخیر وہ لکھ سکتے یا کہہ سکتے ہیں اوس سے دریغ نہ کرنا چاہئے اس کا کام پورا ہو یا نہ ہو ۔ امراء ۔ جاگیر دار ۔ منصب دار ۔ جمعداران فوج اور اپنے متوسلین کے ساتھ ہمیشہ تواضع و انکسار اور انتہائی خلق و مدارت سے پیش آتے تھے ۔ وہ ہم عصر امراء کا بہت احترام کرتے تھے ۔ اپنے متعارفین اور دوستوں کے اولاد کے ساتھ بھی وہ نہایت مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے اور ان کے ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جو کچھ ممکن ہوتا اس سے دریغ نہ کرتے تھے ۔ اپنے ہم عصروں دوستوں ۔ متوسلین کے مراسم و تقریبات میں شریک ہوتے ۔ بعض وقت مبارکباد میں نظمیں بھی لکھتے ۔ اسی طرح غم کے وقت تعزیت دیتے مہا راجہ نے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا تو قدیم روایات اور مغلیہ ثقافت امراء اور شرفاء ثقافت قدیم کو اپنے گرد و پیش دیکھا اسلئے اپنے آخری دور میں تیزی سے ہونے والے تغیرات کو دیکھکر وہ بیحد متاثر ہو جاتے تھے قدیم امراء اور صاحبان مراتب کی اولاد کی پست حالی سے بعض

وقت آبدیدہ ہوجاتے ۔ انھوں نے اکثراپنی تحریروں میں اس شرفاکے گروہ پر انتہائی رنج و ملال کے تاثرات ظاہر کئے ہیں اپنے آخری کلکتہ کے سفر میں وہ واجد علی شاہ اودھ کے مزار پر گئے اور اسکے متعلق اپنے روزنامچہ میں اپنے جذبات انقلابات روزگار پر عبرت آمیز اور متاثرکن الفاظ تحریر کئے ہیں قبر پر نذر کی اشرفیاں رکھیں اور شاہ مرحوم کے جو عزیز کلکتہ میں مقیم تھے ان کو اپنی کوٹھی پر دعوت دے کر بلایا اور اخلاق و مدارت کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا ایک موقع پر معزول شاہ افغانستان امان اللہ خان نے چند افغانی طلباء یورپ کو سرکارعالی کی جانب سے امداد دلانے کے لئے بحیثیت صدر اعظم استمداد کی درخواست کی جومصالح سلطنت کی بناء پر منظور نہ ہوسکی جن لوگوں کو سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تھا ان کا بیان ہے کہ مہا راجہ انقلاب لیل و نہار پررونے لگے اسی طرح کی اور متعدد روایات ہیں کہ وہ شرفاء کی زبوں حالی سنکر آبدیدہ ہوجاتے اور اپنے امکان کی حد تک مناسب سلوک سے دریغ نہ کرتے تھے ۔ صفائی ۔ نفاست ۔ سلیقہ سے انکو خاص شغف تھا اور سادگی پسند تھی ۔ انکے ہمعصر امراء نے عالیشان قصور تعمیر کئے نہایت قیمتی فرنیچر سے انکو سجایا مگر مہا راجہ کو دادودہش کی وجہ سے اس قدر پس انداز ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ نئے عالیشان محل بنائیں یا گران قیمت فرنیچر قالین اور ساز و سامان خرید کر انکو آراستہ کریں۔ جواہرات بھی انکے پاس زیادہ نہ رہے تھے اور وہ نئے قیمتی جواہرات خرید نہ سکتے تھے ۔ انہیں لباس میں بھی سادگی زیادہ پسند تھی اگر چہ قیمتی لباس بھی موجود رہتا تھا مگر بہت کم اسکو استعمال کرتے تھے ۔ حضرت غفران مکان اور حضرت بندگان عالی کی انکے دیوڑھی میں رونق افروزی ان کے لئے نہایت فخر و انبساط کا باعث ہوتی تھی اور اس وقت دل کھول کرتکلف اور عقیدت کا اظہارکرتے تھے ۔ مہا راجہ کو اگر چہ بڑے بڑے قصور و ایوان بنانے کا موقع نہ ملا تا ہم ان کو ذوق تعمیر بھی ہمیشہ رہا کرمن گھٹ کوہ مولاعلی ۔الوال شاد نگر ۔ جوبلی ھل پر اچھی اور سلیقے کی عمارات بنائیں ۔ نیز اپنی شہر کی دیوڑھی میں بعض جدید تعمیرات کا اضافہ کیا جن میں سلیقہ اور خوش مذاق اچھی طرح سے نظر آتی ہے ۔ جو عمارت ان کو پسند آ جاتی مدتوں اسی میں رہائش رہتی ، کسی وجہ سے اگر طبیعت برخاستہ ہو جاتی تھی تو پھر اس عمارت میں نہ جاتے تھے مہا راجہ کی شہر کی دیوڑھی مہا راجہ چندو لعل کی تعمیر کردہ ہے اور تقریبا ڈیڑھ سو سال اس پر گزرگئے ہیں ۔ وقتا فوقتا ترمیم اور جدید تعمیرات کا سلسلہ بھی رہا ہے جو شخص جلو خانے میں جائے (اگرچہ وہ بھی وسعت رکھتا ہے) وہ ہرگز ان عظیم سلسلہ عمارات کا اندازہ نہیں لگا سکتا جو اس وسیع دیوڑھی میں موجود ہیں جلو خانے میں پہنچنے کے بعد جو ہر وقت عوام کے سلسلہ آمد و رفت کے لئے کھلا رہتا ہے اور جو محرم کے زمانے میں خصوصیت کے ساتھ سجایا جاتا تھا اسکے مشرقی جانب آئینہ خانہ تھا جو مہا راجہ چندو لعل کا دیوان خانہ تھا اور بہت عمدگی سے سجا ہوا تھا ۔ اس کے اوپر لنگر کے جلوس کو دیکھنے کے لئے بالا خانے ہیں جو اندر ہی اندر کافی وسیع ہیں ۔ ان میں بکثرت مہمانوں کے لنچ کھانے کی میزیں جائی جاتی تھیں ۔ لارڈ کرزن وایسرائے نے اسی

بالا خانے سے به معیت حضرت غفران مکان اور حضرت بندگانعالی لنگر کا جلوس معاینه کیا اور یہاں پر ھی لنچ کھایا تھا شمالی جانب باغ خاص کی عمارات ھیں ۔ مہا راجه چندو لعل کے زمانے سے یه باغ معزز مہمانوں کی رھایش اور شادی وغیرہ کی دعوتوں کےلئے مخصوص رھا ھے مہا راجه کے دامادوں کا اسی مکان میں عقد ھوا ھے ۔ اور مردانی دعوتیں یہاں پر ھی ھوتی تھیں ۔ اس خاص باغ میں لارڈ ارون ویسرائے نے لنچ کھایا تھا ۔ جنوبی رخ پر ایک طرف زنانه محل سرائیں نیز مہا راجه کی نشست و برخاست اور روزانه مہمانوں اور ملا قاتیوں سے ملنے جلنے کی عمارات واقع ھیں ۔ اس کے متصل قائم محل ھے ۔ قائم محل مہا راجه چندو لعل اور مہا راجه نرندر پرشاد کی مردانی نشست و برخواست اور کام کرنے کا مقام تھا ۔ یہاں ھی مسند پیشکاری بچھی رھتی تھی اور اس محل میں دلہنوں کی جلوہ کی رسم عمل میں آتی تھی یه محل بہت کافی وسعت رکھتا ھے ۔ اندر بگیاں موٹر بلکه عماری کے ساتھ ھاتھی تک باسانی گذرسکتے ھیں ۔ اسکے عقب میں دیگر عمارات اور بارہ دریوں کا سلسله ھے ۔ جسکو شاد منشن سےموسوم کیا گیا ھے اور اسی کے ساتھ خانه باغ ھے جسکو حوضوں ۔ گلگشتوں ۔ مصنوعی پہاڑیوں اور میدانوں سے خوبصورت بنادیا گیا ھے یہاں پر گارڈن پارٹی کی دعوتیں ھوتی تھیں لارڈ ولنگڈن کو اسی محل میں گارڈن پارٹی دی گئی تھی اسی محل سے متصل کارخانجات رسوی خانه ۔ باورچی خانه بگی خانه فیل خانه ۔ اصطبل ۔ موٹر خانه وغیرہ اهل مراتب اور متوسلین کی رھایش عمارتوں کا سلسله دور تک چلا گیا ھے ۔ متعدد بڑے بڑےمحل جو تکلف کے ساتھ آراسته بھی تھےکسی واقعه ھائله کی وجه سے منحوس سمجھکر متروک الاستعمال ھوگئے ۔ عمارتوں ۔ کی تعمیر میں مشرق و مغربی مذاق طبیعت دونوں کو ملحوظ رکھا گیا ھے ۔ فرش فرنیچر ساز و سامان بھی دونوں مذاق کے لحاظ سےمہیا کئے گئے تھے ۔ اس احاطے میں اچھی عمارتوں کے علاوہ بہت سی منہدم عمارتیں کھنڈر اور میدان اجڑی ھوئی حالت میں بھی نظر آتے ھیں ان عالیشان محلات میں پھرنے کے بعد ان عمارات کی تقریباً ڈیڑھ صد ساله تاریخ پردہ سنیما کے متحرك تصاویر کی طرح صاحب بصیرت کی آنکھوں میں پھر جاتی ھے اور خیال آتا ھےکه کیسی کیسی معزز ھستیاں ان عمارتوں میں چلتی پھرتی تھیں ۔ جو اب خواب عدم میں ھیں ۔ کتنے جشن ھائے انبساط و بزم ھائے نشاط ان عمارتوں میں منعقد ھوئے ھیں جنکی یاد ابمحوھوچکی ھے حکومت آصفیه کی تاریخ میں ڈیڑھ سو سال کے عرصه سے ان عمارتوں میں رھنے بسنے آنے جانے والوں کاحصه چلا آتا ھے۔ نه معلوم کتنے افراد کی یہاں حاجت روائی ھوئی کتنوں کی عرض قبول ھوئی ۔ اورکتنے محروم گئے ۔ جب کبھی حکومت ان ایوانوں میں آجاتی تھی تو ایک اور ھی رونق آ جاتی تھی ۔ ماتحتیں کا ھجوم اور اھل غرض کامجمع رھتا تھا جب حکومت چلی جاتی تھی تو دنیا پرست رخصت ھو جاتے تھے ۔ مہا راجه آنجہانی کی حکومت کی مدت طویل رھی ۔ عملا تین چار پشت کےافراد ان ایوانوں میں ان کے سامنے آئےگئے کوئی ان میں نہایت بلند اقتدار اور صاحب مرتبت و احترام تھا مگر اوس کا بیٹا پوتا اس سے کمتر یا معمولی حالت و حیثیت میں آیا اور بعض لوگوں کی

اولاد تو اس قدر پستی میں گر گئی کہ اس ڈیورھی میں آنے کی قابل نہ رہی - کسی کے دادا یا باپ معمولی اور چھوٹی حیثیت سے مہا راجہ کی خدمت میں باریاب ہوئے تھے وہ بھی کسی تقریب یا عید وغیرہ میں مگر وہ بلند تر حیثیت اور بڑے عہدہ دار بنکر خصوصیت سے آنے کے قابل ہوئے - بعض ایسے بھی ہونگے جن کے باپ دادا معمولی تماشائی یا رھرو کی حیثیت سے جلو خانہ میں سے گذرے ہونگے سلام و نذر بڑی بات ھے مگر وہ خود باعزت و اعتبار ہوکر ملاقات کےلئے آتے یا دعوتوں میں مدعو ہوئے - مہا راجہ نے دنیا کا یہ اتار چڑھاؤ دیکھا اور دیکھ کر کبھی ہنستے اور کبھی روئے کتنی ھی فوجی جمیعتیں اور جلوس و خوشی کے مراسم جلو خانے کے ایک دروازہ سے نکل کر دوسرے دروازہ سے گذرے جس کا اب کوئی اثر و نشان مطلق نظر نہیں آتا - مہاراجہ آنجہانی معاشرتی امور کے متعلق بڑی مدت تک قدامت پسند تھے وہ (خذ ماصفادع ماکدر) کی حدتک مغربی تہذیب و شائستگی کو اختیار کرنے کے حامی تھے - سراپا مغربیت انکو ناپسند تھی اس کا اظہار مختلف پیرایوں میں انھوں نے اپنی کتابوں اور مضامین میں کیا ھے وہ پردہ اور ذات پات کے اصول وغیرہ کے شدت سے حامی تھے مگر آخری عمر میں انھوں نے اصلاح معاشرت کی تحریکات کی بڑی حدتک ھمت افزائی کی - پردہ کی شدت ایک حد تک ان کی دیوڑی ھی میں کم ہوگئی - ان کی بعض صاحبزادیوں نے پردہ اٹھادیا - جو مسلمان یا ھندو اصحاب پردے کے پابند نہ تھے انکی مستورات مہا راجہ کی دعوتوں میں مدعو ہوتی تھیں - وہ کھانے پینے میں چھوت چھات کے پابند نہ رہے تھے اور ذات پات کے تفرقہ کو کوئی چیز نہ سمجھتے تھے یوروپین رقص کو دلچسپی سے دیکھتے تھے - اور کہا جاتا ھے کہ خود بھی بطور تفنن طبع ڈانس کرنا سیکھا تھا مگر جلسوں میں رقص نہیں کرتے تھے -

ھو نہار فرزند چندا پرشاد جس سے ان کی تمام آئندہ کی امیدیں وابستہ تھیں اور جو بلند حوصلہ و بلند خیال تھا عین عنفوان شباب میں انتقال کر گیا - اس کے بعد محبوب پرشاد و عثمان پرشاد بھی کم سنی میں فوت ہوگئے - ان بچوں کی موت نے مہاراجہ کو بے حد متاثر کردیا تھا - اولاد کے غم کے متعلق متعدد تحریریں انہوں نے انتہائی ملال اور درد وغم کے ساتھ لکھی ھیں - سب سے بڑی لڑکی جو باپ کی بہت پیاری تھی بھری جوانی میں شادی سے پہلے فوت ہوگئی - اسی طرح دیگر اولاد و ازواج کے غم انہوں نے برادشت کئے - وہ مرتی ہوئی اولاد و ازواج کو شدت غم سے نہ دیکھ سکتے تھے نہ ان کی تدفین کے وقت سامنے آسکتے تھے البتہ فقراء کی صحبت سے ان میں اتنا ضبط پیدا ہوگیا تھا کہ غم کو اپنے کاروبار میں حائل نہ ہونے دیتے تھے - اور "شاد باید زیستن نا شاد باید زیستن" کے مقولہ کو سمجھتے ہوئے زندگی سنجیدگی اورخوشی سے گذار دینا پسند کرتے تھے - اپنے دوستوں اور متعارفین کی وفات پر بھی ملول ہوجاتے تھے - بڑی عمر میں انکو اور اولاد ہوئی اور انہوں نے اپنی اولاد کی شادیاں کیں - انھیں اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کو دیکھنا نصیب ہوا مہا راجہ بہادر ان بچوں سے بڑی محبت و پیار سے پیش آتے تھے آنجہانی اپنے دل میں یہ حسرت لے گئے کہ ان کی

اولاد میں کوئی ایسا بلند پایہ پیدا نہ ہوا جو مہا راجہ چندو لعل کے نام کو روشن کرسکے ۔ مذکورہ بالا تفصیلات مہا راجہ آنجہانی کی زندگی کا بالکل مختصر خاکہ ہیں ۔ وہ اپنے ہم عصر طبقہ امرا میں صفات حسنہ کے اعتبار سے ممتاز تھے ۔ اور بعض امور میں تو ان سب پر سبقت لے گئے تھے ۔ انکی سرکاری زندگی پر بھی تفصیلی نظر بعد کو ڈالی جائیگی ۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگلے باب میں مہا راجہ چندو لال نے اور اسکے بعد خود مہا راجہ کشن پرشاد نے جو اپنے خاندانی حالات لکھے تھے وہ بجنسہ نقل کردئے جائیں ۔ صحت واقعات کے علاوہ اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ناظرین کرام کے سامنے ان دونوں مشاہیر کا طرز بیان رواقی تحریر کے علاوہ اس زمانے کی تلمیحات و تشبیہات ۔ بھی آ جائیں گیں ۔ اور ہماری تہذیب و زبان جو اپنا دم توڑ رہی ہے کم سے کم اردو ادب کی کتابوں میں تو محفوظ ہوجائیگی ۔

حصہ دوم

حالات زندگی

باب اول

آباو اجداد

(مہا راجہ چندولال کے خود نوشتہ حالات فارسی کا ترجمہ نیز مہاراجہ کشن پرشاد کے لکھے ہوئے حالات کا اقتباس)

یہ نیاز کیش کچھ اپنا حال بھی قلمبند کرتا ہے[1] آبا و اجداد کا وطن مالوف (جو کھتری مہرہ کی قوم سے تھے) لاھور تھا جہاں وہ بڑے بڑے عہدوں سے سرفراز تھے یہاں تک کہ حضرت عرش آشیاں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کا زمانہ آیا اور وزیراعظم راجہ ٹوڈر مل بہادر (قوم کھتری) تن دھن نے جو قرابت سببی رکھتے تھے لاھور سے طلب کرلیا۔ پھر تو سب نسلا بعد نسل شا ہ جہان آباد ھی میں متمکن ھوگئے اور سلاطین عظام کی خدمت میں رہ کر عہدھائے جلیله پر سرفرازھوتے رہے ۔ فردوس آرامگاہ محمد شاہ کے عہد میں جد امجد رائے مول چند حضور کی باریابی سے سرفراز تھے جب فتح جنگ نظام الدوله نظام الملک آصف جاہ بہادر دکن کی جانب روانہ ھوئے تو واقف کار لوگوں نے اون سے عرض کیا کہ کاروبار مملکت کے انتظام کے لئے رائے مول چند کو ساتھ لینا چاھئے جس کو انہوں نے قبول کیا اور رائے مذکور همراه رکاب حیدرآباد میں وارد ھوئے

اور پہنچتے ھی تعلقہ[2] کروڑ گیری کے افسر اعلی کی خدمت سے سرفراز کردیے گئے جس پر وہ تا حین حیات سرفراز رہے ۔ ان کے بعد جد اکرم رائے لچھمی رام اپنی موروثی تعلقداری پر سرفراز ھوئے وہ نا صر جنگ شہید کے ساتھ سفر میں بھی تھے اس کے بعد امیر الممالک نواب صلابت جنگ بہادر کے عہد میں بھی اسی عہدہ جلیله پر ممتاز و سر بلند رہے رائے موصوف اس زمانے میں اپنی دیانت و صداقت کے لئے اعلی شہرت

---

۱ ۔ اول الذکر عشرت کدہ آفاق کے ترجمہ فرحت کدہ آفاق مترجمہ راجہ رامیسر راؤ صاحب سے اور آخر الذکر کلیات شادان سے ماخوذ ھیں۔ آخری حصہ گلمپسز آف نظامس ڈومینین سے لیا گیا ہے۔

۲ ۔ قدیم دفتری اصطلاح میں تعلقه ” سر رشته ،، کو کہتے تھے ۔

رکھتے تھے یہاں تک کہ عالی جناب معلی‌الالقاب نواب نظام علی خان بہادر آصف جاہ ثانی کا عہد پر معدلت آیا اس وقت بھی رائے موصوف اپنے موروثی عہدہ پر سرفراز رہے لیکن دیوان نواب موصوف (راجہ پرتاب ونت وٹھل داس) راجہ بہادر سے مخالفت پیدا ہوجانے کی وجہ سے رائے موصوف نے عرصہ تک گوشہ نشینی اختیار کرلی راجہ بہادر کے بعد جب نواب رکن الدولہ بہادر دیوان مقرر کئے گئے تو شمشیر جنگ بہادر کے استصواب سے پھر رائے موصوف اپنے تعلقہ موروثی پر سرفراز کئے گئے اسی حالت میں رائے موصوف بمرض اسہال رحلت کی ان کی رحلت کے وقت انکے پانچ فرزند ارجمند تھے - (۱) رائے نانک رام (۲) رائے نارائن داس جو اس بندہ درگاہ الہ کے والد ماجد تھے - (۳) رائے رنگناتھ داس (۴) رائے بھوانی داس (۵) رائے سوھن لعل - یہ تمام اصحاب صرف کار دانی امورسملکت میں حسن انتظام کے لئے مشہور و معروف نہ تھے بلکہ علوم و فنون میں ادراک رکھنے کی وجہ سے تمام اماثل و اقران میں پایہ بلند رکھتے تھے - رائے نانک رام اپنی عمر اور لیاقت کے اعتبار سے سب میں بزرگ تھے اور وھی اپنے تعلقہ موروثی پر سرفراز کئے گئے اور سترہ سال کی مدت تک وہ اسی عہدہ پر مامور رہے - رائے موصوف جشن و عیش کے منانے کے لئے محفلیں منعقد کیا کرتے تھے اور اپنے عہد میں اس بات کے لئے مشہور و معروف تھے - فقراء و صلحا و اولیا کا بڑا لحاظ کرتے اور بزرگوں سے خاص عقیدت رکھتے تھے مولا علی کے عرس میں کوہ شریف پر بڑی دھوم سے جشن مناتے تھے - اس عرس کی یہ کیفیت ہے کہ ہر سال ۱۷ - رجب کو بلدہ و اطراف بلدہ کے تمام امیر و غریب ھندو ومسلمان جوق جوق کوہ شریف کو جاتے ھیں جو بلدہ فرخندہ بنیاد سے ۲ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے اور ان کا مجمع نہایت شاندار ھوتا ہے قریب قریب دس لاکھ آدمی کوہ شریف پر جمع ھو جاتے ھیں اژدھام کا یہ حال ہے کہ ایک بالشت زمین بھی خالی نہیں رھتی بلکہ کوہ شریف کے اطراف و جوانب میں تین کوس تک یہ مجمع مور و ملخ کی طرح پھیلا رھتا ہے کہ راہ چلنا دشوار ھو جاتا ہے - رائے موصوف اپنے تمام رفقاء کے ساتھ کوہ شریف کو تشریف لے جاتے اور چار دن وھیں مقیم رھکر نذر و نیاز میں مصروف رھتے تھے - نیز فقرائے ھندو و مسلمان خصوصاً جنگم گوسائیں بیراگی اداسی جوگی برہمن وغیرہ کی خدمت گذاری میں ہر وقت مشغول رھتے تھے - جگناتھ بالا جی- بنارس اودھ بندرابن پراگ ، گیا میں ھنود کے معابد کی امداد کرتے تھے جس کے لئے انھوں نے سدابرت قائم کیا تھا جس کو فارسی میں اخراجات صادر وارد کہتے ھیں اسکے اخراجات کے لئے مبلغ ۱۷ لاکھ روپیہ ساھوکار کے پاس جمع کروادیا تھا جس کے منافع سے خرچ کی رقم ادا کی جاتی تھی - یہ نیاز کیش بے بضاعت بھی ان مقامات مذکور میں اپنی طرف سے سدابرت قائم کئے ھوئے ہے لیکن اخراجات ہر مہینے نقد ارسال کرتا ہے - رائے موصوف کو علماً و فضلا کی صحبت بہت پسند تھی روز و شب تذکرۃ الاولیاء اور نفحات الانس سنا کرتے تھے اور اکثر اس نیاز مند اور راجہ گوبند بخشن بہادر کو مخاطب کرکے نکات توحید بیان کرتے تھے بلکہ جو کچھ کہ مجھے حاصل ہے وہ سب انہیں کے فیض صحبت اور تعلیم کا نتیجہ ہے اور وہ مجھ پر اس قدر التفات ظاہر کرتے تھے کہ اپنے بیٹے لکپت رائے

بہادر پر بھی اتنی توجہ نہ کرتے تھے اپنے بزرگوار کی وفات کے بعد سات برس تک اپنے عہدہ موروثی پر سرفراز رہے ۔ اس کے بعد بعارضہ اسہال عالم جاودانی کو سدھارے ۔ ان میں بفضلہ ہرایک صاحب اولاد و احفاد تھا چنانچہ رائے نانک رام بہادر کے ایک صاحبزادے رائے لکپت رائے تھے اور والد ماجد کے دو لڑکے تھے ایک تو یہ نیاز مند اور دوسرے راجہ گوبند بخش جو آجکل صوبہ داری برار اور اورنگ‌آباد پر حضور کی جانب سے سرفراز ہیں رائے رگناتھ داس صاحب کے دو لڑکے تھے ایک کا نام رام جی تھا جو انتقال کر گیا دوسرے رائے سیتل داس ہیں جو یلگندل کی تعلقداری پر سرفراز ہوئے ہیں اور چار ہزار سوار کے ساتھ مفسدوں کی تنبیہ پر مقرر کئے گئے ہیں ۔ رائے بھوانی داس صاحب بھی ایک لڑکا رکھتے ہیں جس کا نام رائے بالکشن ہے اور جو شمس الامرا بہادر جاگیر دار کے یہاں کار پرداز ہیں شمس الامرا بہادر کی جاگیر ۳۲ لاکھ کی ہے سات ہزار کی جمعیت سرکار دولت مدار کی جانب سے رکھتے ہیں رائے موہن لعل صاحب کو خداوند قدیر نے ایک لڑکا دیا تھا جو انتقال کر گیا ہے ۔

یہ نیاز مند دس سال کی عمر کا تھا کہ والد ماجد نے دنیا سے رحلت کی اورعموی بزرگوار یعنی رائے نانک رام بہادر نے میری پرورش اپنے ذمہ لی جب نواب غفران‌مآب بہادر مہم ٹیپو سے فارغ ہوکر بلدہ فرخندہ بنیاد کی طرف‌را ہی ہوئے اور مقام بیدر میں چھاؤنی ڈالی تو یہ نیازکیش بھی ہمراہ رکاب تھا اس کے بعد یہاں سے سواری آگے بڑھی اور جب کہ نیابت صوبہ داری ناظم جنگ بہادر کے سپرد ہوئی تو ان کے ہمراہ فدوی محالات تما پیٹھ اور اونچہ کا انتظام کرتا تھا ۔

جب حضور پرنور نے جنگ مرہٹہ سے فارغ ہوکر بلدہ کی طرف مراجعت کی تو یہ فدوی استقبال کےلئے نکلا اور ارسطو جاہ بہادر جو اپنے زمانہ کے ارسطو تھے بعض امور دولت خواہی کی بنا پر پونہ میں مقیم ہوگئے اور اگر چہ اس موقع پر اکثر بندگان درگاہ نے اپنے کو پیش کیا لیکن جو کچھ منظور خدا تھا وہ پیش آیا ۔ اس کے بعد ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ نواب عالی جناب بہادر کے فرزند اکبر عالی جاہ بہادر نے علم بغاوت بلند کیا سداشیوریڈی زمیندار نے جو ایک معمولی حیثیت کا زمیندار تھا عالی جاہ کو بغاوت پر ابھارا اور ایسے وقت جب کہ کسی کو گمان بھی نہ تھا یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا بندگان عالی نے اس فتنہ کو فرو کرنے کےلئے نواب میر عالم‌بہادر سے (جو علامہ زمان اور عاقل‌دوران تھے) مشورہ طلب کیا اور یہ قرار پایا کہ میر عالم بہادر جمعیت کثیر کے ساتھ اس بغاوت کو فرو کریں ۔ الغرض جس وقت کہ باغیوں نے قلعہ بیدر کو اپنے قبضہ میں کیا تھا نواب موصوف تعاقب کناں اجل‌معلق کی طرح سر پر جا پہنچے اور قلعہ کو باغیوں کے تصرف سے نکال لیا ۔ مفسدوں نے اپنی ہزیمت دیکھکر راہ فرار اختیار کی اور سیدھے ضلع خجستہ بنیاد میں داخل ہوئے لیکن میر موصوف نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور آخرالامر عالی جاہ کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ لیا اور بلدہ حیدرآباد کی طرف راہی ہوئے ۔ لیکن راستہ میں عالی جاہ بہادر نے زہر کھا کر اپنا کام

تمام کرلیا اور میر موصوف فتح و فیروزی کے ساتھ حیدرآباد میں داخل ہوئے اورحضور اقدس کے روبرو پہنچکر قدمبوس ہوئے ۔ سیدی امام خان قلعدار بیدر کی غفلت کی وجہ سے بیدر پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا تھا اس لئے وہ ماخوذ کیا گیا اور سخت عتاب نازل ہوا ۔ اس زمانے میں نواب شمشیر جنگ بہادر کو بندگان عالی سے بڑی خصوصیت تھی اور اس وجہ سے وہ ناظم بلدہ اور کروڑگیری کے تعلقدار کی خدمت پر سرفراز کئے گئے اور اس نیاز کیش کو حضور والا نے کار پردازی کی موروثی خدمت پر سرفراز فرمایا اس زمانے میں سرحدی مقامات پر غلہ کی گرانی بے انتہا تھی لیکن بافضال الٰہی فدوی کے جدوجہد سے روز بروز غلہ بڑھتا گیا اور کمی نہ ہونے پائی اس امر سے اعلی حضرت کی نظر عنایت فدوی پر زیادہ مبذول ہوگئی اور ہر دم نئے نئے عنایات کا ظہور ہونے لگا اور جب ارزانی غلہ کی خبر ارسطو جاہ بہادر کو پہنچی جو پونہ میں اقامت گزیں تھے تو انھوں نے ازراہ عنایت پیش از پیش مراسم مہربانی کا آغاز کیا ۔

اتفاق زمانہ سے پنڈت پردھان کا حال دگرگون ہوگیا اور ایک جدید انقلاب معرض ظہور میں آیا ارسطو جاہ بہادر موقع کے منتظر تھے اپنی رہائی کی تدبیر نکال لی اور ممالک محروسہ میں داخل ہوئے اور چونکہ تعلقداروں کا عزل و نصب مد نظر تھا اس لئے اس کارروائی کو انھوں نے جاری کیا اور مظفر الملک کو معزول کرکے تعلقات مکمہتل دیول قدرہ (دیورکدرہ) کویل کنڈہ ۔ مغل گدہ ۔ امرآباد ۔ کرول وغیرہ کی سند تعلقداری اس نیاز مند کو روانہ کردی جن کی طول مساحت دریائے کشنا سے لیکر فرخ نگر تک ہے۔ جب یہ سند فدوی کے پاس پہنچی تو حضور والا میں جا کر عرض کیا کہ بغیر میری درخواست و طلب کے ارسطو جاہ بہادر نے سند روانہ کی ہے اب جیساحضور والا کا ارشاد ہو ۔ معاً زبان مبارک سے مبارک باد کا لفظ نکلا اور فدوی آداب شکریہ بجالایا اور اپنی طرف سے نائبوں کو ضبط و عمل محالات مذکور کےلئے روانہ کردیا تھوڑی ہی مدت میں ارسطو جاہ بہادر محمد آباد بیدر کا چوتھہ وصول کرکے (جس پر پنڈت پردھان کا قبضہ تھا) بندگان عالی کی خدمت میں آ پہنچے ۔ در حقیقت نواب قضا قدرت کا عہد مبارک ہر روز عید اور ہر شب شب برات تھا ۔ مزاج میں خوش خوری کا زیادہ غلبہ تھا ۔ ادنی ادنی تقریبوں پر عیش و عشرت کا جشن منعقد کیا کرتے تھے جس میں امرا منصب و خطابات سے سرفراز ہوتے تھے اور تمام کافہ الانام انعام واکرام سے مالا مال ہوتے تھے قوالوں اور طائفوں کو فیاضی سے انعام ملتا تھا اور علما و فضلا کی قدر دانی میں کمی نہ ہوتی تھی غربا و مساکین کو بہت کچھ مال و زر تقسیم ہوتا تھا ۔ الغرض والا جناب نواب عالی جاہ بہادر کے اطوار و افعال اور خلق عام اس قدر پسندیدہ اور ہر دلعزیز تھے کہ اس کی شرح کرنا قدرت بیان سے باہر ہے اسی زمانے میں رائے لکپت رائے فرزند رائے نانک رام کو عہدہ کروڑگیری سے سرفراز کیا گیا اور چونکہ تعلقات کڑپہ میں مظفر الملک نے دست درازی شروع کی تھی اس لئے اس کی تنبیہ کے لئے چار ہزار سوار کی جمعیت سے روانہ ہوئے اور کامیابی کے ساتھ مع الخیر

واپس بلدہ ہوئے اس ضلع کے بڑے بڑے سرکش زمیندار وغیرہ کی بخوبی بیخ کنی ہوگئی اور ان کا ملک اولیا دولت کے قبضہ میں آگیا ۔

اتفاقات زمانہ سے سرکار عظمت مدار کمپنی انگریز بہادر سے تعلقات جدید قائم ہوئے اور انگریزی پلٹن امداد کے لئے مقرر ہوئی ۔ نواب ارسطو جاہ بہادر نے انگریزی جمعیت کے لازمی اخراجات کے انتظام کے لئے میر عالم بہادر جیسے دولت مندکو گتی بلھاری کی طرف روانہ کیا کہ اس ضلع کا بندوبست کریں اور آمدنی وصول کرکے جمعیت انگریزی کے اخراجات کا انتظام کریں اور نیاز مندکو چونکہ میر عالم بہادر کے مزاج میں بڑی رسوخیت حاصل تھی اس لئے اس مقام کی درستی و انتظام پر مقرر کیا گیا حتی کہ تعلقات مذکورہ ادھونی سے لیکر کڑپہ تک انگریزی کمپنی کو واگزاشت کرنے کے بعد حسب الطلب حضور بندگان عالی فدوی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوگیا اور چونکہ اس اثنا میں رائے لکپت رائے بہادر نے رحلت کی تھی اس لئے حضور والا نے از راہ مراحم خسروانہ تعلقہ موروثی پر فدوی کو مقرر کیا ۔ اس کے بعد شہزادہ آفاق نواب سکندر جاہ بہادر کی شادی بڑی دھوم دھام سے رچائی گئی اور ایسے عظیم الشان طریقہ سے یہ رسم ادا ہوئی کہ جس کی مثال چشم فلک نے بھی اب تک نہ دیکھی ہوگی جا بجا محفل ہائے عیش و سرود منعقد ہوئے ماہرویان پری چہرہ کا رقص و سرود دلکش ترانے لے زمزمہ تھا ہر گھر شادی تھی اور خانہ بہ خانہ جشن تھا ۔ دستر خوان کا انتظام ایسا وسیع کہ ہر کہ و مہ کے گھر پر پہنچایا گیا ۔ اور حتی کہ لوگوں نے کھانے کا انبار جمع کرلیا تمام ملازمین منصبدار جاگیر دار اور فوجی لوگوں کو ترقی تنخواہ و منصب ہوئی ۔ نواب ارسطو جاہ بہادر کو خاص طور پر اس جشن میں عزت دی گئی ۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی حضور والا بڑے بڑے جشن منا چکے تھے اور دوسرے شہزادہ عالی جاہ بہادر اور شہزادیوں کی تقریب میں بھی خوب خوب جشن منایا جاچکا تھا ۔ لیکن اس جشن کو ایک بھی نہ پہنچا تھا ۔ اس طرح جشن سالگرہ مبارک بھی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے اور تمام مشاہیر جو اپنی قسمت آزمائی کرتے ہیں حضور والا کے جود و کرم سے بہرہ مند ہوئے ہیں ۔ لیکن اس زمانہ کی حالت کبھی بھی ایک طرح نہیں رہتی اور خوشی غم و اندوہ سے بدلتی رہتی ہے ۔ مزاج وہاج میں عارضہ پیدا ہوا اور روز بروز طبیعت جادہ اعتدال سے گرتی گئی اور آخر کار بتاریخ ۱۷ ۔ ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۸ھ داعی اجل کو لبیک کہا ۔

کرد از جہاں چو مہر رئیس دکن غروب
آفاق سر بسر شدہ تاریک در نظر

آنجناب غفران مآب کے محامد و اصاف حیطۂ تحریر سے باہر ہیں ۔ انہوں نے اپنے زور بازو سے ملک دکن کا کماحقہ انتظام کیا ۔ ناصر جنگ شہید کے بعد امیرالممالک نواب صلابت جنگ بہادر نے انتظام شروع کیا لیکن ملک کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی ۔ اور ارکان سلطنت میں تزلزل واقع ہوگیا ۔ یہ حال دیکھکر نواب غفران مآب نے

به نفس نفیس ریاست کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیکر ریاست کو رونق تازہ دی۔ ٹیپو کی مہم ایک عظیم الشان معاملہ تھا لیکن والا جناب نے انگریزی کمپنی بہادر کے اتفاق سے اس مہم کو انجام دیا اور از راہ بیدار مغزی و دور اندیشی انگریزی کمپنی سے متعدد عہد نامہ جات قرار دئے جس سے رسم بیگانگی اور قطع رشتہ کا خیال بالکل جاتا رہا۔ ابتدائے جلوس سے ایام وفات تک صدہا شکستیں غنیم کو دی گئیں۔ اگر اس کی کیفیت مفصل زیر قلم لائی جائے تو ایک مبسوط کتاب درکار ہوگی چنانچہ میر عالم بہادر نے ایک کتاب میں حالات تحریر کئے ہیں جس کے شکریہ سے نیاز مند کبھی باہر نہیں ہوسکتا۔ اس حادثہ جانکاہ کے بعد نواب ارسطو جاہ بہادر نے اہالیان ملک کے اتفاق اور نواب ثابت جنگ بہادر (کپتن سڈنہام) رزیڈنٹ کے مشورہ سے رستم دوران افلاطون زمان سکندر ثانی نوشیروان معدلت۔

خوش طالعه بیمن که آقا
همتا نظیر خود ندارد
رفیع منزلت رستم ثانی
بیا رخ دست آن سلطان جم جاه
بسر بگہز د شت تا بگہز شنم ازماه
نواب سکندر جاہ بہادر ساعت سعید میں سر یرآرائے سلطنت ہوئے۔
فلک گفت احسن جلوس سکندر * سرسر کشان باد محتاج این در
آلہی برحد شادی و ستاد مانی * عروس جهان بادش از مهردر بر

ارسطو جاہ بہادر خدمت مدارالمہامی سے سرفراز کئے گئے لیکن ایک سال سے زیادہ کا زمانہ نہ گذرا تھا کہ انکی عمر اختتام کو پہنچ گئی اور راجہ اندر بہادر جو معزالیہ کے پیش دست تھے مہام ریاست کے منتظم قرار پائے لیکن وہ اس بارگران کے اٹھانے کے متحمل نہ ہوسکے۔ جب نواب گورنر جنرل بہادر کو غفران مآب کی رحلت کی خبر پہنچی تو تعزیت کے لئے خریطہ روانہ کیا اور ارسطو جاہ بہادر کی رحلت کی خبر پہنچی تو انھوں نے میر عالم بہادر کے مدارالمہامی پر مقرر کرنے کا مشورہ حضور پرنور کو دیا اور حضور والا نے از راہ شفقت میر عالم بہادر کو خلعت سے سرفراز کیا۔ راجہ مہی پت رام کو بندگان عالی نے برار میں روانہ کیا تھا لیکن اپنی بدخصالی کی وجہ سے وہ برار میں نہ ٹھیرا۔ اس حکم عدولی پر وہ معرض عتاب میں آیا اور معزول کردیا گیا جس پر وہ قلعہ شکر کھیڑہ کی طرف راہی ہوا۔ صوبہ برار اور اورنگ آباد میں چوں کہ کوئی صوبہ دار نہ تھا اس لئے نواب میر عالم بہادر نے کپتن طامس سیڈ نہام بہادر کے اتفاق سے عزیز القدر راجہ گوبند بخش بہادر کو حضور لامع النور سے خلعت صوبہ داری عطا کرایا اور دس ہزار کی جمعیت مع دس ہزار سواری بار برداری کے ساتھ راجہ موصوف روانہ ہوئے اس کے بعد

زاج میں چونکہ سیر و شکار کامیلان زیادہ تھا اس لئے وہ سرورنگر میں
ئے نواب میر عالم بہادر منیر الملک بہادر شمس یار الملک بہادر
بہادر حسام الملک بہادر ۔ امجد الملک بہادر اور بہرام الملک بہادر وغیرہ
مراہ رکاب سعادت انتساب تھے اور جن کو شکار شدہ چرند پرند تقسیم
رتبہ اعزاز کے ساتھ بڑھایا گیا ۔ حضور اقدس کا مزاج والا علم عربی کی
ن رکھتا ہے چنانچہ اکثر میر عالم بہادر کو عربی زبان میں مخاطب
علماے فن حضور والا کے بیان و ارشاد کو نہایت قیمتی تصور کرتے ہیں

عالم بہادر چار سال چار مہینہ اور ۱۷ روز تک اس عہدہ برگزیدہ پر
یک ایسا مرض پیدا ہوا کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا ۔

از خلق لطف بعالم نمودہ بود

حیرت ز رحلتش ہمہ آفاق را گرفت

آیات کا تمام باشندگان ملک کو افسوس ہوا ۔ نواب موصوف کے اوصاف
ہا ہے کہ انہوں نے زمانہ مدار المہامی میں جو کچھ حاصل کیا وہ
چ کرکے سرمایہ جاودانی حاصل کیا ۔ چنانچہ انہوں نے دریائے موسی
ا اور میر ساگر (یعنی میر عالم کے تالاب) کے ذریعہ سے تمام شہر
۔ انہوں نے مہمان سرائیں بلدہ سے بجواڑہ تک جو دریائے کرشنا کے
ربی جانب ہمناباد تک بنوادیا ۔ بندگان عالی کی رونق افزائی کے لئے
ر کی تفریح کے واسطے دریائے موسی کے کنارے بارہ دری بنوائی
، تعمیر حصار نہر حسینہ کے اجرا کےلئے بہت کچھ اخراجات بذریعہ
بندگان والا کو جب اس سانحہ درد انگیز کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت
فوراً اس نیازکیش کو طلب کیا اور ارشاد فرمایا کہ انتظام ریاست کو
چلانا چاہئے الغرض اس ماجرا سے کپتان سدنہام بہادر کو اطلاع دی
ں آئے اور عرض کیا کہ تمام حالات سے نواب گورنر جنرل بہادر
، گئی ہے بعد چندے خریطہ مشعر بہ تعزیت وصول ہوا اور نواب
جو میر عالم بہادر کے داماد تھے مدار المہامی کی خدمت جلیلہ کے
گئے ۔ مگر کل انتظامی امور کا اقتدار نیازکیش کے قبضہ اقتدار میں
تعالی کی مدد مہربانی سے یہ نیازکیش شب و روز کاروبار ریاست میں
، عالی کی رضا جوئی کا ہر دم و لحظہ خواہاں رہتا ہے اور نہایت آرام
سایہ ہما پرور میں زندگی بسر کرتا ہے حضور بندگان عالی کی خاطر
ے عالی شان محل کی تعمیر کا خیال گزرا پس سنہ ۱۲۳۲ ھ میں ''نویلہ محل''
س کی ختم تعمیر پر بہت بڑا جشن منایا گیا جس میں تمام اکابر واعالی

دادلی شریک تھے۔ جب انتظامات ملکی سے فراغت کلی حاصل ہوگئی تو حضورنظام*آباد کی طرف بغرض سیر روانہ ہوئے اور دو ماہ تک سیر میں مصروف رھکر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مراجعت فرمائے بلدہ ہوئے اور از راہ خانہ زادی فدوی کو خواصی میں بیٹھنے کی عزت بخشی۔ نواب کپتن سیڈ نہام بہادر†نے معروضہ پیش کیا کہ حضوروالا ان کی فروکش پر قدم رنجہ فرماکر عزت افزائی کریں ۔ حضور بندگان عالی نے ان کا معروضہ قبول کرلیا اور بڑے شان و شکوہ کے ساتھ نواب موصوف کے گھر تشریف فرما ہوئے اس خوشی میں کپتن موصوف نے آتشبازی بڑے دھوم سے چھڑائی اور نذر میں ایک ہاتھی اور جواہرات گرانبہا پیش کئے حضور والا نے چندے توقف فرماکر راہ معاودت اختیار کی۔

اتفاق سے بوجوہ چند نواب گورنر جنرل بہادر نے کپتن سڈ نہام بہادر کو طلب فرمالیا جو حضور والا کی خدمت میں رخصت کےلئے حاضر ہوئے اور جاتے وقت پاندان رخصتی دیا گیا۔ اس کے علاوہ فدوی کے بھی مکان پر رخصت ہونے کےلئے تشریف لائے (سرھنری رسل) نواب ثابت جنگ بہادر کپتن موصوف کے قائم مقام ہوکر تشریف لائے نواب موصوف حضور والا کی خیر خواہی میں بڑی شہرت رکھتے ہیں اور اس ریاست کے قدیمی خیر خواھوں میں شمار ہوتے ہیں ۔ انکے آنے سے ان کے تمام دوستوں کو بڑی خوشی ہوئی ۔ اور نواب منیر الملک بہادر کے ساتھ یہ نیازکیش نواب ثابت جنگ بہادر کا استقبال کرکے حضور والا میں لایا ۔ حضور نے دست شفقت ان کے سر پر رکھا اور اپنی خوشنودی کا اظہار کیا بعد ازاں فدوی کے دل میں یہ آیا کہ برخوردار راجہ بالا پرشاد کی تقریب شادی کو انجام دے ۔ الغرض اس کا آغاز ربیع الاول سنہ ۱۲۲۸ھ سے کیا گیا اور کافہ انام کو جشن میں شریک کیا حضور بندگان عالی سے بھی درخواست کی کہ از راہ خانہ زاد پروری فدوی کے یہاں قدم رنجہ فرمائیں ۔ حضور والا نے اس دعوت کو قبول کرلیا اور خانہ نیازکیش کو قدوم میمنت لزوم سے منور کیا ۔ نیازکیش نے فرق مبارک پر دل کو تصدق کیا اور مال کو پیشکش و پا انداز کیا ۔

ز شادی ببا لیدم از پیرهن
چو گلہا کہ تازہ دمد در چمن

اس رونق افروزی کا مفصل حال لکھا جائے تو دفتر چاہئے مزید طرفہ عنایت یہ کہ جناب بخشی بیگم صاحبہ قبلہ و تہنیت النساء بیگم صاحبہ قبلہ نیز تمام محلات بھی ساتھ تھے کچھ عرصہ تک محفل رقص ملاحظہ فرماتے رہے اس کے بعد آتشبازی کا تماشا دیکھکر

---

* نواحی بلدہ میں ایک قصبہ

† رزیڈنٹ صاحبوں کو اول دربار آصفی سے خطابات ملتے ہیں

مراجعت فرمائے ۔ اس کے بعد فدوی نے نواب ثابت جنگ بہادر اور دوسرے صاحبان عالیشان کو تکلیف دی سب نے قدم رنجہ فرمایا نواب منیر الملک ۔ شمس الامرا بہادر شہر یار الملک بہادر حسام الملک بہادر بھی زینت بزم تھے اور تمام اعیان دولت و ارکان سلطنت موجود تھے قریب تین ماہ تک سلسلہ شادی جاری رہا اور عام و خاص کو کھانا تقسیم ہوا اور شب گشت رات کو بڑی تزک و احتشام کے ساتھ گشت ہوئی فضل خدا سے جو آرزو کہ دل میں تھی پوری ہو گئی ۔ جشن کا مفصل حال لکھنا طوالت سے خالی نہیں ۔ ملا محمد فایز کاشانی نے کتاب جہان آرامیں اور حاجی ملا محمد علی ساغر نے رسالہ جشن شادی میں اور دوسرے علما و فضلا نے جو نیاز مند کے وابستہ و دولت خواہ ہیں اپنی اپنی تصانیف میں تفصیل سے لکھا ہے جو چاہے ان کو دیکھ لے۔ مرزا محمد طاہر شیرازی نیسری ۔ مرزا محمد جواد شیرازی حاجب مرزا شایق نججوانی ۔ حسین علی خان ایما ۔ ذوالفقار علی خان صفا وغیرہ میرے ہم بزم شعرا نے قطعات و تاریخ و قصاید اس موقع پر کھکر صلہ و انعام سے مالا مال ہوئے ۔ علاوہ شعرائے مذکور کے اور شعرا نے بھی قصائد و قطعات لکھے ہیں ۔ اب پھر کچھ حالات بندگان عالی کے عہد مبارک کے بیان کئے جاتے ہیں ۔

حق سبحانہ تعالی اس ریاست ابدمدت کو قیامت تک قائم رکھے کہ اس مبارک زمانہ میں بلدہ فرخندہ بنیاد کی وسعت جانب شرقی سرور نگر تک جانب غربی قلعہ محمدنگر (گولکنڈہ) تک جانب شمال نظام آباد اور جنوبی اوس مقام تک ہے جو چشمہ بی بی کے نام سے مشہور ہے اور آبادی کی یہ حالت ہے کہ رہگزر میں قدم دشواری سے رکھا جاتا ہے خصوصا ایام عشرہ میں لوگ خلوص و عقیدت سے لنگر نکالتے اور ''حسینی علم'' و ''نعل مبارک''، اور '' الاوۂ بی بی '' میں اس قدر نیازیں چڑھاتے ہیں کہ صرف اگربتی اور عود کے لئے دو لاکھ روپے صرف ہوتے ہیں اور اسی قدر شربت وغیرہ کے تیار کرنے میں ۔ اور اکثر مقامات میں تابوت و علم استاد کئے جاتے ہیں اور بہت روشنی کی جاتی ہے یہ نیازکیش بھی عقیدت سے آبدار خانہ اور ٹٹی میں قسم قسم کی روشنی کرتا اشجار بلوریں ۔ قنادیل اور چالیس زجاجی چراغ رنگا رنگ کے آویزاں کرتا ہے کہ دیکھنے والا اور سننے والا حیرت سے دیکھتا اور سنتا ہے جب نعل مبارک کی سواری نکلتی ہے تو بے شمار مخلوق اور از حد مشعلیں ساتھ ہوتی ہیں چار لاکھ سے زیادہ ہی لوگ انواع و اقسام کی مشعلیں اور تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے جلو میں رہتے ہیں ۔ اور روزعاشورہ تو یاقوت پورہ کے دروازہ سے لے کر پل کے (یعنی پرانے پل کے) دروازے تک اس قدر ہجوم خلائق ہوتا ہے کہ قدم رکھنے کی جگہ نہیں ملتی ۔ رود موسی میں کوئی دس لاکھ آدمی جمع ہوتے ہیں جن میں عورتیں بھی ہوتی ہیں اور بچے بھی ۔ دوکاندار اپنی اپنی دکانوں کو اس قدر آراستہ کرتے ہیں کہ ہر ایک دکان پر تماشائیوں کا ایک ہجوم لگا رہتا ہے غرض کوچہ بکوچہ خانہ بخانہ روضہ خوانی ۔ تعزیہ خوانی طعام تقسیم ہوتا

رهتا ہے ۔ اور یہ نیاز کیش بھی تعزیہ داروں کی حتی الامکان مدد و اعانت کرتا رهتا ہے۔
از مصنف

الہی شہر راداری تو آباد

خلائق راز فرحت شاد برشاد

خلائق کی آسودگی کی وجہ سے بکثرت عمارات تعمیر کئے جاتے هیں اس نیاز مند درگاہ الہی نے بھی اکثر محل موسوم بہ عشرت محل ۔ بہجت محل ۔قائم محل ۔ چینی خانہ ۔ آئینہ خانہ ۔ بارہ دری اس کے علاوہ اور بہت سے مکان قیام کےلئے تعمیر کئے هیں هر ایک بجائے خود ایک وسیع محل ہے جن کے لئے تمام شعرائے عہد نے قطعات و قصائد اور تاریخیں کہی هیں اور ملا محمد کاشانی واقعہ نگار نے جس کا فائض تخلص ہے هر ایک تعمیر کے متعلق ایک ایک جدا رسالہ لکھا اور ضمن میں هر ایک شاعر کا ذکر بھی کیا ہے ۔ هر شخص دیکھکر آگاہ هوسکتا ہے ۔

بہ اقبال حضرت قدر قدرت ابتدائے جلوس سے اب تک مدار درجات ترقیوں هی پر ہے ۔ باجی راو پونہ وغیرہ کی ریاست نیز رگھو ناتھ جی بھوسلہ و ناگپور کا ملک اعیان کی بے تدبیری سے برباد هوگیا اور اس ریاست آبد مدت کا انتظام نواب ثابت جنگ جیسے دانائے عہد و خیر خواہ قدیم کی سعی و اهتمام سے ایسا ہے کہ بایدوشاید ۔ سرکارین کے اتحاد کو نواب معلی الالقاب گورنر بہادر کے گوش گذار کرکے حسب خواهش مغفرت مآب و غفران مآب چوتھ کے مسئلہ کو سرکار عظمت مدار میں پیش کرکے چند لاکھ روپیوں پر طے کرلیا گیا ۔ اللہ کے فضل سے اب تک (یعنی سنہ ۱۲۳۳ھ تک) یہ نیاز کیش فراغت و فرحت کے ساتھ سایہ قدرت میں زندگی بسر کرتا ہے از روئے عقاید کچھ رات رہے سے اوٹھکر جناب باری کی عبادت قریب چار شب تک ادا کرتا ہے اور حسب توفیق و مقدرت فقرا و مساکین کو خیرات کرتا رهتا ہے جسکو یہاں کی اصطلاح میں دان کہتے هیں ۔ اسکے بعد بحضور دربار دولت مدار شرف ملازمت حاصل کرکے واپس اور کاروبار ملکی میں مشغول هوتا ہے راجہ شیو پرشاد سررشتہ دار و علاقہ سپاهدار اور راجہ بیر بھان اور راجہ راجیشور راؤ لعل جی منشی وغیرہ اور نیز اعزہ و امرائے شہر خلائق کے معاملات کے تصفیہ کےلئے حاضر هوتے هیں اور قیلولہ کے بعد ایک ساعت سے پھر مغرب تک خاص و عام کے التجاخ مرام کی طرف متوجہ هوتا ہے اور رسم وظائف ادا کرنے کے بعد آدھی رات تک سرکاری امور میں مصروف رهتا ہے ۔ بعدازین علما ۔ شعرا حاضر هوتے هیں مسائل حکیمہ علمی اور مشکل مشکل اشعار کا حل کیا جاتا ہے عرفاء اولیا کا کلام پڑھا جاتا ہے جسکو یہ نیاز کیش سنتا رهتا ہے اس نیاز کیش کے تقسیم اوقات کے متعلق محمد فائض کا شانی و قایع نگار اور غلام محی الدین خان و مہتاب رائے نے کتابیں لکھی هیں جس کے دیکھنے سے مفصل کیفیت معلوم هوتی ہے۔

پہلے اکثر وقت راگ سننے میں صرف ہوتا تھا اور اب کار سرکاری کی کثرت کے سبب کبھی کبھی ہولی - دیوالی - دسہرہ بسنت راکھی اور عیدوں کی تقریبوں میں مشہور و ماہر فن مغنیوں اور مطربوں کا گانا (جو ہر وقت حاضر رہتے ہیں) سن لیا کرتا ہے،،

مہا راجہ مرحوم نے جو حالات کلیات شاداں کے دیباچہ کے طور پر تحریر کئے ہیں ان کا بھی پڑھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا مہا راجہ کشن پرشاد فرماتے ہیں کہ نامور لوگوں کے کار نامے اور زندگی کے معرکۃ الارا حالات تمام عالم میں زبان زد ہوتے ہیں اور وہ آنے والی قوموں کےلئے دستور العمل قرار پاتے ہیں انکے حالات کا قلمبند کرنا صرف اونکے معراج کمال کو ہی واضح نہیں کرتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مردہ دلوں کو ایک تازہ زندگی بخشتا ہے اور ترقی کے میدان میں اون کو قدم بڑھانے پر آمادہ کرتا ہے لہذا جس قدر وقیع اور قابل مطالعہ سوانح عمری کو کیا جاسکتا ہے شاید اور کوئی علم و فن اس عزت کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا -

پیدایش اورخاندانی حالات راجہ چند و لعل سنہ ۱۱۷۰ھ مطابق سنہ ۱۷۶۶ع میں پیدا ہوئے ان کا خاندان ایک مشہور خاندان ہے جس نے دولت مغلیہ کے سایہ عاطفت میں ہمیشہ بڑی ناموری اور عزت حاصل کی ہے - راجہ ٹوڈر مل وزیر اعظم شہنشاہ اکبر راجہ چندو لعل کے مورث اعلی تھے جنہوں نے نہ صرف اپنے ذاتی کمالات سے دربار میں رسوخ پیدا کیا بلکہ اپنے خاندان کو سلطنت کا ایک جزو ہمیشہ کےلئے بنا گئے اگر چہ ان کے اجداد کا وطن مالوف لاہور تھا مگر شہنشاہ دھلی کے رکن اعظم ہونے کی وجہ سے پا یہ تخت دھلی میں اکثر قیام پذیر رہے - شہنشاہ اکبر کے فوت ہونے کے بعد راجہ ٹوڈر مل کے خاندان کے ممبر شہنشاہ دھلی کی خدمت میں کمر بستہ رہے اور محمد شاہ کے عہد تک نسلاً بعد نسل شاہ جہاں کے عہد میں بھی ملکی خدمات سے سرفراز ہوتے رہے -

قوم اور مذ ھب راجہ چندو لعل اپنے مورث اعلیٰ راجہ ٹوڈر مل کے جو قوم کھتری (سپاھی النسل) مذ ھب کے با لکل صوفی اور محقق یگا نہ تھے مذہب ا ن کا صلح کل تھا اور اس شعر کے پورے مصداق تھے -

جنگ ہفتاد و دوملت ہمہ را عذر بنہ
چو ندیدند حقیقت رہ افسانہ زد ند

حیدرآباد دکن میں آنا محمد شاہ کے وقت میں راجہ صاحب کے جد امجد رائے مول چند دربار میں بہت رسوخ رکھتے تھے انکی کار دانی کا بڑا سکہ دربار میں بیٹھا ہوا تھا

---

۱ - ملحوظ رہنا چاھئے کہ مغلیہ چراغ حکومت گل ہو چا رھا تھا سلطنت میں طوائف الملوکی کا نقشہ پیدا ہوگیا تھا آصفجاہ اول نے دکن کے تحفظ کا ارادہ کیا اور کامیاب ہوئے -

جب نظام الملک فتح جنگ آصف جاہ بہادر دکن کی جانب روانہ ہوئے تو واقف کار لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ رائے مول چند کو بھی ہمراہ رکاب سعادت انتساب لیے چلئے انتظامی امور میں ان سے بڑی مدد ملیگی چنانچہ نظام الملک بہادر نے رائے مول چند کو اپنے ہمراہ لیا دکن پہونچنے ہی کروڑ گیری کے معزز عہدہ پر مقرر کردیا اور جب تک رائے مول چند زندہ رہے اس خدمت جلیلہ پر رہے -

انکے بعد لچھمی رام کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا جو صلابت جنگ کے عہد تک کار مفوضہ انجام دیتے تھے - رائے لچھمی رام کے پانچ فرزند تھے سب سے بڑے نانک رام تھے ان سے چھوٹے راجہ چندو لعل کے والد راجہ رائے نارائن داس تیسرے کا نام رائے رگناتھ داس چوتھے کا نام رائے بھوانی داس پانچویں کا نام رائے سوھن لعل تھا - لچھمی رام کے انتقال کے بعد انکے سب سے بڑے بیٹے نانک رام کو کروڑ گیری کا عہدہ ملا جنھون نے راجہ چندو لعل کو اپنے آغوش عاطفت میں لیا اور اپنے بچوں کی طرح انکی پرورش کی کیونکہ انکی عمر دس برس کی تھی کہ رائے نارائن داس نے رحلت کی -

راجہ چندولعل کے حالات گو راجہ چندو لعل یتیم ہوگئے تھے مگر انکو ایسا شفیق مربی مل گیا جس نے ان کی ترقی کن ذہنی قوتوں کی خوب پر داخت کی اور اپنے بیٹے گنپت راؤ کے ساتھ انکی تعلیم و تربیت برابر جاری رکھی اور انکو ہر طرح مدد دی کہ آئندہ زندگی میں کامیابی سے قدم رکھنے کے لئے اپنے کو اچھی طرح تیار کریں -

ابتدائی ملازمت راجہ صاحب (چندو لعل) نے سن شعور کو پہونچنے کے بعد ملازمت کے لئے سعی کی - ہوشیاری فراست و دانائی نے نواب شمشیر جنگ کو اپنی طرف متوجہ کرلیا جنہوں نے اس جوہر گران مایہ کو قدرداری کے قابل سمجھکر اپنی پیشی میں لے لیا (اندازہ ہوتا ہے کہ اب خاندان ارسطو جاہ اور شمشیر جنگ کا ستارہ اقبال بلند ہو رہا تھا اور راجہ چندو لعل نے زندگی کے بسربرد کے لئے اپنی قوت بازو پر اعتماد شروع کیا) - رائے نانک رام کے فوت ہوتے ہی انکے خاندان کا حال ابتر ہوگیا تھا اور راجہ چندو لعل مجبور ہوگئے تھے کہ ملازمت کی تلاش کریں خواہ وہ کسی حیثیت کی ہو چنانچہ وہ شمشیر جنگ اور بدیع اللہ خان کی ماتحتی میں کام کرتے رہے - جب نورمحمد کا زمانہ آیا تو راجہ صاحب کو سبز منڈی کی محرری پر مقرر کیا وہ بہ خوشی اس کام کو کرتے رہے - صبح سے شام تک منڈی میں رہتے تھے مگر انکی بے نظیر فیاضی اور غربا پروری نے جسے کہنا چاہئے انکی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی انکو بہت جلد بڑے مرتبہ پر پہونچایا - جناب بخشی بیگم صاحبہ غفران مآب کے بڑے محل نے راجہ کو "بیلے" (معلوم نہ ہوسکا کہ اس خدمت سے کیا فرایض متعلق تھے خود وہا راجہ چند و لعل نے اپنی کتاب عشرت کدہ آفاق میں غلہ کی درآمد کے فرائض متعلق رہنے کا کچھ تذکرہ

کیا ھے) پر مقرر کیا۔ اس کے بعد ھی راجہ چندو لعل نے ترقی شروع کی شمشیر جنگ بہادر نے حضور پرنور سے عرض کرکے متعلقہ اردلی کی کار برداری پر مقرر کرادیا ۔

سنہ ۱۲۱۲ ھ میں حسب تحریک منیر الملک بہادر (ارسطو جاہ جو مدار المہام وقت ہوگئے تھے) راجہ صاحب موصوف کو خطاب راجہ بہادر بارگاہ خسروی سے مرحمت ہوا اور قلعہ پر ھوسٹ موضع گڑپہ وکنجی کوٹہ وغیرہ کے انتظام کے علاوہ چار ہزار سوار اور چار ہزار پیدل کے ساتھ روانہ ھوئے راجہ بہادر نے اس مہم کو با حسن وجوہ سر کرلیا اور راجہ جٹپول کو کہ دس ہزار سوار و پیدل کا سردار تھا مغلوب کیا اورغداروں کو سرکشی کی سزا دی ۔ انکی معیت میں راجہ لکپت رام نے کڑوری کاکام انجام دیا ۔ راجہ بہادر مہم سے واپس ھوکر جب پہونچے تو چند غلط فہمیوں کی وجہ زمانہ ناموافق ھوگیا لیکن انکی قسمت نے بہت جلد پلٹا کھایا اور شمس الامرا کی جمعیت پائیگاہ انکے سپرد ھوگئی اس خدمت کو بھی بڑی سرگرمی و قابلیت سے انجام دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ لکھپت رام کے فوت ھوتے ھی کروڑگیری پر مقرر ھوگئے ۔ اور تھوڑے ھی دنوں بعد نواب سکندر جاہ بہادر نے انکی قابلیت سے آگاہ ھوکر افواج قاہرہ آصفیہ کا پیشکار مقرر فرمادیا۔ میر عالم بہادر دیوان جدید راجہ بہادر سے بہت خوش تھے اور ان پر ہر طرح کا اعتماد رکھتے تھے ۔ راجہ چندو لعل ایسے شخص نہ تھے کہ کسی کی سفارش وغیرہ اپنی ترقی کےلئے کام میں لاتے انہوں نے اپنی اعلی قابلیت اور دیانت سے ہر بالا دست حاکم کی خوشنودی حاصل کی ۔ میر عالم کے بعد جب منیر الملک دیوان مقرر ھوئے تو انکی نظر میں راجہ صاحب کی عزت اور بڑھ گئی اور انہوں نے تمام امور مالی و عدالتی انکی رائے پر چھوڑ دیئے بغیر انکے مشورہ کے کوئی کام انجام نہ دیتے تھے ۔

سرفرازی | سنہ ۱۲۳۰ ھ میں راجہ بہادر چندو لعل کا اقبال اور عروج پر آیا نواب سکندر جاہ بہادر نے انکو مہا راجہ کا خطاب دیکر نوبت اور جھالہ دار پالکی سرفراز فرمائی انکی سخاوت و فیاضی سے واقف ھوکر ایک کڑور روپیہ نقد انعام عطا فرمایا تھوڑے ھی زمانہ سنہ ۱۲۳۷ ھ میں صاحبزادہ مبارزالدولہ کی مراجعت کے بعد ہفت ہزار سوار کے منصب جلیلہ پر سرفراز ھوئے ۔

عہد نواب ناصرالدولہ بہادر | سنہ ۱۲۴۰ ھ میں سکندر جاہ نے رحلت فرمائی اور نواب ناصرالدولہ بہادر انکے جانشین ھوئے ۔ اس زمانہ میں مہا راجہ چندو لعل نے اور ترقی کی ۔ سنہ ۱۲۴۰ ھ میں راجہ راجایان کا خطاب پایا اور جس قدر قرضہ ریاست کا انکے ذمہ تھا وہ سب معاف کردیا گیا اور خود نواب ناصر الدولہ بہادر کئی بار انکے مکان پر تشریف لائے ۔

مدار المہامی | منیر الملک بہادر کا پیمانہ حیات لبریز ھوچکا تھا انہوں نے سنہ ۱۲۴۸ ھ میں انتقال کیا اور راجہ راجایان مہاراجہ چندو لعل بہادر وزارت عظمی پر سرفراز فرمائے

گئے - عہدہ مدار المہامی پر فائز ہوچکے تو بڑی مستعدی اور جفاکشی سے انتظام کی طرف توجہ کی۔ انکی غیر معمولی فیاضی نے ایک غیر معمولی اثر پیدا کیا لیکن بمصداق ''الاعمال بالنیات ،، تمام حکام اور رزیڈنٹ صاحبان نے تسلیم کیا کہ ریاست میں اگر کوئی ہوشیار شخص ہے تو وہ مہا راجہ چندو لعل ہیں۔ مختصریہ کہ مہاراجہ چندو لعل اپنی بے نظیر قابلیت اور خداداد تدبیر سے ایک کم درجہ کی ملازمت سے اعلی درجہ تک پہونچے -

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سنہ ١٢٦٠ھ میں وہ ملازمت سے مستعفی ہوئے اور سنہ ١٢٦١ھ میں انتقال ہوا۔ ٨٦ برس کی عمر پائی اور عمر کے نصف سے زیادہ حصے کو ملکی خدمات میں صرف کیا -

مہا راجہ بہادر کے اوصاف

مہا راجہ بہادر چندو لعل نہ صرف اس وجہ سے نزدیک و دور مشہور ہوئے کہ ایک مشہور اعلی خاندان کے رکن رکین تھے یا یہ کہ خود ایک بڑے شخص ہوئے بلکہ در حقیقت انکے غیر معمولی اخلاق وعادات حلم و خاکساری اور بے نظیر فیاضی نے انکو ہر دلعزیز خلائق بنانے کے علاوہ بادشاہ وقت کی عنایت اور فضل ایزدی کی بدولت ذرہ آفتاب بنکر ایسا چمکا کہ ہندوستان تک انکے نام کا ڈنکہ بج گیا - ہر ایک ادنی و اعلی امیر و غریب کے ساتھ انکا برتاؤ صلح کل کا رنگ لئے ہوئے تھا -

قدر شناسی

مہا راجہ بہادر موصوف نے علم میں بڑی دستگاہ حاصل کی تھی جس طرح وہ خود اعلی درجہ کے انشا پرداز اور فاضل تھے ویسے ہی وہ علماً اور فضلا کو پہچاننا بھی خوب جانتے تھے انکے حالات دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مشرقی امرا کا ایک نمونہ تھے ان میں وہی جوہر پنہاں تھے جو گزشتہ روسا میں پائے جاتے ہیں -

ایشیائ کے روسا ہمیشہ سے علماً - شعرا اور فقرا کے قدر داں چلے آئے ہیں - مہا راجہ چندو لعل نے بھی انہیں کی پیروی کی اور ایک بڑی جماعت اپنے پاس جمع کرلی - جس میں ذیل کے لوگ شامل تھے - میر امجد علی خاں - مردان علی خاں ابومحمد خاں - شرف الدین حکیم شفائی خاں - حکیم میر سلامت علی خاں - حکیم باقر علی خاں - حکیم مرتضی خاں - حکیم عباس علی خاں - حکیم یادگار علی خاں - میر باقر - عاقبت طلب خاں - حکیم لطف حسین خاں - اکبر حسین خاں - حکیم محمد تقی - جامع معقول و منقول مولوی ابو تراب - مولوی محمد حسین - مولوی غلام حسین - ملا محمد فائض کاشانی - حاجی ملا محمدساغر - میر زا محمد طاہر حسین - حسین علی خاں - حافظ تاج الدین مشتاق

ذوالفقار علی خان صفا ۔ میر عنایت علی ۔ خواجہ ہمت علی خاں ہمت ۔ مرزا عابد علی بیگ خان ظہور ۔ غلام ضامن اکرم ہر ہفتوں اور مشہور شاعر شاہ نصیر دہلوی وغیرہ وغیرہ انکے گرد جمع تھے ۔ مہا راجہ ہر ایک اہل کمال کے ساتھ عزت کے ساتھ پیش آتےتھے ۔ جس کی وجہ سے دور دراز ممالک کے ذی کمال حضرات علماء شعرا ۔ حکما ۔ فقرا جوق جوق چلے آتے تھے اور مہا راجہ نے اپنی دولت کا کثیر حصہ اہل کمال کی قدردانی میں صرف کردیا جس نے انکو زندہ جاوید کے مرتبے پر پہونچا دیا ۔

علمی صحبت | مہاراجہ موصوف کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر رات کئی گھنٹے اہل علم کی صحبت میں نشست فرماتے تھے اور علمی مسائل ۔ پرگفتگو رہتی تھی ۔ شعر و سخن کا چرچا اکثر ہوتا تھا اور تصوف کے مسائل بیشتر پیش رہتے تھے ۔

مہاراجہ کا کلام دیکھکر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انکی طبیعت پر تصوف کا گہرا رنگ چھایا ہوا تھا اور وہ واحد حقیقی کی معرفت تامہ سے بہرہ اندوز اور پکے موحد تھے ۔

فیاضی | خلاق عالم نے جس وقت مہاراجہ بہادر کا مادہ جسمانی و روحانی بنایا تھا اس وقت فیاضی کا جوہر بھی علیٰ وجہ الکمال و دیعت فرمایا تھا ۔ جس نے ابتدا ہی سے اپنی چمک دمک دکھاکر دنیا کی آنکھیں خیرہ کردیں ۔ حاتم کی فیاضی اگر قصہ ہے تو مہا راجہ چندو لعل کی سخاوت چشمدید واقعہ ہے ۔

جو لوگ مہاراجہ چندو لعل کے ابتدائی حالات سے واقف تھے وہ خوب جانتے تھے کہ ایک دن یہ شخص اپنی سخاوت سے حاتم کے نام کو زندہ کرکے دنیا کو دکھا دیگا چنانچہ ان کی طفولیت کا یہ حال مشہور آفاق ہے کہ جب انکے والد ماجد نے انتقال کیا اور انکی عمر اس وقت دس برس کی تھی انکے مربی اور چچا رائے نانک رام انکو اور اپنے بیٹے لکپت رام کو ایک ایک روپیہ ماہوار میوہ خوری کے لئے دیا کرتے تھے ۔ لکپت رام تو اپنے خرچ میں لاتے تھے ۔ مگر راجہ چندو لعل اس روپیہ کو فقرا اور حاجتمندوں پر تقسیم کردیتے تھے۔لوگ ان کی اس حرکت پر ہنستے تھے مگر انکا دل تو سخاوت کی لذت سے آشنا تھا ۔ جو مزہ انکو محتاج اور غریب مسافر لوگوں کی پرورش میں آتا تھا ذاتی آرام و آسائش میں اس قدر نہیں ملتا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ اپنے امثال و اقران پر گوئے سبقت لیجانے اور قلوب عالم کو مسخر کرلینے کا ذریعہ صرف حاجت روائی اور فیاضی ہے جس سے خلق خدا کی خوشنودی حاصل ہونے کے سوائے خدائے برتر کی رضا حاصل ہوتی ہے ۔کیوں کہ ایک بڑے عالم دین کا قول ہے کہ خدا کی رضا جوئی اگر حاصل کرنا چاہو تو خلق خدا کی خوشنودی حاصل کرو ۔ الغرض مہاراجہ چندو لعل کے خمیر میں سخاوت پڑی ہوئی تھی جس وقت راجہ نانک رام نے انکی اس بے نظیر خدا ترسی کی خبر پائی تو اپنے بھتیجے کو اور زیادہ عزت سے دیکھنے لگے اور

ایک روپیہ انکی میوہ خوری میں اضافہ کردیا - ناظرین کیا آپ سمجھتے ہیں کہ چندولعل سا فیاض شخص اس ایک روپیہ کو اپنے ذاتی صرفہ میں لاتا ہوگا - نہیں نہیں بلکہ وہ بھی حاجتمندوں کو دیدیا کرتا تھا - اور اسکے عوض میں غریب دلوں سے نکلی ہوئی دعائیں جنھیں تیر بے خطا کہنا چاہئے حاصل کرلینا تھا - جنکی برکت سے آخر کار چندو لعل نے اعلی سے اعلی مرتبہ حاصل کرلیا -

سخاوت کا دوسرا نظارہ | جب مہا راجہ چندولعل منڈی کی محرری پر مقرر ہوئے ہیں ایک ملازم بستہ لئے ہوئے ساتھ رہتا ہے اور یہ دن بھر اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں - شام کو جب کام سے فراغت کے بعد مکان کو روانہ ہوتے ہیں تو دن بھر کی محنت سے جو کچھ انکو ملتا ہے وہ راستے بھر تقسیم کرتے جاتے ہیں اور جب گھر پہنچتے ہیں تو ان کے پاس ایک کوڑی بھی نہیں بچتی -

چندو لعل کی اس ابتدائی خیرات نے انکو شہر کے تمام گلی کوچوں میں نہایت مشہور کردیا اور کوئی شخص ایسا نہ رہا جو چندو لعل کے نام سے نا واقف ہو - یہی شہرت اس کا باعث ہوئی کہ انکو بیلے کا کام ملا اور پہلے اگر یہ ایک حصہ خیرات کرتے تھے تو اب دس گنا دینے لگے - اس میں کچھ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی ترقی و نیک نامی کی اصلی وجہ انکی خلقی سخاوت تھی جس نے انکو دنیا میں ہر دلعزیز بنا دیا اور عالی مرتبہ پرپہنچوادیا - غیر جگہ کے آئے ہوئے مسافر اور غربا کے لئے ان کا دست کرم ہر وقت بڑھا رہتا تھا اور ہر ایک آنے والا انکے خوان نعمت سے سرفراز ہوتا تھا -

شاعری | مہا راجہ کی شاعری کی نسبت میں کہہ چکا ہوں کہ ان کا کلام انکے خیالات اور جذبات کا آئینہ ہے - شاعرانہ محاسن و فصاحت و بلاغت پر انکو نظر نہ تھی مقصود محض اپنی مذاق طبیعت کو ظاہر کرنا تھا دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے خیالات کو بہت سادہ طور سے موزون کردیا ہے جو دل میں تھا وہ زبان پر آ گیا -

الفاظ کیسے ہی ہوں بندش چست ہو یا نہو مگر مرکوز خاطر ادا ہو جائے یہی انکی شاعری کی غایت ہے اس پر بھی صدھا شعر نہایت صاف اور بیساختہ نکل گئے ہیں - جن پر تیر بہدف ہونے کا اطلاق ہوسکتا ہے مثلا -

کسی کے پڑ کے گلے دل کو ہار ہو رہنا
بنے تو پھول بنے ورنہ خار ہو رہنا
بغیر یار حقیقی کسی سے کیا ہے غرض
اسی کے عشق میں بے اختیار ہو رہنا

ٹک تبسم سے یار بولو تم
غنچہ دل کی گانٹھہ کھولو تم
آپسے کیا عزیز ہے ہم کو
دل تو دیتے ہیں اور جولو تم

گانٹھہ کا لفظ گو ثقیل ہے لیکن اس حسن سے بندہ گیا ہےکہ ذرا بھی بد نما نہیں معلوم ہوتا ۔ دوسرے شعر میں اور جو لو تم کیا مزہ دے رہا ہے ۔

جس وقت اشارہ وہ کیا جان گئے ہم
منشا تھا کہ قربان ہو قربان گئے ہم

" وہ کیا سے " مراد " اس نے کیا " ہے یہ اس وقت کی زبان ہے

البیلا ہوں نہیں کچھ جانتا ہوں
مگر ہاں اک تجھے پہچانتا ہوں
ہزاروں رنگ سے جلوہ گری ہے
تجھے اے عشوہ گر میں مانتا ہوں

لپٹ صنم کے گلے سے عجب میں دوش رہا
نہ مجھ میں حال رہااور نہ مجھ میں ہوش رہا
گئے وہ دن کہ وہ رہتا تھا صورت سیماب
ملا تھا رات کو شاداں بہت خموش رہا

انصاف سے دیکھئے تو یہ معمولی شعر نہیں ہیں ۔ عشق و محبت کا دفتر ہے ۔ اس رنگ کے پر اثر اشعار صاف و شستہ بندشوں کے دیوان میں بکثرت نظر آتے ہیں ۔

تمام کلیات کو اول سے آخر تک دیکھ جائیے تصوف کا رنگ آپ غالب پائیں گے ۔ مہاراج کی شاعری دیکھنے کے بعد یہ کوئی مشکل سے کہیگا کہ وہ موحد اور صوفی نہ تھے یا ان کا مذہب صلح کل نہ تھا ۔

فقرا اور متصوفین کے کلام میں کہیں کہیں غیر مذاق کا رنگ بھی آجاتا ہے الا مہا راجہ چندو لعل ہی کا کلام ہے جس میں کسی جگہ اپنے مذاق کا پہلو نہیں چھوٹا یہ کمال استغراق اور والہیت کی دلیل ہے اور در اصل وہ تصوف کے نشے میں ہمہ تن مستغرق اور چور تھے عشق حقیقی کو انہوں نے اشعار میں کھلم کھلا ظاہر کردیا ہے اور یہ

ان کا ایک اضطراری فعل تھا جو غلبہ شوق سے ہوا کرتا ہے ۔ تصوف کے اشعار سے چونکہ کلیات بھرا پڑا ہے اس لئے میں ان کی نقل یہاں نہیں کرسکتا اور نہ حاجت ہے دو ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ۔

تلاش یار میں اسطرح گم در خود ہوا ہوں میں
کہ اکثر ڈھونڈتا ہوں پر نہیں ملتا سراغ اپنا

ساقی جو ہو وے یار حقیقی ترا مدام
پھر ہے تجھے حلال یہ پینا شراب کا

لگن لگی ہے ہماری تو ایک دلبر سے
رہے رہے نرہے اب ہزار سے اخلاص
شاداں ترے گلے سے لپٹ کر سدا رہا
یہ کام تو کیا ہے بڑے ہوشیار کا
بے رنگ نہو رنگ میں دلدار کے مل جا
جو رنگ رچائے وہ اسی رنگ میں تو رچ
سمجھے ہیں تمہارے ہمنے رمزیں
جو تمنے کیا کیا وہ اچھا

مہاراج کی گویائی بتاتی ہے کہ انہوں نے سلوک میں باقاعدہ قدم رکھا تھا اور اچھے اچھے فقرا کی صحبت پائی تھی ۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

بات کہنے کی نہیں شاداں میں اسکو کیا کہوں
زور طالع تھا کہ ہم سے آکے کامل ملگئے

اس مسئلے کو کہ مرشد کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا وہ ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں ۔
کیمیا گر سے کہدے اے شاداں
کردے وہ میرے دل کو مس سے طلا

حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ سالک کے دل سے خطرات ماسوی دور کرنے والا اگر کوئی خیال ہے تو وہ رابطہ مرشد ہے ۔ مہاراج اسکو یوں کہتے ہیں ۔

یہی ہے راہ ملنے کی خدا سے * بجز مرشد نہو راہ خطر بند

سلوک میں قبض و بسط لازم ہے ۔ کبھی قبض کی حالت میں سالک کی ہمت پست ہو جاتی ہے ۔ چاھئے کہ اس وقت بد دل نہو اور ہمت کو بلند رکھے کشودکار بلند ہمتی پر منحصر ہے ۔ اس موقع کے مضمون مہاراج کے کلام میں اکثر نظر آتے ہیں ایک شعر یہ ہے ۔

اس کا ملنا گرچہ مشکل ہے مگر ممکن تو ہے
تو اسے مت چھوڑ ہرگز یار مشکل دیکھکر

یہ بات کہ جسکو فنائے نفس حاصل ہوگئی ہے اسکو اہل دنیا کا اختلاط ضرر نہیں کرتا ایک نئی تشبیہ کے ساتھ بتائی ہے ۔

اولیاء رہتے ہیں دنیا میں منزہ اس طرح
جس طرح طینت نہ بدلے اپنی روغن آب میں

فقر میں کرامت کوئی چیز نہیں بلکہ ایک طرح کا نقص ہے ۔ اسکو بھی مہاراج نے کہا ہے ۔

ہے عیب فقیروں کے لئے شوق کرامات
مت پوچھہ کسی سے تو کرامات کسی کی

ارباب حال میں دو قسم کے فقیر ہوتے ہیں ایک وہ ہیں کہ عند الحاجۃ اللہ سبحانہ تعالی سے کوئی چیز طلب نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ہماری حاجت سے جبکہ قاضی الحاجات آگاہ ہے تو مانگنے کی ضرورت کیا ہے اور دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ وہ آگاہ سہی مگر بندے کی شان یہی ہے کہ عاجزی سے اپنے مالک کے سامنے ہاتھ پھیلاتا رہے ۔ ہمارے مہاراج انہی فقرا کی روش پر چلنے والے تھے ۔ کہتے ہیں ۔

کبھی تو رحم آجائے گا اسکو ۔ نہ غافل ہو خوشامد سے دعا سے

غرض اس طرح کے صدھا مسائل سلوک کے شادان مرحوم نے بیان کئے ہیں اہل بصیرت دیکھ سکتے ہیں ۔

چون کہ سخاوت مہاراج کی گھٹی میں پڑی تھی لہذا اس مضمون سے انکا کلام کیونکر خالی رہتا (کل اناءٔ یترشح بما فیہ)

دینے والے کو بجز دادودھش کب چین ہے
خوش بہت ہوتا ہے جسدم اسکو سائل ملگئے

حق یہ ہے کہ دینے والے کو لینے والے کی تلاش رہتی ہے اور یہ خاص صفت دادکردگار

کی ہے جس کا پر تو خاص ہی لوگوں پر پڑتا ہے اللہ تعالی ایسی ہمت سب اہل نعمت کو عطا فرمائے ۔

یہ ہے قول شاداں کا دوستو کہ خدا کے نام پہ دیجیو
جو سوائے راہ خدا دیا وہ دیا تو کیا نہ دیا تو کیا

داتا ہے تو ہی سب کا ہر اک ہے ترامنگتا
کرتا ہے وہی بخشش دی تو نے جسے ہمت

مانگئے شاداں خدا سے ہر گھڑی دیوے گا وہ
تا کہ اپنے ہاتھ سے ہو خلق پر ہر بار فیض

جو ہے بے فیض اسکو کیا کہوں میں
وہ اس گلشن میں نخل بے ثمر ہے

کام اپنا آپ اپنے ہی ہاتھوں سنوار لو
دو ایک راہ حق میں تو سوسو ہزار لو

مہاراج کی دادودھش ایسی تھی کہ جو ہاتھ آتا صرف ہو جاتا خزانہ ہمیشہ خالی رہتا تھا جس وقت دینے کا موقع آتا اور پاس کچھ نہوتا اس وقت ان پر عجیب حالت طاری ہوتی تھی ۔ ایک عید کے موقع پر کس دل سے فرماتے ہیں ۔

تجھسے میرا سوال ہے یارب
عید آئی ہے کچھ تو خرچ دلا

کلیات دیکھنے سے اس کا بھی ثبوت ہوتا ہے کہ مہا راج اپنے آقائے نامدار سلطان دکن حضرت سکندر جاہ طاب ثراہ کے جان نثار و الہ و شیدا تھے شاید کوئی صفحہ ایسا نکلے جس میں بادشاہ کا ذکر خیر نہ آیا ہو کثرت سے مدح کے اشعار کہے ہیں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے ۔ میں چند شعر پر اکتفا کرتا ہوں ۔

دل میں اپنے تو سدا شاد رہا کر شاداں
کیا تجھے خوف کہ ہے شاہ سکندر اپنا

جسکا ہے نام شام سے لے روم تا عجم
ایسا ہے بادشاہ ہمارے دکن کے بیچ

شادان هر ایک ملک سے آتی ہے خلق یان
ہے کسطرح کی سیر ہمارے وطن کے بیچ

سکندر شاہ با اقبال و اجلال
رہے یارب سدا ملک دکن میں
اسی کا ہوکے تج دون سب کو شادان
یہی آتی ہے ہر دم میرے من میں

سکندر سا نہ دیکھا ہمنے سلطان
جہان کو کر رکھا ہے جس نے بستان

شہ دکن کو مبارک ہزار سال گرہ
خوشی سے آتی رہے بار بار سالگرہ
مثال سد سکندر شہ سکندر کی
رہے جہاں میں سدا استوار سالگرہ

لحاصل مہا راج کی شاعری مثل دیگر شعرا کے خیالی نہیں ہے - حمد الہی - مدح شاہی حقیقی محبت اخلاق و حکمت کے سوا انکے کلام میں اورکچھ نہیں پایا جاتا۔

اب میں چند شعر اخلاقی مضامین کے اس جگہ لکھکر دیباچے کو ختم کرتا ہوں۔

نہ اسکی ہے ہوس بہتر نہ اسکی ہے ہوس بہتر
جو اسکی یاد میں گزرے وہی ہے اک نفس بہتر

جو کرتا ہے محنت وہ پاتا ہے راحت
جو پیسے ہے آٹا وہی چھانتا ہے

زوال اسکو کبھی ہونا نہیں ہے
اٹھے جو یاد میں اسکی سحر ہے

مثل ہے صبر ہے کنجی فلاح کی یارو
نہیں ہے وصف بشر بیقرار ہو رہنا

لالچ ہے بری چیز خبر دار ہو شادان
جان اپنی گنواتی ہے مگس میٹھے کی لالچ
کیا کر مشورے سے کام اے یار
اگر چہ ہو وئے تیری رائے عالی

اگر شہرت کی خواهش ہے هنر کیجے تو حاصل ہو
ثمر کے واسطے پیدا شجر کیجے تو حاصل ہو
محبت ظاهری باتون سے گر کیجے نہیں هوتی
اگر دل میں کسی کے آپ گھر کیجے تو حاصل ہو
تجھے یہ بات کہتا هوں سمجھ اور بوجھ اے شادان
مشقت اسکے ملنے میں اگر کیجے تو حاصل ہو

اگر چہ زندگی مہا راجہ چندو لعل پر خود مہا راجہ چندو لعل و مہا راجہ کشن پرشاد کے متذکرہ بالا اقتباسوں سے ایک حد تک روشنی پڑتی ہے مگر تاریخ دکن عہد آصفیہ میں ملک کے نظم و نسق کو برطانوی ہند کے نظم و نسق پر لانے میں اور ملک میں ایک مشترک قومیت اور مسلم هندو ثقافت و تہذیب کو استوار کرنے میں مہا راجہ چندو لعل اور اونکے خاندان کے اکابر نے بڑا حصہ لیا ہے ۔ حیدرآباد کے متعدد انگریز رزیڈنٹوں جنرل فریزر اور سرهنری رسل وغیرہ نے اپنی مولفہ کتابوں میں کافی تفصیل لکھی ہے ۔ خاندان پیشکاری کے قلمی ذخایر میں کافی مواد موجود ہے اور خود مہاراجہ کشن پرشاد بہادر اپنے خاندانی اور کارناموں کو شرح و بسط سے قلمبند کرانا چا ھا تھے ۔ پادری رجب علی کے ذریعہ پہلی جلد شایع کرائی اور وہ ناتمام هی رهی جو تحریک هندوستان کی تاریخ کو از سر نو قلمبند کرنے اور تفصیلات تاریخی ۔ ثقافت و تہذیب کو علحدہ علحدہ قلمبند کرنے کی هو رهی ہے اوسکے سلسلہ میں سوانح راجہ نرندر پرشاد کی دوسری جلد کو بھی قلمبند کرکے اس عظیم الشان خاندان کے نام و کام کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے ۔

مہا راجہ کشن پرشاد کے حالات کے سلسلہ کو مہا راجہ نرندر پرشاد تک اتصال دینے میں اس مقام پر گلیمپز آف حیدرآباد مولفہ مسٹر کلاڈ کمبل مترجمہ طالب علی صاحب نجم شایع کردہ هسٹا ریکل پبلشنگ کمپنی امریکہ کا بھی اقتباس کیا جاتا ہے مہا راجہ چندو لعل کے متعلق سرهنری رسل (یہ سنہ ۱۸۱۱ ع سے سنہ ۱۸۲۰ ع تک رزیڈنٹ تھے) کی کتاب سے بعد کا حصہ ماخوذ کیا گیا ہے مہا راجہ کشن پرشاد کے فرستادہ مواد سے لکھا ہے ۔ صاحب موصوف لکھتے هیں کہ

مہا راجہ چندو لعل نہایت تربیت یافتہ آدمی ہیں کہ کیا بہ اعتبار علم و فضل کے اور کیا بہ اعتبار پبلک افسری کے انکی مہارت پختہ ۔ انکی فہم و فراست تیز اور انکا حافظہ قابل تعریف ہے ۔

محنت میں چست اور سرکاری کاموں میں پھر وہ ادنی ہوں کہ اعلی انہیں بہت بڑا تجربہ حاصل ہے ۔ وہ تمام کاموں کو بذات خود دیکھتے ہیں اور جو زحمت کہ وہ اٹھاتے ہیں قیاس میں نہیں آتی ۔ انکی خاص دلچسپی علم ادب اور موسیقی سے ہے ۔

رات کے بارہ بجے کے قریب انکا کام ختم ہوتا ہے ۔ اور پھر مجلس گانے بجانے والوں سے آراستہ ہوتی ہے ۔ اس مجلس میں مشہور علما فضلا ۔ شعرا اور دوسرے کمال رکھنے والے لوگ بھی حاضر ہوتے ہیں ۔ جن کے ساتھ قریب ایک گھنٹہ تک وہ مشغول رہتے ہیں اور پھر خوابگاہ میں جاتے ہیں ۔ انہیں یقین ہے کہ نظام کی قوت اپنے آپ سر بلند نہیں رہ سکتی اور یہی باعث ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ کے ساتھ بہت بڑی وفاداری سے پیش آتے ہیں ۔

ہندوستان کی پالیٹکس میں مہا راجہ چندو لعل نے پینتیس برس تک بہت بڑا حصہ لیا ہے ۔ اس مدت دراز میں ممالک نظام کا نہایت عمدہ اور کامل انتظام بطور وزیر اعظم کے انہوں نے کیا تھا ۔ لیکن اپنے آپ کو پیشکار ھی کہلایا اور کبھی اس سے تجاوز کرنے کی خواہش نہیں کی ۔ تاریخ ہندوستان میں یہ نہایت نازک زمانہ تھا کہ جس میں مرہٹوں کی متفقہ قوت پامال کردی گئی ۔ پیشوا کی حکومت تاخت و تاراج کردی گئی اور اس وقت کی دو بڑے جنگجو شخصیتوں دولت راؤ سندھیا اور جسونت راؤ ہولکر کو نیچا دکھا کر مطیع کردیا گیا اور ملک برار جو راگھو جی بھوسلے کے قبض و تصرف میں تھا شامل ممالک کردیا گیا یہ وھی زمانہ تھا کہ پنڈاروں کے جتھوں کو بٹھا دیا گیا ۔ اور ان کے سرکش سردار کو گورنمنٹ برطانیہ کا فرمان بردار کردیا گیا ۔ اس سردار امیر خان کی اولاد اب تک ٹونک میں بلقب نواب حکومت کرتی ہے ۔

یہ وھی زمانہ تھا کہ جس میں گورنمنٹ انگلشیہ کا جھنڈا ہندوستان کے ایک مشہور قلعہ پر آڑایا گیا ۔ یہ بھرت پور کا قلعہ تھا اور اب تک ناممکن الفتح سمجھا جاتا تھا ۔ یہ وھی زمانہ تھا کہ جس میں انگریزی سپاہ نے نیپال کے کوھستانی ملک میں اور برھما میں اپنے اسلحہ کی بزرگی ثابت کردی یہ وھی زمانہ تھا کہ بالعوض مغلوں کے انگریزی قوت کو بطور پیاراماونٹ پاور کے ہندوستان میں تسلیم کرلیا گیا ۔ جسکی اطلاع لارڈ امہرسٹ نے شاہ دھلی کو دی تھی ۔ مہا راجہ چندو لعل نے ان عجیب و غریب معاملات کو بغور دیکھا تھا جو یکے بعد دیگرے مسلسل وقوع پذیر ہوتے گئے ۔ اور اپنے دل میں یقین کرلیا کہ اپنے آقا کی حکومت کی استقامت انگریزوں کی دوستی پر ھی منحصر ہے ۔ اور اس مطلب سے انہوں نے ان دونوں گورنمنٹوں میں روابط دوستی اور اتحاد بڑھانے کی

حتی الوسع کوشش کی اس ہندو پولیٹیشن کی ان عقلمند اور دور اندیش کوششوں کو انگریز حکام نے کیا ہندوستان میں اور کیا انگلینڈ میں نہایت قابل قدر سمجھا ۔

مہا راجہ چندو لعل کے دو فرزند تھے بالا پرشاد اور نانک بخش ۔ بالا پرشاد سنہ ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے تھے ۔ اپنی جوانی کے عالم میں وہ اپنے باپ کو سرکاری کاموں میں مدد دیا کرتے تھے ۔ انہیں پھر کروری کے عہدہ پر قایم کیا گیا ۔ لیکن عرصہ قلیل میں انہوں نے اپنی خدمت سے استعفا دیا ۔ ان کے باپ کے انتقال کے بعد اسی خدمت پیشکاری پر قایم کرنا چاہا لیکن انہوں نے انکار کیا ۔ انہیں راجہ دھیراج بہادر کا خطاب دیا گیا ۔ وہ پنج ہزاری منصب دار تھے اور چار ہزار سوار ان کے زیر کمان رہا کرتے تھے وہ ۲۷ ۔ رجب سنہ ۱۲۶۵ھ کو انتقال کر گئے ۔ راجہ نانک بخش ایک مدت تک کروری کی خدمت پر رہے ۔ راجہ رام بخش ابن راجہ گوبند بخش جو مہا راجہ چندو لعل کے بھتیجے تھے بعد وفات مہا راجہ چندو لعل اولا پیشکار مقرر ہوئے اور پھر دیوان ۔ لیکن انہوں نے کل پانچ برس خدمت کی اور بعد اس کے گوشہ نشینی اختیار کی ۔

مہا راجہ نارائن پرشاد نرندر بہادر راجہ ادھیراج بالا پرشاد کے بیٹے اور مہا راجہ چندو لعل کے پوتے ہوتے تھے انکی ولادت سنہ ۱۲۴۴ھ میں ہوئی ۔ عربی و فارسی میں بہت عمدہ مہارت رکھتے تھے انگریزی میں اتنی قدرت حاصل تھی کہ انگریزوں کے ساتھ باسانی گفتگو کرسکتے تھے ۔ خانگی امور میں اپنے آبا و اجداد کے طریقہ پر چلتے تھے ۔ اگرچہ وہ ایک ہندو تھے لیکن اعتقاد میں صوفی تھے ۔ اور کسی مذہب کی طرف تعصب نہ رکھتے تھے ۔ ہزھائی نس نواب ناصر الدولہ نے ان کو اسی روز پیشکار مقرر کیا جس دن سالار جنگ اول کو مدار المہام مقرر کیا ۔ (۱۳ ۔ جون سنہ ۱۸۵۳ع) ایسا کہتے ہیں کہ عوام الناس پر اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے وہ دونوں میں کسی طرح کا تفاوت نہیں رکھتے ہیں ۔ حضور نظام نے دونوں کو رسمی خلعت ایک ہی وقت میں عطا فرمائی ۔

ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ھ میں نواب افضل الدولہ نظام حال کے والد نے انہیں خطاب راجہ راجایان مرحمت فرمایا اور پانچ قیمتی جواہر عطا کئے ۔ بعدازاں انہیں نرندر بہادر کا خطاب دیا گیا ۔

سنہ ۱۸۵۷ع میں غدر کے ہنگامہ پر جب کہ بغاوت کا سلسلہ دور دور پھیلا ہوا تھا مہا راجہ نارائن پرشاد پہلے ہی شخص تھے جنھیں معتبر ذریعہ سے حیدرآباد رزیڈنسی پر عوام الناس کے حملہ کرنے کے ارادے کی خبر ہوئی جو باغیوں کے خفیہ ایجنٹوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے ۔ مہا راجہ نے یہ خبر فوراً سالار جنگ کو پہونچائی اور صلاح دی کہ اچانک حملہ کے بچنے کی تدبیر کرنا لازم ہے اس خبر کی پوری پوری قدر

اس فساد کے ہونے اور فوراً فرو کردئے جانے کے تھوڑے دنوں کے بعد کی گئی۔ امن وامان قائم ہونے کے بعد برٹش گورنمنٹ نے مہا راجہ کی قدر اور عزت افزائی کے طور پر انہیں عمدہ اور قیمتی تحفے تحائف عطا فرمائے۔

سنہ ۱۸۷۷ع میں انہیں دھلی کے دربار کے موقع پر چاندی کا تمغہ دیا گیا۔
سنہ ۱۸۸۳ع میں بعد انتقال سرسالار جنگ اول مہا راجہ نرندر بہادر بہ شراکت و ہمراہی سالار جنگ ثانی منتظم اول سلطنت مقرر ہوئے۔ ان کی اس خدمت کے زمانے میں سرکار حیدرآباد نے جس عمدہ کام کے لئے حکم نافذ فرمایا وہ سکندرآباد بجواڑہ تک ریلوے قائم کرنے کا تھا۔

مہا راجہ نارائن پرشاد نے ۱۴ - رمضان سنہ ۱۳۰۶ھ کو ۶۲ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

باب دوم

ولادت تعلیم و تربیت

(مہاراجہ کشن پرشاد کے خود نوشتہ حالات کا اقتباس)

نحمدہ و نصلی

بعونہ و کرمہ ۱۸ - شعبان المعظم سنہ ۱۲۸۰ھ * شب جمعہ کو اضعف العباد
کشن پرشاد عالم ملکوت سے عالم ناسوت میں آیا - میری ولادت میرے جد امجد
(نانا مہا راجہ نرندر پرشاد) کے مکان میں ہوئی -

تسمیہ خوانی ۸ - رجب سنہ ۱۲۸۶ھ کو جب پانچویں سال میں قدم رکھا
میرے جد امجد مہاراجہ نرندر مرحوم نے مجھے مکتب میں بٹھلایا اور استاد شفیق میر لطف علی
کو معلم مقرر فرما کر بمصداق ''جور استاد بہ ز مہر پدر،، انکے سپرد فرمایا - میر لطف علی صاحب

---

*اس خود نوشتہ حالات زندگی کے مسودہ میں سنہ ۱۲۸۱ھ لکھا ہوا ہے لیکن دیگر تالیفات
و مضامین میں سنہ ۱۲۸۰ھ درج ہے اور اس کی مطابقت ۱۷ - اسفندار سنہ ۱۲۷۸ف م ۲۸ -
جنوری سنہ ۱۸۶۴ع دکھنی ماہ و سال کی ۴ پوس بدی شک سنہ ۱۷۸۵ سالواہن سے ہوتی ہے
آفتاب برج '' دلو،، طالع تھا - بعض مضامین میں دوسری تاریخوں کی مطابقت خود انہوں
نے لکھی ہے اس کے لحاظ سے سنہ ۱۲۸۰ھ درست معلوم ہوتا ہے -

خاندان میں دو نام رکھنے کا رواج تھا ایک خاندانی دوسرا بحساب نجوم - خاندانی نام
کشن پرشاد اور حساب نجوم کا نام پرشوتم داس رکھا گیا -

کو تعلق خاندانی میرے جداعلی مہاراجہ چندو لعل کے زمانہ سے ہے ۔
سید غالب صاحب میرے جد اعلی مہا راجہ چند و لعل کے معلم رہے سید علی صاحب میرے جدامجد مہا راجہ نرندر مرحوم کے معلم ہوئے اس وقت انکے دونوں فرزند میر لطف علی صاحب اور میر روشن علی صاحب یہ دونوں بھائی کم سن تھے ۔ میر لطف علی صاحب بڑے عالم اور صاحب فضل ہونے کے علاوہ ان کو خداوند عالم جل شانہ نے علم معرفت بھی جو ایک دولت عظمی ہے عطا فرمایا تھا ۔ صاحب قال و حال اور اعلی درجہ کے صوفی اور عارف تھے ۔ ان کی شفقت اور مہربانی میرے نگینہ دل پر کندہ ہے انکے فیض باطنی کی امداد نے مجھے فی الجملہ صاحب استعداد کیا ۔ یہ سب کچھ انہیں کے فیضان کا باعث ہے اور انہیں کی دلی توجہ اور خلوص اور محبت بھری تعلیم کا نتیجہ ہے کہ الحمد اللہ میں بھی لکھے پڑھوں میں شمار کیا جاتا ہوں ۔ اگر چہ میں نے چند کتابیں ان سے پڑھیں وہ بھی کمسنی کے زمانے میں مگر تعلیم اور ان کے فیض صحبت کی برکت سے تھوڑے ہی زمانے میں اس قدر استعداد ہوگئی کہ بلاتکلف میں اپنے مطلب کو قلمبند کرسکتا تھا ۔

کل تیرہ برس میں نے شاگردی کی اور ان کی بزرگانہ برکتوں کو حاصل کیا ۔ سنہ ۱۲۹۹ ھ میں حضرت موصوف کا انتقال ہوا ۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون ۔

ان کے علاوہ فارسی ۔ عربی ۔ انگریزی ۔ سنسکرت ۔ سیاق ۔ خطاطی ۔ فن تیر اندازی ۔ بنوٹ ۔ شہسواری کے لئے جو جو استاد مقرر تھے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔ ان کے علاوہ جو علوم و فنون میں نے اپنے شوق سے حاصل کئے ہیں وہ علحدہ بیان کئے جائیں گے ۔

فارسی | یوں تو میں نے فارسی کی ابتدا حضرت میر لطف علی مرحوم سے کی تھی اور تیرہ سال کے عرصہ میں جس طرح کہ میں نے بیان کیا ایک حد تک مجھ میں استعداد پیدا ہوگئی تھی مگر میرے جد امجد نے یہ مناسب خیال فرمایا کہ کسی اہل زبان سے میں تعلیم پاؤں ۔ اس لئے کہ خود میرے جد بزرگوار نے عربی ۔ فارسی ۔ سنسکرت ۔ ان علوم کو اہل زبان سے حاصل فرمایا تھا ۔ اس میں شک نہیں کہ ملک دکن کے دائرہ امراء میں جد امجد کے مقابلہ کا کوئی امیر علم و فضل میں دستگاہ نہیں رکھتا تھا اور یہی سبب تھا کہ میری تعلیم کےلئے بھی انہوں نے مناسب خیال فرمایا کہ جو کچھ میں سیکھوں ایسا سیکھوں کہ کوئی حرف گیری نہ کرے ۔

چوں کہ میرے جد امجد کے یہاں میرے سوا اور کوئی فرزند ذکور سے نہ تھا اور مجھے اپنا رشتہ دار ۔ وارث جائز اور جانشین تسلیم فرمالیا تھا ۔ اس لئے جد امجد ممدوح نے میری تعلیم و تربیت میں دلی توجہ فرما کر مجھے اپنی دلی محبتوں کی برکتوں سے

اس قابل کیا کہ بحمد اللہ تعالی شانہ آج[1] کے روز کرسی نشینی وزارت دکن کی عزت میرے بادشاہ جمجاہ نے جس کے زمانے میں اور جسکے مراحم خسروانہ کی بدولت میری نشونما ہوئی مرحمت فرمائی ۔

الغرض میرے جد امجد کی تعلیم فارسی کے تلاش و فکر بھی بمصداق ''کہ جست و کہ نیافت ،، اسی زمانے میں آغا سید علی صاحب شوستری المتخلص بہ نحوی نے جو آج کے روز علم ادب آفتاب ادب کیا معنی خدائے ادب مانے جاتے ہیں اور سر سالار جنگ مختار الملک اول مرحوم کے فرزندوں کے معلم تھے[2] اونھوں نے مرزا علی بابا شیرازی کی جو اس وقت نو وارد تھے میرے جد سے سفارش کی اورمیرے لئے معلم قرار دئیے گئے شیرازی صاحب بھی اچھے عالم تھے اور علم و فضل کی کان کے ایک پارہ الماس تھے ۔ زبان فارسی تو انکی خاص مادری زبان شیراز اسکی توصیف میں زیادہ کہنا زبان درازی ہے نثار اچھے تھے مگر نظم بھی کہتے تھے ۔

عربی | تعلیم عربی کے لئے مولوی سید خلیل صاحب مقرر ہوئے یہ ہرات کے رہنے والے تھے عالم فاضل ہونے کے علاوہ علم حقائق کے محقق اور اس علم میں کئی آسمان اوپر چڑھے ہوئے تھے ۔ پکے صوفی موحد تھے سنہ ۱۲۸۶ھ میں وارد بلدہ حیدرآباد ہوئے ۔ ڈاکٹر محمد اشرف جو ہمارے فیملی ڈاکٹر تھے اور خاندان شمس الامرا سے بھی ان کا تعلق تھا انکی سفارش سے میرے جد امجد نے میری تعلیم کے لئے مولوی صاحب موصوف کو مقرر فرمایا ۔ عربی کی استعداد جو فی الجملہ ہے انہیں کی تعلیم کی فیض بخشی ہے ۔ خمخانہ علم حقائق کا جرعہ نوش اس پیر مغان میخانہ الست کے فیض صحبت سے ہوا ۔

سید صاحب موصوف علم جفر کے دائرہ میں بے مثل تھے اس دائرہ دنیا ئے نا پائدار میں کوئی ہوا بھی ہے تو شاید ایسا ہی ہوا ہوگا ۔ مگر افسوس ہے کہ اس علم میں میں نے سید صاحب موصوف سے استفادہ نہیں کیا ۔

مولوی صاحب مرحوم جو شہرہ آفاق تھے نواب شمس الملک ظفر جنگ بہادر فرزند نواب سر خورشید جاہ مرحوم اور چشم و چراغ خاندان شمس الامرا امیر اکبر ہیں ان کے استاد بھی تھے ۔ نواب صاحب موصوف اور میں اتفاق سے استاد بھائی ہونے کے علاوہ پیر بھائی بھی ہیں ۔

---

۱ ۔ مہاراجہ کے نوشتہ الفاظ لکھے گئے ۔ استداد مدت تغیر سے ہو گیا ہے ۔ دوسری جگہ بھی جن افراد کے نام بطور زندہ لکھے گئے ہیں ۔ درج کئے گئے ہیں ۔

۲ شاد الملک مرحوم جنکا انتقال مہاراجہ کے سامنے ہو گیا فارسی اور عربی کے زبردست ادیب تھے ۔

علاوہ نواب صاحب موصوف کے مرحوم کے صدہا شاگرد ہیں جن میں ایک شاگرد رشید ڈاکٹر لقمان الدولہ بہادر اسٹاف سرجن اعلی حضرت غفران مکان (مدظلہ العالی) فرزند ارجمند ڈاکٹر محمد اشرف بھی ہیں۔ انہوں نے دربائے علم حقائق سے عمدہ عمدہ در نایاب حاصل کئے ہیں انکی واقفیت اور ان کا علم خصوصا اس علم حقائق میں لائق تعریف ہے میں نے سید صاحب موصوف سے عربی شرح ملا تک پڑھی ۔ اسکے بعد مدرسہ عالیہ میں داخل ہوا ۔

انگریزی | نرسھوان چاری یہ مدراس کے باشندہ تھے قوم کے برھمن تعلیم انگریزی کےلئے مقرر ہوئے ان کے ساتھ ھی مسٹر ڈکاسٹا یہ ایک یوروپین ہیں جو اب تک زندہ ہیں ۔ انکے والد کو اس خاندان سے تعلق تھا ۔ نرسھوان چاری کے ساتھ شریک کئے گئے مگر اس علم کی طرف میری کم توجھی ہونے کے باعث میرے جد امجد نے سالار جنگ اول کے مشورہ کے مطابق مجھے مدرسہ عالیہ میں شریک فرمایا ۔ یہ مدرسہ رمبولڈ کی کوٹھی ۱ میں ہے ۔ اس میں خاص خاص امراً زادے خصوصا سالار جنگ اول کے دونوں چشم و چراغ جو اس وقت میر لائق علی خان اور میر سعادت علی خان کے نام سے موسوم تھے اور خاص انہیں کےلئے اس مدرسہ کا وجود قائم کیا گیا تھا تعلیم پاتے تھے اب یہ کالج ہوگیا ہے ۔

سنہ ۱۸۷۷ع میں داخل ہوا مگر قدرتی طور پر مجھے اس علم کے ساتھ زیادہ دلچسپی نہونے سے جو کچھ زمانہ تعلیم کا وھاں گزرا وہ بھی رائیگاں گیا ۔ چنانچہ اپنی کم شوق کے باعث اس وقت میں اس علم میں اپنے ہم درسوں سے بہت پیچھے ہوں ۔ اگر خدا کی مدد ہو تو اب جو اس وقت مجھے شوق ہوا ہے رفتہ رفتہ کچھ قدم بڑھ جاوے گا اس مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر یعنے صدر مدرس مسٹر کرون تھے یہ ایک یوروپین معلم تھے تادم تحریر بفضلہ زندہ ہیں۲ ۔ مگر ولایت میں ہیں سرکارعالی کی نوکری ترک کردی ہے یہاں سے وظیفہ پاتے ہیں ۔

یہ استاد نہایت جفا کش ۔ لائق اور شفیق تھے ۔

مسٹر ایڈورڈ انکی پیدایش شاید یہیں کی ہے ان کو علم ریاضی حساب ۔ جغرافیہ وغیرہ میں اچھی استعداد ہے اور شاگردوں کو بھی وھی پڑھایا کرتے تھے ۔ اب تک اس مدرسہ میں بعہدہ صدر مہتممی پر مقرر ہیں نہایت نیک مزاج ہیں ۔ اگرچہ مسٹر کرون کے جانے کے بعد مسٹر ھاڈسن اور مسٹر سیٹن یہ دونوں مقرر ہوئے اور یہ دونوں

---

۱ ۔ اب یہ رسد باغ میں ہے

۲ ۔ اب فوت ہوگئے

بھی شفیق اور لائق استاد اس مدرسہ کے شاگردوں کے لئے سمجھے جاتے تھے مگر مسٹر کرون کے زیر تعلیم جن شاگردوں نے تعلیم پائی تھی ان کے قلوب پر انکی شفقت اور مہربانی کا سکہ ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ سب انہیں کو یاد کرتے تھے بمشکل دوسروں کو مانتے تھے ۔ سنہ ۱۸۸۳ع میں میرے جد نے مجھے مدرسہ سے علحدہ کرکے مالی اور عدالتی کام کرنے کےلئے حکم دیا اور اس تعلیم کےلئے میں اپنے والد کے زیر نگرانی رکھا گیا ۔

سنسکرت | درگا پرشاد نامی قنوجیہ برھمن ۔ یہ سنسکرت پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے تھے مگر اس علم کے طرف بھی میں نے دل نہیں لگایا کچھ پڑھ لیتا ہوں مگر معنی وغیرہ نہیں سمجھ سکتا ۔

سیاق | سیاق کی تعلیم کے لئے مراری لال جو قوم کا بستھ سے تھے مقرر ہوئے ۔

خطاطی | رائے بچو لال تمکین قوم کا یستھ سے تھے یہ اعلی درجہ کے خوشنویس ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے اور فن شعر میں ممتاز سمجھے جاتے تھے اگرچہ فن خطاطی میں بہت کم سنی کے زمانے میں ان کا میں شاگرد ہوا تھا مگر مجھے اس زمانے میں اس کا زیادہ شوق نہ تھا اس لئے میں نے ان سے اس میں استفادہ حاصل نہیں کیا ۔ ایک زمانے کے بعد جب اس کا پھر شوق ہوا تو میں نے محمد امام الدین صاحب خوشنویس سے جو ھفت قلم مانے جاتے ھیں مشق کی اس میں شک نہیں کہ یہ اس وقت حیدرآباد میں کمیاب فرد ھیں اکثر خوشنویس زود نویس نہیں ہوتے اگر ہوتے بھی ھیں تو دائرے حد سے متجاوز کر جاتے ھیں مگر انکی سلک تحریر ایسی ھے جیسے کسی نے موتی پرو دئیے اور ہر حرف گویا سانچے میں ڈھلا ہوا۔ قریب ایک سال یا دیڑھ سال کے ان سے مشق رھی اسکے بعد محمد مظفر الدین صاحب جو اعلی حضرت کے مشعل خانہ کے داروغہ تھے جن کا جواب خوشنویسی میں دکن میں کوئی پیدا نہیں ہوا اگر مبالغہ نہو تو ہندوستان میں خط نستعلیق میں یکتا تھے ولایتی خطاط بھی انکے لاجواب اور بے مثل ہونے کا اقرار کرتے تھے ان سے قریب دو سال کے اصلاح لیتا رہا ۔ افسوس ھے کہ انکی زندگی نے وفا نہ کی انکا انتقال ہوگیا ۔ ان کے مکاتیب اور قطعات صفحہ ہستی پر یادگار رہ گئے ۔ گو اس فن میں میں پرلے درجہ کا خطاط یا خوش نویس نہیں مانا جاتا مگر محنت رائیگاں بھی نہیں گئی ۔ ایک خرابی مجھ میں یہ ھے کہ میں بے انتہا زود نویس ہوں جسکی وجہ سے میرے خط کا حسن و قبح معلوم نہیں ہوتا ۔

تیر اندازی | میر عظمت علی صاحب کو جو تیر اندازی کے فن میں بہت مشاق تھے میرے جوھر شناس جد امجد نے میری تعلیم کےلئے مقرر فرمایا ۔

چوں کہ کمسنی سے مجھے تیر اندازی - بندوق بازی - شہسواری - بنوٹ سے خاص دلچسپی اور اسکے سیکھنے کا بیحد شوق تھا اس میں بہت جلد میں نے مشاق حاصل کی اسقدر نشانہ صحیح ہو گیا کہ بلا مبالغہ اڑتے ہوئے پرند کو نشانہ کیا کرتا تھا۔

بنوٹ | بنوٹ کی تعلیم پہلے مراد شاہ صاحب کے فرزند سے ہوئی مرادشاہ صاحب فن بنوٹ میں مسلم الثبوت تھے - اچھے اچھے سربر آوردہ ماہر فن ان کا لوہا مانتے تھے - چنانچہ میرے جد امجد مراد شاہ صاحب کے شاگرد رشید تھے اور اس فن میں لاثانی ہوئے تھے انکی وفات کے بعد محمد شہاب الدین سے جو یہیں دیوڑھی کے ملازم تھے میں نے دو چار ہاتھ سیکھے - مگر -

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

کہاں وہ - اور کہاں محمد شہاب الدین تا ہم اس فن میں یہ صاحب اچھے تھے چنانچہ میں نے انہیں اپنے بڑے فرزند راجہ چندا پرشاد مرحوم کی تعلیم کےلئے مقرر کیا تھا - فسوس ہے دل کی دل میں رہی -

نہ وہ ساقی رہا نہ وہ محفل

شہسواری | محمد جلال الدین شہسواری میں ایک عمدہ اعلی خاندان شہسوار گو معمولی خاندان سے تھے مگر ان کے شہسوار ہونے میں شک نہیں انہیں کی تعلیم سے ران پیڑی جمائی ان علوم فنون میں میں نے اپنے جد کی دلی کوششوں کی بدولت جو کچھ نام حاصل کیا اس کی صراحت کی ضرورت نہیں اس عرصہ میں میں مالگزاری اور عدالت کا کام بھی سیکھتا رہا - چوں کہ کم سنی سے مجھے علم انگریزی اور سنسکرت کےعلاوہ عربی اور فارسی کی تحصیل کا زیادہ شوق رہا اور خصوص نظم و نثر اور دوسرے فنون میں نیچرل طور پر زیادہ دلچسپی رہی اور اپنے جد بزرگوار کی حیات تک ان کے بدون اطلاع مخفی طور پر سیکھتا رہا اور بعض بعض علوم و فنون میں کچھ مہارت بھی حاصل کی اس کا ذکر بھی کردینا ضروری ہے - لہذا اب میں اون علوم و فنون کا جن کو شوق و ذوق سے کچھ حاصل کیا ذکر کرتا ہوں -

علم تصوف و حقائق | یہ بھی ایک قدرتی بات ہے کہ اس دولت عظمی کی وراثت بھی موروثی طور پر میرے ہاتھ آئی یعنے میرے جد اعلی مہا راجہ چندو لعل اول درجہ کے صوفی اور عارف تھے گو وہ قوم کے کھتری تھے مگر ان کا مذھب اور مشرب صلح کل تھا - انکی سخاوت مشہور عالم ہے - راجہ دھیراج فرزند مہا راجہ چندو لعل انہوں نے البتہ اس میں سے کچھ حصہ نہیں لیا - ان کے فرزند مہا راجہ نرندر مرحوم نبیرہ مہا راجہ چندو لعل انجمن آرائے عرفان مسند نشین علم تصوف نے اپنی دولت کو حاصل

کیا اور بجز علم کے خصوصاً اعلی درجہ کے پیراک مشہور ہوئے جد مرحوم کو سلطان علی شاہ صاحب قادری سے بیعت حاصل تھی ان کا سلوک اسقدر اوج پر تھا اور ذکر و شغل کی بدولت اس قدر اپنے نفس پر قادر ہوگئے تھے ۔ اور کسر نفسی پیدا ہوگئی تھی کہ بظاہر امارت کا مرتبہ رکھتے تھے طرز فقیرانہ تھی ۔

آٹھ پہر میں ایک وقت غذا تناول فرماتے تھے شب کے بارہ بجے اکثر شب بیدار رہتے تھے ۔ بستر بھی معمولی حصیر۔ایک قالین اور سرھانے ایک تکیہ اس پر شب بسر ہوتی تھی سخاوت میں اپنے جد مہا راجہ چندو لعل سے موروثی حصہ پایا تھا لباس معمولی سر پر سفید عامہ انگرکھا شرعی اور سفید ایک رومال جسکو یہاں عام طور پر انگوچھا کہا جاتا ھے ۔

یہ تو فقیرانہ حالت تھی کہ اپنی تمام عمر اسکو نبھایا ۔ اب رھی شان امیری یہ دیوڑھی دربار کے موقعوں پر اپنا جو بن اور رنگ اور ھی آن بان سے دکھاتی تھی ۔ فارسی ، عربی اور سنسکرت تو تحصیل کی تھی انگریزی کچھ پڑھ لکھ لیتے تھے ۔ ملکی معاملات میں ایسا خداداد دماغ پایا تھا کہ سر سالار جنگ اولی جن کو بسمارک ثانی کہنا چاھئے اکثر جد مرحوم سے اھم معاملات میں مشورہ لیتے تھے اور بارھا سالار جنگ اول کو میں نے جد مرحوم کے نسبت حاضر و غائب یہ کہتے ہوئے سنا کہ ھمارے مہا راج چھپے رستم ھیں اور یہ کہنا ان کا کسی طرح کا مبالغہ نہ تھا جن لوگوں کو صحبت میں رھنے کا اتفاق ھوا ھے وہ اسکے بدل معترف ھیں ۔

الغرض میری پیدایش جد کے مکان میں ہوئی اور میں نے نشوو نما بھی انہیں کے زیر دامن عاطفت پائی ۔ تعلیم اور صحبت کی برکتیں بھی یہیں سے حاصل ہوئیں پھر کیا یہ ممکن تھا کہ ایسے با خدا اور شفیق اور مہربان اور ایسے ھمہ داں آفتاب کے زیر سایہ پرورش پا کر میں ان موروثی حسنات کو حاصل نہ کرتا ۔ اللہ اللہ خدا کا شکر ھے کہ پروردگار عالم جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے دنیوی حقوق موروثی کا جیسا کہ مستحق قرار دیا ویسا ھی دینی امور میں بھی ان کا پیرو کیا اور اس دولت موروثی سے بھی سرفراز فرمایا ۔ چوں کہ اسی فیضان صحبت کی وجہ سے اکثر مجھے فقرا کی صحبت زیادہ پسند آتی تھی اور کم سنی ہی سے میرا رجحان علم تصوف اور حقائق کی طرف تھا مجھے اس کے حاصل کرنے کا بے حد شوق ھوا اور یہی شوق میرا رفیق ھوا تو میں نے چند رسالے علم تصوف کے مختلف فقرا سے پڑھے مگر جیسا کہ چاھئے مجھے ان کے مطالب سے تسکین اور تشفی نہیں ہوئی اور گوھر مقصود ھاتھ نہیں آیا تب میں نے صرف اذکار و اشغال میں محنت شاقہ اٹھائی اور مختلف فقرا سے جو مختلف خاندان سے تھے بیعت کی یہ زمانہ میرے جد امجد کے حیات کا تھا اسکے حاصل کرنے میں میں نے ہندو مسلمان کا خیال نہیں کیا مگر فقرائے اھل اسلام میں بہتیروں سے طالب مقصود ھوا بالآخر حضرت چندا شاہ صاحب قادری ساکن بیدر عرف جمال الدین شاہ جو درحقیقت

مسند فقیری کے باعث زینت اور آفتاب آسمان فقر تھے ان سے تجدید بیعت کی آپ کے فیضان صحبت سے بہت کچھ برکتیں حاصل ہوئیں اور فیوض باطنی سے مستفید ہوا ۔ توحید میرا ایمان صوفیانہ میرا مذہب اور صلح کل میرا مشرب ہو گیا ۔ بمصداق ۔ عاشقان را ملت و مذہب جداست ۔

کفر و دین کے جھگڑے سے الحمد اللہ بری ہوں ۔ آزاد مسلک قلندری ہوں ۔ نہ متعصب نہ مفتری ہوں ۔ کان وحدت کی انگشتری اس بازار کا جوہری ۔ تقدیر کا سکندری ہوں اور زیادہ کہنا مبالغہ کا غازہ چڑھانا اور سوا خود داری خود فروشی اور اپنے کمال کے اظہار کے اور کچھ نہیں ہے ۔

علم باطنی میں ہمارے پیر و مرشد گنجینہ عرفان تھے ۔ مگر علم ظاہری میں اسقدر دستگاہ نہ تھی اس لئے میں نے سنہ ۱۳۲۱ھ ماہ محرم میں اپنے استاد شفیق مولوی خلیل صاحب جن کی تعریف میں کچھ الفاظ کے موتی پروئے گئے ہیں ان سے پھر سلسلہ شاگردی کو قائم کیا چوں کہ پہلے ہی اس علم کی تحصیل کا شوق اور مطالعہ کا عرق ریز ذوق تھا ہی فورا ان سے حقائق میں انکی خاص تصنیف ''تنزلات'' شروع کی ۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کا جواب مشکل سے ملیگا ۔ حقیقت میں مولوی صاحب کے گراں بہا علم نے دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے اور اس ضمن میں فصوص الحکم کا بھی درس ہوتا تھا ۔ نام خدا ابھی ترقی کے اندازوں کے چال بدلی تھی اور تنزلات قریب الختم تھی کہ اس فلک ناہنجار نے ایسے آفتاب کو جس کے فیض مبین سے اندھوں کی آنکھیں روشن اور پیاسوں کے دل کی تسکین ہوتی تھی فیض رسانی سے روکا ۔ عمر بیوفا نے وفا نہ کی ۔

ماہ جمادی الثانی کی دوسری تاریخ سنہ ۱۳۱۱ھ کو بعارضہ ذیابطیس سرطان ہو گیا اور یہی مرض الموت ہو کر بمصداق ''کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام '' ذرہ آفتاب میں مندمج اور قطرہ دریا میں مل گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ نام باقی رہ گیا اللہ بس باقی ہوس نواب شمس الملک بہادر نے سید صاحب موصوف کی نعش کو اپنے ہڈواڑ برہنہ شاہ صاحب قدس سرہ کی درگاہ کے عقب میں زمین کے حوالے اور خاک کے سپرد کیا ۔ اللہ اللہ دیکھتے دیکھتے کیا انقلاب ہو گیا اور کیسے کیسے روشن چراغ گل ہو گئے ۔ یہاں پر ناظرین ایک لطیفہ ملاحظہ کریں مولانا مرحوم جب اپنے وطن سے روانہ ہوئے انکی روانگی کا سنہ اغفر تھا حیدرآباد میں داخل ہونے کا سنہ (غفور) اور وفات کا سنہ (اغفرلی) سبحان اللہ ۔ع

ہاتف آورد این سخن با جبرئیل ۔

گرمکھی | علم تصوف کے شوق کی بدولت مقصود کی کنجی ہاتھ لگی تھی جی چاہتا تھا کہ جہاں کہیں یہ خزانہ ہو وہاں تلاش کیجئے خواہ کوئی مذہب ہو

کوئی ملت ہو کیونکہ قصر عرفان کا روشن دان مل گیا بلکہ معرفت کا دروازہ کھل گیا تھا ۔ اسی جستجو اور تلاش میں معلوم ہوا کہ گرو نانک شاہ جو قوم ہنود میں اعلی درجہ کے موحد تھے چنانچہ ان کا کلام اس کا شاہد ہے ۔ چوں کہ گرمکھی علم سے چنداں واقف نہ تھا لہذا شوق چرایا اور بہت تھوڑے دنوں میں اس کو حاصل کیا اور اب اس وقت اس میں بفضلہ کسی کا محتاج نہیں ہوں ۔ اس میں شک نہیں کہ گرونانک صاحب کا کلام مئے وحدت کے نشہ میں ڈوبا ہوا ہے ۔

شاعری | سنہ ۱۳۰۰ھ سے اس کا شوق ہوا مگر خفیہ طور سے کچھ کہہ لیا کرتا تھا کیوں کہ میرے جد امجد اس کےلئے منع فرماتے تھے مگر بمصداق ۔ شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست ۔ شگون خالی نہ جانے پائے یہ سونچ کر پہلے میں نے بچو لال صاحب تمکین سے جن کا ذکر قبل از بن ہوا ہے اصلاح سخن کی بنیاد ڈالی ۔ چونکہ حیدرآباد میں اردو کا اس وقت تک زیادہ رواج نہ تھا اور کل مہرے اس بساط کے فارسی گو تھے یہاں تک کہ معمولی چھوٹے چھوٹے منصب کے لوگ اور کم استعداد والوں کا طوطی بھی گویا بلبل شیراز کی ہم سری کا دم مارتا تھا ۔ فارسی ھی میں میں نے شعر گوئی شروع کردی ۔ نوشت و خواند میں اس وقت مشاق ہونے کے علاوہ گفتگو بھی اچھی کرلیتا تھا چنانچہ میرا پہلا مطلع فارسی کا یہ ہے ۔ شعر

کنت کنزا مخفیا آمد ندائے عندلیب
هست برخواں حقیقت ابن صدائے عند لیب

علاوہ فارسی کے اردو میں بھی ابتداً انہیں سے کی ۔ افسوس ہے کہ تمکین صاحب کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہوگئی تھی ۔ بہت تھوڑے سے زمانے کے بعد انکی صحبت سے ہمیشہ کےلئے جدائی ہوئی ۔ اسکے بعد میں نے بہت دنوں تک شعر گوئی ترک کردی ۔ مگر جب مدرسہ عالیہ میں شریک ہوا اس وقت میر عبد العلی والہ سے مشورہ سخن رہا ۔ اگرچہ اس حساب سے کہ سنہ ۱۳۰۰ھ سے میں نے اس فن کا آغاز کیا ہے ۔ تادم تحریر اکیس برس کی مشق ہے مگر برائے نام اس سے مشق کا سلسلہ قایم نہیں رہا اردو میں محمد مظفر الدین صاحب جنکا تخلص معلی ہے انکو غزل دکھایا کرتا تھا یہ سرکار عالی کے ٹپہ خانے کے مددگار تھے اب نوکری چھوڑ دی ہے وظیفہ پاتے ہیں نہایت برگزیدہ اور فقیر منش صاحب مذاق عارف باللہ ہیں ۔

حیدر حسین خاں حیدر جو میرے جد اعلی مہا راجہ چندو لعل کے زمانہ میں اہل وطن کے شعرا میں لاجواب شاعر مانے جاتے تھے انکے شاگردان رشید سے ایک ہمارے معلی صاحب بھی ہیں مشق سخن نے اسقدر استعداد کی کھوڑی کھولای تھی کہ استاد سے تحسین کا خلعت پایا ۔ اس عرصہ میں حضرت داغ سلمہ کا آفتاب دکن میں چمکا اونکے کلام کی دھوم ہوئی چو طرفہ انہیں کے کلام کے نقارے بجنے لگے در و دیوار

سے انہیں کے کلام کے وصف کی صدائیں بلند ہونے لگیں - اس میں شک نہیں کہ جو کچھ اس فن کے متعلق حضرت داغ کی تعریف میں کوئی رطب اللسان ہو بیجا نہیں بلکہ اس نے داد سخن دی -

ایسی سادگی و پرکاری شعر گوئی میں دوسرے کو نصیب نہیں ہوسکتی - محاورہ انکے گھر کی باندی ہے تو روز مرہ لونڈی ہے - جو کہا بیمثل کہا - اس میدان میں انہیں کا جھنڈا علم ہوا - صدہا انکے زمرہ شاگردی میں شمار کئے گئے بالاخر قسمت کا ستارہ اوج پر کہاں آفتاب شرف میں تھا - حضور تک ان کا کلام پہنچا مبارک عہد مبارک وقت میں کلام پسند خاطر آیا - قبولیت کی عزت ملی اور اس آفتاب سلطنت کے شاگردی کی عزت داغ کو نصیب ہوئی - مدارج عزت پایہ بپایہ بڑھنا شروع ہوئے - میں نے بھی ابتدا میں انہیں کے سر استادی سہرہ باندھا - اس عرصہ میں میری مشق اردو میں ایک حد تک استاد کے اطمینان کے لائق ہو گئی تھی اتفاقاً میں نے ایک وقت اپنی غزل پیشگاہ ظل سبحانی میں پیش کی حضور نے اس کو ملاحظہ فرما کر اظہار خوشنودی فرمایا اور ایک شعر میں فاش غلطی تھی اپنی خطا پوش نظر سے اسکی اصلاح فرمائی میں نے قدم چومے اور سرفرازی کی نذر پیش کی اور متمنی ہوا کہ شاد کو (شاد تلمیذ حضرت آصف) لکھے جانے کی عزت ملے - الحمد اللہ والمنۃ کہ مدعا مقرون اجابت ہوا مقصود کی دولت ہاتھ آئی سعادت کا چہرہ روشن ہوا - بخت کا ستارہ چمک اٹھا - یہ معروضہ پذیر ہوا - سنہ ۱۳۱۶ھ میں شاگردی کے خطاب سے سرفراز ہوا اور یہ عزت خاص میرے ہی لئے خداوند عالم جل شانہ نے عطا فرمائی ہے آج تک کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی بادشاہ نے اپنے امرائے دولت یا بندگان بارگاہ شاہی سے کسی کو اپنا شاگرد بنایا ہو - اور اس عزت کے خلعت سے سرفراز کیا ہو الحمد اللہ والمنۃ شاگردی مبارک ہوئی تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں -

بندہ نوازی کی ہیں بندہ نوازیاں (شاد)

اس عرصہ میں کوئی آٹھ نو برس کامل مطلقاً فارسی شعر گوئی کی نوبت نہیں آئی اس اثناء میں عبد العلی صاحب نے بھی وفات پائی - بالاخر بمصداق علم شئے بہ از جہل شئے کبھی کبھی کوئی غزل یا رباعی لکھ لیتا ہوں تو مولانا مولوی نور الضیاء الدین المتخلص بہ ضیاء کو دکھا لیا کرتا ہوں یہ بزرگ زادے مشایخ النسب مولانا نعمان الہند سید قمر الدین صاحب اورنگ آبادی علیہ الرحمہ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں مولانائے مرحوم آپکے جد پدری اور سید شاہ علی نہری اورنگ آبادی قدس سرہ آپکے جد مادری ہیں یہ دونوں آفتاب و ماہتاب تھے مولوی صاحب اپنے جد امجد کے سجادہ نشین ہیں ۳۷ برس کا سن ہے* طریقہ نقشبندیہ انکا طریقہ وصول الی اللہ ہے مجددیہ کہلاتے ہیں

---

* اب اس کو تحریر ہوئے ۴ سال گزر چکے ہیں

علم فضل میں ممتاز اور علم تصوف سے سرفراز ہیں ۔ بعد مدار المہامی چند ماہ بعد میں نے آپکا انتخاب مددگاری نظامت امورات مذہبی پر کیا ۔ یہ ایک اعلی محکمہ ہے دین و آئین کے تعلقات اس سے وابستہ ہیں ۔ علم و فضل میں کمال ہونے کے علاوہ شعر و سخن کا مذاق بھی اعلی درجہ کا ہے ۔ پہلے بیدل کا رنگ اختیار کیا تھا لیکن عام فہم نہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں نے انکے دلی جذبوں کو روکا ۔ مگر دریائے علم بے پایاں ہے کیا ممکن ہے کہ طبع رواں کی موجیں کسی کے روکے سے رکیں ۔ طالب کی طرز اختیار کی مگر نہایت ہی حسن کے ساتھ سچ تو یہ ہے کہ " مچھلی کو کوئی پیرنا نہیں سکھاتا " ۔

جب کبھی مولوی صاحب اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے اورنگ‌آباد وغیرہ جاتے رہیں تو ترک علی شاہ صاحب المتخلص ترکی سے مشورہ کیا کرتا ہوں ۔ یہ پنجاب کے رہنے والے شاعر اچھے معلوم ہوئے یہ مو روثی شاعر ہیں ان کا سلسلہ فردوسی طوسی سے چلا آتا ہے ۔ ناطق مکرانی کی شاعری میں تلمیذ کہلاے جاتے ہیں ۔ فارسی اور عربی کے میخانہ میں جام صہبائی کے بادہ خوار سمجھے جاتے ہیں دیکھنے والے غوث علی شاہ پانی پتی کے ہیں ۔ کلام سلجھا ہوا ہے تحقیقات اچھی ہے ۔ ہندوستان کے رجواڑوں کے درباز میں بھی بار پا یا ہے صاحب دیوان اور صاحب تصانیف بھی ہیں مزاج صلح کل مشرب درویشانہ ہے چودہ سال سے دکن کے باشندے حضور عالی کی رعایا کہلاتے ہیں نمکخواروں کے زمرے میں شریک ہیں ڈیڑہ سو روپیہ ماھانہ پاتے ہیں ۔ *

رمل | سنہ ۱۳۰۷ھ میں جد امجد کی وفات کے ایک سال کے بعد میں نے بربنائے ترغیب درویش علی شاہ صاحب قادری رمل سیکھنا شروع کیا شاگردی کا قرعہ ڈالا گیا ساعت نیک مشیت موافق تھی ۔ انکی بدولت اس علم کے حاصل کرنے کی نیک صورت نکلی ۔ چنانچہ میں نے اس علم کے کئی رسالے مطالعہ کئے ۔ اور بڑی محنت سے ایک رسالہ بہ نام " ارض الرمل " جو تاریخی نام ہے تصنیف کیا اس میں اکثر نکات ذہن رسا کی بدولت میں نے جمع کئے ہیں ابھی نا تمام ہے کاروبار سے اسقدر فرصت کہاں کہ ایسے کاموں کا تکملہ ہو جائے خدا نے چاھا تو اس کا تکملہ کرکے ناظرین کی خدمت میں ھدیہ پیش کرونگا ۔ یہ کتاب ابھی نصف بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ درویش علی صاحب کا انتقال ہوگیا ۔ میرے جد امجد انکی تعظیم کرتے تھے کبھی شاہ صاحب موصوف کو سوا (حضرت) کے لفظ سے خطاب کرتے نہیں سنا ایک دوسرے کے همراز تھے وہ افشا نہ ہوا راز سربستہ ہی رہا ۔

نجوم | علم رمل میں کیسی ہی دستگاہ ہو مگر بدوں نجوم کی واقفیت

* عرصہ قبل انتقال ہوگیا

کے ٹٹو نہیں چلتا ۔ نجوم کے دار و مدار پر تو دنیا کا انتظام ہے شاہ صاحب مرحوم نے اصرار فرمایا کہ اس علم کو بھی کچھ حاصل کروں اسکی ابتدا بھی میں نے انہیں سے کی مگر جیسا کہ چاہئے شوق نہیں تھا ۔ اس فن کے متعلق کتابیں بعض بعض مستند میری نظر سے گذری ہیں ۔

طب | حکیم محمد مظفر الدین صاحب المتخلص بہ '' مزاج '' انکو میں نے طب میں اپنا استاد کیا ۔ اس علم میں یہ ارسطوے زمانہ تھے ان کا تعلق قدیم سے یعنے جدا علی کے زمانہ سے اس خاندان سے تھا ۔

امیر کبیر کے خاندان سے بھی ان کا تعلق ہے ۔ اگر چہ اسکے متعلق میں نے بھی بطور خود ایک دو کتاب کا مطالعہ کیا اور فتح چند حکیم جو میرے خانگی کے محاسب بھی ہیں ان سے بھی کچھ مطالعہ کتب میں مدد ملتی رہی ۔ مگر میری تعلیم کا مزاج حکیم صاحب موصوف کے ھاتھ سے اصلاح پذیر رہا ۔

سنہ ۱۳۱۰ھ میں اس کا آغاز ہوا چونکہ حکیم صاحب نہایت مسن تھے اس لئے ان کے فرزند رشید محمد منیر الدین صاحب سے جو جامع صفات اور نہایت شریف اور منکسر المزاج ہونے کے علاوہ مجھ سے دلی خلوص رکھتے تھے درس لیا کرتا تھا ۔ تین سال تک میں نے محنت کی اور محنت ٹھکانے لگی کہ تھوڑی بہت مشاق اس میں ہوگئی ہے اسی شوق نے مجھے مجبور کیا کہ میں ایک شفا خانہ قائم کروں تا کہ ہم خرما و ہم ثواب ہو ۔ یعنے خود تجربہ حاصل کروں اور مخلوق خدا کو نفع پہنچاوں ۔ چنانچہ میں نے اس ارادہ کو پورا کیا ۔ بتقریب سالگرہ مبارک اعلی حضرت مدظلہ العالی سنہ ۱۳۱۶ھ میں ایک شفا خانہ قائم کیا ۔ اور '' شفا خانہ آصفیہ '' نام رکھا حکیم محمد منیر الدین صاحب اس شفا خانہ کے طبیب اول تھے حکیم فتح چند انکے ما تحت و مددگار کردیئے گئے کل اخراجات اسکے اپنے جیب خاص کے خزانہ سے دیا کرتا ہوں افسوس ہے کہ محمد منیر الدین صاحب نے جو حکیم محمد مظفر الدین صاحب کے اکلوتے لائق نوجوان فرزند تھے انتقال کیا بوڑھے باپ کو داغ دے گئے انا للہ و انا الیہ راجعون ھائے ری دنیا کیا کیا نعمتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں ۔ مگر بیوفائی اس کا انجام ہے ایسے نفوس شاذ و نادر ہونگے جنکے ساتھ دنیا نے ہر طرح رفاقت کی ہو ۔ اور کسی وقت دغا نہ دی ہو ۔ زمانہ کی نیرنگی ایسا ایک داغ دے جاتی ہے کہ ساری راحتیں ۔ نعمتیں ۔ آسائشیں خاک میں مل جاتی ہیں اللہ اللہ اس بوڑھے باپ کا حال اسکے دل سے کوئی پوچھے کہ اس نوجوان لائق فرزند کے غم جوانی نے اسکے غمزدہ دل کے ساتھ کیا کام کیا ہے مگر ضابط مزاج جبر و قدر کے مسئلہ کو جاننے والے صبر و شکر کرنے والے راضی برضا رہنے والے بھلا کہیں غم اپنا دکھاتے بھی ہیں ۔ اپنے نفس پر جبر کیا اور صبوری کی بدولت چھ مہینہ میں آپ بھی روانہ ہوئے نوجوان کا داغ ساتھ لے گئے خدا کی پناہ ان دونوں کی وفات کے بعد میرا جی چھوٹ گیا ۔ نہ مطب کا شوق رہا اور نہ اس

میں ترقی کرنے کی کوشش ہوئی اور کرتا کیا ۔ میں بدنصیب بھی تو اولاد کے غم سے سراپا الم ہوگیا ہوں ۔ آگے چل کر ناظرین کو معلوم ہوگا کہ اتنے زخم کھانے کے بعد میں پھر زندہ کیونکر رہا ۔ مگر مشیت الہی مستعار حیات باقی ہے اسکو کون جلد ختم کرسکتا ہے ۔

الغرض اب بھی حکیم فتح چند کے زیر نگرانی کام چلتا ہے پہلے شفا خانہ میرے جد راجہ نانک بخش کے مکان کے قریب شمال رویہ مکان میں جو پہلے قہوہ خانہ کو توڑ کر ایک بنگلہ بنایا ہے اس میں رہتا تھا ۔ یہ بنگلہ '' گلزار بنگلہ '' کے نام سے موسوم ہے اور یہ نام حیدرآباد کی مخلوق کا رکھا ہوا ہے جو قدرتی طور پر مبارک ہوا ۔مظفرالدین خاں صاحب کے انتقال کے بعد سے میں نے اس مطب کو دوسرے مکان میں رکھا ۔ اب یہ دوا خانہ (بیلہ محلہ کا نام ہے) کے مکان میں جو حال میں خرید کیا گیا ہے رہتا ہے ۔ یہ مکان دیوڑھی کے سمت جنوب میں تصویر خانہ کے عقب میں واقع ہے ۔

نثاری | اگر چہ ہر فرد بشر جسکی استعداد علمی زیادہ ہو یا کم وہ اپنے سرمایہ استعداد کے موافق نثر لکھ ہی لیتا ہے مگر نثاری کا فن بالکل جداگانہ ہے جو آج کے زمانہ میں لٹریچر سے موسوم کیا گیا ہے ہر کس و ناکس نثار نہیں ہوسکتا بڑے بڑے عالم فاضل دیکھے گئے ہیں کہ وہ باوجود اس لیاقت اور فضیلت کے نثار یا منشی نہیں پائے جاتے ۔ اردو کی دنیا میں اگرچہ نثاری کی بنیاد مدت سے پڑچکی تھی مگر متاخرین میں مرزا غالب مرحوم کی اردوئے معلی نے اردو زبان کے تن بیجان میں روح پھونک دی ۔ اردوئے معلی پہلی کتاب ہے جو متاخرین کے زمرہ میں مستند سمجھی گئی ہے اس زبان نے عہد بہ عہد ترقی پائی اور پھر اہل زبان کی مجلس میں شمع محفل ہوکر رہی باکمالوں کے چشم خریدار میں مقبول نظر ہوتی گئی مگر اس میں شک نہیں کہ محمد حسین آزاد نے اس عروس نثر کو اپنی خوش بیانی اور سلیقہ دانی کی بدولت ایسی زینت اور مقبول عام ہونے کا زیور پہنا کر اس کے اصلی حسن پر غازہ چڑھایا کہ آج کے روز خواہ کوئی مانے یا نہ مانے مگر میں تو ضرور یہ کہونگا کہ آزاد کی دلفریب غازہ کاری نے اس زبان کے حسن کے ستارے کو برج شرف میں کردیا سچ تو یہ ہے کہ لٹریچر کی رونق بھی آزاد میر مجلس کی بزم آرائیوں کے دور تک محدود رہی ۔ اب اگر کوئی نو ایجادی کا دم مارے تو الغلط ۔

اس میدان کا پالا آزاد ہی کے ہاتھ آیا ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی اون کی پیروی کرکے مقلد ہونے کی عزت حاصل کرے مجھے بچپن سے تالیف کا قدرتی طور پر شوق ہے جسکی وجہ میں بیان نہیں کرسکتا کہ کیا ہے اور کس چیز نے مجھے حاصل کرنے کی جانب مائل کیا ۔ چنانچہ سنہ ۱۳۰۳ھ کے دو رسالے میں نے ایک اردو سے فارسی میں اور دوسرا فارسی سے اردو میں ترجمہ کرکے طبع اور شائع کرائے جنکے نام تاریخی '' لطائف بے نظیر '' اور '' باغ و بہار عجیب '' ہیں ۔

میں نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اکثر اردو ناولیں جو مشہور مصنفین کے انمول مضامین تھے ان کا مطالعہ کیا - اور التزام کے ساتھ انکے روز مرہ محاورات - دلچسپ فقرات اور ضرب المثل کو قلمبند کرتا گیا - جب اس سے فارغ ہوا تو انکو از بر کرلیا - گو اس وقت میری عمر کے سفر کے ساتھ فراموشی بھی ہوتی گئی مگر ایک اقتضائے سن دوسرے شوق کی امنگ نے مجھکو نچلا نہ رہنے دیا - میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ موسوم بہ ''سرمایہ سعادت ،، لکھکر شائع کرایا - یہ رسالہ کسی اہل زبان کی محک نظر میں کسا نہیں گیا یوں ہی اس کو طبع کرادیا یہ ایک قصہ دو بھائیوں کا ھے جس میں ایک خواندہ اور دوسرے ناخواندہ کی طرز معاشرت اور اتفاق و نفاق کا نتیجہ دکھلایا ھے اس عرصہ میں پنڈت رتن ناتھ سرشار کا '' فسانہ آزاد ،، اودہ اخبار میں طبع ہونا شروع ہوا -

بازار سخن میں اسکی ایسی دھوم دھام ہوئی اور اسکے دلفریب مضامین کے ادنی سے اعلی تک خریدار بنے - جس میں میں بھی ایک کم سرمایہ خریداروں کے زمرہ میں شامل ہوا اور اسکی ظرافت اور لطافت کا قائل ہوا - اکثر پنڈت جی کے تصانیف میری نظر سے گزرے اور مجھے بھی شوق چرایا کہ ایک فسانہ اسکے جواب میں لکھوں - اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ میرا خیال بالکل خبط تھا کہاں میں اور کہاں ناول نویسی اور پھر اس کا جواب جو خود لاجواب ہو - اللہ اللہ غرض خبط کی دھن میں میں نے ایک فسانہ شیدا لکھنا شروع کیا - اور محمد مظفر الدین صاحب معلی کی نظر ثانی کے بعد طبع کرواتا گیا -

چوں کہ میں اور معلی صاحب دونوں دکن ہی کی سر زمین کے اگے ہوئے درخت ہیں ہماری زبان کہاں اہل زبان سے لگا لے سکتی ھے - مگر تشفی خاطر کے لئے انکی اصلاح کو غنیمت سمجھتا تھا - اور کسی قدر اس لئے بھی اطمینان ہوتا تھا کہ ان کا تجربہ اور انکی واقفیت شعر و سخن کی بدولت ایسی تھی کہ صدہا ان کے شاگرد تھے اور میں نے اپنا استاد انہیں مانا تھا - ابھی یہ کتاب کوئی تین جز کے قریب طبع ہوئی تھی کہ سنہ ۱۳۱۴ھ میں پنڈت رتن ناتھ سرشار خمخانہ اردو کے بادہ خوار دکن میں داخل ہوئے اور انکے خیر مقدم کی خوشیاں ہر ایک کہ و مہہ منانے لگا - سب کے لئے یہ شخص گویا سونے کی چڑیا تھی - وہ بہت ہی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے - اکثر جگہ مجلسیں ہوئیں اور انکے خیر مقدم کی تقریب میں شاعروں کے جلسے منعقد ہوئے تمام دکن نے انکی آو بھگت کی اہل کمال بھی انکے قلم کو مانتے تھے اور داد دیکر قدر دانی فرماتے تھے رفتہ رفتہ مجھ تک بھی ان کے آنے کی خبر پہونچی - اور راجہ بنسی لعل سررشتہ دار جو ایک قدیم معزز خاندان سے میرے دوست تھے ان کی بدولت سرشار ذی وقار سے تعارف ہوا - گھر بیٹھے دولت آئی - سب نے سونے کی چڑیا سمجھا مگر میں نے انکو ہما کی چڑیا سمجھکر اپنی محبت کے قفس میں نظر بند رکھا - حق تو یہ ھے کہ یہ بھی ایک عجیب اور نایاب فرد تھے اردو کے میدان میں تو اس کے نثر کا لوہا ھندوستان

نے مان لیا تھا مگر انگریزی نثاری بھی اس شخص کی نئی ادا کے ساتھ تھی ظرافت تو گویا گھٹی میں پڑھی تھی - مشرب آزاد انہ - مزاج کی شوخی طبیعت کی تیزی خدا داد تھی یار شاطر نہ بار خاطر مگر افسوس ہے کہ بقول - ذوق

اے ذوق دخت رز کو نہ ہرگز تو منہہ لگا
چھٹتی نہیں ہے منہہ سے یہ کافر لگی ہوئی

دخت رز انکے عقد میں آگئی تھی اسکے ساتھ ان کا عشق کو ھکن کے رتبہ تک پہونچ گیا تھا جس کی بدولت مفت میں اپنی جان شیریں گنوائی - الغرض انکی صحبت سے میں نے نظم و نثر میں بہت کچھ استفادہ حاصل کیا میرے یہ دوست جان نثار دوست اور سچے رفیق اور شفیق بھی تھے - انکی مبارک اور فیض بخش صحبت نے میری امیدوں کو پورا کیا - اور میں نے انہی کی صحبت کی بدولت اردو نویسی میں مہارت حاصل کی - اور اہل زبان تحسین کے تحائف سے مجھے یاد و شاد فرماتے رہے -

سنہ ۱۳۱۰ھ میں انہی کی ترغیب سے میں نے " مطلع خورشید " کے نام سے ایک ناول لکھا اور سرشار کی نظر ثانی کے بعد طبع اور شائع کرایا گیا - فسانہ شیدا بھی نامکمل تھا اور ابھی انکے نظر اصلاح کے منظور نہیں ہوا - لہذا اسکے طبع کا موقع نہیں آیا -

سنہ ۱۳۱۶ھ میں بتقریب یادگار سالگرہ حضرت جمجاہ ظل اللہ دو رسالے " محبوب الکلام " - " دبدبہ آصفی " نظم و نثر میں نکالے گئے ان میں جس قدر مضامین میں نے لکھے وہ سب انکے دیکھے اور پڑھے ہوئے ہیں - چنانچہ " دبدبہ آصفی " میں ایک اردو ناول چھپوانا شروع ہوا جو چنچل نار کے نام سے موسوم ہے ابھی یہ ختم ہونے نہ پایا تھا کہ بعض احباب نے اصرار کیا کہ بصورت کتاب ایک ہی وقت یہ طبع اور شائع ہوجائے تو مناسب ہے - میں نے اس درخواست کو بدل منظور کیا اور فوراً اس کا طبع ہونا موقوف کردیا جہاں تک کتاب چھپی تھی وہاں تک سرشار کی نظروں سے گذر چکی تھی باقی جو کچھ حصہ رہ گیا تھا وہ سنہ ۱۳۲۱ھ میں لطیف احمد اختر مینائی کی مدد سے پورا ہوا چونکہ سرشار صاحب اور اختر صاحب دونوں ہم وطن اور باعتبار علم و زبان و کلام ایک ہی خاندان کے دو مہرے تھے میں نے مناسب خیال کیا بقیہ حصہ انہی کے مشورہ سے چھپایا جائے - طبع اور شائع ہوکر صورت کتاب میں ہدیہ ناظرین ہوئی اس کے علاوہ اور نظم و نثر میں جس قدر رسالے طبع ہوئے ہیں انکی فہرست یہ ہے - *

یہ سب رسالے انکے نظر امتحان سے پاس شدہ ہیں - افسوس فلک کی نیرنگیوں نے تمام عالم میں ایک زلزلہ پیدا کر رکھا ہے اور ہر وقت بمصداق " کل یوم ھو فی شان " - ایک

---

* ان مہاراجہ مرحوم نے اسکی تکمیل نہ فرمائی آخر میں اونکے جملہ تالیفات کو درج کیا گیا ہے -

نئی بات اور ایک نیا عالم ۔ نئی قیامت اور نیا حشر بپا ہو جاتا ہے اور چشم زدن میں ظلمات جہاں کے طلسم انسان کے چشم عبرت بین میں اپنے تازہ جلوہ افروزیوں سے چکا چوند پیدا کرتے ہیں عبرت کا سرمہ ہر وقت منظور نظر ہو جاتا ہے ۔ بیخودی اور ہوشیاری یہ دونوں توام بہنیں ہیں ۔ غم و اندوہ و یاس و حسرت و رنج و الم یہ اس عبرت خانہ عالم کے نقوش ہیں جو ہر وقت محسوس ہوتے جاتے ہیں اور اسی کشمکش میں عمر تمام ہو جاتی ہے اور ایسی غفلت جسکو ہم بیداری سمجھتے ہیں دنیا آخر ہو جاتی ہے اور ہم کچھ ایسی غفلت کی نیند سوئے ہیں کہ چونکتے ہی نہیں اور اجل اپنا کام کر جاتی ہے ۔

دفعۃً سر شار ذی وقار کان جواہرخوبی خزینہ معانی ۔ سرمست جام مئے علوم و فنون بعارضہ فالج قلب ہمیشہ کے لئے اس دنیائے دوں سے اٹھ کر عالم بقا کو سدھارا اور دوستوں کی محبت کی کچھ بھی قدر نہ کی داغ الم دے گیا ۔ آنافانا نقش وفا مٹ گیا اور یاروں کو ہدف آلام کرلیا ۔ یوں تو ایسے شمع محفل کے خموش ہونے کا کسی کو غم نہوگا اور کسی کا دل اسکے غم میں تیرہ و تار نہوا ہوگا مگر کوئی میرے دل سے اسکے غم کا حال پوچھے ۔

روئے گل سیر ند یدم و بہار آخر شد

شیرازہ خاطر پریشان ہوگیا جوش اور دل کی امنگ فرو ہوگئی ۔ اسکے بعد کچھ میرے حالات بھی ایسے ناقابل برداشت ہوگئے جس کے بیان کرنے سے قلم آنسو بہاتا ہے ۔

میں اپنی حیرانیوں میں رہا لذت جگر کا شکار ہوتا گیا ۔ کہاں کی تصنیف کہاں کی تالیف ۔

دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہوسکے

بہت عرصہ تک اس کا ولولہ اور مشغلہ کم رہا ۔ زمانہ کا ورق الٹ گیا وہ سرسبزی اور زرخیزی اور بہار اس باغ دل کی باقی نہ رہی ۔ طبیعت کے اعتدال میں فرق آگیا ۔ میں نے بھی صبر کیا اور خموش رہا ۔

موسیقی

کم سنی سے میرے لئے قدرت نے جہاں اور سامان فراہم کئے تھے اور روز ازل سے جو جو نعمتیں و دیعت کی گئی تھیں از آنجملہ ایک یہ بھی فن تھا کہ اس کا دل سے بہت شائق تھا اور اب تک ہوں ۔ اس طرف مائل ہوا اور خفیہ طور سے بلا اطلاع جد امجد ایک کلاونت مسمی (اپا تلسی) اس سے سیکھنا شروع کیا یہ میرے پاس ابتک ملازم ہے رفتہ رفتہ میرے جدامجد کو یہ خبر معلوم ہوئی ایک روز خوش مزاجی سے استفسار فرمایا کہ واقعی ” تمکوموسیقی کا شوق ہے“ میں نے خوف کیا

اور بہت ہی ادب سے خاموش رہا مگر اس جو ہر شناس خزینہ علوم و فنون نے فرمایا کہ اگر واقعی یہ خبر صحیح ہے تو تم نے غلطی نہیں کی بلکہ مجھ سے یہ فن بھی حاصل کیا جائے ۔

میں اپنے دل میں محظوظ تو ہوا مگر رعب بزرگی کا ایسا چھا گیا تھا کہ بات نہ کرسکا بہت ہی ملا ئمت اور نرمی سے فرمایا ضرور تم اسکو کچھ حاصل کرو ۔

درویش علی شاہ صاحب جو میرے جد کے بہت ہی رفیق اور یار غار تھے انہوں نے کہا کہ مہا راج یہ اس علم کو سیکھ کر کیا کرینگے ۔ میرے جد نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص جس کسی علم اور فن سے واقف نہیں ہوتا وہ اس علم اور فن کے اہل فن یا اہل علم کی قدر نہیں کرسکتا ۔ ناظرین غور کریں کہ یہ جملہ کس قدر انکی جوہر شناسی کی داد دیتا ہے چنانچہ یہ بھی فرمایا کہ میرے جد اعلی مہاراجہ چندو لعل نے میرے موسیقی کی تعلیم کے لئے کبھی ماہر فن اور کاملین کو انتخاب کرکے ملازم رکھا اور تعلیم دلوائی مجھے اس روز معلوم ہوا کہ میرے جد امجد کو اس علم میں بھی دستگاہ ہے ۔

الغرض میں جھک کے آداب بجا لایا اور اسکو سیکھنا شروع کیا کوئی ایک سال کے قریب اس کو سیکھا ۔ مگر اس قدر قلیل مدت اس کے لئے کیا کافی ہوسکتی تھی جس کے حاصل کرنے کےلئے لوگوں نے عمریں گنوائیں ۔ اور سرگم ہی بھرتے رہے وہاں بھلا میری کم سرمایگی کا راگ مالا کیسے بجے گا مگر ہاں اس قدر واقفیت ہوئی ہے کہ کچھ نام راگوں کے جان لیتا ہوں ۔ اور سر بے سر کی شناخت میں دقت نہیں ہوتی ۔ اسی درمیان میں میں نے محمد عبد اللہ صاحب جو میرے آئینہ خانہ کے داروغہ ہیں اور ان کی قدامت یہاں کئی پشت سے چلی رہتی ہے ۔ اور ستار بجانے میں گویا امیر خسرو کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ۔ ان سے ستار شروع کیا اس میں کچھ مشق ہوئی ۔ اس کی مدد سے ہارمونیم اور نئے بھی بجا لیتا ہوں ۔ تنہائی کا لطف اٹھاتا ہوں ۔

طباخی | ناظرین اس کی سرخی کو پڑھکر بیساختہ ضرور مسکراتے تو ہوں گے یہ دیکھئے وہ خندہ لب اور چہرہ پرانبساط کا اظہار ہورہا ہے جس سے صاف ترشح ہوتا ہے کہ مطالعہ کرتے کرتے دفعتاً جو لب تبسم آشنا اور چہرہ سے ہنسی کے آثار نمایاں ہیں وہ صرف اس سرخی کے پڑھنے کے باعث ہے ۔

دل ہی دل میں وہ لوگ جو اس اضعف العباد شاد کے آشنا اور دوست ہیں وہ ضرور کہتے ہونگے کہ اس کے سیکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی یا یہ ضرور خیال فرمایا ہوگا کہ اگر کسر تھی تو بس اس بات کی تھی کہ ہانڈی ڈوئی کے کمال کو بھی نچھوڑا ۔ اور جو لوگ نا واقف ہیں اگر تہذیباً نہ کہیں تو دل ہی دل میں یہ گمان تو ضرور پیدا ہوگا کہ مصنف نے صرف اپنے اظہار کمال کے خاطر اس تصنیف کو مطبخ بھی بنا دیا

اور مبالغہ کے چپاتیاں پکا کر صحفہ قرطاس کو دستر خوان کی زینت سے سجادیا اور ناظرین کو مدعو کردیا اس میں شک نہیں کہ ایسا خیال ضرور ہوتا ہوگا ۔

مگر میں اپنے دوستوں سے ضرور یہ کہوں گا کہ جن ابواب کا ذکر میں نے کیا ھے اور جن علوم و فنون کو میں نے سیکھا ھے وہ بھی شوق سے ان کا اظہار نہ صرف اس غرض سے ھے کہ مجھکو میرے احباب جامع العلوم والفنون سمجھیں یا ہمہ‌داں کے خطاب سے میرے دل کو خوش کردیں نہیں نہیں یہ تو وہم و گمان میں بھی نہیں اور نہ اسکی ضرورت ھے اس لئے کہ سوائے علوم ضرورت کے جن کا سیکھنا تمدن کے لئے ضروری اور طرز معاشرت اور اخلاق اور حکومت اور نشان اور نام اور دنیا اور عاقبت کے لئے لازمی ھے باقی علوم فنون سیکھنے اور انکے حاصل کرنے کی طرف میں نے اپنی عمر کا کچھ حصہ گنوایا وہ در حقیقت رائیگاں تھا ۔ کاش ایسے متفرق علوم و فنون کے بجائے جنکے سیکھنے کی ایسی سخت ضرورت نہیں تھی ۔ اگر ان علوم و فنون کو جسکو زمانہ ضروری سمجھتا ھے اور ضرورت کے لحاظ سے میری ذات کے لئے بھی ضروری تھے پورے طور سے حاصل کرتا تو زیادہ تحسین کے قابل اور ستائش کے لائق بات تھی ۔ پس جب کہ میں نے خود اس امر کو تسلیم کرلیا ھے کہ میں نے خود بے ضرورت اپنے وقت کو بیجا صرف کیا تو اس اعتراف کے بعد پھر اپنے علوم و فنون کے سیکھنے کا اظہار کرکے ناظرین سے تحسین و آفرین کی توقع رکھنا حماقت نہیں تو نادانی ضرور ھے ۔

المختصر یہ کہ میں نے اس فن کے سیکھنے میں بھی گو وہ رائیگاں ھی کیوں نہیں سمجھی جائے جو کچھ مشقت کی اسکی ایک وجہ ہوئی ۔ غالباً اس وجہ کے کے سننے کے بعد ناظرین ضرور اس بات کو تسلیم فرمائیں گے ۔ میرا رجحان جو اسکے سیکھنے کے متعلق ہوا وہ بجا نہ تھا تو بیجا بھی نہ تھا عجب نہیں انصاف پسند احباب اسکو کسی وجہ سے ضروری خیال فرمائیں گے ۔

سنہ ۱۳۰۰ھ میں اعلی حضرت ظل سبحانی غفران مکان مدظلہ العالی کی سواری باد بہاری اورنگ‌آباد کے سمت رونق افروز ہوئی ۔

یہ زمانہ وہ ھے کہ سالار جنگ اول زندہ تھے میرے جدامجد مہا راجہ نرندر مرحوم یہاں عہدۂ مدار المہامی کے منصرم قرار دئے گئے اس لئے وہ اس سفر وسیلۃ الظفر میں اپنے دین دنیا کے آقا کے ہمراھی کی سعادت حاصل نہ کرسکے ۔ مجھے میرے جد امجد نے اپنے عوض میں اس اورنگ نشین اقبال ظل ایزد متعال کے اقدام کے ساتھ خدا حافظ کہہ کے روانہ فرمایا اور سالار جنگ اول سے کہدیا کہ ـــ

سپردم بہ تو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

سالار جنگ اول اور میرے جد گویا ایک روح دو قالب تھے ۔ اور انکی آپس کی محبت

حقیقی بھائیوں سے بھی کئی آسان زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی انہوں نے اسی سفر میں میرے ساتھ بزرگانہ کرم فرمایا اور ہر وقت اور ہر لمحہ میری خبر گیری فرماتے رہے۔

اس سفر میں بوقت واپسی سواری مبارک ایسا اتفاق ہوا کہ شب میں میرے ساتھ کا باورچی سرکاری باورچیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور اسکے دوسرے روز صبح میں سرکار کے سواری رونق افروز ہونے والی تھی اتفاق سے جانا ملتوی رہا۔

جسکی وجہ سے مجھے صبح کا کھانانہ ملا۔ اور بارہ بجے چاشت کا وقت بھی قریب ختم تھا سالار جنگ مرحوم کو فکر ہوئی اور مجھ سے خوش مزاجی کے طور پر فرمایا اگر جی چاھتا ہے تو باورچی خانہ میں کھانا حاضر ہے لیجئے تناول فرمائے۔

میں مسکرا کر چپ ہورھا مگر انکو فکر ہوئی کہ آخر کھانے کی کیا تدبیر ہو۔ میں نے سالار جنگ اول سے کہا کہ آپ فکر نہ فرمائیں مجھے خشکہ پکا لینا تو آتا ہے۔ مگر سالن پکانا نہیں جانتا کسی ھندو کے گھر سے جغرات یا اچار مل جائے گا تومیں خشکہ پکا کر کھا لونگا۔ میرے اس کہنے سے انکو اطمینان ہوا اور اس وقت دوپہر میں اور نگ آباد کے باشندوں سے جو قوم کے مرھٹے تھے طلب کئے گئے۔ اور ان سے میری طرف اشارہ کر کے کہا اگر یہ تمہارے ھاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائیں تو فبھا ورنہ یہ جو کہیں تم مہیا کردو۔ چونکہ میں اس وقت تک نہیں جانتا تھا کہ مرھٹے برھمن اور پنجابی سا رندہ برھمنوں میں جو ھمیشہ سے کھتری اورسا رندہ برھمن کے چولی دامن کا رشتہ چلا آتا ہے کیا فرق ہے اور کھتری قوم کے کون کونسے فرقوں کے برھمنوں کا پکایا ہوا کھانا کھاسکتے ہیں اس لئے میں نے خود اپنے ھاتھ سے خشکہ پکایا اور اس برھمن نے اچار اور جغرات لادیا جنگل میں دستر خوان بچھایا اور اطمینان کے ساتھ کھانا کھایا۔ الغرض اس سفر سے واپسی کے بعد خیال پیدا ہوا کہ اگر میں خشکہ پکانا نہ جانتا اور مقام بھی کوئی ایسا ہوتا کہ وھاں برھمن کوئی نہ ملتا تو آخر کشن پرشاد کیا کرتا سوائے اسکے کہ دونوں ھاتھ سر پر رکھکر جب تک کھانا نہ ملے الجوع الجوع کرتا رھتا خدا کا شکر ہے کہ وقت پر خشکہ پکا لینا ھی کام دے گیا۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس میں بھی کچھ سیکھنا چاھئے چنانچہ میرا یہ شوق مستقل تھا میں نے مختلف طباخوں سے انواع و اقسام کے اغذیہ پکانے سیکھے اگر کوئی ایک مہینہ تک ہر روز نئی اغذیہ کے پکانے کی فرمائش کرے تو میں ایک مہینہ تک ہر روز نئے میٹھے پکا کے انشاء اللہ کھلا سکتا ہوں۔ اسکے بعد مجھے اکثر اور بھی مواقع اس سے زیادہ سفر اور حضر میں پیش آئے اور ہر وقت میں اپنے آپ کو مدد دینا رہا۔

ان علوم و فنون کے علاوہ۔

ملمع کاری۔ کار چوب۔ کشیدہ۔ نجاری۔ شعبدہ بازی۔ گنجفہ۔ شطرنج۔ چوسر ان

میں بھی بقدر ضرورت کہ کبھی احباب کے جلسوں میں باعث دلچسپی ہو - تنہائی کے وقت دل بہل جائے نے کچھ شدبد ہے -

فوٹو گرافی | اس فن کے حاصل کرنے میں میں نے بہت مشقت کی اور مختلف لوگوں سے اسکو سیکھا مگر راجہ دین دیال جو خاص فوٹو گرافر اعلی حضرت مدظلہ العالی کے شمار کئے جاتے ہیں اور اس فن میں یکتائے روزگار مانے جاتے ہیں - اور اسی وجہ سے انکو اعلی حضرت نے راجائی کے خطاب سے عزت دی ان سے مجھکو بہت مدد ملی اور میں نے دو تین سال کی محنت میں اچھی مشق حاصل کرلی - حال کے نو ایجادوں کے سوائے کوئی بات فروگزاشت نہیں ہوئی -

پینٹنگ | اس فن میں قدرت کی دستکاری نے میرے ہاتھ اور دماغ میں اس قسم کا مادہ عطا فرمایا ہے کہ میں نے اپنے شوق سے اس کو بلا کسی کی مدد کے سیکھا مگر وہ فن یا علم جو بے استاد کے حاصل ہوتا ہے ہمیشہ اس میں نقص باقی رہتا ہے - اس لئے میں نے اس فن کے استاد کی تلاش کی - ایک انگریز یوروپین مسمی مسٹر ملر اس سے چند مہینے میں نے چند سبق لئے مگر ھجوم افکار اور دنیاکی صعوبتوں اور خانگی جھگڑوں نے مجھے ایسا پریشان کردیا تھا جسکی وجہ سے میری صحت پر برا اثر پڑا تھا اور جس سے خوف ہوتا تھا کہ یہ چار عناصر کا پتلا کہیں نقش قدم نہ ہو جائے - مگر خدا کی مدد اور بادشاہ کی دستگیری کی بدولت میری جان اور آبرو بچی- بہر حال بہت تھوڑے دنوں کی مشق کے بعد میں نے اسکو یک لخت ترک کردیا تھا - مگر اب کبھی کبھی بوقت فرصت مشغلہ رہتا ہے -

اور پنٹینگ آئیل کلر میں کرتا ہوں - مجھے پنٹنگ میں سبزی پینٹ کرنے کا بہت شوق ہے -

زنار بندی | جب میری عمر کا نواں سال شرع ہوا والدین نے قوم کی رسم کے موافق بصرف زرکثیر زنار کو گلے کا ہار کیا - کفر و ایمان کی بیڑی پانون میں پڑگئی- تار رگ جان بستہ تعصب قوم و ملت ہوگیا - ذوق اسیری پابندی مذہب کا دائقہ ملا- بت پرستی جو عین گمرھی اور شرک ہے اسکی قید لگا دی گئی - عناصر و کواکب کی عبادت بتخانہ کا طواف فرض سمجھا گیا - پابندی رسم و رواج نے قیدی بنادیا - *

انتقال والدہ | " سنہ ۱۸۷۶ع میری والدہ کا انتقال ہوا - ماں کا سایہ شفقت سر سے اٹھہ جانا کوئی معمولی بات نہ تھی - نازوں کا پلا ہوا دل جو آغوش محبت مادری

---

* مہاراجہ عموماً اپنے جد کے عنوان سے حقیقی نانا مہاراجہ نریندر پرشاد کو مراد لیتے ہیں اور والدین سے حقیقی والدین کا تذکرہ کرتے ہیں

کا خوگر تھا اس نے فراق دائمی کا تازہ صدمہ اٹھایا نسیم الفت مادری سے میری زندگی کا چمن جو سر سبز و شاداب تھا اسکو صر صر الم کے جھونکے نے افسردہ و پژمردہ کردیا جمعیت خاطر کا شیرازہ کھل گیا اور قدرتی بیفکری نے جو ابتدائے پیدائش سے مونس و دمساز تھی رخصتی سلام کیا ۔

جب تک کہ سر پہ سایہ رہے والدین کا
سچ تو یہ ہے کہ لطف جب ہی تک ہے چین کا (شاد)

میں نانا کے گھر میں پیدا ہوا اور میری پرورش میری تعلیم و تربیت کی برکتیں بھی یہیں سے حاصل ہوئیں پھر کیا یہ ممکن تھا کہ ایسے با خدا اور شفیق و مہربان دادا ایسے ہمہ دان آفتاب کے زیر سایہ پرورش پاکر میں ان موروثی حسنات کو حاصل نہ کرتا اللہ اللہ خدا کا شکر ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے فضل و کرم سے مجھے دنیوی حقوق موروثی کا جیسا کہ مستحق قرار دیا ویسا ہی دینی امور میں بھی ان کا پیرو کیا اور اس دولت موروثی سے سرفراز فرمایا ۔ *

نوٹ | چونکہ مہاراجہ نرندر پرشاد کو فرزند نرینہ نہ تھا اور قدرتاً امید نہ رہی تھی (اگرچہ مہاراجہ کے خود نوشتہ حالات میں درج ہے کہ عرصہ تک اسکی امیدیں تھیں اور عقد جدید کا خیال بھی ہوا مگر خود مختار الملک نے ظاہر فرمایا تھا کہ اگر آپ کو اولاد ہو تو کشن پرشاد کے حقوق نظر انداز نہ ہوں گے) بہر حال مہاراجہ کشن پرشاد اگرچہ مہاراجہ نرندر پرشاد کو جا بجا اپنے تحریرات میں اپنا جد ہی لکھا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ مہاراجہ کشن پرشاد کو اولاد نرینہ نہ رہنے کی وجہ اپنا تبنیتی فرزند بنا لیا اور چونکہ اس زمانہ میں حضرت غفران مکان کی کمسنی تھی اس لئے مختار الملک اور اونکے شریک کار ریجنسی کی رضامندی حاصل کرلی تھی اور رزیڈنسی کو بھی اسکی اطلاع دیدی گئی تھی اور مہاراجہ نرندر پرشاد اسکی طرف کامل متوجہ ہوگئے تھے کہ اپنے نواسے اور متبنی فرزند اور آئندہ ہونے والے پیشکار کو تمام امور سلطنت و جاگیر میں کامل واقفیت کا موقع دیا جائے ۔

اور بہترین طریقہ شایان شان تربیت کی جائے مہاراجہ کشن پرشاد کے نور چشم کی بہتر تربیت کا جو ذکر کیا ہے اس موقع پر بجنسہ لکھدیا جاتا ہے ۔

مدارج کی سرفرازیاں | کمسنی حضرت غفران مکان کے دوران میں مختار الملک ۔ امیر کبیر شمس الامرا نواب رفیع الدین خان شرکا (کو ریجنٹ) تھے نواب رشید الدین خان وقار الامرا کو بھی جاگیر امیر کبیر سے کافی حصہ مل گیا تھا مہاراجہ نرندر پرشاد پیشکار اور چار امرازادے وزرائے سلطنت قرار پائے تھے جن کے نام نواب بشیر الدولہ نواب مکرم الدولہ نواب شمشیر جنگ نواب میر یاور علی خان (نواب افتخار الملک شہاب جنگ) ہیں جب آئین سلطنت میں صدر المہامان سررشتہ ڈپارٹمنٹل منسٹر کی بنیاد رکھی گئی تو کمسن امرازادوں کی بھی تربیت نظم و نسق و مدارج سلطنت کا خیال

دربار قیصری میں شرکت | ۲ - ڈ سمبر سنه ۱۸۷۶ع م ۱۹ - ذی قعده سنه ۱۲۹۳ھ آفتاب سپہر دکن حضرت جہاں پناہ ظل سبحانی خلیفة الرحانی کی سواری باد بہاری (دلی) کے دربار قیصری کی تقریب میں جلوہ افروز ہوئی - اس سفر وسیلة الظفر میں اکثر عائدو اراکین و عہدہ داران سلطنت نے ہمراہ رکاب حاضر رہنے کی سعادت حاصل کی - میں نے بھی پروانہ وار بزم شاہی میں بار پایا - اورشرکت دربار کا لطف اٹھایا -

حاضرباشی کی عزت | سنه ۱۸۷۸ع م سنه ۱۲۹۵ھ میں سالار جنگ اول نے چند امرائے دولت کو امرائے حاضر باش کے نام سے نامزد کرکے در دولت شاہی پر حاضر

(سلسله نوٹ)

کمسن امرازادوں کے سر پرستوں کے پیش نظر ہوگیا - خاندان امیر کبیر میں محتشم الدوله خورشیده جاه اقبال الدوله - امام جنگ ظفر جنگ - خاندان مدار المهام سالار جنگ میں اونکے دونوں فرزند لائق علی خاں - سعادت علی خان - نرندر برشاد کے نواسے کشن پرشاد خاندان فخر الملک میں (اسد علی خان) خانان خانان سرفراز حسین خان فخرالملک نسبتاً کمسن تھے تاہم ہر ایک کے بزرگ کو اپنے اولاد کی تعلیم و تربیت کا خیال پیش نظر تھا - مہاراجه کشن پرشاد نے جا بجا اشارات اپنے قلمی مسودات و تالیفات میں کئے ہیں که مختار الملک خصوصیت کے ساتھ اپنے دونوں فرزند وں اورکشن پرشاد کا خیال رکھتے تھے اور آئنده کے حالات کے لحاظ سے برٹش انڈیا کے چیفس کالج کے اصولوں پر " مدرسه عالیه " کی بنیاد بھی رکھی تھی جسکی توضیح خود مہا راجه کے قلم سے اپنے مقام پر علحده مندرج ہے - یه بھی مناسب سمجھا گیا که خطابات شاہی و تقریبات شاہی سے بھی دیوان و پیشکار اور امرائے عظام کو بھی بتدریج عزت و سرفرازی حاصل ہو - مہا راجه تحریر فرماتے ہیں که به تقریب دربار سال گره مبارک حضرت ظل سبحانی بتاریخ ۶ - ربیع الثانی سنه ۱۲۹۱ھ مطابق سنه ۱۸۷۴ع خطاب راجه بہادر منصب دو ہزاری ایک ہزار سوار و علم سے سرفراز ہوا - میر لائق علی و میر سعادت علی فرزندان مختارالملک اولی نے دربارگھر بار میں خطاب خان بہادر سے عزت حاصل کی "

یه ملحوظ رہے که مغلیه آئین دربار و سلطنت میں خطاب و رتبه امارت کے ساتھ تعین ہوا کرتا تھا که کس قدر منصب شاہی کس قدر فوج وغیرہ اوس خطاب یافته امیر کو سرفراز ہوئی ہے کثرت مناصب و خطاب یافتگان سے یه لازم نه ہوتا تھا که مبینه منصب اور جمعیت کی سرکردگی رہے آئین اکبری میں ابو الفضل نے اور اپنے سفر نامه میں ڈاکٹر برنیر نے اسکی حقیقت واضح کی ہے آصفی امرا و خطاب یافتگان کو خطاب کے ساتھ مخاطب کیا جاتا تھا که اس قدر منصب سر فراز ہوا اور اسقدر جمعیت سوار و پیدل بھی خطاب کے ساتھ عطا ہو رہی ہے در اصل یه اعداد رسمی پر شمار ہو جاتے تھے - دفتر دیوانی و مال جو اب متحد ہیں اس رسمی اور اعزازی شمار کی حقیقت کو واضح کرسکتے ہیں مہا راجه کشن پرشاد کو اوس وقت اور بعد کے مراتب خطاب پر اوس قدر منصب جمعیت عملا سرفراز نه ہوئی جسکا رسمی اعلان ہوا تھا -

رهنے کی منظوری حاصل کی یہ امرا باری باری سے روزانہ حاضر ہوا کرتے تھے ۔ اسی سلسلہ میں سالار جنگ اول نے مجھے اور اپنے دونوں فرزندان نواب میر لائق علی خان بہادر اور نواب میر سعادت علی خان بہادر کو بھی شریک فرمایا اور ہفتہ میں دو دن ہمارے لئے مقرر کئے گئے ۔

صبح سے شام تک دربار شاہی میں حاضر رہتے تھے اور بعد برخاست اپنے اپنے مکانوں کو واپس آتے تھے ۔

نسیم عنایت الٰہی کی بدولت قدرتی سامان ایسے جمع ہوئے کہ انجمن آرائے سلطنت کی نظر کرم مجھ پر میرے ہمچشموں کے مقابل زیادہ تھی ۔ الحمد اللہ و المنہ کہ انواع و اقسام کی عنایتوں سے عزت پاتا رہا ۔ اور اس مراحم مہر سپہر کے بدولت میرے بخت کا ستارہ چمک گیا ۔

معیت شاہی میں گلبرگہ و اورنگ آباد کا سفر

سنہ ۱۳۰۰ھ م سنہ ۱۸۸۳ع میں اعلی حضرت قدر قدرت کی سواری باد بہاری اورنگ آباد کی جانب رونق افروز ہوئی اس سفر کا مقصود نہ صرف سیر و تفریح تھا بلکہ سر سالار جنگ اول کی حکمت اور تدبیر تھی کہ اسی حیلہ سے اپنے بادشاہ کو ملک کا دورہ کرا کے گرم و سرد کیفیات زمانہ اور حالات رعایا سے واقف کرائیں ۔ چوں کہ اس سفر میں سالار جنگ اول ہمراہ رکاب سعادت انتساب حاضر تھے اور میرے جد اعلی مہا راجہ نرندر بہادر منصرم مدار المہامی کی عزت سے سرفراز ہو کر مہام دولت کو انجام دینے بلدے میں رکھے گئے تھے ۔ لہذا میرے جد نے مجھے بہ حیثیت نیابت پیشکاری اپنے مالک کے اقدام کے سایہ حاضر رہنے کا حکم دیا ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے بحیثیت نیابت پیشکاری دربار شاہی میں باریابی کی عزت ملی ۔ اور ملازمت کی سعادت حاصل ہوئی ،، ۔ *

اس وقت میرے جد مرحوم مہا راجہ نرندر نے حسب ایماء سرسالار جنگ اول

---

* حیدرآباد میں سلطنت کی ذمہ داریاں انجام دینے کا فریضہ مہاراجہ نرندر پرشاد اور نواب بشیر الدولہ کے ذمہ عاید کیا گیا مہا راجہ نرندر پرشاد نے منا سب خیال کیا کہ مہا راجہ کشن پرشاد کو نائب پیشکار سلطنت کے طور پر سفر شاہی میں شرکت کا موقعہ مل جائے اور اوسکی بدولت مہا راجہ کشن پرشاد کو ذات شاہانہ سے قربت اور سلطنت کی ذمہ داریوں سے واقفیت کا شرف عطا ہوا ۔ یہ شاہی سفر بڑے تزک و احتشام سے انجام پایا اور فی نفسہ وہ تاریخ سلطنت اور سوانح زندگی حضرت غفران مکان کا ایک اہم واقعہ ہے ۔

حضوری سواری کے ساتھ اپنی جگہ مجھے روانہ کیا اور روانہ کرتے وقت راقم کا ھاتھ سر سالار جنگ اول کے ھاتھ میں دیکر فرمایا ۔

سپر دم بتوما یہ خویش را * تو دانی حساب کم و بیش را

سبحان اللہ سر سالار جنگ بھی دکن کی تاریخ میں کیا مدبر اور دانشمند وزیر تھے جن کا جواب صدیوں پیدا ھونا ناممکن ھے ۔ ناظرین غور کریں کہ جس تاریخ یہاں سے روانگی ھوئی اور حضرت محبوب رح دکن کی اسپیشل میں مجھے بھی ایک سیلون عنایت ھوا سر سالا جنگ اول نے اپنے سیلون اور اپنے صاحبزادوں کے سیلون کے بعد اس فقیر کا سیلون لگا دیا ۔ اور راقم کے ساتھ راجہ مرلی منوھر آنجھانی کو یہ کہکر شریک کیا کہ آپ دونوں ھم سبق ایک ھی مدرسہ کے طالب علم ھیں لہذا راجہ کشن پرشاد کی محافظت اور خدمت گزاری تمہارے سپرد کی جاتی ھے اور اپنے دونوں فرزند نور نظرشادنواز یعنی میر لائق علی خان عماد السلطنہ اور میر سعادت علی خاں منیر الملک کو ان الفاظ میں تاکید کی کہ ''گو راجہ کشن پرشاد تمہارے ھم مکتب اور دوست ھیں مگر مہا راجہ نرندر بہادر نے اپنی جگہ راجہ صاحب کو قائم مقام کرکے بھیجا ھے اس حیثیت سے گویا یہ منصرم پیشکار ھیں تم دونوں کو چاھئے کہ پیشکار صاحب کے خبر گیر رھو ۔ ورنہ میں پوچھونگا ،، چنانچہ ایسا ھی ھوا کہ وہ دونوں سعادت مند صاحبزادے جن کے ساتھ اس مخلص کو اس قدر انس تھا کہ آپس میں ھم ایک دوسرے کو بے تکلف اکثر بھائی پکارتے تھے ۔ ھر اسٹیشن پر دونوں میں سے کوئی نہ کوئی خود اتر کر میری خبر گیری کرتا رھتا اور اگر کبھی دونوں نہ آتے تو اپنے کسی قدیم مصاحب اور اتالیق کو بھیجکر خبر لیتے اور میری ضرورتوں کو دریافت کرتے اور سرسالار جنگ صبح و شام دو وقت فقیر کے سیلون تک آکر خبر گیری فرماتے تھے اور بخندہ پیشانی یہ فرمایا کرتے تھے کہ '' چھوٹے پیشکار صاحب کا کیا حکم ھوتا ھے ،، میں نے ایک وقت کہا کہ آپ میرے بزرگ ھیں میری مجال ھے کہ میں حکم دوں آپ کو ھر وقت تکلیف گوارا فرمانے کی ضرورت نہیں ۔ صاحبزادے تو تشریف فرما ھوتے رھتے ھیں اس کے جواب میں فرمایا کہ مہا راج آپ کے جد راجہ نرندر جو میرے حقیقی بھائی سے زیادہ ھیں انھوں نے آپ کا ھاتھ میرے ھاتھ میں دیا ھے لہذا مجھ پر اب فرض ھوگیا ھے کہ میں آپ کی خبر گیری ویسے ھی کروں جس طرح آپ کے دوستوں کی (یعنے اپنے صاحبزادوں کی طرف اشارہ کرکے) خبر گیری کرتا ھوں اگر میں ایسا نہ کرونگا تو آپ لوگوں کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ آئندہ کس طرح یگانگی پیدا کریں گے ۔ ھم آپ کو تعلیم دیتے ھیں کہ آپ لوگ اپنی اولاد کے معلم بن کر اسی طرح تعلیم دیں ۔

گلبرگہ میں جب سواری مبارک محبوب دکن کی قیام پذیر ھوئی اوس کے قریب جو جو رجواڑے تھے سبھوں نے سالار جنگ اول کو نذریں پیش کرکے وزیرزادوں کو بھی نذریں پیش کرنے کی اجازت حاصل کی ۔ سبحان اللہ ان کی اس درخواست کے جواب

میں بذریعہ سدی عنبر خان ساماں کے یہ حکم دیتے ہیں کہ مناسب ہے درخواست منظور کی جاتی ہے ۔ مگر راجہ کشن پرشاد کو بھی جا کر نذریں دو کہ وہ اپنے جد کے قائم مقام ہو کر بحیثیت پیشکار حضور کے ہمراہ رکاب ہیں ۔ راقم نے تحقیق سے یہ بات سنی کہ محبوب یار جنگ کے والد نے جلال الدولہ جو سالار جنگ اول کے (کوکا) ہوتے تھے اور ان کے مزاج میں در آئے تھے ۔ کوئی ایسی بات کہی جس سے یہ مفہوم ہوا کہ راقم کو رجواڑوں کا نذر دینا قبل از وقت ہے اس کے جواب میں سنا گیا کہ سالار جنگ اول نے یہ فرمایا کہ میری جگہ مہاراجہ نرندر مدار المہام ہیں اور ان کی جگہ ان کے نواسے اس وقت منصرم پیشکار ہیں بیکار تو میں ہوں مجھے جب نذر لینے کی ضرورت نہیں تو جو باکار ہیں ان کے اعزاز میں فرق کرنا ناعاقبت اندیشی ہے میرے بچوں کو البتہ نذر لینے کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی خدمت پر نہیں ہیں ۔ آپ کی حکیمانہ تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ بلدہ کو واپس ہونے تک اس راقم کے اعزاز ایسے ہی ہوتے رہے جس طرح مستقل پیشکار میرے جد کے ہوا کرتے تھے ۔ اللہ اللہ کہاں گئے وہ لوگ اور کس طرح خواب و خیال ہو گئیں وہ باتیں کیا تعلیم تھی اور کیا اخلاق تھے ۔

ناظرین غور کریں کہ والدین کے روبرو ایسے واقعات دیکھنے کے بعد اولاد کس طرح تعلیم نہ پائے گی ۔

جب سواری اورنگ آباد پہنچی اس کے چند روز کے بعد مجھکو ایک خط خانگی منتظم نے لکھا کہ ایک بیوی جو اس وقت حاملہ بھی تھیں زچگی ہونے کے بعد چوتھے روز انتقال کر گئیں ۔ چونکہ عنفوان شباب تھا اور اس بیوی سے مجھے بہت محبت تھی مجھے غیر معمولی رنج ہوا ۔ ادھر تو مجھے خط میرے منتظم کا پہنچا ادھر میرے جد نے سالار جنگ اول کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ راجہ کشن پرشاد کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے دونوں کی آپس میں بہت محبت تھی عنفوان شباب ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ مغموم ہوں اس کا آپ کو خیال رہے وغیرہ ۔

فوراً سدی عنبر خان ساماں کو میری کیفیت دریافت کرنے کی غرض سے بھیجکر مجھے طلب فرمایا ۔ میں اس وقت آبدیدہ اور نہایت مغموم تھا ۔ مگر فوراً طلبی کے ساتھ ہی گیا ۔ اس خلق و مروت کے پتلے نے جاتے ہی میری نظر سے دریافت کرلیا کہ شاد نا شاد ہے اپنے نزدیک بلا کر بٹھایا اور بعد معمولی خیر و عافیت دریافت کرنے کے صرف مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ " آپ کا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے " ۔ بس اتنا پوچھنا تھا کہ " دیوانہ را ہوئے بس است " میرے دل مغموم کے ساز کو کسی نے چھیڑ دیا اور صدف چشم در اشک سے لبریز ہو گئی ۔ میری اس کیفیت کو دیکھکر آنجہانی سدی عنبر خان ساماں سے کہتے ہیں کہ عنبر آج ہمارے مہا راج کچھ ہم سے آزردہ معلوم ہوتے ہیں سدی عنبر بھی ایک تربیت یافتہ شخص تھا دست بستہ عرض کیا کہ ابھی معلوم ہوا کہ مہا راج کے محل میں زچگی سے انتقال ہو گیا اور ایک صاحبزادی تولد ہوئی ۔

گویا سالار جنگ اول کو یہ کیفیت ابھی خان سامان سدی عنبر نے سنائی اتنا کہہ کر میری طرف مخاطب ہو کر اب دل‌جوئی کی باتیں کرتے ہیں جو سننے کے قابل ہیں (سالار جنگ) میری طرف دیکھکر کیا مہا راج یہ صحیح ہے ۔ (شاد) دبی زبان مغموم آواز سے جی ہاں کہکررونا شروع کردیا (سالار جنگ) واہ صاحب یہ کیسی بات داڑھی موچھہ والے روتے بھی ہیں اور سپاہی کھتری بھی کہلاتے ہیں ۔ ایسا ہوتا ہی ہے (میرے آنسو پونچکر) نہیں مہا راج اب آپ بیفکر رہیں شہر کو پہنچنے کے بعد میں ایسی حسین بیوی آپ کو تلاش کردوں گا کہ آپ مجھے یاد کرینگے ۔ آپ کے نانا بھی ایسی بیوی تلاش نہ کرسکیں گے ہاں صاحبزادی ہوئی ہے لاؤ مٹھائی کھلاؤ ۔ ہنسو ۔ بولو ۔ ہمارا ذمہ ہے ہم دوسری بیوی دلائیں گے ۔ اب تو ہنیسو اس ساحر شیرین گفتار کے ان فقروں سے ایک دم میرے خیالات میں تغیر پیدا ہوگیا اور میں ہنس دیا ۔ معا میرے ہنستے ہی سدی عنبر سے کہا کہ دیکھو عنبر میں تاکید کرتا ہوں کہ بلدہ پہنچتے ہی مجھے یاد دہی کرنا کہ ہم مہا راج کی شادی کرادیں گے ۔ اور دلھن والوں کی طرف میں رہوں گا مہا راج نرندر بہادر اور میں دونوں سمدھیانہ کی رسم اداکریں گے اور شربت خوری خوب ہوگی ۔

ناظرین ان باتوں کو سن کریہ سمجھے ہوں گے کہ تسلی اور تشفی صرف مقصود تھی ۔

اللہ اللہ ایسا نہیں تھا بلکہ جس روز حیدرآباد کے اسٹیشن پر میرے جد سےملاقات ہوئی پہلے میرا ہاتھ پکڑ کر میرے جد کے ہاتھ میں دیا کہ الحمد اللہ صحیح و سلامت آپ کی امانت آپ کے حوالے کی جاتی ہے ایک وعدہ میں نے مہا راج کشن پرشاد سے کیا تھا کہ بلدہ پہنچنے کے بعد میں خود لڑکی تلاش کرکے شادی کرادوں گا ۔ ایفائے وعدہ ضروری ہے آپ بھی نہ بھولیں اور اس کے ایفاء کے لئے آپ میری امداد کریں ۔

ایک اور واقعہ لائق ذکر ہے جو فقیر سے متعلق ہے کہ فقیر کے جد بزرگوار نے ذکور سے کوئی اولاد نہ ہونے کے باعث جب تیسری شادی کی اور مجھے سر سالار جنگ مرحوم کو دعوت شادی دینے کےلئے دعوت کا رقعہ دیکر بھیجا تو فقیر کے ساتھ رائے تیج رائے کو جو قوم کایستھ سے تھے اور فقیر کے خاندان سے ان کے آبا و اجداد کوخاص تعلق اور ساختہ پرداختہ تھے فقیر کے ہمراہ فرما دیا تھا سر سالار جنگ اول نے دعوت قبول فرما کر تیج رائے سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ مہا راج کو میری طرف سے مبارک باد دیکر اتنا کہدینا کہ خدا سے میں بھی دعاکرتا ہوں کہ خداوند عالم آپ کو اولاد نرینہ سے ممتازکرے مگر اس کا خیال رہے کہ مہا راج کشن پرشاد کی حق تلفی نہ ہونے پائے جب کہ آپ نے اپنا وارث اور جانشین فرمادیا ہے اور اعلی حضرت سے بھی عرض کردیا ہے تو آپ کو اولاد ہونے کی حالت میں بھی ان کا حق علحدہ ان کودلوادیا جائے ورنہ سالار جنگ بشرط زندگی راجہ کشن پرشاد کی طرف سے مدعی ہوگا ۔ اور یہ پیام میرا میرے دلی جذبات سے متعلق ہے جو راجہ کشن پرشاد کے حقوق کےمتعلق ہے ۔

ناظرین غور فرمائیں کیا کوئی همدرد اور منصف پیدا هو سکتا هے و الله محال هے میرے جد نے بھی ان کے اس سوال کے جواب میں کہلا بھیجا کہ مجھے شادی کرنے کی خواهش نه تھی آپ هی کے اصرار کی وجه سے میں آماده اور مجبور هوا پھر آپ هی گله فرماتے هیں اور مجھ سے امید رکھتے هیں که میں نا انصافی کروں گا ایسا نہوگا اگر به فرض محال اولاد ذکور بھی هوگی تو راجه کشن پرشاد کی وراثت قائم رهے گی هائے نه اب سالار جنگ سا همدرد و عنایت فرما هوگا نه مہا راجه نرندر ساجد ۔ افسوس تو یه هے که ۔

روئے گل سیر ندید یم کو بہار آخر شد

واه رے سالار جنگ بے شک فرد نایاب تھے ۔ زمانه ایسوں کو کہاں پیدا کرتا هے صدیاں گزر جاتی هیں اور اگر کبھی پیدا بھی کرتا هے تو گوهر شہسوار کی طرح یکتائے زمانه هوتے هیں اور پھر اون کا وجود عنقا هو جاتا هے اور نظر نہیں آتا ۔ افسوس هے که اورنگ‌آباد کی واپسی کے بعد ایک هی هفته کے عرصه میں سالار جنگ مرحوم هوگئے اور وزارت دکن کی کرسی کو همیشه خالی کر گئے اور دلوں میں محبت کو اس طرح یادگار چھوڑ گئے که هستیاں جب فنا هوں گی اس وقت کہیں سالار جنگ اول کو لوگ بھولیں گے اگر زندگی میں کوئی بھولے تو وه ناقدرداں اور ناداں هے اور ناداں هی نہیں بلکه نا شکر گزار و کافر نعمت اس کو سمجھنا چاهئے ۔ انالله و انا الیه راجعون ۔ فاعتبرو آیا اولی الابصار ۔

میرے واقعے کے درمیان میں ایک بات رہ گئی وه یه که جب مجھے هر طرح سے تشفی و تسلی دے چکے اپنے صاحبزادوں کو یاد فرما کر کیفیت سنائی اور اپنے وعده کا اظہار فرما کر تاکید فرمائی که جب تک تم دونوں سفر میں هو مہا راج سے روزانه ایک بار ضرور ملا کرو ۔ اور ان کے کھانے پینے کی خبر رکھو ۔ اگر تم یه سنو که انھوں نے کھانا نہیں کھایا تو تم دونوں میں سے کوئی ایک هنسی اور مذاق سے اپنے هاتھ سے ان کو کھلائے اور مجھے اطلاع دے ۔ یه فرما کر اپنے صاحبزادوں سے ارشادفرماتے هیں که ابھی تم لوگوں کو معلوم نہیں که دوستی کیا چیز هے اور دوست کی اولاد کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاهئے ۔ انشاء الله اس کے مراتب بھی سمجھاوں گا ۔ لیکن همارے برتاو کو دیکھکر سبق حاصل کرو اور بھولو نہیں که سب کچھ ملتا هے مگر شفیق والدین اور مہربان استاد اور جان نثار تابعدار اور قدر داں آقا اور مخلص دوست هر گز هر گز نہیں ملتے ،، ۔

اسی سفر کے وقت احمد نگر کے اسٹیشن سے اورنگ‌آباد تک ریل نه تھی بلکه بگھیوں میں سفر کیا جاتا تھا گاے گاؤں ٹوکا ایک مقام هے وهاں جب محبوب دکن کی سواری پہنچی خیمے وغیره اس مقام پر پہلے هی سے نصب تھے فرودگاه کے درمیان ایک ناله تھا جس میں کسی قدر پانی تھا ۔ بگھی جب اس میں سے گذری تو گھوڑے مچلے جسکی وجه سے خاصه کی گاڑی ایک طرف جھک گئی سر سالار جنگ اور مسٹر کلارک

معلم محبوب دکن دونوں خواصی میں بیٹھے تھے انہوں نے حضرت کو سنبھال لیا اور بفضلہ تعالی گھوڑے بھی تھم گئے بہر حال کنارے پر پہنچنے کے بعد جب اپنی قیام گاہ کو اعلی حضرت سدھارے سالار جنگ بھی اپنے خیمہ میں آئے اور ہم لوگوں سے کہا کہ جلد کھانے سے فارغ ہوجائے تاکہ سواری تھوڑی دیر بعد حسب پروگرام روانہ ہوکر شام تک اورنگ آباد پہنچ سکے ۔ ہم واپس ہورہے تھے کہ ایک چوبدار دوڑتا ہوا آیا اور میر لائق علی خاں اور میر سعادت علی خاں فرزندان سالار جنگ مرحوم کو حکم پہنچایا کہ اعلی حضرت نے یاد فرمایا ہے راقم بھی ان کے ساتھ ہولیا ۔ جب خیمہ شاھی میں پہنچے تو اعلی حضرت کو ہم سبھوں نے منتظر پایا ۔ جاتے ھی اعلی حضرت نے سالار جنگ کے دونوں صاحبزادوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ جاکر اپنے والد سے کہدیں کہ میرا قصد قیام کرنے کا ہے کل اورنگ آباد چلوں گا ۔ یہ پیام ہم لوگوں نے سر سالار جنگ کو سنادیا چوں کہ سر سالار جنگ نہایت زیرک اور دوراندیش وزیر تھے تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد انہوں نے مسٹر کلارک معلم اعلی حضرت کو طلب کرکے یہ پیام اعلی حضرت کا سنایا اوران سے مشورہ کیا مسٹر کلارک نے سالارجنگ سے کہا کہ آپ کی جو رائے ہو مجھے معلوم ہوجائے تو میں اس کے مطابق اعلی حضرت سے کہوں سالار جنگ نے کہا کہ آپ اعلی حضرت کو مناسب الفاظ میں اس قدر سمجھائے کہ آپ جتنے دن چاھیں یہاں قیام فرماسکتے ہیں مگر پروگرام مرتب ہوچکا ہے بادشاھوں کے حکم میں جہاں تک ہوسکے بغیر کسی وجہ خاص کے تزلزل نہ ہونا چاھئے ۔ پابندی اوقات کا ہر وقت خیال رکھنا سلطنت کی شان ہے ۔

اور یہ بھی کہا کہ نہایت ادب اور انکساری سے دست بستہ میرے جانب سے نرم الفاظ میں جاکر عرض کردو ۔

چوں کہ سالار جنگ کی یہ رائے نہایت حکیمانہ اور دور اندیشی پر مبنی تھی اور گویا آئندہ کے لئے نہ صرف حضور کے لئے تعلیم تھی بلکہ سب کے لئے ۔

مسٹر کلارک نے جاکر نہایت سنجیدگی سے عرض کیا مگر حضرت نے نامنظور فرمایا جب دوبارہ بھی نا منظور فرمایا تو مسٹر کلارک نے اس بات پر زور دیا کہ آپ اپنے حکم کی پابندی کریں چوں کہ یہ لہجہ مسٹر کلارک کا کسی قدر سخت تھا ناگواری خاطر کا موجب ہوا اعلحضرت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور غصہ کے لہجہ سے یہ فرمایا کہ تم اور سالار جنگ مجھے مجبور کرتے ہو میں نہیں جاتا دیکھوں کس طرح لیجاتے ہو یہ کہتے ہوئے خیمہ میں سدھارے سر سالار جنگ کے صاحبزادے نے من و عن کل واقعات واپس ہوکر اپنے باپ کی خدمت میں عرض کردیئے ۔ سالار جنگ اس کیفیت کو سنکر نہایت متاثر ہوے اورکچھ سکوت کے بعد فرمایا کہ افسوس ہے میرے معروضہ کی قدر نہیں فرمائی یہ کہکر سوئے آسماں دیکھا اور اون کی زبان سے یہ الفاظ بیساختہ نکل گئے کہ خداوند تعالی ان کی حکومت تک سالار جنگ زندہ نہ رہے شاہ وزیرکی یہ باھمی کیفیت

جو خوشبو کی طرح اس سرزمین میں پھیلی ایک سناٹاسا ہو گیامگرواہ رے محبوب دکن ایسا قدردان بھی سیکڑوں برس تک پیدا ہونا محال ہے الا ماشاءاللہ ۔

ٹھیک بارہ بجے ہم سب کی یاد ہوئی لباس بدلکر خود ہی باہر بر آمد ہوئے اور چوبدار کو بلا کر حکم دیا کہ سرسالار جنگ سے جا کر مکرر کہو کہ میرے سا تھ کھائیں منتظر کھڑا ہوں فوراً آئیں ۔ چوبدار نے دوڑ کر یہ حکم پہنچادیا سرسالار جنگ نےفوراً اپنے کو خیمہ شاہی پر پہنچایا جب روبرو محبوب دکن کے یاد فرمایا پہلا کام سرسالارجنگ نے یہ کیا کہ ادب سے سرجھکایا اور عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ فدوی اپنے معروضہ کو واپس لیتا ہے اپنی اس خطا کی جزا میں جرمانہ داخل کرتا ہے اور امیدوار معافی کا ہے۔

اب ناظرین اعلحضرت کے حکیمانہ اور مدبرانہ برتاؤ کو بھی خیال کریں کہ محبوب دکن نے سالار جنگ کے سرپر شفقت سے دونوں ہاتھ رکھ کر یہ فرمایا کہ مجھ سے عجلت ہوئی میں نے غور نہیں کیا بیشک آپ کا خیال ٹھیک ہے کہ انسان وقت کا پابند رہے اور بے وجہ اپنا حکم نہ بد لے یہ کہکر اپنی جیبی گھڑی مرصع کار سالار جنگ کو مرحمت فرمائی اور اس قدر دانی سے ہمچشموں میں ان کی عزت بڑھائی ۔ غرض خاصہ تناول فرمانے کے بعد حضرت کی سواری اورنگ باد کی طرف روانہ ہوئی اپنی پیاری رعایا کو جہاں آرا کے دیدار سے عزت بخشی پھر خود بدولت نذریں لیکر محل میں داخل ہوئے ۔

ناظرین اس واقعہ کو نظر غائرسے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ آقا اور تابعدار دونوں کس درجہ کے مدبر اور دور اندیش تھے کہ وزیر نے جملہ دنیوی اغراض سے قطع نظر کرکے اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی ۔ اور آقا نے اگرچہ پہلے پہل عجلت فرمائی لیکن غور کرنے کے بعد اپنے وزیر کی جو رائے تھی اس کی کس درجہ قدردانی فرمائی ایسے شاہانہ طرز عمل سے پتہ چلتا ہے کہ قدرت نے محبوب دکن کے دل اور دماغ کو ازل سے کیا قابل بنایا تھا ۔

اپنے خیمہ میں سالار جنگ نے واپس آنے کے بعد اپنے فرزندوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیوں تم لوگوں نے آج کےحالات پر غور کیا اور راقم سے بھی یوں ہی خطاب کیا ہم تینوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ جی ہاں دیکھا محبوب یار جنگ مرحوم کے والد اسوقت وہاں موجود تھے انہوں نے یہ کہا کہ ابھی کمسنی حضور کی ہے سالار جنگ نے ان کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ سنو حاکم اگرکم سن بھی ہے تو بھی اپنا واجب التعظیم آقا ہے لوگ نہایت غلطی کرتے ہیں کہ کم سنی کا خیال کرکے دائرہ ادب سے متجاوز ہو جاتے ہیں یہ کہکر اپنے فرزندوں اور راقم کی طرف دیکھا اور چند نصیحتیں کیں جو درج ذیل ہیں ۔

(۱) مالک اپنا کیسا ہی کمسن ہو اس کی تعظیم اور وقعت میں کمی نہ کرنا چاہئے ۔

(۲) اگر کسی بات میں اپنے مالک کی بدنامی ہو یا مالک کا نقصان معلوم ہو یا رعایا کی خرابی و بربادی کا اندیشہ ہو یا کسی کی حق تلفی کا حکم حاکم کے زبان اور قلم سے نکلے اس کے متعلق تابعدار کا فریضہ ہے کہ عرض کردے مگر سلیقہ کے ساتھ یعنے اگر حاکم غصہ کے وقت یا سر دربار کوئی حکم دے تو اسوقت چوں و چرا نہ کرے کہ وہ وقت حسن و قبح کے اظہار کا نہیں ہے اس لئے کہ فرمان رواوں کا غصہ دریا کے طوفان کے مثل ہوتا ہے جب وہ طوفان تھم جائے اس وقت اس پیرایہ میں عرض کرے کہ حکم کی تعمیل فوراً کی گئی مگر واقعات اس کے متعلق یہ ہیں جو نظر ثانی کے محتاج ہیں ۔ ریاست اور رعایا کی بہبودی اور ان کے حقوق کے معاملہ میں حق کہنے سے دریغ کرنا صرف اس خیال سے کہ اپنی فتوحات پر برا اثر پڑے گا اور حاکم غضب ناک ہوگا یہ نہایت نا عاقبت اندیشی ہے بلکہ خیانت سے بڑھکر ہے اس وقت کے غصہ سے اظہار قباحت کردینا بہتر ہوگا اگر حق گوئی سے باز رہے گا اور کوئی نقصان ہوجائے تو اسوقت حاکم کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ " دیدہ دانستہ اپنی غرض کے سبب نمکحرامی کی مجھے نقصان کی طرف توجہ نہ دلائی ۔ "

(۳) نوجوان بادشاہ کی حکومت کے زمانہ میں بوڑھے وزیر کو خانہ نشین ہونا اچھا ہے ۔ حکومت کی ہوس نہ کرے تا وقتیکہ خود ہی بادشاہ بطیب خاطر اس پر اعتماد کرکے کوئی خدمت نہ لے ۔

(۴) حاکم و محکوم کی آزادانہ بے تکلف آپس کی صحبت نہایت خطرناک ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ کسی پہلو سے اپنے کو اس بے تکلف صحبت سے بچائے اگر کوئی نقصان ہو یا خفگی کا اظہار ہو تو اس بدترین اور ناخوش ہونے والے سلوک کے مقابلہ میں اس کو بدر جہا بہتر سمجھے اس لئے کہ بے تکلفانہ مجلس میں پاس آداب کا ملحوظ رہنا محال ہے اگر ذرا سی بھی بے ادبی ہوتی ہے تو حاکم کا مزاج متغیر ہو جاتا ہے اگر اتحاد بھی ہوتا ہے تو شک اور بدگمانی سے بدل جاتا ہے ۔

یہ بھی فرمایا کہ میں اور مہا راجہ نرندر مرحوم دونوں نواب ناصر الدولہ کے ساختہ پر داختہ تھے نواب افضل الدولہ ہم دونوں کو اپنی صحبت اور طبیعت کے موافق بنانا چاہتے تھے چوں کہ ہم دونوں سے بجز اطاعت گزاری اور دوسرے احکام کی تعمیل نا ممکن تھی * لہذا ہم معتوب رہے تھے " ۔

---

* حیدرآباد کی مدار المہامی کی سرگزشت میں یہ نظر آتا ہے کہ ایک مدار المہام کے بعد اوسکی اولاد کو سلطنت کے ذمہ دارانہ عہدے سے بہت کم سابقہ رہتا تھا گرچہ جاگیرات بحال ہو جاتی تھیں ۔ رکن الدولہ و ارسطو جاہ کے خاندان پہلا ذمہ داری حکومت پر فایز نہ ہوسکے صرف خاندان ارسطو جاہ کے ایک فرد نواب شمشیر جنگ سنہ ۱۲۸۶ھ سے سنہ ۱۳۰۱ھ تک صدر المہام کوتوالی رہے پھر کونسل آف اسٹیٹ کے

کلکتہ کا سفرشاھی اور پھر درباری جلوس

۱۶ - صفر سنہ ۱۳۰۱ھ م ۱۷ - ڈسمبر سنہ ۱۸۸۳ع ھمارے ملک کے سر تاج حضرت ظل سبحانی خلیفتہ الرحمانی بعزم دارالسلطنتہ کلکتہ مع خدم و حشم سوار ہوئے اس سفر میں میرے جدامجد مہا راجہ نرندر بہادر جو سالار جنگ اول کے انتقال کے بعد سے منصرم مدار المہام تھے ھمراہ رکاب سعادت انتساب بحیثیت مدار المہام حاضر رہے اور خوش نصیبی سے مجھکو بھی ساتھ رھنے کاشرف حاصل ہوا -

---

رکن بنائے گئے - خود مہاراجہ چندولعل میرعالم اور منیر الملک مدار المہاموں کے بعد سراج الملک کو نظر انداز کئے ہوئے رہے -

اعلی حضرت غفران منزل نواب ناصر الدولہ اپنے امرا کو وراثتا باقی رکھنے اور ذمہ داری حکومت میں کام لینے کے اصول کی طرف مایل تھے نواب سراج الملک اور راجہ رام بخش کے انتقال کے بعد حضرت غفران منزل نے نواب مختار الملک کومدارالمہامی مرحمت فرمائی تو مہا راجہ نرندر پرشاد کو پیشکاری پر سرفراز فرمایا - نواب شمس الامرا امیر کبیر کے خاندان میں تقرب شاھی فوج و پائیگاہ کے ساتھ قائم رہا - صدر الصدور اور دیگر ھندو امرا سررشتہ داران دیوانی و مال کو بھی وراثتا عہدوں کے ساتھ قائم رکھا گیا -

نواب مختار الملک نے نظم و نسق سلطنت کو نئے اسلوب پر چلانے کی کوشش کی اونکی مدار المہامی کے آغاز میں پیشکاری سررشتہ داردیوانی و مال صدر الصدورمیرمنشی وزرائے صیغہ کے مماثل تھے نواب مختار الملک نے بتدریج موروثی عہدہ ھائے وزارت صیغہ اور اون کے اقتدارات کو بتدریج کم کرنا شروع کردیا - رجب سنہ ۱۲۸۶ھ میں چار نئے وزرا سررشتہ صدر المہاموں کے نام سے اونہوں نے قائم کئے جس میں ایک نواب بشیر الدولہ امیر کبیر کے خاندان سے تھے باقی تینوں وزراء میں دو اون کے قریبی عزیز نواب مکرم الدولہ اور میر یاور علی خان نواب شہاب جنگ تھے چوتھے صدر المہام نواب ارسطو جاہ کے خاندان کے ایک فرد نواب شمشیر جنگ تھے - مہا راجہ نرندرپرشاد سے حقیقتاً کیا فرائض حکومت متعلق تھے اوسکی تفصیل واضح نہ ہوسکی - مہا راجہ نرندر پرشاد کو ذاتی جاگیرات حاصل تھے اور اوس کا انتظام بجائے خود وسعت رکھتا تھا اون سے بیقاعدہ فوج بھی متعلق تھی اور کافی تعداد میں جمعیت براہ راست اون سے بھی وابستہ تھی ھندو جاگیرداروں کے انتقال اور جانشینی میں ھندؤں کے قومی معاملات میں بھی اون سے مشورہ لیاجاتا تھا- قدیم دفترپیشکاری اون کے ھی پاس رکھا گیاتھا اورضرورت کے وقت اون سے کیفیت دریافت ہوتی تھی - اہم معاملات سلطنت اور خاص کر حضرت غفران مکان کی ذات اور صرف خاص مبارک کے معاملات میں اون سے وقتاً فوقتاً بالمشافہ اور تحریری طور پر مشورہ ہوتا تھا - رزیڈنسی میں بھی مہا راجہ نرندر پرشاد کو اچھا وقار حاصل تھا - مدار المہام اور امیر کبیر مشیتر کہ ریجنٹ تھےاور ان کے بعد مہاراجہ نرندر پرشاد کا رتبہ سمجھا جاتا تھا نواب مختار الملک اوسکو سمجھے ہوئے تھے کہ

اگر چه اس سفر کی تیاریاں نمائش‌گاہ کلکتہ کی سیر کے لئے تھیں مگر حسن اتفاق
کہ وایسرائے ہند لارڈ رپن نے جب ہمارے حضرت ظل سبحانی سے ملاقات فرمائی اور
بفضلہ تعالی حضرت کی ذہانت فطانت فہم و فراست اور واقفیت آئین حکومت کو معیار
امتحان پر کھرا پایا اور عالی خیال والا نظری اولوالعزمی اور مدبری کو حضرت کے مزاج
اقدس میں علی وجہ الکمال دیکھا تو مناسب یہ خیال کیا کہ زمانہ حکومت مملکت دکن
حضرت اپنے قبضہ قدرت میں لے لیں - رسم تخت نشینی ادا کی جائے اور چنانچہ وہیں
یہ امر طے پا گیا ماہ فبروری سنہ ۸۴ ع کہ میں لارڈ رپن بہادر بذات خود اس مبارک
تقریب کے ادا کرنے کے لئے حیدرآباد کے مہمان ہونگے چنانچہ ۴ - ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۱ ھ
مطابق ۲ - فبروری سنہ ۱۸۸۴ ع کو بمصداق

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

مع لیڈی رپن حیدرآباد میں شاہی مہمان ہوئے اور بہ ادائی مراسم مہمانداری ۷ - ربیع الثانی
سنہ ۱۳۰۱ ھ مطابق ۶ - فبروری سنہ ۱۸۸۴ ع سہ‌شنبہ کو بہت بڑا دربار منعقد ہوا
جسکی شان و شکوہ کی توصیف اور سطوت و عظمت کی تعریف ان لوگوں سے پوچھنا چاہئے
جنکی مشتاق نگاہوں نے اس دربار کی بہار لوٹی ہے اور جنہوں نے اپنی دیرینہ امیدوں
کو پھولتے پھلتے دیکھکر گلہائے مقصود سے اپنے جیب و دامن بھرلئے ہیں - الغرض عنان
حکمرانی حضرت نے اپنے ہاتھ میں لی اور محبوب شاہی حکومت کا سکہ رائج الوقت ہوا
آفتاب اجلال لازوال محبوبی نے برج شرف میں مسند نشین ہوکر دکن اور ہندوستان کو
روشن کردیا - ملک کی قسمت چمکی - ترقی کے مراتب بڑھے اور عروج دولت کو فروغ ہوا -

تغیرات عظیم ملک | اسی دربار میں وزارت کی کایا پلٹ ہوئی - یعنے میرے جد مہاراجہ
نرندر وزارت کی کرسی سے سبکدوش کئے گئے - سالار جنگ اول کے ہونہار لائق فرزند

ھھ آیندہ اون کی کمسن اولاد کے لئے کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں اور غالباً اسی خیال سے
اونہوں نے اکثر امرائے عظام کے افراد کو شریک نظم و نسق کرنے کا منصوبہ بنایا
تھا - رزیڈنسی کی نگاہ کو بھی بخوبی سمجھے ہوئے تھے - بھانجے اور داماد مکرم الدولہ
کی دیوانگی اور حضرت غفران مکان کے زمانہ کار فرمائی کی قربت سے اونہوں نے یہ
مناسب خیال کیا تھا کہ اپنے دونوں فرزندوں کے ساتھ ساتھ مہاراجہ کشن پرشاد کو
بھی رکھیں اور ان کی یہ کوشش رہتی تھی کہ خاندان میر عالم اور خاندان چندولعل
میں یکجہتی باقی رہے اس لئے مدرسہ عالیہ میں اپنے بچوں کے ساتھ مہا راجہ کشن پرشاد
کو بھی شریک کرایا اور اورنگ‌آباد کے دورہ میں اون کو بہ حیثیت نیابت پیشکاری
شامل رکھا اور اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل اپنے دونوں بیٹوں کو انگلستان بھیجا تھا
مہا راجہ کشن پرشاد اون کے ساتھ انگلستان نہ جاسکے - مہا راجہ نرندر پرشاد قدیم
ثقافت پر ہنوز قائم تھے اونہوں نے انگلستان کی تعلیم کے بجائے اپنے ہی نزدیک مہا راجہ
کشن پرشاد کو رکھنا مناسب سمجھا -

نواب میر لائق علی خان قلمدان وزارت سے سرفراز ہوئے اور حکومت کی بساط انکے آگے رکھی گئی - حریفوں نے معرکہ ارائی میں فتح پائی قدرت الہی نے ایک چشم زدن میں اس کا ثبوت دیا - تعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیئی قدیر -

رفیق جو تھے رقیب ہوگئے - ہوا ہی بدل گئی -

''خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا '' یہ مثل پوری ہوئی *

---

* مہا راجہ کشن پرشاد نے اپنے پہلے یا ۲۰ سالہ عمر تک کے جو حالات خود قلمبند فرما کر بعد اصلاح صاف کرائے ہے وہ یہاں ختم ہو جاتے ہیں اور نور چشم نور سے بھی کچھ حصہ لے لیا گیا - مہا راجہ نے اپنے قلم سے جو آخری بصیرت افروز جذبات قلمبند فرمائے اوسکی نسبت کہا جاسکتا ہے -

کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

ہر ملک میں تغیرات عظیم ہوتے ہی رہتے ہیں میر عالم اور چندو لعل دونون حکومت آصفیہ میں عہد حضرت آصف جاہ ثالث میں مربوط رہے - میر عالم کے بعد رسمی طور پر منیر الملک (اول) وزارت پر فائز تھے مگر اصلی اقتدار چندو لعل کے ہاتھوں میں رزیڈنسی کے تعاون سے چلا گیا - منیر الملک کے انتقال پر چندو لعل دیوان ہوگئے منیر الملک کی دیوڑھی اسی حالت میں آگئی جسکا تذکرہ مہا راجہ کشن پرشاد بہادر نے سرفرازی وزارت عماد السلطنت میں دیوڑھی چندو لعل کے متعلق لکھا ہے - پھر زمانہ کا انقلاب ہوتا ہے چندو لعل اور رام بخش کا عزل و انتقال ہو جاتا ہے اور میر عالم کے نام لیوا سراج الملک پھر مختار الملک سے وزارت متعلق ہو جاتی ہے اونکی دیوڑھی میں رونق آتی ہے چندو لعل کی دیوڑھی سے واپس ہو جاتی ہے -

مختار الملک کی وزارت اور نرندر پرشاد کی پیشکاری بوقت واحد آغاز ہوتی ہے دونوں کے قصور و ایوان پھر با رونق ہو جاتے ہیں مگر وزیر و پیشکار کی دیوڑھی میں عظیم فرق رہتا تھا اور خود مہا راجہ کشن پرشاد اوسکو جانتے تھے - مختار الملک کے انتقال کے بعد اونکی دیوڑھی کے کرو فر اور اقتدار حکومت کی جیسی حالت ہوئی اوسکو بھی خود مہا راجہ کشن پرشاد دیکھے ہوئے تھے صرف ایک سال چند ماہ کے عارضی وقفہ کے بعد مدار المہامی پھر مختار الملک محل میں حکومت اور رونق آئی -

منیر الملک اور چندو لعل کی دیوڑھی بار بار رونق پذیر اور سنسان ہونے کو خود مہا راجہ کشن پرشاد نگاہ بصیرت سے دیکھ چکے تھے - عماد السلطنت کی مدارالمہامی کے باوجود مہا راجہ نرندر پرشاد امرائے عظام میں داخل تھے جاگیرات منصب - پیشکار کے علاوہ کونسل آف اسٹیٹ کی رکنیت بھی اونکو عطا ہوئی مدار المہام آسمان جاہ خورشید جاہ کے بعد اونکا رتبہ و اعزاز تھا - اب دونون کے قصور و ایوان ہی نہیں نیر نگی جس حالت میں آگئے ہیں وہ '' فاعتبر و ایا اولی الابصار '' '' تلک الایام نداولہابین الناس '' کے معانی و حقائق کو سامنے لاتے ہیں -

باب سوم

اسٹیٹ اور سرکاری امور کی ٹریننگ

مہاراجہ کشن پرشاد نے اپنے مدرسہ عالیہ کے ساتھیوں میں عماد السلطنت کو مدار المہام منیر الملک ثانی اور فخر الملک کو معین المہام کے اعلی مدارج پر فائز دیکھا اپنے نانا کے پاس مدار المہامی آتی اور پھر منتقل ہوتی ہوئی دیکھی۔ ان کی عمر اب بیس سال کی ہو چکی تھی اونکو بھی سرکاری ذمہ داریوں اور پبلک خدمات کا خیال آیا۔ تقاضائے فطرت و ہمت عالی تھا۔ شروع میں انہوں نے خاموشی سے حالات مملکت کا مطالعہ کیا اون کے نانا مہاراجہ نرندر پرشاد پیشکار رکن کونسل آف اسٹیٹ طبقہ امرائے عظام کے معتمد فرد اور پیشگاہ غفران مکان اور رزیڈنسی میں بھی اون کی وقعت تھی اور ایک بڑی اسٹیٹ بھی اون سے متعلق تھی اور سب سے بڑھکر قدرت الہی اون کے لئیے مستقبل میں عزت عظمت حکومت نوشتہ تقدیر بنا چکی تھی اس لئیے ایک طرف خود مہاراجہ بہادر آگے بڑھنے کے لئیے اپنی عالی ہمتی سے سامان مہیا کیا تو دوسری طرف نوشتہ تقدیر بھی راستہ صاف کرنے لگا۔

پہلی پبلک خدمت والنٹیر کور

نواب منیر الملک معین المہام مال و فوج کو جو مہاراجہ بہادر کے مدرسہ عالیہ کے ساتھی تھے پبلک خدمات کا خیال آیا انہوں نے نظام والنٹیر کور قائم کی کہ امراٴ۔ جاگیر دار اعلی حکام اوس میں شامل ہوکر فوجی ٹریننگ حاصل کریں اور جس طرح مغلیہ ثقافت میں ہر وابستہ حکومت خواہ سیول خدمات کیوں نہ انجام دیتا ہو سپاہ گری کی ضرورتوں کے لئیے بھی خود کو تیار رکھتا تھا اور جس طرح برطانیہ میں امراٴ و شرفاء کے طبقہ کے لئیے مارشل اسپرٹ اور یومنری سسٹم جاری تھا اوسی طرح مملکت آصفیہ میں فوجی اسپرٹ اعلی طبقہ میں قایم رکھی جاسکے

نظام والنٹیر کور کے قیام پر رزیڈنسی بلکہ حکومت ھند تک کے کان کھڑے ہو گئے تھے مگر گفت و شنید کے بعد دخل دھی مناسب نہ سمجھی گئی مگر نواب منیر الملک کی بلند خیالی والنٹیر کور کا رضاکارانہ دستہ دو سو امراء جاگیر دار حکام کے ساتھ بہترین فوجی تربیت اور فوجی کلب لائف کا اوس زمانہ میں مرکز تھا ہر ایک کے پاس ذاتی گھوڑے اور بہترین ڈریس رھتا تھا اور انکے لئے سرکار سے اسلحہ مہیا کئے جاتے تھے اور کبھی شادی جلوس کے وقت والنٹیر کور بھی شاھی گارڈ کی حیثیت سے زرق برق وردیوں میں اپنی چمک دمک دکھاتا تھا ۔ نظام والنٹیر کور کے لئے فوجی مرکز اور کلب بھی قایم تھا مہاراجہ کشن پرشاد تحریر فرماتے ھیں کہ

”۲۰ ۔ رمضان سنہ ۱۳۰۲ ھ م ۳ ۔ جولائی سنہ ۱۸۸۵ ع میں والنٹیر کور میں شریک ھوا تھا اس کے بانی منیر الملک مرحوم سالار جنگ اول کے چھوٹے فرزند تھے ۔“

عرصہ تک اس میں مساوات کے ساتھ والنٹیر رھے کمیشنڈ خدمات لفٹننٹ کیڈٹ وغیرہ دوسروں کے تفویض تھے ۔ عماد السلطنتہ اور منیر الملک کے انقلابات کی وجہ والنٹیر کور بھی متاثر ھوتی گئی مگر مہاراجہ کشن پرشاد اپنی کار فرمائی سے اوس کو سہارا دیکر قائم رکھے ھوے تھے وہ اپنے تحریرات میں لکھتے ھیں ۔

”۲۲ ۔ رجب سنہ ۱۳۰۷ ھ م ۱۴ ۔ مارچ سنہ ۱۸۹۰ ع کو والنٹیر کور کے ذمہ داروں نے خواھش ظاھر کی کہ میں عہدہ آنریری لفٹننٹ والنٹیر کور منظور کروں ۔ بہ اداۓ شکریہ میں نے اس کو قبول کیا،“ وہ پھر تحریر کرتے ھیں کہ ۔

”۲۸ ۔ شعبان سنہ ۱۳۰۸ ھ م ۱۸ ۔ اپریل سنہ ۱۸۹۱ ع کو والنٹیر کور نے خواھش ظاھر کی کہ عہدہ آنریری کپتان کو میں قبول کروں چنانچہ میں نے ان کی محبت آمیز خواھش کو تہہ دل سے شکریہ ادا کرکے قبول کیا ۔“

اس کور کے آنریری کرنل حضرت غفران مکان تھے اور آنریری میجر مدارالمہام سرکار عالی ھوتے تھے ۔ نواب منیر الملک کے انتقال کے بعد مہاراجہ بہادر آنریری کپتان ھوئے ۔ مولوی سید احمد صاحب مرحوم (صدر محاسب دیوانی بعد میں صرف خاص) والنٹیر کور کلب کے سالہاۓ سال معتمد تھے اور اس کو باقی رکھا آگے چل کر اس کور اور متعلقہ کلب کی تخفیف کے سوال پیدا ھوے تو مہاراجہ بہادر نے اس کی حمایت کی اس کے متعلق وہ خود نوشتہ حالات میں تحریر فرماتے ھیں کہ ۔

”منیر الملک مرحوم فرزند سر سالار جنگ اول جو نوجوان مرے ان کی اس موت نے والنٹیر کور کو بے سہارا کردیا ۔ اس لئے کہ اس کے بانی وھی مرحوم تھے اور یہ انہی کی داغ بیل ڈالی ھوئی تھی چوں کہ ان کی زندگی میں ھی اکثر ان کے مخالف اس بات کی سعی کرتے تھے کہ والنٹیر کور کا نام و نشان باقی نہ رھے ۔ ان کی وفات کے بعد مخالفین کی

ھمتیں قوی ھوگئیں اور یہ بیچارے بے سہارے بے دست وپائی سے حیران و پریشان تھے ۔ دلوں پر ناامیدی کی چھاوں چھا گئی تھی حریفوں کے داو پیچ سے مقابلہ کرکے تھک گئے تھے ۔ اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ ان کا ساتھ دوں ۔ چوں کہ میں بفضلہ وزیر فوج تھا اور یہ فوجی لحاظ سے میرے ماتحت تھے مجھے ھر طرح سے ان کی معاونت کا موقع تھا ۔ اور میرا یہ فعل بیجا نہ تھا اس لئے کہ جس وجہ سے والنٹیر کور کا وجود قائم ھوا وہ کوئی پولیٹیکل نہ تھی اور نہ اس کو پولیٹیکل ابواب سے کوئی تعلق تھا صرف منیر الملک مرحوم کی عقیدت تھی جو اپنے مالک اور ملک کے اعزاز اور مراتب کے لحاظ سے اپنی علو حوصلگی کو کام میں لائے ۔ اور اس کی بنیاد ڈالی ۔ یہ کب مجھ سے ھو سکتا تھا کہ ایسی شان و شوکت کی چیز کو میں مخالفین کی نذر جفا ھونے دیتا ۔ حتی الامکان میں اس کی بقا کا ساعی رھا ۔ اور اب بھی ھوں ۔“

مدار المہامی کے بعد مہاراجہ مرحوم سے والنٹیر کور کی کار فرمائی متعلق تھی ۔ حضرت غفران مکان کی جوبلی کے وقت والنٹیر کور میں تقویت پیدا کی لارڈ کرزن کے مجوزہ امپیریل کیڈٹ کور کے اصول پر سواری جلوس جوبلی مبارک کے وقت نظام والنٹیر کور بڑی شوکت کے ساتھ شریک جلوس تھا ۔

حضرت بندگان عالی کے دور حکمرانی میں بھی ایک شاھی تقریب میں اس کور کی چمک دمک شاھی جلوس کے ساتھ نظر آئی ۔ انقلاب حال اور تبدیل رجحان زمانہ کی بدولت والنٹیر کور بالاخر مرجھا گیا ۔ چونکہ مہاراجہ مرحوم کو اصول“ والنٹیر کور ” سے بڑی دلچسپی تھی اس لئے تفصیلات کو ایک ھی جگہہ قلمبند کردیا گیا ۔

جدید کھتری سبھا کا افتتاح

”میری قوم کے لوگ جو یہاں حیدر آباد میں متوطن ھیں اون میں سے بعض خواندہ نوجوان احباب کھتریوں نے یہ خواھش ظاھر کی کہ جس طرح ھندوستان میں ھر ایک قوم انجمن اور سبھائیں قائم کر رھی ھے اور اپنی قوم کی تعلیم و تہذیب اور تمدن کی اصلاح کے لئے بیڑا اٹھایا ھے میں بھی یہاں ایک انجمن قائم کروں اگرچہ میں جانتا تھا کہ قوم کی عام جہالت اس کامیابی کی مانع ھوگی تاھم میں نے ایک سبھا صدر کھتری سبھا کے نام سے قایم کی ۔ اور اپنے صرف زر کثیر سے ایک مدرسہ خاص کھتریوں کی اولاد کی تعلیم کے لئے بتاریخ ۶ ۔ ربیع الثانی م ۱۰ ۔ ڈسمبر بتقریب سالگرہ ھمایونی حضرت ظل سبحانی بمصداق ۔

چہ خوش بود کہ بر آمد بیک کرشمہ دوکار

مقرر کیا مگر بے ھوا کے بھی کہیں پتنگ اڑتا ھے ۔ آخر تھوڑے زمانہ کے بعد وھی ھوا کہ لوگوں کی کم توجہی اور آپس کے نفاق اور جہالت کے باعث اس کو فروغ نہ ھونے پایا“ ۔

اسٹیٹ پیشکاری کا کام قیام دفتری پیشی

مہاراجہ بہادر اپنی سوانح میں تحریر فرماتے ہیں کہ "سنہ ۱۳۰۶ھ میں میں نے اپنا ایک دفتر علحدہ قائم کیا اور اس کا نام دفتر پیشی رکھا۔ کاموں کی تفریق سے خانگی دفاتر جو میرے جد کے حسب الحکم میرے والد کے تحت تھی اونکے مراسلت کا تعلق ھیرا لال سے جو میرے برادر نسبتی ھیں کیا گیا۔ اور سرکاری دفاتر کی مراسلت میرے چھوٹے بہنوئی منشی جگناتھ پرشاد سے متعلق اور لچھمن پرشاد جو میرے جد مہاراجہ نرندر پرشاد مرحوم کے سالے کے فرزند ھیں اونکو سررشتہ دار مقرر کیا اور منشی محمد حسین علی رضوی کو میر منشی کا عہدہ دیا گیا۔ رام چندر پرشاد میرے منجلے چچا بالکشن متوفی کی سالی کے خاوند ھیں اونکو محاسب دفتر قرار دیا۔ اگرچہ میں نے حکمت عملی سے اس دفتر کے تقرر کی نسبت اپنے جد کی اجازت حاصل کی مگر حاسدین جو میرے ساتھ دلی عداوت رکھتے تھے اور میرا عروج دیکھنا جنکو منظور نہ تھا انہوں نے اس میں بہت کچھ کوشش کی کہ اس دفتر کا وجود کالعدم کردیا جائے کیوں کہ انہیں یہ یقین ہوگیا تھا کہ اس دفتر کے قیام کے بعد ان نا عاقبت اندیشیوں کے ذرایع بند ہوجائیں گے اور خاک در دھن کا مصداق پورا ہوگا قلعی کھل جائے گی اس لئے میرے جد امجد اور میرے والد کے آئنہ مثال دلوں میں کدورت کی گرد بٹھانے کی بہت کچھ فکر کی اور زھریلے خیالات پیدا کرنے میں سعی بلیغ کی مگر بہ حکم و ماتشاؤن الا ان یشاءاللہ رب العالمین ایک بھی کارگر نہ ھوا خدا کے فضل و کرم سے ستارا بنکر چمکا اور اپنی روشنی سے دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کردیا۔

میں نے دفتر پیشی کے قیام کے بعد جس کی ابتداً میرے جد مرحوم کی زندگی میں انکی اجازت سے ھوئی تھی ان سب کی خبر لی تھی اور ان سب پر اپنی کارروائی سے اپنی دھاگ بٹھا دی تھی اور وہ لوگ سمجھ گئے تھے کہ میں ان کی کچھ پروا نہیں کرتا اور میرا طرز عمل آزادانہ اور بیباکانہ ھے یہاں تک کہ راست بازی میں میں اپنے بزرگوں کے روبرو جرات کر جاتا تھا۔

بطور جملہ معترضہ ایک واقعہ یاد آگیا۔ وہ یہ کہ راجہ نانک بخش کی بیوی کا جب انتقال ھوا اور جائداد میرے جد مرحوم کے قبضہ میں آگئی اس وقت چند بد معاشوں نے ایک مضمون اخبار میں شائع کرادیا۔ اور پہلو یہ اختیار کیا کہ مہاراج کی بے پروائی اور ان کی کم توجھی اور میری لیاقت اور جفاکشی اور دفتر پیشی کی بنیاد کا تذکرہ کرکے اخیر میں اڈیٹر کی طرف سے یہ رائے دی گئی کہ اگر مہاراج اپنے گھر کے انتظام کو رونق دینا پسند کریں تو اپنے نواسہ کو مختار کردیں۔ اور اپنے داماد راجہ هریکشن بہادر یعنے میرے والد کو علحدہ کردیں ورنہ سرکار عالی کو اس اسٹیٹ کی طرف متوجہ ھونا ضرور ھوگا جس کا نتیجہ مہاراج کی تدبیر اور دور اندیشی کے لحاظ سے اچھا نہ سمجھا جائے گا۔ وغیرہ۔ ادھر تو یہ چھپوادیا۔ اور ادھر میرے جد کو مجھ سے بد گمان کردیا کہ میں نے ھی یہ کام کیا ھے۔

اگرچہ مہاراج کو یقین نہ آیا مگر گوش زدہ اثرے دارد ۔ ذرا مجھ سے کشیدہ خاطر نظر آئے ۔ میں تو پہلے ہی سے تاڑ گیا تھا کہ یہ شگوفہ کسی بدمعاش کا کھلایا ہوا ہے۔ میں نے ایک عرضی اپنے جد کی خدمت میں لکھی ۔ جس کا اخیر فقرہ درج ذیل ہے۔ میں اس وقت فارسی لکھا کرتا تھا اور میرے جد کی تاکید بھی تھی کہ فارسی لکھا کروں ۔ اور حیدرآباد میں اس وقت کل دفاتر کی زبان فارسی ہی تھی ۔ و ہو ہذا ۔

"اگر بر قول حاسدین اعتبار باشد و آن قبلہ و کعبہ نزد خود این امر فیصل فرسودہ باشند کہ در اخبار مضمونیکہ شائع شدہ محرر آن این فدویست بہتر است کہ فدوی را آزاد فرمایند ۔ من نمیخواہم کہ آن قبلہ و کعبہ را آزردہ خاطر داشتہ درینجا سکونت پذیرم ۔ پاے گدا لنگ نیست ملک خدا تنگ نیست ۔ خداوند عالم رزاق است ہرجا کہ باشم روزی خواہد داد ۔ مادر من مرازادہ است نہ کہ تقدیر مرا" ۔

اس عرضی کے پہونچنے کے بعد ایک روز میرے جد نے مجھکو طلب فرما کر بہت دل جوئی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ" اگرچہ میرے خیال میں کہنے سننے سے کچھ اثر ہوا تھا مگر اس کی تحقیقات کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کار سازی دوسروں کی ہے اور ایسا ہوتا ہوا آیا ہے کہ میرے والد کے اور میرے آپس میں حاسدین اسی طرح سے شگوفہ چھوڑا کرتے تھے مگر کیا ہوتا ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجاتا ہے۔ الغرض ان لوگوں نے سزا بھی پائی جو اس کے مرتکب ہوئے تھے ۔"

بہر حال مہاراجہ کشن پرشاد اپنے نانا مہاراجہ نرندر پرشاد کو اپنی صداقت ۔ قابلیت کار کا احساس کرا سکے اور بالاخر اون کو اسٹیٹ کے انتظام میں ذمہ دارانہ کام کرنے کا موقع مل گیا ۔

سیر و تفریح | راجہ مرلی منوہر مہاراج آصف نواز ونت راجہ گردھاری پرشاد اور دیگر مخلص احباب کے ساتھ سیر و تفریح کرنے آتے دیوڑھی میں اون کو دعوت دیا کرتے رندانہ محفلیں ہوا کرتیں اس کے متعلق جو تذکرہ خود انہوں نے کیا اوس کو اس سے قبل درج کر دیا گیا ہے۔

مہا راجہ بہادر اسی زمانہ میں الوال اور حیدرآباد سے متصل یا قریبی علاقہ ہائے اسٹیٹ سیر و شکار کےلئے جانے لگے نواب منیر الملک نواب مختار الملک کے چھوٹے فرزند اوپی کمشنر گئے اونھوں نے اپنا روز نامچہ سفر نیز مدراس کے انتظامات مالگزاری کے تفصیلات رسالہ حسن میں شایع کرائے یہ رسالہ عماد نواز جنگ مرحوم (اس وقت صدر محاسب سرکار عالی پھر کمشنر آبکاری و کروڑ گیری) کی ادارت میں اس وقت نکل رہا تھا ۔ راجہ بہادر کو بھی شوق تحریر پیدا ہوا اور اس رسالہ میں اپنے روز نامچہ شکار کو شایع فرمایا۔ قیاس یہ ہوتا ہے کہ مہا راجہ کشن پرشاد کی یہ دوسری یا تیسری تالیف

ہے جو طباعت حاصل کرسکی اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسی زمانہ سے اون میں بلند خیالی صلاحیت عامہ اعلی اخلاق علم و ادب سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی -

جد امجد کا انتقال | سہا راجہ مرحوم نے تحریر فرمایا ہے کہ ۱۲ - رمضان سنہ ۱۳۰۶ ف م ۱۲ - مئی سنہ ۱۸۸۸ ع کو میرے جد نے شکایت قبض کے باعث مسہل لیا - یہ مسہل گویا ان کے لئے سم قاتل تھا - بقول مولانا روم

از قضا سر کنگبین صفر افزود * روغن بادام خشکی می نمود

اس مسہل نے اپنا اثر نہیں کیا قبض بڑھ گیا - شب میں بخار آگیا اور تبخیر دماغ کی وجہ سے کسی قدر بیہوش رہے - دوسرے روز صبح میں حکیم شمس الدین اور ڈاکٹر محمد اشرف جو فیملی ڈاکٹر تھے بلائے گئے تغیر و تبدیل دوا سے اجابت ہوئی سدے نکلے - اسکے بعد کچھ ہوش آیا بارہ بجے سے بخار نے پھر عود کیا جو دوا دیجاتی تھی اس کا اثر الٹا ہوتا تھا -

چون قضا آید طبیب ابلہ شود

اطبا علاج سے مجبور ہوئے - سر سام ہو گیا شب کے دس بجے سترویں ماہ رمضان کو اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف سدھارے اور ہم پس ماندون کو فراق دائمی کا داغ دے گئے - اس وقت اعلی حضرت قدر قدرت بندگان عالی شکار کے لئے جانب پاکھال نہضت فرما ہوئے تھے سر آسمان جاہ مرحوم کی وزارت کا عالم شباب پر تھا گھر کے مخالفین کو خدا داد موقع ملا پھر کیا تھا میدان خالی دیکھکر یاروں نے مجھ پر حملے کرنا شروع کئے. فلک تیر حوادث کا ترکش بنا اور میرا سر حوادث کا نشانہ تھا - چار طرف سے کالے کالے بادل کی طرح (امنڈ امنڈ کر دشمنوں نے) پتھروں کا مینھہ برسانا شروع کیا - سر آسمان جاہ کو اپنا موافق بنایا - یہ بیچارے بھولے دنیا سے نرالے دل کے اچھے مگر کانوں کے کچے - جس نے جو کہا اسکو آمنا و صدقنا کے سوا دوسرا جواب دینا نہیں جانتے تھے یہ فعل ان کا کسی حسد پر مبنی ہو میں نہیں کہ سکتا - مگر بے انتہا مروت اور رحم کے انسان تھے - اس لئے مروت کے دام میں پھنس جاتے تھے ایسا آدمی دشمنوں کے لئے گویا سونے کی چڑیا ھاتھ آئی تھی جہاں کسی نے اڑھائی آنچ پھونک دی بس وہ اسکے ہورہے غرض اس وقت کا عجب عالم تھا اگر میں مفصل کیفیت قلمبند کرنا چاھوں تو ایک دفتر درکار ہے الغرض مجھے نیچا دکھانے کے لئے انواع و اقسام کے تدبیریں کی گئیں مگر -

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

اپنے خداوند نعمت ظل سبحانی (حضرت غفران مکان) کو میں نے جب ان حالات سے

اطلاع دی فوراً حمایت شاہی میری دستگیر ہوئی اپنے سایہ عاطفت میں مجھ سے بے سہارے کو سہارا دیا مجھ پر نظر لطف ہوئی دشمنوں کو غضب کی آنکھ دکھائی کہ خاموش۔ بس پھر کیا تھا مخالفت کا ابر جو چھایا ہوا تھا چھٹ گیا۔ ہر ایک کا شیرازہ خاطر پریشان ہوگیا۔ دشمنوں کی فوج تتر بتر ہوگئی آسمان جاہ مدار المہام وقت کو یہ اشارہ آئندہ کی احتیاط کے لئے ادب آموز ہوا۔ سنی سنائی پر عمل کے باعث احتیاط کی منزل سے دور ہوگئے تھے مگر چشم ادب آموز شاہی راستہ پر لائی۔ بخت کی یاری مددگار ہوئی۔ مرحمت شاہی نے میری قسمت کے ستارہ کو ایسا عروج دیا کہ دشمنوں کی قسمت کو اس اوج نے نیچا دکھایا۔ بیجا گرفتوں سے مخلصی ہوئی حضرت جہاں پناہ کے دامن عاطفت میں سہارا لیا۔ شاد کا بال بیکا نہ ہوا۔ خدا خدا کرکے اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے''۔

باب چہارم

مہاراجہ نرندر پرشاد کا انتقال

مہا راجہ کشن پرشاد کےلئے مہا راجہ نرندر پرشاد کا انتقال بڑا اہم و نازک وقت تھا اس وقت آسمان جاہ مدار المہام تھے اور مولوی مشتاق حسین وقار الملک معتمد مالگزاری اپنے اصلی فرائض کے ساتھ معتمد پیشی و مشیر خاص مدار المہام کے طور پر بھی کام کر رہے تھے اور مدار المہامی کے حکم کےلئے ہر محکمہ معتمدی سے جو مثل آتی اون کے ملاحظہ سے گذرتی اور اون کی رائے کے بعد نواب آسمان جاہ اپنا حکم تحریر فرماتے ۔ وقار الملک قیام عہدہ پیشکاری کے متعلق وسیع نظر نہ رکھتے تھے ۔راجہ کشن پرشاد کےلئے وقت بہت نازک تھا عمربھی زیادہ نہ تھی ۔ خاندان میں بھی ان کا موئد نہ تھا مہا راجہ نرندر پرشاد نے دولت کا زیادہ اندوختہ نقد کی صورت میں نہ چھوڑا تھا اس لئے کہ اون کی داد و دھش اور مصارف امارت بھی کچھ کم نہ تھے ۔ پیشکاری کی نقدی تحریر جو دیوانی سے ملتی تھی وہ رک گئی ۔ خاندان میں متعدد دعویدار عہدہ پیشکاری اور جاگیرات کےلئے سامنے آچکے تھے اور اون میں راجہ بہاری پرشاد اور رانی نہال کنور ذی اثر اور اہم دعوےدار تھے ۔ دیوڑھی کے احاطہ میں جملہ خاندان پیشکاری کی سکونت تھی اس لئے آپس کی نزاع قوت سے حل کرنے کی کوشش کا امکان تھا اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بڑی دشواری سامنے تھی کہ وقار الملک کا خیال یہ تھا کہ تبنیت کا اصول امرائے عظام میں اب باقی نہیں رکھنا چاہئے ۔ امرائے عظام راجگان وسمستانوں کے لاولد انتقال سے اونکی جاگیر و سمستان کی بحالی و عدم بحالی کے سوالات پیدا ہوگئے تھے ۔ نواب آسمان جاہ مدار المہام اسبارے میں بڑی حد تک وقار الملک کی رائے پر چل رہے تھے اور اسکی وجہ ہندو امرائے عظام جاگیرداروں وسمستانوں میں پریشانی پیدا ہورہی تھی اور قانونی چارہ جوئی بھی ہورہی تھی ۔ وقار الملک کی یہ بھی رائے تھی کہ اب عہدہ پیشکاری کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ جو نظم و نسق قائم ہے اور وزرائے صیغہ جو کام کر رہے ہیں اس کے مقابل عہدہ پیشکاری کے لئے عملاً کوئی اہم کام اور کوئی بھاری ذمہ داری نظم و نسق کی نہیں ہے پیشکار کے اصلی معنی ابتدا میں نائب مدار المہام یا معتمد خاص مدار المہام کے لئے جاتے تھے وقار الملک کا تخیل یہ تھا کہ چونکہ وہ خود مددگار مدار المہام کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اس لئے اب عہدہ

پیشکاری غیر ضروری ہے حقیقتاً پیشکار کے فرائض وہ انجام دیر ہے ہیں اور اونکو مددگار مدار المہام کا عہدہ سرفراز ہونا چاہئے ۔ خاندانی اور شخصی جاگیرات کی بحالی ہوسکتی ہے پیشکاری کا عہدہ اور مشروط جاگیرات حذف ہونے کے قابل ہیں ۔ نواب آسمان جاہ وقار الملک پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے اور وقار الملک کے تحکم اور قوت کی وجہ معین المہاموں کی بھی شکایت رہتی تھی کہ ان کی رائے کو وقعت نہیں دی جارہی ہے ۔ اور اہم انتظامات سلطنت بغیر اون کے مشورے اور واقفیت کے طے ہو جاتے ہیں ۔ وقار الملک کا مدار المہامی میں اس قدر دخیل ہوجانا کہاں تک مستحسن تھا وہ ایک علحدہ مبحث ہے لیکن مہا راجہ کشن پرشاد کی جانشینی میں تامل اور ساتھ ہی یہ خیال کہ ان پر پورے اسٹیٹ کے جاگیرات نہ بحال ہونا چاہئے کسی طرح مناسب حال نہ تھا ھندوؤں میں مذھباً و رواجاً تبنیت جائز ہے اور بڑے بڑے ھندو امرا صدیوں سے اپنے خاندان کو قائم رکھے ہوئے چلے آرہے تھے ۔ چندو لعل کا خاندان امتداد مدت کے ساتھ ساتھ قائم تھا ۔ اور اس پر اون کو فخر تھا سلطنت آصفیہ سے اون کی وابستگی موروثی طور پر رہی اور خوش و خرم رہتے تھے لارڈ ڈلہوزی نے اولاد نرینہ کی عدم موجودگی میں تبنیت اور شرعی وارث کے تسلیم نہ کرنے کا اصول اختراع کیا تھا اوس سے ساری ھندوستان کی ریاستوں میں اضطراب اور پریشانی پھیل گئی تھی اور اس کے نتائج میں سنہ ۱۸۵۷ ع کی پہلی جنگ آزادی تھی جو غدر کہی جاتی رہی اور اس کے بعد سے برطانوی حکومت نے شرعی وارث یا متبنی یا شاستری وارث کے اصول کو دوبارہ استحکام سے قائم کردیا وقار الملک کا تبنیت کو تسلیم نہ کرنے کا اصول انتہائی ناپسندیدگی سے دیکھا جاتا تھا اسی زمانہ میں مہا راجہ نرندر پرشاد ہی نہیں بلکہ راجہ رائے رایان اور متعدد بڑے بڑے سمستان مثل گدوال گرکنٹہ وغیرہ کے راجاؤں کے انتقال سے تبنیت کی بحث پیدا ہوگئی تھی اور چھوٹے سمستان اور امرا کو عدم تسلیم تبنیت سے اپنے خاندانی نام و نشان کے مٹ جانے اور ریاستیں باقی نہ رہنے کا خطرہ دکھائی دیرہا تھا وہ قانونی پیروی پر آمادہ ہوگئے سمستانوں نے مدراس وغیرہ کے مشہور انگریز بیرسٹروں کو بھی بلانا شروع کیا ۔ حضرت غفران مکان بڑے دور اندیش فرماں روا تھے اہم معاملات سلطنت میں وہ بعد غور کامل اپنا آخری شاہانہ حکم قطعیت کے ساتھ نافذ فرماتے تھے بالآخر پیشگاہ شاہانہ سے اصول تبنیت کو قائم رکھنے کا تصفیہ ہوگیا البتہ نواب مختار الملک کے زمانہ کا تصفیہ قائم رکھا گیا کہ کوئی تبنیت بغیر منظوری سرکارعالی عمل میں نہ آنا چاہیے اور یہ حکومت کے صوابدید پر منحصر ہے کہ کامل معاش بحال ہو یا نہو ھندوؤں کے لئے جہاں تبنیت کے اصول کو زیر بحث لایا گیا تھا وھاں عرصہ سے مسلمانوں کے جاگیرات معاشوں اور نظم جمعیت کے موروثی فوجی خدمات کے لئے ورثائے پنج گانہ کی عدم موجودگی میں سابقی ورثا کی وراثت کو کا ملا ملحوظ نہ رکھا جاتا تھا اور اسکی وجہ کثیر معاشیں شامل خالصہ کرلی گئیں ۔

جاگیری اور نقدی معاش متوسلان سلطنت کے لئے وراثتاً نسلاً بعد نسل جاری رہنا ھندوستان کا قدیم رواج رہا ہے اور اس کے لئے بڑی جد و جہد کی جاتی اور خدمت

و وفاداری اور خیرسگالی کے جذبات وراثتاً قائم رہا کرتے تھے اور اوس میں اچھے برے دونوں پہلو موجود تھے انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی عملداری کے قیام میں ریاستوں سے بھی تعاون حاصل کیا اور بتدریج پھر اصل ریاست کو شریک برطانوی ہند کرنا کچھ نقد سا ہوا رکے ساتھ برائے نام سند نوابی وراجگی قائم رکھنا پھر اوسکو بھی بتدریج ختم کردینے کی پالیسی بنائی - ریاست کے معطیہ جاگیرات عطیات اراضی و نقدی کو ایک حد تک رکھنا اپنی پالیسی بتائی اور اوسکے بعد اون کو بھی ختم کرتے رہنے کو پسند کیا گیا - جب کبھی اور جس کسی علاقہ یا جاگیر میں معاشداری کے متعلق ضبطی کا عمل کیا گیا اس طبقہ و علاقہ میں ناگواری ہی پیدا ہوئی اور اوس کی بحالی کے لئے آئینی جدوجہد ہی ہوتی رہی تاآں کہ بقیہ ریاستوں اور جاگیرات میں معاشوں کو بحال اور معینہ اصول و ضوابط کے ماتحت وراثتاً جاری رکھنا برطانوی ہند کی پالیسی قرار پائی -

سرکارعالی میں انگریزی پالیسی کے ہی اتباع میں ضبطی کی پالیسی پر جب کبھی عمل کیا جاتا متعلقہ علاقہ میں ناگوار اثرات ہی ظہور پذیر ہوتے تھے -

بہر طور سہا راجہ نرندر پرشاد کے انتقال کے ساتھ ہی نوجوان ۲۶ سالہ امیرزادہ راجہ کشن پرشاد کو تن تنہا ایک طرف اپنے خاندانی دعوی داروں کے مشکلات کی جواب دہی سامنے تھی تو دوسری طرف خود مدار المہام وقت اور در اصل اونکے مشیر پیشی کا مقابلہ تھا - اس مقابلہ کے لئے مہاراجہ کشن پرشاد بلا خوف و خطر سامنے آئے اور ایسی حکمت عملی اور جدوجہد سے کام لیا کہ اس سے قطعی طور پر کامیاب ہوکر نکلے - راجہ کشن پرشاد کو حضرت غفران مکان کی پیشگاہ میں باریابی کا اور عرض و معروض گذرا ننے کا شرف حاصل تھا امرائے عظام کو قدیم زمانہ سے یہ استحقاق رہا کہ وہ بارگاہ شاہی میں اپنے شخصی امور میں راست عرض و معروض کریں اور امرائے عظام قصر شاہی میں عرض و معروض کے لئے اپنے خاص و معتبر متوسلین مامور رکھتے تھے جن کو اس کا استحقاق رہتا تھا کہ وہ دفتر پیشی اور خاص پیشگاہ خسروی کے خدام کے ذریعہ کوئی تحریری معروضہ داخل کریں یا شدید ضرورت کی صورت میں زبانی عرض و معروض بھی کریں - حضرت غفران مکان کی کم سنی کے زمانے میں جو امراء اور امرازادے ہفتہ وار قصر شاہی میں ہفتہ میں ایک بار آداب عرض کرنے اور شرف بار یابی کے مستحق قرار دئیے گئے تھے اوس میں راجہ کشن پرشاد بھی شامل تھے شاہی سفروں میں ان کو ہمرکابی کا شرف حاصل ہوچکا تھا - شاہی درباروں میں مہاراجہ نرندر پرشاد کے ساتھ وہ نذر گذرانتے تھے اور اس طرح وہ نو عمری سے ہی حضرت غفران مکان کے التفات اور ذاتی واقفیت کو حاصل کر چکے ہے حضرت غفران مکان کو ہمیشہ اپنے زمانہ فرمانروائی میں یہ ملحوظ رہا کہ امراء کی عزت و عظمت قائم رکھی جائے اور کسی بڑے امیر کے انتقال پر اوس کے علاقے اوس کے جائز ورثا پر بحال کئے جائیں - حضرت غفران مکان نے اپنے متعدد فرامین میں اس اصول کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ اپنے امرائے عظام کے وقار اور عزت کو قائم رکھنا پسند فرماتے

ھیں اور امرائے عظام کے انتقال پر اون کے جائز وارث کو پیشگاہ خسروی میں باریاب فرماکر تعزیت کا دو شالہ مرحمت فرمانا بھی سلطنت کے رواج میں داخل تھا اگرچہ بعد میں باقی نہ رہا - مہا راجہ کشن پرشاد نے اپنے نانا کے انتقال پر اپنی سنجیدگی اور دانشمندی کا اظہار اس طرح کیا کہ شروع سے اپنے معاملات کو بالکلیہ حضرت غفران مکان کی مرضی شاہانہ پر چھوڑ دیا - مہا راجہ کشن پرشاد میں اتنی قابلیت تھی کہ خود معروضوں کا مسودہ کرسکتے اور خود تحریر صاف کر لیتے وہ کسی خوشنویس یا مسودہ نویس کے محتاج نہ تھے اونھوں نے شروع سے اپنے ذاتی معاملات میں اپنے معروضات کا مسودہ خود مرتب کرنے اور اور خود ھی صاف کرنے کا معمول بنا لیا تھا - مہا راجہ نرندر پرشاد کے انتقال کے بعد سے اپنے خاندانی خدمات اور شاہان آصفی کی روایات کا اظہار کرتے اور حضرت غفران مکان کے رحم و کرم کا واسطہ دیتے ہوئے اپنے معاملات کو ذات شاہانہ پر چھوڑ دیا کرتے تھے - اور حضرت غفران مکان کے التفات خاص سے سرفراز ہوتے رہتے تھے -

اس زمانہ میں وقار الملک پیشگاہ خسروی میں بار یاب ہونے لگے تھے اعتماد اور تقرب شاہی اون کو حاصل ہو گیا تھا - مگر حضرت غفران مکان کا طرز عمل یہ تھا کہ اہم معاملات سلطنت میں اور امرائے عظام کے جانشینی کے معاملات میں وہ ذاتی طور پر پوری تحقیق کی کوشش فرماتے تھے یہ نہ ہوتا تھا کہ صرف مدار المہام کے معروضہ ھی پر شاہی فرمان نافذ ہو جائے یا بار یاب ہونے والے امراء حسب دلخواہ شکایات کسی کی کرسکیں - راجہ کشن پرشاد کی خوش نصیبی سے انکے معاملات کا تصفیہ معرض التوا میں پڑ گیا ایسے اہم معاملات میں حضرت غفران مکان فوری تصفیہ نہ فرماتے تھے اور سلطنتی معاملات میں کسی کو گفت و شنید کی مجال نہ تھی اور ہر معاملہ مدار المہام کے یا امرائے عظام کے معروضہ کے باوجود ذمہ دار عہدہ دار پیشی کے وساطت اور اوسکی کیفیت پر ھی تصفیہ پاتا تھا -

وقار الملک کے طریقہ عمل سے خود حضرت غفران مکان واقف ہو چلے تھے - رزیڈنٹ بھی اون کے مخالف ہو گئے تھے معاملات سلطنت کی پیچیدگیوں کی وجہ سے حضرت غفران مکان نے سرور الملک کو اپنا معتمد پیشی بنالیا اوس کے بعد خود وقار الملک اور آسمان جاہ کے خلاف سازشیں اور پارٹیاں قائم ہو گئیں مدار المہام وقت آسمان جاہ کی جانب سے قطعی رائے ظاہر کردی گئی تھی کہ اب عہدہ پیشکاری ختم ہو جانا چاہئے اور اوس کے متعلقہ تنخواہی جاگیرات اور تحریری نقدی یا اعزازی ماہوار باقی نہ رہنا چاہئے - ذاتی جاگیرات مہا راجہ نرندر پرشاد ان پر اور دوسرے ورثاء پر بحال کی جاسکتی ہیں - آسمان جاہ مرحوم نے راجہ کشن پرشاد کی ایک شکایت اپنے معروضہ میں یہ بھی کی تھی کہ وہ مخالفان حضرت غفران مکان سے تعلق رکھتے ہیں اور پادری رجب علی کا جو راجہ کشن پرشاد کے پاس آتے جاتے تھے اون کا بھی ذکر کیا تھا - یہ شخص پنجاب کا تھا اور عیسائی ہو گیا تھا - وہ اردو تحریر پر قدرت رکھتا تھا اور پنجاب ریویو کے نام

سے هفته واری اردو اخبار شائع کرتا تھا چونکہ پنجاب اور شمالی هند کے اردو اخبار نویس ریاستوں کے معاملات میں مضامین لکھتے اور ریاستوں میں (black mailing) کرکے پیسه پیدا کرتے تھے رجب علی بھی اسی اصول پر پیسه پیدا کرنے کے لئے حیدرآباد میں مقیم تھا - اعظم یار جنگ چراغ علی معتمد فینانس اور دوسرے بڑے عہدہ داران دیوانی سے اوسکی ملاقاتیں بھی رهتی تھیں اور وہ حیدرآباد کے معاملات کو بھی اپنے پنجاب ریویو میں شائع کرتا تھا نیز دوسرے اخباروں سے بھی اوس کا تعلق تھا اوراوس کو فی نفسه سلطنت کے معاملات سے تعلق نه تھا بلکه اس کا مقصد روپیه کمانا تھا راجه کشن پرشاد کو ان امور سے آگاهی نه تھی اس نے مہا راجه نرندر پرشاد کی سوانح عمری معاوضه لیکر لکھنا شروع کی تھی اور پہلا حصه شائع بھی هوگیا تھا جس میں اوس نے خاندان چندو لعل کی خدمات وغیرہ کی تعریف کی تھی -

ریاست پٹیاله کے (مدار المہام) خلیفه سید محمد حسن خاں سے رجب علی کی خط و کتابت تھی اور وہ حیدر آباد کے واقعات شکایتاً خط میں لکھا کرتا تھا کہا جاتا هے که ایک خط میں اوس نے حضرت غفران مکان کی ذات بابرکات کے متعلق بھی دریدہ دهنی سے کام لیا یه خط اتفاق سے آسمان جاہ کے هاتھ بڑ گیا- مہاراجه نرندر پرشاد کی جانشینی کا معامله درپیش تھا - رجب علی کی راجه کشن پرشاد کے پاس آمد و رفت تھی اس لئے نواب آسمان جاہ نے اس کی تفصیل بھی اپنے معروضه میں لکھی تھی مگر حضرت غفران مکان نے نواب آسمانجاہ کے معروضوں کے ساتھ راجه کشن پرشاد کے معروضے کو بھی ملاحظه فرمایا تھا اور سرور الملک معتمد پیشی مقرر هوچکے تھے جو راجه کشن پرشاد کی تائید میں تھے نواب خورشید جاہ بھی راجه کشن پرشاد سے دوستانه روابط رکھتے تھے اور اوس زمانه میں اون کے معروضات بھی سلطنت کے حالات کے متعلق پیش هوا کرتے تھے اس لئے اس کا اثر نه هوا - یکم رجب سنه ۱۳۰۰ ھ میں حضرت غفران مکان نے انتظام جدید سلطنت نافذ فرمایا راجه کشن پرشاد کو پیشکاری اور وزارت فوج کے جلیل القدر عہدہ پر سرفراز فرمایا اور اون کے الونس یا تحریر پیشکاری چھ هزار روپیه ماهانه مقرر فرمائی گئی اور اوس کے ساتھ هی سنه ۱۳۰۱ ھ سال گرہ شاهی کے دربار میں مہاراجه کا خطاب معه خلعت لوازمات جواهرات کے ساتھ مرحمت هوا - مہاراجه کشن پرشاد اپنی معامله فہمی اورکامیاب جدوجہد کے بعد ایک بڑی مخالف مہم کو سر کرتے هوئے خاندان چندولعل کے سرکاری جانشین قرار پائے - مہاراجه کشن پرشاد مناسب تدبیروں سے کام بھی لیتے رهے اون کی حکمت عملی یه تھی که حاشیه بوسان بارگاہ خسروی سے نخا لفت نه رکھی جائے اور بڑوں کے ساتھ بزرگی کا خیال رکھا جائے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آئیں اور سرور الملک۔افسر الملک۔ناظم الملک۔لقمان الدوله فصیح الملک داغ اور دیگر حاشیه نشینان شاهی سے اون کا ارتباط همیشه رها اور ''رقعات شاد،، میں اون کے جو خطوط هیں اون سے یه واضح هو سکتا هے که وہ حاشیه نیشیان شاهی کو ملا کر رکھنا هی مناسب سمجھتے تھے اور عمایدین سلطنت امرائے عظام جاگیر دار - حکام - علماء - مشایخین - شعراء - وغیرہ سے بھی ان کے حسب مراتب تعلقات تھے - ڈاکٹر اگھور ناتھ سے بھی

انؔ کا میل جول مہاراجہ نرندر پرشاد کی ریجنسی کے وقت سے تھا ڈاکٹر اگھور ناتھ سرور الملک کے پاس بھی آمد و رفت رکھتے تھے اون کے فرزندوں کی تعلیم بھی اون سے ایک حد تک متعلق رکھی گئی تھی چندسال بعد ''ایوننگ میل '' میں جو ہفتہ وار بنگلور سے شائع ہوتا تھا اور اخبار ''شوکت الاسلام'' میں جو رزیڈنسی سے اردو میں شائع ہوتا تھا سرورالملک کی شکایت شائع ہونے لگی ۔ ''ایوننگ میل'' نے سرور الملک کے بعض خطوط کسی ذریعہ سے حاصل کرلئیے تھے اور اوس کا مضمون شائع کردیا گیا ۔ ان خطوط میں سرور الملک نے کسی راجہ صاحب کو جن کا نام اخبار میں شائع نہ کیا گیا تھا رقم و تحائف کی وصولی کا اعتراف کیا تھا ''شوکت الاسلام'' اردو ترجمہ شائع کرتا تھا۔ اوس زمانہ میں قیاس کیا گیا تھا کہ مہاراجہ کشن پرشاد سے سرور الملک نے کچھ رقومات حاصل کیں ہیں حکومت سرکار عالی نے اس کی علانیہ تحقیقات ضروری نہ سمجھی اور سرور الملک اپنے عہدہ سے کچھ عرصہ بعد اسوقت کے رزیڈنٹ کی تحریر پر علحدہ اور حیدر آباد میں سکونت نہ رکھنے کے پابند کئیے گئے۔ بہر حال یہ مشہور ہو گیا تھا کہ اوس زمانہ میں جو مقدمہ مہدی حسین بنام متھرا چل رہا تھا اس کی اخراجات کی پابجائی کے لئیے سرور الملک نے امرأ ریاست سے رقمی مدد حاصل کی ہے اس سلطنت کا قدیم رواج پیشتر یہی رہا ہے کہ حاشیہ بوسان شاہی کی تواضع امرأ اور وزرا کیا کرتے تھے حسب موقع تحفہ و تحائف معمول تھا اکثر بڑے امرأ کے یہاں سے منصب اورجاگیر بھی عطا ہوئے مہاراجہ کشن پرشاد بھی مہا راجہ نرندر پرشاد کے عملدرآمد سے اس اصول اور طریقہ کو جانتے تھے اورانہوں نے اپنی فیاضانہ طبیعت اورذاتی داد و دھش کے لحاظ سے کا فی سلوک اپنے ہواخواہوں کے ساتھ کیا ہے مہاراجہ کشن پرشاد نے کچھ تحفے دئیے ہوں یا نہ دئیے ہوں اس کا علم مشکل ہے لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اگر انہوں نے سرور الملک کی مالی مدد کی ہوتی توجس طرح سے کہ انہوں نے اپنی لائف میں مرحوم نواب فخرالملک بہادر کا ذکر کیا ہے مہاراجہ بہادر کا بھی ذکر ضرور کرتے ۔ اس زمانہ میں اسطرح کے سیکڑوں قصے مخالفین کو بدنام کرنے کے لئے اڑا کرتے تھے انہی میں سے یہ بھی ایک معلوم ہوتا ہے بہر طور سنہ ۱۳۱۰ ھجری کے اواخر میں اپنی ۳۰ سالہ عمر میں مہاراجہ کشن پرشاد اپنے خاندانی خطاب اور عہدہ پر فائز ہوگئے اور وزارت فوج اون سے متعلق ہوگئی ۔خاندانی جاگیرات کا تصفیہ دعویدار وں کی وجہ سے اسوقت نہ کیا گیا بعد میں اوس کا تصفیہ بھی مہاراجہ کشن پرشاد کے موافق ہوا اون کی پیشکاری اور وزارت فوج کی تفصیلات مابعد کے باب میں درج کی جائیں گی ۔

جو معرکے نواب آسمانجاہ اور مہاراجہ کشن پرشاد میں اس بارہ میں ہوے ہیں اس کے متعلق بھی ان دونوں امرأ کا مہذب و سنجیدہ طریقہ عمل غور کے قابل ہے ۔ شخصی طور پر اپنے حقوق کے لئیے جدو جہد کر رہے تھے اور سر آسمانجاہ اپنے فرائض منصبی کے لحاظ سے اپنی آزاد رائے دے رہے تھے مگر دونوں انتہائی تہذیب اور اخلاق کے جادہ سے علحدہ نہ ہوئے تھے ۔ جیسے ہی حضرت غفران مکان کی پیشگاہ سے تصفیہ ہوگیا وہ

مہاراجہ کشن پرشاد کے ساتھہ جو اون کی وزارت کے ایک رکن ہو گئے تھے انتہائی اخلاق سے پیش آتے تھے اور جو کچھ ہو چکا تھا اوس کو فراموش کر دیا گیا تھا اس کے بعد جب تک نواب آسانجاہ زندہ رہے اون کے دوستانہ تعلقات مہاراجہ کشن پرشاد سے قائم رہے مہاراجہ کشن پرشاد بھی نواب آسانجاہ کی خوبیوں کا ہمیشہ برملا اعتراف کرتے رہتے تھے اپنی تحریرات و مضامین میں نواب آسانجاہ کے متعلق اور اون کی وزارت کے متعلق اپنی ذاتی رائے اور حضرت غفران مکان کے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراجہ کشن پرشاد نواب آسانجاہ کی خوبیوں کے پورے معترف تھے اور اپنے ذاتی معاملہ کو تصفیہ کے بعد فراموش کردیا تھا حیدرآباد کے پرانے امراء عموماً اسی قسم کے سنجیدہ اخلاق کا برتاؤ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے -

مہاراجہ مرحوم کا ایک مکتوب محبوب علی خاں صاحب مددگار ناظم نظم جمعیت کا موسومہ یہاں شامل کیا جاتا ہے جس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مہا راجہ کو آسمان جاہ مرحوم کے انتقال پر کس قدر رنج ہوا تھا باوجودیکہ مدار المہامی آسمان جاہ کے وقت ان کے طریقہ عمل سے مہا راجہ کو رنجش ہو گئی تھی مگر حیدرآباد کے امرا کا یہ طریقہ تھا کہ دن گزرنے پر رنجشوں کو ہوا میں اڑادیا جاتا تھا۔ مہا راجہ عموماً اپنی تحریروں میں جب کبھی نواب آسمان جاہ کا ذکر کرتے ہیں وہاں تعریف ۔ تحسین اور احترام کے ساتھ اون کا نام لیتے ہیں ۔'' نور چشم،، میں جو خیالات حضرت غفران مکان تحریر کئے گئے ہیں وہ بھی اس موقع پر درج کردیئے جاتے ہیں -

داور الملک کی زبانی فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ محبوب دکن نے ایک روز داور الملک سے یہ ارشاد فرمایا کہ

'' ہم سے تین باتوں میں عجلت ہوئی جس کا اب تک ہم کو خیال آتا ہے ایک یہ کہ اپنے استاد کو ہم نے خارج البلد ہونے کا حکم دیا اس کا افسوس ہے -

(۲) عماد السلطنت کو بہت جلد وزارت کی خدمت دیدی گئی اور سر آسمان جاہ سے قبل از وقت لے لی گئی اگر چہ آسمان جاہ بے کارگذار نہ رہے مگر سچے خیر خواہ تھے،،۔ مرحوم کی سوانح حیات کے لحاظ سے اس اجمال کو بھی درج کردیا اور بھی تحریرات پر مرحوم آسمان جاہ مرحوم کی توصیف میں ہے جن کو طوالت کی وجہ نظر انداز کیا جاتا ہے

مہربان من محمد محبوب علی خان صاحب

'' آپ کا شقہ مع ڈالی پہونچا ۔ مشکور ہوا ۔ ابھی ابھی آم میں نے چکھے ۔ فی الواقع نہایت مزیدار خوشگوار ہیں ۔ کل ہی مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا مزاج علیل تھا ۔ خدا تندرست رکھے ۔ آسمان جاہ بہادر نے جنت کی راہ لی ۔ انکی وفات کا سخت افسوس ہے ۔ انکی ہر دل عزیزی نے عامہ خلائق کو ان کا گرویدہ کر رکھا تھا ۔ انکی اس بے وقت

موت نے سب کو زار زار رلایا ۔ یہاں تک کہ آسمان بھی رورہا تھا ۔ سرور نگر ماتم نگر تھا ۔ انکے متعلقین کے غم کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا ۔

خدا کی پناہ جس وقت میت نکلی اور تابوت برھانے شاہ صاحب کی درگاہ کی جانب رواں ہوا اس وقت میرے دل کی عجب کیفیت ہوئی جسکو میں لکھ نہیں سکتا اسی عالم میں ایک رباعی کہی تھی جو درج ذیل ہے ۔

رباعی

کیا شاہ وگدا و امیر اور فقیر * دنیا سے انہیں سب کو سفر کرنا ہے
پیدا جوھواجہاں میں اک دن آخر * سب چھوڑ کے اے شاد اسے مرنا ہے

تشفی بخش فرمان | ''یہ تو میں نے ابھی اوپر ذکر کیا ہے کہ میرے جد امجد کے انتقال نے مجھے مصیبت کے دام میں پھنسا دیا تھا تدبیر کے پاؤں میں تقدیر کی زنجیر پڑگئی تھی چرخ کی شعبدہ بازی نے وہ وہ نیرنگیاں دکھائیں کہ خاطر جمعی کا شیرازہ درہم برہم ہونے کے قریب اور ہمت قاصر ہونے کو تھی حواس اڑنے کے لئے ہوائیاں بن گئے تھے ۔ فلک کی گردشیں پیس پیس کر مٹانے کو تھیں ۔ اور عشرت کلفت سے بدل گئی تھی مگر میں یہ کہکر دل کو تسکین دیتا تھا ۔

مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

رونق افروزی ظل سبحانی | ے ۔ تاریخ ماہ محرم سنہ ۱۳۰۹ھ م ۱۳۔اگست سنہ ۱۸۹۱ع کو ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی آفتاب سپہر سلطنت نے یاد فرمایا ۔ جلوس کی سواری کا حکم تھا ۔ تماشا ملاحظہ فرمانے کے لئے باتزک و احتشام شب کے آٹھ بجے بسواری فیل برآمد ہوئے امرا اور مصاحبین سب جلوس کے ہمراہ ہاتیوں پر سوار تھے حکم ہوا کہ شاد کے مکان کی طرف جلوس بڑھے ۔ افسر الملک بہادر کو جو گھوڑے پر سوار فیل خاصہ کے روبرو حاضر تھے یاد فرماکر ارشاد فرمایا کہ ہمارے خانہ زاد شاد سے یہ کہدو کہ مابدولت تیرے گھر میں جلوہ افروز ہوں گے ۔ جس وقت افسر الملک بہادر نے یہ خبر پہونچائی دل شاد باغ باغ ہوگیا ۔ الغرض سواری مبارک غریب کدہ میں جلوہ افروز ہوئی ۔ اپنے خانہ زاد کے مرتبہ کو بڑھایا ۔ فرخی و فیروزی نے منہہ دکھایا ۔ ظل سبحانی صور و معنی کے مشرق انوار نے علی رؤس الا شہاد مخالفین پر اس امر کا اظہار فرما دیا کہ

دشمن اگر قویست نگہبان قوی تراست

تادم تحریر ہر سال ماہ محرم میں سواری مبارک رونق افروز ہوتی ہے ۔ خداوند عالم شاد کے تادم زیست اس رسم کو قائم اور آقائے ولی نعمت کو ایسا ھی بلکہ اس سے زیادہ مہربان رکھے ۔ آمین'' ۔

فرمان شاہی | ''میرے جد امجد کے انتقال کا یہ تیسرا سال ہے اس عرصہ میں مخالفین کی زہریلی تدبیریں اور شاہی مسیحائی ان دونوں کا جو مقابلہ ہوتا رہا وہ ناظرین سے پوشیدہ نہیں ہے چوں کہ دست شفقت شاہی سر پر تھا اور عنایت الٰہی میرے حال پر مبذول تھی دربار کے طعن و تعریض کرنے والوں کے مقابل شاہی حکمت و ذرہ نوازی میری قدر افزائی کرتی تھی الغرض ۴ - ذی حجہ سنہ ۱۳۰۹ھ کو ایک فرمان نافذ ہوا جس کا اخیر فقرہ مسیحائی کرنے والا یہ تھا -

''کل چار بجے آپ آئیے میں ضرور انشاء اللہ تعالی آپ سے ملوں گا اور انشاء اللہ تعالی میں آپ کی جاگیرات کا بندوبست کردوں گا -''

لارڈ لینس ڈون کی آمد | ''۴ - اکتوبر سنہ ۱۸۹۲ع مطابق ۱۲ - ربیع الاول سنہ ۱۳۱۰ھ کو لارڈ اور لیڈی لینس ڈون کا خیر مقدم منایا گیا - سابق کے ویسرایوں کی طرح سے یہ بھی آصف سادس مدظلہ العالی کے معزز مہمان رہے - ساز طرب سے خوش آمدی کی صدائیں بلند تھیں گویا دکن مطرب شاد مانی بنا ہوا تھا -

خاطر خواہ اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان داریاں رہیں اس دربار میں میری کرسی کو ایک نمبر کی ترقی دے کر میرے بادشاہ ذیجاہ مدظلہ العالی نے میرے مخالفین کو اس بات کا اشارہ فرمایا کہ جس پر ہم مہربان ہیں اس کو تمہاری عداوت سے ضرر نہیں پہونچ سکتا -

یوں تو بفضلہ تعالی شانہ اہل دربار محبوب شاہی کی فہرست میں روز ازل سے ہی نام شریک تھا مگر مرحمت شاہی کا درجہ جیسے جیسے بڑھتا تھا ویسا ہی نیر قسمت شاد بھی پایہ بپایہ بلند ہوتا جاتا تھا -

اس مرحمت کی سپاسگزاری میں آستانہ اجلال پر پیشانی رکھی اور اس دین و دنیا کے ملجا اور اس کان جواہر بے بہا کی خدمت فیض درجت میں نذر پیش کی - اور جوہر شناس قدر دان آقا کی ازدیاد عمر و دولت و اجلال کے لئے تہہ دل سے دعا کی -

پیشکاری کی خلعت اور وزارت فوج کی سرفرازی | عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد - حاسدین کی کوششیں پیہم اس امر کے لئے جاری تھیں کہ کسی طرح سے میں اپنے آبائی موروثی خدمت پیشکاری کی عزت حاصل نہ کرسکوں اور اسکے متعلق بڑے معرکے رہے اور اس معرکہ آرائی میں آپس میں جن جن کی دشمنی تھی وہ بھی گھل مل کر ایک دوسرے کے دوست اور شیر و شکر ہوگئے مگر ان عقل کے دشمنوں کو یہ کیا معلوم تھا کہ ارادۃ اللہ غالب علی ارادۃ الناس - آخر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا للہ الحمد کہ صبح مراد روشن ہوئی سفیدہ صبح نے دشمنی کی تاریکی کو کافور کیا - شب

حسد نے اپنا سا منہہ لیکر ظلمات کی راہ لی - آفتاب مراحم شاہی نے حجرہ مشرق سے نکل کر تمام عالم پر روشن کردیا کہ جسکو پیا چاہے وہی سہاگن -

بتاریخ غرہ رجب المرجب سنہ ۱۳۱۰ ہجری مطابق ۱۷ - اسفندار ماہ الٰہی سنہ ۱۳۰۲ف جو فرمان نافذ ہوا ناظرین کے دیکھنے کےلئے درج ذیل ہے - اس سے ناظرین خود قیاس کرسکتے ہیں کہ ابرکرم آصفی نے کیا کیا گہر برسائے ہیں اوراس اورنگ نشین اقبال نے شاد کے نو بخت کو کس پایہ پر کرسی نشین کیا -

نقل فقرہ (۳) فرمان مبارک -

" پیشکاری جو ایک قدیم خدمت ہے اس پر راجہ کشن پرشاد کا تقرر کیا گیا جو ہر طرح اپنے قدیمی حقوق کے لحاظ سے اسکے مستحق تہے - اور انکو فوج بیقاعدہ اور باقاعدہ کا صیغہ سپرد کیا جائے -

اور اسی فرمان کے فقرہ (۲) کے مطابق رکنیت کیبنٹ کونسل کی عزت بھی مرحمت ہوئی -

نقل فقرہ (۲) فرمان مبارک -

" اب تک نواب مدار المہام پر ریاست کےپورےکاموں کی سخت ذمہ داری کا بار تھا جس کامتحمل ہونا ایک شخص کےلئے خالی از دشواری نہ تھا اور ایسی ذمہ داری کے سخت مواخذات سے کسی قدر اونکو سبکدوش کرنا نہ صرف اونکی ذات کےلئے مفید تھا بلکہ ملک کےلئے بھی مفید تھا لہذا آئندہ اہم ذمہ داریوں میں وزرائے ما تحت کو بھی شریک کردیا گیا - اور بجائے کونسل آف اسٹیٹ کے جو برخاست کی گئی اس کیبنٹ کونسل کے پریزڈنٹ نواب مدارالمہام اور وائس پریزیڈنٹ نواب وقار الامرا بہادر اور پیشکار اور وزرائے عدالت وکوتوالی و پبلک ورکس ارکان رہیں - اور ہر معتمد مدار المہام اپنے علاقہ کے امور قابل تجویز مجلس پیش کرنے کےلئے اس مجلس کا معتمد سمجھا جائے اہم مسائل متعلقہ عام صلاح و فلاح ریاست و رعایا و مسائل مختلف فیہ مدار المہام و معین المہام غور کےلئے اس مجلس میں پیش ہوں اور اس طرح اون کے نتائج کی سخت ذمہ داریاں سب وزرا پر بھی رہیں - اور جو کچھ بالاخر اس مجلس سے طے ہو وہ ما بدولت کے سامنے تصفیہ آخر کے لئے پیش ہوسکے - اس مجلس کا دستور العمل ون اصول پر مرتب کیا جائے جو مابدولت کی منظوری کے واسطے جلد تر پیش ہو اور یہ مجلس اپنا کام شروع کرے " -

اسکے بعد قانونچہ مبارک مزینہ ۱۳ - رجب سنہ ۱۳۱۰ ھ م ۲۹ - اسفندار سنہ ۱۳۰۲ف میں یہ ارشاد فرمایا گیا -

" فی الواقع زمانه سابق اور حال میں برابر فوج کا بہت اعزاز ہوتا رہا ہے اور وہ ایک بہت بڑا اور معزز صیغہ ہے - اور نیز یہ صیغہ زیادہ تر نگرانی کے قابل ہے اور اسکی ضرورت ہے کہ اسکی نگرانی کے لئے خاص طور پر ایک افسر رکھا جائے جیسا کہ عموماً اور ممالک میں ہے لہذا مناسب ہے کہ ایک افسر اعلی فوج رہے اور چوں کہ بہت سے امور کے لحاظ سے مناسب یہی ہے کہ راجہ کشن پرشاد بہادر پیشکار کو صیغہ فوج باقاعدہ و بیقاعدہ کا کام دیا جائے پس وہ اس کام کے لئے تجویز کئے جاتے ہیں "۔

۲۷ - ربیع الثانی سنه ۱۳۱۱ ھ کو بتقریب دربار سالگرہ مبارک پانچ عدد خلعت پیشکاری سے سرفراز ہوا -

سرپنچ مع طرہ	ہار	بھجیند
یک رقم	یک رقم	یک رقم

نورتن	دست بند
یک رقم	یک رقم

اور خطاب را بہ راجایان مہا راجہ بہادر سے ممتاز فرمایا گیا - اس تقریب میں میرے بڑے فرزند چندا پرشاد کو راجہ بہادر کا خطاب عطا ہوا - چراغ سے چراغ روشن ہوا -

باب پنجم

پیشکاری اور وزارت فوج

پیشکاری و وزارت فوج | ۳۰ سال کی عمر میں مہا راجہ کشن پرشاد پیشکارو وزیر افواج رکن کیبنٹ کونسل کی ذمہ داریوں پر سرفراز ہوگئے - اور مدار المہام سرکارعالی اور دو امرائے کبار پائیگاہ کے بعد ذی مرتبت امرائے عظام میں عملاً آپ کا شمار ہوگیا -

باستثنائے افواج صرف خاص و پائیگاہ باقی تمام افواج باقاعدہ و بے قاعدہ وزیر صیغہ کے طور پر آپ کے تفویض ہوگئے - عہدہ پیشکاری کی اعزازی تحریر ساہانہ چھ ہزار روپیہ قرار پائی - حالانکہ نواب وقار الامرا معین المہام مال کو تین ہزار - نواب افتخار الملک اور نواب فخر الملک کو ڈھائی ہزار ساہانہ آنریریم ملتا تھا نواب خان خانان حسام الملک مہا راجہ مرحوم کی وزارت فوج کے مد نظر معین المہامی متفرقات سے سبکدوش کئے گئے - حضرت غفران مکان کے عہد میں امرا و حکام کا آرڈر آف پرسی ڈنس مرتب کرنا خلاف مصلحت سمجھا گیا تھا اور اوس وقت صراحتاً طے نہ ہوا تھا کہ سینیر معین المہاموں کے مقابل آپ کا کیا درجہ ہے مگر موقع آنے پر عملاً یہی طے ہوتا گیا کہ مدار المہام اور امرائے پائیگاہ کے بعد پیشکار کا ہی مرتبہ اور اعزاز ہے -

مہا راجہ کشن پرشاد کو حضرت غفران مکان نے خاندان پیشکاری کا ذمہ دار تسلیم فرمالیا ۔ سرکاری تقریبوں ۔ حضوری درباروں ۔ شاہی اور رزیڈنسی کی دعوتوں میں جو سرکاری حیثیت سے ہوا کرتی تھیں ان کی بھی شرکت بطور امراۂ عظام و ذمہ داران سلطنت ہونے لگی ۔

مہا راجہ کشن پرشاد کی جبلی اطاعت و وفاداری اور طریقہ عمل و طرز تحریر و حسن ادب نے حضرت غفران مکان کو اون پر ہمیشہ مہربان رکھا ہمیشہ اون کی عزت و توقیر بڑھتی ہی چلی گئی ۔ محرم الحرام اور دوسرے مواقع پر حضرت غفران مکان سال بہ سال مہاراجہ کشن پرشاد کی دیوڑھی میں رونق افروز ہوا کرتے ہمیشہ تحائف شاہی عطا فرمایا کرتے ۔ شاد نوازی کے فرامین بارہا صادر ہوتے رہے ۔ بعض اوقات مناسب الفاظ میں ہدایت بھی فرمادی جاتی تھی اور اوسکی بناء پر مہا راجہ فوراً تلافی مافات کرلیا کرتے تھے اور مہا راجہ بہادر خدمت سرکاری کسطرح انجام دیتے تھے اور کیبنٹ کونسل میں کس طرح کام کرتے رہے ۔ عامہ الناس میں داد و دہش سے کیسی ہر دلعزیزی حاصل کی ۔ عرضی گزاروں کے ساتھ اون کا کیا سلوک رہا اور اہل حاجت کی کس درجہ سرپرستی کرتے رہے ۔ ان کی پبلک خدمات کیا رہیں ان سب کی تھوڑی بہت توضیح کی جاتی ہے تا آنکہ وہ مدار المہام ہوگئے ۔

عہدہ پیشکاری | نواب مختار الملک کی مدار المہامی کے بعد عہدہ پیشکاری دراصل ایک اعزازی اور نام کا عہدہ ہوگیا تھا اور اوس کے لحاظ سے بتدریج عملاً پیشکاری سے بجز اس کے کوئی کام نہ تھا کہ دفاتر سرکاری کو جو مواد قدیم دفاتر پیشکاری سے مطلوب ہو وہ فراہم کردیا جائے جو عہدہ دار اسٹیٹ پیشکاری میں اس کا ذمہ دار تھا وہ جواب دیدیا کرتا تھا کوئی خاص اہمیت اس میں نہ تھی ۔ نواب مختار الملک مرحوم کے زمانہ سے اعلی خدمات صیغہ یعنی پیشکاری سررشتہ داری دفاتر مال و دیوانی برائے نام ہی رہ گئے تھے البتہ زمانہ ماسبق میں یہ تینوں عہدے نیز صدر الصدور و کوتوال در اصل مماثل وزرائے سررشتہ تھے اون کے اصلی فرایض جو وزارت سررشتہ کی حد تک تھے وہ زمانہ نواب مختار الملک میں جدید وزارتوں کے حوالے کردئے گئے تھے ۔ اور اصل موروثی امرا برائے نام ہوگئے ۔ کوتوال صدر الصدور تخفیف ہوگئے ۔ البتہ بعد میں کوتوال صدر الصدور اور نظامت کوتوالی اضلاع کے عہدے ناظم سررشتہ یا ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ کے طور پر بنائے گئے ۔ اور یہ نواب مختار الملک کی حکمت عملی تھی ۔ حضرت غفران مکان نے دوربینی سے برائے نام عہدہ پیشکاری کے ساتھ رکنیت کبینٹ کونسل اور وزارت صیغہ فوج کا عہدہ پیشکاری کے ساتھ مہاراجہ کشن پرشاد کے تفویض فرمایا کہ حقیقتاً ذمہ دارانہ کام کا موقع بھی ہے ۔ عہدۂ پیشکاری کے ساتھ سکھوں کی جمعیت کا تعلق رہا کرتا تھا اور چند سال تک

9*

براہ راست مہا راجہ کشن پرشاد کی ذمہ داری میں سکھوں کی اور تھوڑی بیقاعدہ جمعیت بھی متعلق تھی ۔ یہ کام مہا راجہ کشن پرشاد نے اپنے حقیقی والد راجہ ہری کشن سے متعلق رکھا تھا کچھ عرصے کے بعد جب سکھوں کی جمعیت کے بعض رسالداروں اور سپاہیوں نے سرکشی کا اظہار کیا تو یہ تصفیہ کیا گیا کہ آئندہ سے سکھوں کی جمعیت کا تعلق پیشکاری سے منقطع ہوکر کوتوالی اضلاع سے کردیا جائے اور پورا انتظام سکھوں کی موروثی جمعیت کوتوالی اضلاع کا جز ہوکر نظامت کوتوالی اضلاع اور معین المہام کوتوالی سے متعلق ہوگیا ۔ اب عہدہ پیشکاری برائے نام تھا صرف عظمت سابقہ کے طور پر اور ایک ھندو امیر اعظم کی موجودگی کے لئے قائم تھا ۔ مگر وزارت فوج کی بدولت وہ عملا ذمہ داران سلطنت میں شامل ہے ۔

وزارت فوج | مہا راجہ کشن پرشاد پوری مستعدی کے ساتھ وزارت فوج کے کام میں مصروف ہوئے اور اس کے متعلق اون کے وھی اقتدارات اور حیثیت تھی جو دوسرے دو معین المہاموں کی تھی میجر پرسی گاف معتمد اور سید امر اللہ شاہ معتضد جنگ شریک معتمد تھے ۔ یہ محکمہ اصل دیوڑھی پیشکاری کے قریب ھی مہا راجہ بہادر کی ایک عمارت میں رکھا گیا تھا بعد میں جب مدار المہامی مہا راجہ کشن پرشاد سے متعلق ہوگئی اور نواب شمس الملک معین المہام فوج ہوئے تو ایوان پیشکاری سے دفتر امیر کبیر کی دیوڑھی میں منتقل ہوگیا ۔ ابتداً میں معتمدی فوج وزیر فوج کی معتمدی سمجھی جاتی تھی مگر بعد میں مصالح حکومت کی بناء پر جس طرح دوسری معتمدیوں کا نام معتمد مدار المہام نہیں بلکہ معتمد سرکارعالی (صیغہ فلاں)قرار دیا گیا اوسی طرح معتمد فوج کو بھی معتمد سرکارعالی قرار دیا گیا کہ کسی مدار المہام یا وزیر کا نہیں بلکہ وہ حکومت کا معتمد ھے ۔ وزیر فوج کی حیثیت سے گزارشات و امثلہ احکام کے لئے مہا راجہ کشن پرشاد کے پاس آیا کرتے اور اون کی تجاویز ہو جانے کے بعد معتمدی فوج کو واپس ہوجاتے تھے ۔ وھاں سے امثلہ جو اقتداری مدارالمہام ہوتے ان کی پیشی میں بھیج دئے جاتے تھے اور جو امور اقتداری مہا راجہ ہوتے اون کے مطابق احکام جاری ہو جاتے ۔ چون کہ فوج کی جمعیتوں میں کوئی اھم اور اصولی تغیر سیاسی حالات کے لحاظ سے نہ ہوسکتا تھا اس لئے عملا چھوٹے تقررات اور منظوری رقم کی حد تک ھی کام تھا جمعداران نظم اور فوج باقاعدہ کے کمیشنڈ عہدے محتاج منظوری خسروی ہوتے تھے ۔ مہا راجہ کشن پرشاد اکثر و بیشتر تجاویز روئداد مثل کے مطابق کرتے اور ہمیشہ اس کا خیال رکھتے کہ روئداد اور ضابطہ سے ہٹ کر کوئی تجویز نہ ہو جائے ۔ کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ بعد میں مہا راجہ کشن پرشاد کا تعلق فوج باقاعدہ سے قابل اعتراض سمجھا گیا اور چند سال تک حضرت غفران مکان کے حکم سے فوج باقاعدہ کا تعلق مہا راجہ کشن پرشاد سے نہ رہا اور راست مدار المہام کے ملاحظہ میں اس صیغہ کے امثلہ پیش کر دیئے جاتے ۔ چند سال کے بعد حضرت غفران مکان نے اس حکم کو برخاست فرما دیا اور فوج باقاعدہ حسب دستور سابق مہا راجہ

کشن پرشاد سے متعلق ہوگئی - مہا راجہ کشن پرشاد کی وزارت فوج کے زمانہ میں کرنل نیول کمانڈر فوج باقاعدہ تھے اون کے انتقال کے بعد اس عہدہ پر افسر الملک کا تقرر حضرت غفران مکان نے فرمایا اس وقت تک وہ گولکنڈہ برگیڈ کے کمانڈر تھے۔ رزیڈنسی سے توجہ دلائی گئی کہ کمانڈر فوج باقاعدہ کے عہدہ پر عرصہ سے انگریز افسر مامور ہوا کرتا ہے اب بھی ایسا ہی عمل رہا کرے مگر افسر الملک کے رسوخ و اثرات کی وجہ سے اس اعتراض کا مناسب جواب دیدیا گیا اس سے یہ معاملہ ختم ہوگیا اور سرکارعالی کے فوج باقاعدہ کی کمانڈری کے لئے کسی انگریز افسر کے لینے کی ضرورت نہ رہی - افسر الملک مرحوم نے فوجی انتظام میں اصلاحات کیں فوج میں مستعدی کے جذبات پیدا کئے کمیشنڈ افسروں کی وردی بالکلیہ انگریز افسروں کے مماثل کردی گئی تھی اسکوحضرت غفران مکان نے پسند نہ فرمایا تھا فوجی وردی (ہلمٹ یا سر کے لباس) میں مناسب اصلاح کردی گئی مہا راجہ کشن پرشاد نے افسر الملک کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے تھے اور وہ اون کے انتظامات میں کوئی بنیادی دخل نہ دیا کرتے تھے بعض خاص صورتوں میں اختلاف بھی ہو جایا کرتا تھا - فوج بے قاعدہ کے تفصیلی امور وزارت فوج سے متعلق تھے اور اوس میں مہا راجہ خاص دلچسپی لیا کرتے تھے -

وزیر فوج کی حیثیت سے وہ جہاں تک ممکن تھا نظم جمعیت کے جمعداروں وغیرہ کے ساتھ مناسب مراعات ملحوظ رکھتے تھے اوس زمانہ میں نظم جمعیت میں جدید بھرتیاں بھی ہوا کرتی تھیں - جمعداروں کے بلکہ سپاہیوں کے انتقال پر اون کی اولاد پر یہ خدمت موروثی جاری ہوا کرتی تھی - نابالغ کی صورت میں کسی سرپرست خاندان پر کارخانہ یا خدمت کی دائی کی ذمہ داری رہتی تھی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ورثاً پنجگانہ کے حقوق دیکھے جاتے تھے ۔ تعدد اولاد کی صورت میں ماہوار کی شکمی تقسیم ہوا کرتی تھی - لنگر کے جلوس میں نظم جمعیت کے جمعدار اور سپاہی بڑے طمطراق سے شامل جلوس ہوتے اور ان کا جلوس سواری بجائے خود ایک موثر نظارہ تھا جس میں سفلائی لباس پہن کر قدیم وضع کے ہتیاروں سے مسلح ہوکر جمعیت نکلتی تھی - مہاراجہ چندولعل کے بعد لنگر کا جلوس دیوڑھی پیشکاری سے نکلنا بند ہوگیا تھا حضرت غفران مکان نے سنہ ۱۳۱۱ھ میں بحیثیت پیشکار اس جلوس کو دیوڑھی پیشکاری سے گزرنے کا حکم صادرفرمایا اور مہاراجہ مرحوم کی مدار المہامی سنہ ۱۳۳۰ھ تک اس کا سلسلہ جاری رہا - پیشکاری کی دیوڑھی میں جلوخانہ کے سامنے سے لنگر کا جلوس گذرا کرتا تھا اور مہاراجہ کشن پرشاد کو تمام جمعیت سلامی دیا کرتی تھی- برٹش پالیسی کے لحاظ سے فوج کی اصلاح اور پیش روی کا چنداں موقع نہ بنا جمعیت بے قاعدہ میں مہاراجہ کشن پرشاد بہ حیثیت وزیر فوج جہاں تک ہوسکتا فوج کی پرداخت کرتے رہتے تھے اور اون کی کارروائیوں میں سہولت بھی پیدا کرتے مگر طریقہ کارروائی دفتری طوالت اصلاح کی محتاج تھی برورشی کے مقابلہ میں اصلاح کو زیادہ ملحوظ رکھا تھا اب یہ باتیں خواب و خیال ہوگئی ہیں - نظم جمعیت کا وجود منظم صورت میں عملاً باقی رہا ہے - فوج باقاعدہ کی سالگرہ شاہی کی پریڈ میں مہاراجہ کشن پرشاد ہی

عہدے کی حیثیت سے سلامی وغیرہ لیا کرتے تھے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ نواب وقار الامرا مدارالمہام اپنی مصروفیات یا علالت وغیرہ کی وجہ سے نہ آتے تھے - فوجی اسپورٹس وغیرہ کے جلسوں میں بھی مہاراجہ شریک ہوتے تھے فوج باقاعدہ کے افسروں کے ساتھ بھی اون کا برتاؤ امیرانہ تہذیب و اخلاق کا آئینہ دار تھا - ایوان پیشکاری میں وقتاً فوقتاً دعوتوں یا تقریبوں میں باقاعدہ و بے قاعدہ جمعیت کے فوجی افسروں کو مدعو کیا کرتے اور فوج میں جذبہ جان نثاری سلطنت اور بادشاہ کی عزت کو فراموش نہ ہونے دیئے تھے - ایک مرتبہ سالگرہ مبارک کی پریڈ گولکنڈہ کے میدان میں منعقد ہوئی اور جو انتظام اعلی حکام کے ٹھیرنے کے لئے ہوا تھا اس میں امرائے عظام وغیرہ کے لئے بھی انتظام کرنے میں فرو گذاشت ہو گئی تھی جسکی وجہ سے نواب سالار جنگ ثالث کی سواری ٹھیرانے میں کچھ غلطی ہوئی نواب صاحب کم سن تھے مہاراجہ کشن پرشاد کو فوراً اس کی اطلاع ہوئی انہوں نے فوجی حکام کے طریقہ عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور نواب صاحب کو اپنے پاس بلا کر ٹھیرالیا اور جلوس دیکھنے کی سہولت پیدا کی بہر طور وزرائے سلطنت کی حیثیت سے وہ مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دھی میں پرانے امرا کی حیثیت عزت و احترام کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے اور اس کے متعلق کسی فرو گذاشت کو پسند نہ فرماتے تھے -

نگران کاری مدارالمہامی

نواب وقار الامرا مدار المہام اپنے زمانہ مدارالمہامی میں تین مرتبہ حیدر آباد سے باہر گئے تھے - ایک مرتبہ شملہ کو لارڈ الگن وایسرائے سے ملاقات کے لئے گئے تھے - دوسری مرتبہ حضرت غفران مکان کے ساتھ کلکتہ میں لارڈ کرزن سے ملاقات کے لئے گئے تھے - ایک مرتبہ ضلع رائچور کا دورہ مدار المہام نے کیا تھا اوس زمانہ کا طریقہ یہ تھا کہ مدار المہام کی غیر موجودگی کے وقت وزرائے ریاست کو ذمہ دار مدارالمہامی بنایا جاتا اور منظوری حضرت غفران مکان سے احکام جریدہ غیر معمولی میں شائع ہوا کرتے اگرچہ مہاراجہ کشن پرشاد پیشکار و معین المہام سلطنت تھے لیکن ابھی تک اس کا تصفیہ نہ ہونے پایا تھا کہ وزرائے ریاست میں سنیارٹی کس کو حاصل رہے گی اور کون ایسی صورت میں نگران کار مدار المہام ہوگا نواب افتخار الملک سینیر معین المہام خیال کئے جاتے تھے اس بنائے پر اس عزت کے دعویدار تھے - مہاراجہ کشن پرشاد اس بنائے پر کہ پیشکاری کا عہدہ مدار المہامی کے بعد سب سے بڑا ہے اپنا ادعا رکھتے تھے مگر اوس کو تحریری طور پر کبھی پیش نہ کیا تھا - محض نوازش شاہانہ پر تکیہ کئے ہوئے تھے - شاہی انگریزی دربار یا ڈنر وغیرہ میں کچھ اس طور سے نشستوں کا انتظام ہوجاتا کہ باہمی تفوق کا اندازہ نہ ہوسکتا تھا اور وہاں نشستوں کے متعلق اس بنائے پر کہ وہ شاہی مرضی پر منحصر ہے کسی کو ادعائے حقوق کا بھی موقع نہ تھا - نواب وقار الامرا مرحوم نواب فخر الملک اور مہاراجہ کشن پرشاد کو چنداں پسند نہ کرتے تھے پہلی مرتبہ دورہ ریاست کے موقع پر اونھوں نے نگرانکاری مدار المہامی کے لئے نواب افتخار الملک کے لئے

معروضہ گذرانا اور اوسکی منظوری بھی آچکی تھی اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت غفران مکان کی نظر دوسرے وزراء سررشتہ کے حقوق پر نہ پڑی تھی نواب فخر الملک نے احتجاج کیا اور اوسکی بناء پر حضرت غفران مکان نے فوراً التفات فرمایا اور بالآخر یہ طے ہوا کہ کسی نگران کار کی بوجہ اسکے کہ دورہ طویل نہیں ہے ضرورت نہیں - دورہ میں خود مدار المہام اپنا کام انجام دیسکتے ہیں اور اسکی بناء پر بعد میں اندرون مملکت مدار المہامی کے دورہ یا شکار یا سیر کے مواقع پر کوئی نگران کار مدار المہام مقرر کرنے کا قاعدہ اٹھا دیا گیا۔ نواب وقار الامرا بعض مرتبہ وقار آباد وغیرہ کو تفریحاً چلے جاتے تھے کوئی نگران کار مدار المہام نہ رہتا تھا لیکن شملہ کے سفر کے وقت حضرت غفران مکان نے سب وزرا کے حقوق پر غور فرماتے ہوئے یہ تصفیہ فرما دیا کہ مہا راجہ کشن پرشاد پیشکار کی حیثیت سے امرا میں تفوق رکھتے ہیں اور وہی نگران کار مدار المہام رہینگے اس کے متعلق تفصیلی جریدہ غیر معمولی شائع ہوا - دو تین ہفتہ کا سفر تھا - اہم امثلہ ملتوی رکھنے کا حکم جریدہ میں شائع ہوا اور موقتی کام ہی دفاتر معتمدین سے نگران کار مدار المہام کے ملاحظہ میں روانہ کیاجانا قرار پایا مہاراجہ نے اس چند روزہ نگران کاری کے زمانہ میں اپنا جو کچھ کام کیا اوس پر کسی کو کسی قسم کی غلطی یا فرو گذاشت کی نکتہ چینی کا موقع نہ ملا - جب لارڈ کرزن کے زمانہ میں سنہ ۱۹۰۱ع میں حضرت غفران مکان کے ساتھ نواب وقار الامرا مدار المہام بھی ہم رکاب سفر کلکتہ تھے تو مہا راجہ کشن پرشاد دوبارہ نگران کار مدار المہام بنائے گئے -

معین المہامی عدالت و امور عامہ

نواب فخر الملک کھنڈالے کو موسم گرماں میں طویل رخصت پر پہلی مرتبہ جانے پر یہ قرار پایا کہ ان کے فرائض معین المہامی نواب افتخار الملک اور مہاراجہ کشن پرشاد کے سپرد کردئیے جائیں - صیغہ عدالت کی منصرمی کی ذمہ داری نواب افتخار الملک کے سپرد ہوئی اور باقی صیغوں کا کام مہاراجہ کشن پرشاد سے متعلق ہوا - مہاراجہ نے اس کام کو جو ان کے لئیے نیا تھا بحسن و خوبی انجام دیا اور عام طور پر یہ خیال اسوقت کے افسران معتمدی عدالت کا تھا کہ مہاراجہ کشن پرشاد جدید صیغہ جات تفویض ہونے کے باوجود کام سنجیدگی اور سمجھ کر کیا کرتے ہیں اور اپنی تجاویز میں اچھے ہدایات دیتے ہیں - اوس زمانہ میں مدرسہ دارالعلوم کے تقسیم انعام کا جلسہ منعقد کرنے کی کارروائی عرصہ سے چلی آرہی تھی اور اس کی مثل مہاراجہ کشن پرشاد کے پاس پیش ہونے پر انہوں نے خوشی سے آمادگی ظاہر کی کہ وہ اس جلسہ کی صدارت کریں گے اس مدرسہ کا جلسہ سالہاسال سے منعقد نہ ہوا تھا - پنجاب یونیورسٹی کے اسناد کامیابی اور اس کے ساتھ سرکار کی جانب سے انعام طلباء کو پہلی مرتبہ معین المہام تعلیمات کے ہاتوں عطا کرنا مناسب سمجھا گیا - مہاراجہ کشن پرشاد اس جلسہ میں آئے جلسہ میں عماد جنگ معتمد و عماد الملک ناظم تعلیمات وغیرہ اور دیگر حکام تعلیمات موجود تھے عماد الملک مرحوم نے روئداد پڑھی - مہاراجہ کشن پرشاد نے حسن اخلاق کے ساتھ

انعامات تقسیم کئیے خاص خاص طلباء کو دیکھ کر کچھ استفسار اور همت افزائی کے الفاظ ارشاد فرمائے آخر میں فی البدیه ایک مختصر تقریر بھی فرمائی اور مدرسه و تعلیم کے طریقه پر مناسب موزوں خیالات ظاهر کئیے جسکا حاضرین پر اچھا اثر پڑا ۔

ترغیبی تمغے برائے طلباء

طلباء کی ترغیب کے لئیے اوس زمانه میں مہاراجه کشن پرشاد نے تعلیمی کامیابی پر سالانه چند تمغے اپنے جیب خاص سے دینے کا اعلان کرایا جس میں مدرسه دارالعلوم کے لئیے ایک یا دو تھے اس کے بعد نواب فخر الملک نے بکثرت تمغے مڈل سے لیکر بی ۔ اے تک مختلف مدارس اور نظام کالج کے لئیے تجویز کئیے مدرسه دارالعلوم کے لئیے چھ تمغے پنجاب یونیوسٹی کے امتحانوں میں کامیاب ہونے والے طلباء کے لئیے دئے ان دونوں امرائے عظام کے تمغوں کے عطا فرمانے سے اسوقت طلباء کی بڑی همت افزائی هوئی تھی اور جن کو یه تمغے ملا کرتے تھے وه اس کو اپنے لئیے فخر و مباهات کا ذریعه سمجھتے ۔

لارڈ الجن وایسرائے هند کی آمد

مہاراجه کشن پرشاد کی پیشکاری و وزارت فوج کے ما قبل زمانه میں سنه ۱۸۹۶ع میں لارڈ الجن وایسرائے حیدرآباد آئے لارڈ الجن حیدرآباد آنے سے قبل ایلورا اورنگ آباد بھی آئے اور اعلحضرت غفران مکان کی جانب سے بطور سینیر نائب شاهی سے استقبال کی عزت مہاراجه کشن پرشاد کو عطاء هوئی اس کا تذکرہ مہاراجه بہادر نے اپنی سوانح میں بالفاظ ذیل کیا۔ آثار قدیمه خلدآباد و ایلورا پر مہاراجه نے ایک مختصر رساله بھی لکھا اور شائع فرمایا ۔

کیبنٹ کونسل

جو جریده غیر معمولی سنه ۱۳۱۰ھ میں انتظام ریاست کے لئیے شائع هوا اور جس کی روسے مہاراجه کشن پرشاد پیشکار و وزیر افواج مقرر هوئے اوسی میں قیام کیبنٹ کونسل کا حکم صادر فرمایا گیا ہے۔

وزیر فوج کی حیثیت سے مہاراجه کشن پرشاد کیبنٹ کونسل کے رکن تھے اور اس کے قیام کے ساتھ هی مہاراجه کشن پرشاد بھی اوس میں شامل هوئے اور یه کونسل مملکت آصفیه میں وزرائے سلطنت کے باهمی مشاورے اور اهم امور سلطنت میں حصه لینے کی ابتدائی بنیاد تھی ۔

نواب آسمانجاہ کے زمانه تک اراکین کونسل نے نظم و نسق کے معاملات میں دلچسپی لینے اور مشترکه ذمه داری میں حصه لینے کی کوشش کی اور بہت سے اهم معاملات میں جو مملکت کے نظم و نسق اور تخفیف مصارف یا حکومت آصفیه و برطانیه کے باهمی تعلقات سے متعلق تھے کیبنٹ کونسل کام کرتی رهی اور اس طرح کا کام اگرچه اسوقت کے مدارالمهام کے لئیے اون کے سابقه اقتدارات کو متاثر کرنے کا ذریعه سمجھا تھا مگر نواب وقار الامراء کے مدار المهام هوجانے کے بعد کیبنٹ کونسل کی ایسی عملیت

بڑی حد تک رک گئی ۔ اور یہ خیال کیا جاتا ھے کہ اس میں اس وقت کے رزیڈنٹ کا ھاتھ تھا وہ مدار المہام کو کونسل کی مشاورت سے آزاد رکھنا چاھتے تھے تا کہ حکومت برطانیہ کی مداخلتوں میں کونسل کی متفقہ رائے کا امکان نہ رھے۔

بہ حیثیت رکن کیبنٹ کونسل مہاراجہ کشن پرشاد کا کیا حصہ رھا ھے اوس کی اب تفصیل معلوم ھونا دشوار ھے اور واقعات پارینہ ھونے کی وجہ چنداں دلچسپ بھی نہ رھے ھیں البتہ چند اھم امور کا تذکرہ کیا جاتا ھے ۔

گوداوری ریلوے کمپنی کے قیام کے ساتھ معاھدہ کا مسودہ اس کونسل میں پیش ھوا تھا اور کچھ رقمی کفایت کے لئے چھوٹی پٹری کی ریل تجویز کی گئی تھی جو تجارتی ترقی اور ریلوے کی سہولتوں میں تجربہ سے مفید ثابت نہ ھوئی ۔ حکومت ھند کے ٹپہ خانے ممالک محروسہ کے اضلاع سے برخاست ھوئے سرکارین میں پوسٹل یونین کے اصول کو عمل میں لانے کی تحریک اسی زمانہ میں کیبنٹ کونسل نے کی تھی مگر رزیڈنسی کے اختلاف کی وجہ سے اس تحریک کو کامیابی نہ ھوسکی ۔ سب سے اھم معاملہ جس میں مہا راجہ کشن پرشاد نے دلچسپی لی تھی ایک کروڑ روپیہ قرضہ بنگال بنک سے لینے اور پھر بعد میں حکومت ھند سے دو کروڑ روپیہ قرض لینے کی کارروائی تھی قحط اور سقامت ھنگام کی وجہ سے سرکارعالی کی آمدنی متاثر ھوئی تھی اور حکومت ھند نے اپنے مالیہ کے تحفظ کے لئے ھندوستان کی طرح چاندی خرید کرنے اور جدید سکہ سازی کی ممانعت سرکارعالی کے لئے بھی کی تھی ۔ ان دونوں امور کے اثر اور قحط کی وجہ ھے امدادی کاموں کے لئے حکومت سرکارعالی کو رقم کی ضرورت تھی اور وقتاً فوقتاً جو عارضی قرضہ بنگال بنک اور ساھوکاروں سے لیا گیا تھا اونکی ادائی اور دیگر مالی ضروریات کے لئے ایک کروڑ روپیہ قرضہ لینے کی تجویز سنہ ۱۳۱۴ ھ میں کی گئی کہا جاتا ھے کہ ابتدائی تفصیلات اعلی حضرت غفران مکان کی پیشگاہ میں منظوری کے لئے پیش بھی کئے گئے تھے ان کے تفصیلات اخبار مشیر دکن نے شائع کردئے جس سے ملک کے اعلی حلقوں میں بے چینی پھیلی ۔ اعلی حضرت غفران مکان نے اس کارروائی کو منسوخ کرتے ھوئے چارہ کار کے متعلق تجاویز کیبنٹ کونسل سے دریافت فرمائے ۔ مہا راجہ کشن پرشاد نے قرضہ لینے کے خلاف بہ حیثیت رکن کیبنٹ کونسل معقول دلائل پیش کئے جسکا نتیجہ یہ ھوا کہ یہ قرضہ لینا مسترد کردیا گیا اور ریلوے اور معدنیات کے جو حصص سرکارعالی کی ملک تھے وہ بڑی حدتک فروخت کردئے گئے اور ۔ ۲۵ لاکھ روپیہ کے پرامیسری نوٹس جاری کرکے فوری ضرورتوں کا انتظام کیا گیا اس وقت سارے ملک میں پرامیسری نوٹوں کے اجرائی پر خوشی ظاھر کی گئی اور مطلوبہ تعداد سے پانچ گناہ رقم تک دینے کا پیش کش ھوا ۔ یہ کہنا پڑتا ھے کہ ما بعد کی مالی مشکلات کا صحیح اندازہ نہ کیا گیا اور نہ اس وقت زیادہ رقم کے پرامیسری نوٹس جاری ھوسکتے تھے اور ریلوے حصص فروخت کرنے کی ضرورت نہ رھتی ۔ اس کے دو سال بعد پھر دو کروڑ روپیہ

حکومت ہند سے بطور قرض لینے کی کارروائی حکومت سرکارعالی کی مالی مشکلات کی وجہ سے کی گئی حکومت ہند اور رزیڈنسی کی مشورت بلکہ اصرار سے پھر قرض لینے کی تجویز عمل میں آگئی ۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے ابتداء میں بہ حیثیت ذمہ دار وزیر و رکن کیبنٹ کونسل بارگاہ حضرت غفران مکان میں معروضات وغیرہ بھی گذرانے حضرت غفران مکان نے کیبنٹ کونسل سے رائے طلب فرمائی اور کونسل کے اجلاس کی بہ نفس نفیس خود حضرت نے صدارت فرما کر چارہ کار دریافت فرمایا ۔ ریاست کی آمدنی قحط کی وجہ سے کم ہوگئی تھی اور مصارف امداد قحط ناگزیر تھے ۔ بالآخر یہ قرضہ سنہ ۱۳۰۸ ف میں لیا گیا یہ معلوم نہ ہوسکا کہ پرامیسری نوٹوں کے ذریعہ قرض لینے کی کارروائی پہلے کی طرح کیوں نہ اختیار کی گئی ۔ بہر حال قرض لیا گیا اور سلطنت کی فوری ضروریات کو پورا کیا گیا اس قرض کا نتیجہ تھوڑی ہی مدت بعد لارڈ کرزن کے جدید معاہدہ برابر کی صورت میں نکلا جس میں برار کے حصہ ملک کو صوبہ متوسط کے ساتھ شامل کرنا حکومت سرکارعالی نے منظور کرلیا ۔ اس وقت تک برار کا صوبہ علحدہ تھا اور رزیڈنٹ حیدرآباد اس کا اعلیٰ افسر انتظامی تھا یا چیف کمشنر بنا تھا ۔

ایک مسئلہ جس میں مہاراجہ کشن پرشاد نے بڑی دلچسپی رکھنیت کیبنٹ کونسل کے زمانے میں لی تھی یہ تھا کہ قدیم طریقہ پر سررشتہ داریاں فوج کو باقی رکھا جائے ۔ قدیم نظم سلطنت میں پیشتر نظامت نظم جمعت قائم نہ تھی اور تھوڑے تھوڑے جمعداروں کی فوج کی کارروائی ایک ایک سررشتہ دار کے ذریعہ مدار المہام طے کیا کرتے تھے اور ان سررشتہ داروں کو ماہوار ملا کرتی تھی اور خود پیشکار سلطنت سے بھی چند جمعداریاں بطور سررشتہ دار متعلق تھیں ۔ قیام نظامت نظم جمعیت سے یہ سررشتہ داریاں غیر ضروری ہو گئیں ۔ اس سلسلے میں سررشتہ فینانس کی یہ رائے ہوئی کہ اب نظامت نظم جمعیت کے قیام کی وجہ سے سررشتہ داروں کا وجود غیر ضروری ہے ۔ ہر سررشتہ دار کے انتقال پر اوس کا عہدہ تخفیف کردیا جائے ۔

مہاراجہ کشن پرشاد نے قدیم طریقہ کو جاری رکھنے پر بہ حیثیت وزیر فوج اور رکن کیبنٹ کونسل بہت اصرار کیا ۔ سالہائے سال تک اس سلسلہ میں کارروائی ہوتی رہی بالآخر یہی طے ہوا کہ ان عہدوں کی چنداں ضرورت باقی نہیں ہے ۔

مجلس امراء | ایک کروڑ روپیہ قرضہ کی جب کارروائی ہوئی تھی اوس وقت مسٹر کرالی کنٹرولر جنرل سرکارعالی نے سنہ ۱۳۰۶ ف کے مالیہ پر ایک رپورٹ مرتب کی اور وہ شائع بھی کردی گئی اوس میں سرکارعالی کے مالیہ کو متزلزل ہونے اور مصارف بڑھجانے اور آمدنی کم ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت غفران مکان کے افزایش اخراجات شاہی کا عملی پہلو نکالا گیا حضرت غفران مکان نے چار امراء کی ایک مجلس قائم کی جس میں نواب آسمان جاہ ۔ نواب خورشید جاہ مہاراجہ کشن پرشاد نواب افتخار الملک

شامل تھے ۔ اس رپورٹ پر غور کرنے اور آیندہ مالیہ کے استحکام اور مصارف کی تخفیف کے تجاویز مرتب کرنے کی ذمہ داری اس مجلس پر عاید کی گئی نواب آسمان جاہ نے اس میں شرکت سے مصلحتاً معافی طلب کی ۔ خود مہا راجہ کشن پرشاد نے اپنی خودنوشتہ سوانح عمری میں اس کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے اوسکی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

” سر وقار الامرا کے دور میں بعض ناعاقبت اندیش عہدہ داروں نے خزانہ شاہی کو حلوائی کی دوکان سمجھکر لوٹ مار شروع کردی تھی۔ جب اسکے متعلق پیشگاہ خسروی میں اطلاع ہوئی ۔ اور بہت سی بد نظمیوں کی خبر ملی تو سرکار نے انکی تحقیقات کے لئے ایک مجلس مقرر کی ۔ اور وہ مجلس امراء کے نام سے ناسزد ہوئی ۔ اس مجلس کے میر مجلسی کا تاج نواب سر خورشید جاہ کے سر پر آفتاب ہوکر چمکا ۔ اور دو رکن انتخاب کئے گئے۔ ایک نواب افتخار الملک بہادر معین المہام کوتوالی ۔ اور دوسرا رکن خانہ زاد شاد یہ فدائی نمکخوار سرکار فلک اقتدار ۔ چنانچہ جس فرمان کے ذریعہ سے رکنیت کی عزت کا سہرا میرے سر باندھا گیا اسکی نقل یہ ہے ۔

نقل فرمان

سردار ویلا

راجہ کشن پرشاد بہادر

فینانس کی تحقیقات اور قرضہ کی ادائی کےلئے مجلس امراء قائم کی گئی ہے جسکے متعلق فرمان جریدہ اعلامیہ میں شائع ہوگا ۔ اس مجلس کی رکینت کا فخر آن بہادر کو عطا کیا گیا ۔ آن بہادر اس مجلس کے کام میں بدل و جان مصروف ہو جائیں ۔ اور اپنی خیر خواہی کا عملی طور سے بخوبی ثبوت دیکر باعث خوشنودی اس جانب و موردالطاف ما بدولت ہو جائیں “ ۔

تقریباً ایک سال تک اس مجلس کا کام نائبین میں ہوتا اور اس کے مفید نتائج سے بہت کچھ اصلاح نظم و نسق میں ظہور پذیر ہوئی ۔

۲۷ ۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۶ھ کو اس مجلس کا کام حسب الحکم شاہی اتمام کو پہونچا اور جلسہ برخاست ہوگیا اراکین مجلس خوشنودی شاہی کے خلعت سے سرفراز ہوئے چنانچہ جو فرمان حضرت کی خوشنودی کا میرے نام نافذ ہوا وہ آیہ رحمت ہے ۔

سردار ویلا

مہا راجہ کشن پرشاد بہادر

مجلس امراء بالفعل برخاست کردی جاتی ہے جس مستعدی لیاقت اور خیر خواہی

کے ساتھ آن بہادر نے اس مجلس کا کام انجام دیا اسکی ما بدولت بہت قدر کرتے ہیں اور ہماری خوشنودی کا اظہار جریدہ اعلامیہ میں کیا جائے گا۔

۲۷ - ربیع الاول سنہ ۱۳۱۶ ھ روز سہ شنبہ — شرحد ستخط مبارک ،،

مجلس رپورٹ پیش کرنے کے بعد برخاست ہوگئی مگر اسکی آخری رپورٹ شائع نہ کی گئی البتہ مجلس کی وہ رپورٹ شائع ہوئی جس میں شاہی ازدیاد مصارف پر مسٹر کرالی کنٹرولر جنرل کی رپورٹ پر تنقید کی گئی تھی - نظم و نسق کے سررشتوں میں تخفیف مصارف بظاہر ناقابل عمل ہی نظر آئی اور مجلس امراء کی رپورٹ پر عملی حکم تخفیف مصارف نہ دیا گیا اور پھر اس کے بعد بھی دو کروڑ روپیہ کا قرضہ ناگزیر ہوگیا اور غالباً قحط کی وجہ سے تخفیف مصارف کی پالیسی نامناسب سمجھی گئی نواب وقار الامرا مدار المہامی سے سبکدوش ہو جانے کے بعد محکمہ فینانس سر جارج واکر کی ذمہ داری میں دیا گیا اور مالیہ ریاست کا استحکام مہا راجہ کشن پرشاد کی مدار المہامی کا کارنامہ شمار ہوسکتا ہے -

حضرت غفران مکان کی سالگرہ | سرکار عالی کے مالیہ کی دشواریاں حضرت غفران مکان اور وزرائے سلطنت و رعایا سب کے لئے تردد کا باعث تھیں اور اوس زمانہ میں پہلی مرتبہ بنک اف بنگال سے قرض لینے کو مسترد فرمانے کے بعد یہ شہرت ہوئی کہ سرچچلی پلوڈن رزیڈنٹ وقت نے حضرت غفران مکان کی کار فرمائی سلطنت پر گورنر جنرل کے پاس نکتہ چینی کی رپورٹ پیش کی ہے - پہلے یہ طریقہ تھا کہ مدار المہام بامید منظوری بہت سے امور اقتداری ذات شاہانہ کو عمل میں لالیا کرتے تھے اور بعد میں اطلاعی عرضداشت گذرانی جاتی اور ذات شاہانہ کے کام کے بھی اوقات معین نہ تھے تجویز استرداد قرضہ کے ساتھ حضرت غفران مکان نے اس کا التزام فرمایا کہ زیادہ وقت امور سلطنت میں دیا جائے اور یہ بھی ہدایت مدار المہام کو کردی گئی کہ تمام اقتداری ذات شاہانہ امور میں اولا عرضداشت گذرانی جائے اور منظوری خسروی کا انتظار کیا جائے - نواب سر امین جنگ بہادر کو معتمد پیشی کی حیثیت سے حضرت غفران مکان کی پیشی میں کام کا شرف حاصل ہوا اور کار فرمائی سلطنت میں ایک نیا رنگ پیدا ہوگیا یہ سنہ ۱۳۱۶ ھ کا زمانہ تھا اور حضرت غفران مکان کی تینتیسویں (۳۳) سالگرہ منعقد ہو رہی تھی رزیڈنٹ وقت کے رجحان کے لحاظ سے مہا راجہ کشن پرشاد اور اکبر الملک کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شاہی سالگرہ خاص اہتمام سے منائی جائے تاکہ ذات شاہانہ کی ہر دلعزیزی کا اور رعایا کی وفا داری کا اظہار عام طور پر ہوسکے - نہ صرف رزیڈنسی بلکہ گورنمنٹ آف انڈیا اور ہندوستان کی عام پبلک پر ذات شاہانہ کے ساتھ اونکی رعایا کو جو عقیدت ہے اوس کا اظہار کردیا جائے اس خیال کی بناء پر مہا راجہ کشن پرشاد کی صدارت میں مختلف طبقات ملک سرکاری وغیر سرکاری افراد کی کمیٹیاں بنائی گئیں اور یہ اہتمام کیا گیا کہ تمام رعایا کا باغ عامہ میں اور ہر طبقہ رعایا کا ایک علحدہ جلسہ

ملک پیٹھ کی شرط گاہ پر سردار ویلا کے قریب منعقد کیا جائے جہاں اوس زمانہ میں حضرت غفران مکان کا نزول اجلال تھا - باغ عامہ جوبلی پیویلین کی جو شاندار عمارت اب تعمیر ہوئی ہے وہاں خوبصورت شیڈ تیار کیا گیا اور اوسکی رنگ وغیرہ سے آراستگی عمل میں لائی گئی اور سالگرہ کے دن حضرت غفران مکان باغ عامہ میں رونق افراوز ہوئے سپاسنامہ رعایا قبول فرمایا اور خود زبان شاہی سے اوس کا جواب ارشاد ہوا - تمام شب شہر میں روشنی کی گئی تھی - شاہی تقریر بڑی دلچسپ اور اہم سیاسی ارشادات پر مشتمل تھی اوس کے بعد چند ہفتوں کے فصل سے ملک پیٹھ میں روزانہ ایک ایک طبقہ کا جلسہ منعقد ہوتا رہا اور اس میں اسپورٹس وغیرہ کے بعد متعلقہ طبقہ کی جانب سے سپاسنامہ گذرانا جاتا اور جواب شاہانہ ارشاد ہوتا تھا نذریں بھی قبول ہوتی تھیں اور جلسہ گاہ میں روشنی وغیرہ بھی کی جاتی تھی اوسکے بعد سواری حضرت غفران مکان شکار شیر کے لئے ساسڑ پلی جاگیر مہا راجہ کشن پرشاد میں رونق افروز ہوئی - جشن سالگرہ حضرت غفران مکان اور رونق افروزی جاگیر کا جو تذکرہ مہا راجہ نے اپنی سوانح میں کیا ہے اوس کا اقتباس بھی درج ذیل ہے -

”۸ - ذیحجہ سنہ ۱۳۱۶ھ کو بغرض شکار شیر ظل سبحانی خلیفتہ الرحمانی کی سواری باد بہاری موضع ساسڑ پلی میں جلوہ افروز ہوئی آفتاب سلطانی کا اس موضع میں شرف بخشنا یہ میرے اوج مقدر کی دلیل ہے -“

یہ شرف میرے خاندان میں کسی کو نصیب نہیں ہوا کہ بندہ نواز بادشاہ وقت ۱۴ روز تک اپنے خانہ زاد فدوی کی جاگیر میں مع محلات شاہی خیمہ زن ہوا ہو -

اسکی مفصل ہسٹری اس کتاب میں لکھنے کی اس لئے ضرورت نہیں خیال کرتا کہ خاص اس سفر و سیلۃ الظفر کے حالات قلمبند کرکے کتاب کے قالب میں طبع اورشائع کئے گئے ہیں اور اوس کا نام شکار شیر شاہی رکھا گیا ہے ناظرین نے اوس رسالہ کو معاینہ فرمایا ہوگا“ -

دوسرے سال سنہ ۱۳۱۷ھ میں بھی اسی طرح حضرت غفران مکان کی ۳۴ وین سالگرہ منائی گئی اور مہا راجہ بہادر کی سرپرستی رہنمائی کا اہم ترین حصہ ان جلسوں کے انتظام میں رہا کرتا تھا - نواب خورشیدجاہ اور نواب وقار الامرامدار المہام کو ایک ایک جلسہ میں طلب کیا گیا تھا یہ چیز ان جلسہ ہائے سالگرہ میں نظر آتی تھی کہ بعض دیوانی کے اعلی عہدہ دار اوس میں شریک نہ کئے جاتے تھے نواب فخر الملک بہادر نے دونوں سالگرہ کے جلسوں میں تعلیمات کی طرف سے جلسہ منعقد کیا تھا اس سالگرہ کے موقع پر عام رعایا سپاسنامہ کے جواب میں حضرت غفران مکان نے اپنے کلکتہ کے سفر کا بھی ذکر فرمایا تھا جسکی دعوت لارڈ کرزن وایسرائے وقت نے دی تھی اور حیدرآباد کی رعایا میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اب تک کسی نظام نے وایسرائے کی

ملاقات کے لئے پیش قدمی اون کے دار الحکومت میں اس سے پہلے نہ فرمائی تو اس مرتبہ تقدیم بھی اسکے خلاف نہ ہونا چاہئے اس کے متعلق حضرت غفران مکان نے اپنے خیالات کو ظاہر فرماتے ہوئے رعایا کی بے چینی دور فرمائی اور دوسرے طبقات رعایا کے سپاسناموں میں بھی حکومت کے نظم و نسق اور سلطنت کی ذمہ داری کے متعلق بلیغ اشارات و ارشادات فرمائے ۔ پہلے سال کے سپاسناموں اور شاہی تقریروں کا ایک مجموعہ بھی کمیٹی سالگرہ نے شائع کیا تھا وہ جو بڑا دلچسپ تھا مگر وہ اب نایاب ہے ۔ دوسرے سال کے جلسوں کا اب سواد نہ لکھا گیا

حضرت غفران مکان کلکتہ کو تشریف لے گئے اور واپسی کی تقریب پر بھی حیدرآباد میں رعایا نے خوشی کا جشن منایا اور تمام شہر میں چراغاں کئے گئے حضرت غفران مکان جب کنگ اڈورڈ کی تاج پوشی کے دلی دربار سے دار السلطنت تشریف لائے واپسی پر بھی اسی طرح کا جشن منعقد کیا گیا تھا ۔ اب ان جشنوں کے دیکھنے والے زیادہ باقی نہیں رہے ہیں ان جشنوں کے مصارف مختلف طبقات کے چندوں سے پورے کئے جاتے تھے مہا راجہ کشن پرشاد بھی اوس میں کافی حصہ لیا کرتے تھے اور خود اون کی دیوڑھی میں خاص طور پر روشنی کی جاتی تھی ان شاہی جشنوں کی وجہ سے مہا راجہ کشن پرشاد کا تقرب حضرت غفران مکان کی پیشگاہ میں زیادہ ہونے لگا اور ان کی مدار المہامی کی بنیاد اسی اظہار وفا داری کی بدولت اور مستحکم ہو گئی ۔

کلکتہ کو تشریف فرمائی حضرت غفران مکان کے وقت بعض افراد اسٹاف شاہی کو مہا راجہ بہادر نے جو خطوط لکھے تھے وہ رقعات شاد میں طبع ہوئے ہیں ۔ جس سے اونکی شاہ پرستی و تعلق خاطر کا اظہار ہوتا ہے ۔

مہاراجہ کشن پرشاد سر آسمان جاہ کی مدار المہامی میں عہدہ جلیلہ پیشکاری اور وزیر فوج پر سرفراز ہوئے اوس زمانہ میں نواب وقار الامرا معین المہام مال و نائب میر مجلس کیبنٹ کونسل تھے ۔ سنہ ۱۳۱۱ھ میں وہ مدار المہام ہوگئے اسکے بعد اس کونسل کی نیابت پر کوئی سرفراز نہیں ہوا مگر مہا راجہ کے حسن ادب و مراعات شاہی کی وجہ سے مہا راجہ کشن پرشاد کا مدار المہام کے بعد وزرائے میں شمار ہوتا تھا ۔ نواب آسمان جاہ کے انتقال کے بعد مدار المہامی کی وجہ نواب وقار الامرا کا اعزاز نواب خورشید جاہ کا امیر کبیر پائیگاہ ہونے کی وجہ تھا اوسکے بعد مہا راجہ کشن پرشاد کا تیسرا درجہ امرائے عظام میں شمار ہونے لگا ۔

حضرت غفران مکان نواب وقار الامرا کے کام کو نا پسند فرمانے لگے ۔ اکبر الملک کوتوال جن کو تقرب شاہی حاصل ہوگیا تھا نواب وقار الامرا کے مخالف ہوگئے تھے اونکے خلاف بارگاہ شاہی میں ریشہ دوانی کر رہے تھے مہا راجہ کشن پرشاد اور نواب وقار الامرا میں بھی دوستی و یکجہتی قائم نہ رہی ۔ سر چچلی پلوڈن رزیڈنٹ

نواب وقار الامرا کے دوستوں میں سے تھے رواج یہ پڑگیا تھا کہ مدار المہام کے عزل و نصب میں گورنر جنرل کی غیر سرکاری رضا مندی و پسندیدگی پہلے معلوم کرلی جائے اس لئے سر چچلی پلوڈن کی موجودگی میں حضرت غفران مکان نے تبدیلی مدار المہام کے سلسلہ کو چھیڑنا پسند نہ فرمایا ۔ لارڈ کرزن کے وایسرائے ہوئے ایک سال گذراتھا سر چچلی پلوڈن طویل رخصت قبل از وظیفہ لے کر انگلستان چلے گئے اور سر ڈیوڈ بار رزیڈنٹ ھو کر آئے ۔

ریاستوں کے معاملات میں انگریزی پالیسی یہ رہی تھی کہ رزیڈنٹ کی تبدیلی کے بعد اگر فرمان روائے سلطنت کو اپنے مدار المہام کی سبکدوشی پر اصرار ہو تو اوس سے اتفاق کرلیا جائے ۔

سر ڈیوڈ بار اور اکبر الملک مہم سندھ میں جو وہاں کے مسلمانوں کے خلاف برطانوی حکومت نے شروع کی تھی شریک تھے اور دونوں کی رفاقت بھی تھی حیدرآباد آنے پر انھوں نے سر ڈیوڈ بار کو اپنے پرانے خدمات یاددلائے اور قدمبوسی کی اجازت چاھی اگر چہ اکبر الملک کا دفتری رکارڈ رزیڈنسی میں اچھا نہ تھا اور سابق رزیڈنٹ کا خیال ذاتی تجربے کے بنا پر خراب تھا مگر سر ڈیوڈ نے انکو ایک موقعہ ملاقات کا دیا سر ڈیوڈ بار کو جنگ سندھ کی رفاقت یاد آگئی اور دونوں میں باھمی گفتگو سے پرانی دوستی تازہ ھوگئی کہا جاتا ھے کہ اکبر الملک نے حیدرآبادی ماحول اور وقار الامرا کے حالات اور منشاء حضرت غفران مکان وغیرہ سے واقف کراکر تبدیلی وزارت کے میدان کو ھموار کراکے اپنی طاقت کو بڑھا لیا ۔ بہر طور تبدیل وزارت کے پیش خیمہ کے طور پر اولا بعض اعلی عہدہ داران دیوانی کی وظیفہ یابی اور حیدرآباد سے اخراج عمل میں آیا جن میں سید علی حسن صاحب ناظم بندوبست حسن بن عبد اللہ عماد نواز جنگ کمشنر کروڑگیری راجہ سرینواس راؤ مہتمم خزانہ عامرہ تھے۔ اسکے بعد حضرت غفران مکان نے مہا راجہ کشن پرشاد کی مدار المہامی پر سرفراز فرمائی کا پورا ارادہ فرمالیا ۔ سر ڈیوڈ بار کو بھی اوس سے مطلع کردیا گیا اعلی حضرت غفران مکان نے مہا راجہ کشن پرشاد کو حکم صادر فرمایا کہ وہ رزیڈنٹ سے شخصی ملاقات کریں تعمیلا مہا راجہ کشن پرشاد نے سر ڈیوڈ بار سے ملاقات کی دونوں میں دوستانہ گفتگو ھوئی اور اس موقع پر رزیڈنٹ نے پرتپاک گفتگو کرتے ھوئے یہ دریافت کرلیا کہ مدار المہام ھونے کی صورت میں اون کی پالیسی کیا رہے گی ۔ مہا راجہ کشن پرشاد نے اعلی حضرت کی اطاعت اور ہر دو سرکارین کی خیر سگالی اپنا مسلک بتلایا دوران ملاقات میں رزیڈنٹ نے اشارون اشاروں میں واضح کردیا کہ انھیں مدار المہامی کےلئے تیار رھنا چاھئے ۔ اس گفتگو کی اطلاع مہا راجہ کشن پرشاد نے حضرت غفران مکان کو بھی کردی اس تقرر کے متعلق لارڈ کرزن کی رضا مندی بھی حاصل کرلی گئی ۔

مدار المہامی پر سرفرازی کا اعلان لارڈ کرزن کی رضا مندی کے بعد حضرت غفران مکان نے قدیم دستور کے مطابق نواب ناصرنواز الدولہ کو نواب سر وقار الامرا کے پاس روانہ فرمایا انھوں نے منشاء خسروی سے سر وقار الامرا کو آگاہ کیا کہ حسب دستور قدیم چھ ماہ کی رخصت خاص کی درخواست بربناء نا سازی مزاج پیش کردیں اور عہدہ نیابت دیوانی کی مہروں کو جو عموماً ہر مدار المہام کو بطور اعزاز و لوازمہ عہدہ عطا ہوتے تھے واپس کردیں۔ اس کے بعد مہا راجہ کشن پرشاد کو بارگاہ خسروی میں طلب فرما کر مدارالمہامی کے عہدہ جلیہ پر سرفراز فرمایا ملک میں اولا تعجب سے اس خبر کو سنا گیا چونکہ حیدرآباد کی رعایا مرضی شاہ ذی جاہ کے تابع رہا کرتی تھی اس لئے اس اطلاع کے شائع ہوتے ہی اعلی حکام جاگیر دار منصب دار اور دیگر طبقات ملک کا رنگ بدل گیا اور وہ جوق جوق ایوان پیشکاری میں تہنیت کی نذر دینے حاضرہونے لگے اور روزانہ مہاراجہ بہادر کی ڈیوڑھی میں ایک میلہ سالگا رہنے لگا۔ حیدرآباد میں جسکو مدارالمہامی یا صدارت عظمی کا مرتبہ حاصل ہو اس کا مسکن اہل خدمات و حاجات کا مرجع بن جاتا ہے مہا راجہ چندو لعل کی سبکدوشی کے بعد انکی دیوڑھی کی وہ رونق باقی نہ رہی تھی مہا راجہ نرندر پرشاد کے پیشکاری کے وقت کچھ چہل پہل نظر آتی تھی جو عارضی مدار المہامی کے وقت اور بڑھ گئی لیکن عماد السلطنت کی مدار المہامی کے خبر سنتے ہی ختم ہوگئی۔ جس کا عبرت آموز ذکر مہا راجہ کشن پرشاد ہی کے الفاظ میں اپنے مقام پر درج ہوگا۔

رعایا کا اظہار مسرت بتدریج اظہار خوشی ہونے لگا اور اضلاع و بلدہ سے پیامات تہنیت بھی آنے لگے۔

ہوا خواہان مہاراجہ مرحوم نے چند دن بعد باغ عامہ میں بہت بڑا تہنیتی جلسہ بھی منعقد کیا جس میں اظہار تہنیت کیا گیا نظمیں پڑھی گئیں اب تک مدار المہامی کے تغیر پر اس قسم کے پبلک جلسہ تہنیت نہ ہوا کرتے تھے۔

سنجیدہ طبقوں میں تغیر مدار المہامی پر خاموشی سے نتائج کا انتظار ہونے لگا کہ تغیرات کی بھی پیش بینی ہونے لگی۔

آغاز کار فرمائی عموماً حیدر آباد میں یہ طریقہ عرصہ سے رہا ہے کہ مدارالمہام کا دفتر پیشی خاص بڑی حدتک اون کے ہی دیوڑھی میں رہے اور نئے مدار المہام عہدہ وزارت کا کام بغیر اوسی دفتر کے اپنے طور پر چلائے اس طریقہ کی وجہ وقت ضرورت اہم کاغذات کی عدم موجودگی سے دشواریاں محسوس ہوتی رہی تھیں مگر اخلاقاً اس کو گوارا کر لیا جاتا تھا۔ میر عالم منیر الملک۔ سراج الملک و مختار الملک۔ عماد السلطنت کے دفتر مدارالمہامی تعلقات قرابت کی وجہ ایک جگہ محفوظ تھے مہاراجہ چندو لعل نے اپنی مدار المہامی کے بعد دفتر کو طلب کرنا مناسب نہ سمجھا ان کا اور مہاراجہ نرندر

پرشاد کا دفتر اون کی دیوڑھی میں رہا آسمان جاہ وقارالامرا کا اون کے پاس رہ گیا ۔ مہا راجہ کشن پرشاد کا پہلا کام جب مبارک باد دینے والوں کا ھجوم چند روز کے بعد ختم ہو گیا یہ تھا کہ مدار المہام کے اسٹاف اور دفتر پیشی کا انتظام کیا جائے اب تک یہی ہوتا رہا تھا کہ سابق مدار المہام کے پاس کام کرنے والا ملازم وظیفہ پر سبکدوش ہوجاتا یا کسی تحت کی خدمت پر روانہ کردیا جاتا اور معتمد پیشی کے نام سے کوئی عہدہ نہ رہتا تھا بلکہ ایک خاص اعلی عہدہ دار یا معتمد جن پر مدار المہام کا اعتماد ہوتا عملا معتمد پیشی کا کام کرتے وہ روزانہ بار یاب ہوتے اور اہم امثلہ و کاغذات کو جو دفاتر معتمدین وغیرہ سے حصول حکم کیلئے آتے بعد معائنہ علحدہ کاغذات پر اپنا مختصر نوٹ لکھدیا کرتے ۔ حضرت غفران مکان نے مدار المہام ہونے سے قبل مہاراجہ بہادر سے یہ اقرار نامہ لیا تھا کہ ایک خاص عہدہ دار یا معتمد سے مثل سابق پیشی مدار المہامی کا کام نہ لیا جائے اور اسٹاف کے خدمات اور لوازمہ عہدہ مدار المہامی پر زیادہ صرفہ نہ ہو۔ سکریٹیٹ سرویس فنڈ نہ رکھا جائے مہاراجہ کشن پرشاد نے یہ مناسب خیال کیا کہ جو تین چار اہل کار اون کے پاس وزارت فوج کے زمانہ سے متعین رہے تھے وہی دفتر پیشی مدارالمہامی کا کام کریں مولوی محمد علی صاحب کا تعلق نظم جمعیت سے تھا اور امتیازی ماھوار دو سو کے اندر ملا کرتی تھی وہی پیشی مدار المہامی کا کام انجام دیں اور دوسرے تین چار اہلکار جو صاف نویسی یا وصولی کاغذات یا اجرائی کاغذات و امثلہ پیشی وزیر فوج کا کام کرتے تھے اب پیشی مدار المہامی میں اس کام کو انجام دیں ۔

سابق مدار المہاموں نے عہدہ اے۔ ڈی ۔ سی کے متعلق یہ طریقہ رکھا تھا کہ اپنے حسب دلخواہ افراد کو اس خدمت پر مامور کرتے تھے اب یہ تصفیہ ہوا کہ جس طرح انگریزی حکومت کا دستور ہے ان خدمات پر فوجی کمیشنڈ عہدہ دار مامور کئے جائیں اور اون کو اپنی ماھوار کے علاوہ الونس دلایا جائے اور دو افسر بہ حیثیت اے۔ ڈی ۔ سی مامور ہوں اور باری باری سے ایک ایک دن پیشی میں حاضر رہیں اون کا کام زیادہ تر ملاقاتوں کا انتظام اور اس قسم کا رہے جیسا کہ انگریزی حکومت میں اے۔ ڈی ۔ سی کیا کرتے ھیں ۔ مہاراجہ بہادر کے اے۔ ڈی ۔ سی کی خدمت پر میجر وزیر یاورالدولہ اور کپٹن سردار پریم سنگھ متعین کئے گئے جو انتہائی موزوں افراد تھے اور مستعدی و خوش اخلاقی سے ایک طرف مدار المہام کا اعتماد حاصل کیا تو دوسری طرف ملاقاتیوں کی بھی اخلاق سے تشفی کرتے ۔ چند سال بعد میجر وزیر یاور الدولہ ناظم نظم جمعیت ہو گئے اور کپٹن سردار پریم سنگھ بھی مددگاری معتمد فوج پر تبدیل ہو گئے ۔ میجر قطب الدین احمد میجر شاہ مرزا بیگ ان عہدوں پر مامور ہوے ۔ اصل امثلہ کے پیش کرنے کا کام مولوی محمد علی صاحب سے ہی تمام مدت مدار المہامی مہاراجہ تک متعلق رہا تھا اور اون پر مہاراجہ کو کامل اعتماد تھا ۔ دفتر پیشی کی ضروریات میں اختر یار جنگ مینائی سے بھی کام لیا جاتا تھا ۔ اپنی وزارت فوج کے زمانہ سے مہاراجہ بہادر اون کو اپنی جیب خاص سے ماھوار دیا کرتے تھے اور ادبی و شاعری اصلاحات اور تالیف و تصانیف میں بھی ان سے مشورت کیا کرتے ۔

مدار المہامی کے بعد بھی بار یاب رہے۔ ضروریات پیشی مدار المہامی میں بھی کچھ کام متعلق رھتا تھا بعد میں یہ مددگار معتمد عدالت کی خدمت پر مامو رھو گئے کبھی کبھی مہاراجہبہا د ر یا د کرلیا کرتے یا عید ین و تقاریب وغیرہ کے موقع پر حا ضر ہوتے تھے دربار دھلی کے وقت سا تھ رکھاتھا ۔ کچھ عرصہ بعد جب فریدون ا لملک کا ا رتباط مہا راجہ مرحوم سے وسعت پا گیا تو مولوی عبد العز یز صاحب جو فر یدو ن الملک کے اھلکار پیشی سے ترقی کرتے ہوئے نائب معتمد سیا سیات کی خدمت تک ترقی پائے تھے اور فریدون الملک کا تادم زیست کامل اعتماد رکھتے تھے اور اھم ترین امورسلطنت میں اون سے فریدون الملک کام لیتے تھے خود فریدون الملک کے حسب ھدایت بہت ضروری اشلہ کی یاد دھانی اور نشاندھی کےلئے مولوی محمد علی صاحب کے پاس آتے اور پیچیدہ اور اھم مسائل میں مولوی محمد علی صاحب اون سے نوٹ لکھوا تے تھے یہ سب اندرونی صورت حال تھی ۔ دفتر پیشی میں زیادہ عملہ نہ تھا ۔ چار پانچ افراد ھی کام کرتے تھے اور تنخواھیں بھی بہت کم تھیں ۔ جو ماھوار اون کو زمانہ وزارت فوج ملا کرتی تھی اوس پر فی صدی پچاس الاونس زاید ملتا تھا ۔ ازدیاد ماھوار میں فینانس سے استصواب کرنا اور منظوری خسروی لازمی تھی یہ مہا راجہ بہادرکوپسند نہ تھا ۔ مہا راجہ اپنی ذات سے انعام و اکرام دیا کرتے اتفاقاً کبھی کوئی خدمت خالی ہوتی تو مولوی محمد علی صاحب اپنے حسب صوابدید بعد اطلاع مہا راجہ بہادر کسی کو مامور کرلیتے مگر دو افراد زمانہ وزارت فوج سے آخر مدار المہامی تک مامور رہے۔ یہ عملہ پیشی بالآخر صدارت عظمی کے دفتر میں منتقل ھوا اپنے عملہ پیشی کو مہا راجہ باہر ترقی سے روانہ کرنا پسند نہ کرتے تھے اوس زمانہ کا قاعدہ یہی تھا ۔ مدار المہامی سے دفاتر معتمدین اشلہ کی روانگی کے بعد یاد دھانی تحریر یا ٹیلیفون کے ذریعہ نہ کرتے تھے اور نہ کسی معتمدی کے مددگار و صیغہ دار کسی مثل کی تلاش میں آسکتے تھے ۔ خاص صورتوں میں خود معتمد سررشتہ دفتر پیشی سے نیم سرکاری وغیرہ کے ذریعہ مراسلت کرلیا کرتے تھے ۔ معین المہامان سلطنت بھی جو کچھ لکھنا ھوتا مثل اور گزارش پر لکھدیا کرتے اور وہ علحدہ تحریر یا بالمشافہ گفتگو کو چندان پسند نہ کرتے تھے در اصل یہ مرکزی انتظام حکومت میں ایک نقص ھی سمجھا جاسکتا ھے کہ مدار المہامون اور معین المہامون میں اھم معاملات سلطنت پر باھم گفتگو کی نوبت نہ آتی تھی اوس کے بجائے ھفتہ میں معتمدین کی پیشی کا دن مدار المہام کے پاس مقرر رھتا تھا اور اسکی وجہ بعض اوقات یہ نظر آتا تھا کہ طبقہ امراً کے معین المہا مان کار فرمائی اور انتظام سلطنت میں زیادہ اقتدار نہ رکھتے ھیں ۔ معتمد اور نظماً سررشتہ کی بات زیادہ چلتی ھے ۔ مگر محکمہ فینانس کی حدتک مہا راجہ بہادر شاذ و نادر ھی دخل دھی کرتے تھے ۔

حضرت غفران مکان کا مطمح نظر یہ تھا کہ مدار المہام امور سلطنت کا پورا ذمہ دار رہے ۔ گورنر جنرل یا رزیڈنٹ کی مشورت براہ راست بندگان خسروی سے ھو تو

اس صورت میں به صیغه رازمدار المہام کی رائے بھی عموماً طلب فرمائی جاتی تھی معاهده برار ۔ تقرر مسٹر واکر دھلی دربار کے اصولی امور اور دوسرے اهم معاملات سلطنت میں راست مراسلت حضرت غفران مکان اور رزیڈنسی سے ہوتی مگر اولاً مراسلت وایسرائے و رزیڈنٹ پر وہ مہا راجه بہادر کی رائے عرض کرنے کا بانسلاک مراسلت فرمان بہ صیغه راز صادر ہوتا ۔

نواب امین جنگ بہادر معتمد پیشی خسروی تھے اون کا بھی اصول همیشه یہی رہا کہ مدار المہام کو پورا باخبر رکھا جائے تا کہ احکام سے پہلے مدار المہام کی رائے حاصل کرلی جائے ۔ مہا راجه مرحوم کی مدار المہامی میں اصول نظم و نسق استوار ہوا ۔ حضرت غفران مکان کے شاهانه اقتدارات جس میں عرضداشتیں گزران کر منظوری حاصل کرلی جاتی تھی معین کردئے گئے تھے اور مدار المہام کے اقتدارات بھی معین ہوچکے تھے ۔

مہا راجه کا طریقه عمل

جب مہا راجه مدار المہامی کے طریقه کار سے واقف ہوگئے تو همیشه اونہوں نے اپنا طریقه عمل به رکھا کہ جہاں تک ممکن ہو فرامین خسروی کی پوری تعمیل کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو امور اقتدارات شاهی میں اولاً احکام خسروی حاصل کئے جائیں ۔ دوسرا اصول مہا راجه مرحوم نے یه رکھا کہ رزیڈنسی اور حکومت هند سے اچھے تعلقات رکھے جائیں اور جہاں تک ممکن ہو رزیڈنسی کو یا حکومت هند کو شکایت کا یا مداخلت کا موقع نه دیا جائے ۔ تیسرا اصول یه رکھا گیا کہ براہ راست مدار المہام نظم و نسق میں مداخلت نه کریں جہاں تک ممکن ہو معین المہام جن صیغوں میں ہوں اونکی اور جن صیغوں میں نه ہوں وہاں معتمد کی رائے سے خاص صورتوں میں ہی اختلاف کیا جائے اور تا امکان نظم و نسق کو تدریجی ترقی کا موقع دیا جائے ۔ محکمه فینانس سیاسیات ۔ مالگزاری میں تو اور بھی کم مداخلت کی جاتی تھی تا ہم یه بھی نه تھا کہ محض ٹپه رسانی کی صورت ہو جائے ۔ فریدون الملک سر جارج واکر اور مسٹر ڈنلاپ کو وقتاً فوقتاً مہا راجه مرحوم اور دیگر معتمدین کو بھی اهم صورتوں میں اپنے خیالات سے مطلع کرتے رہتے تھے اور اس کے نگران رہتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو کوئی چیز حضرت غفران مکان کے منشا کے خلاف نه ہو اور کوئی جدید چیز ملک کے منافی یا ریاست کے قدیم طریقه کار اور اصول حکومت میں داخل نه ہونے پائے ۔

مہا راجه بہادر نے اپنا عمل یه رکھا تھا کہ وقتاً فوقتاً رزیڈنٹ سے ملاقات کرتے اور تفصیلی بحث و گفتگو بالمشافه اصولی معاملات سلطنت میں کیا کرتے اور اسکی کوشش کی جاتی کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات اچھے رہیں اور ساتھ ہی سلطنت کے معاملات میں مداخلت نه ہونے پائے البته جن امور پر لارڈ کرزن اون کے بعد کے گورنر جنرل اپنی رائے قائم کرلیا کرتے تھے اوس میں مجبور رہتے تھے تاہم بڑی حدتک مہاراجه

بہادر رزیڈنسی سے سلطنت کے اقتدارات و تحفظ کےلئے تدبر کے ساتھ گفتگو کیا کرتے سلطنت آصفیہ اعلی حضرت غفران مکان کے حقوق اور منشا کو واضح کردیا کرتے تھے۔ ایسی با لمشافہ گفتگو فائدہ مندھی ہوا کرتی تھی۔ ختم ملاقات کے بعد دیوڑھی واپس ہوکر مہا راجہ بہادر ایک یاد داشت تفصیلات ملاقات پر اپنے قلم سے لکھدیا کرتے اور عموماً اسکو حضرت غفران مکان کے ملاحظہ میں بصورت عرضداشت گزران دیا کرتے اور خاص صورتوں میں جب کوئی معاملہ تصفیہ طلب ہوتا تو بندگان عالی کی ھدایت بھی فرمان مبارک کے ذریعہ اون کو مل جاتی تھی۔ معاملات خارجہ اور رزیڈنسی کی اس قسم کی کارروائیوں کے امثلہ جو اہم اور بصیغہ راز ہوا کرتی تھیں یہ سب امثلہ مہا راجہ بہادر کی پیشی میں ھی رہا کرتی تھیں ایسی تمام عرضداشتیں پیشی مدار المہامی سے ملاحظہ خسروی میں راست گزران دی جاتی تھیں اور فرمان مبارک بھی بصیغہ راز صادر ہوتا اور مہا راجہ خود اپنی پیشی میں رکھ لیتے تھے پھرترسیل نقل یا اصل" فرمان مبارک سے مدار المہام کی دستخط سے معتمد متعلقہ کو تحریراً تعمیل یا کارروائی کےلئے ایما کیاجاتا۔ راز کے معاملات کے سوا باقی تمام اصل فرامین معتمدی متعلقہ کو روانہ کردیئے جاتے۔ نقل دفتر پیشی میں رکھ لی جاتی اور جو عرضداشت پیشگاہ خسروی میں گزرانی جاتی اوسکی بھی نقل دفتر پیشی میں رہتی اونکی امثلہ دفتر پیشی میں مرتب ہوا کرتیں ما سبق مدار المہاموں کے پاس اس قسم کا اصول نہ تھا۔ عام دفتر پیشی مدار المہام بعد سبکدوشی مدار المہامی منتقل ہوا اور وہ باب حکومت میں موجود ہے اور عملا پچاس سالہ نظم ونسق کا لب لباب مہا راجہ بہادر کی روشن خیالی و جدت کی وجہ دفتر صدارت عظمی میں موجود ہے۔ کیونکہ بعد کے مدارالمہام اور پھر ہر صدر اعظم انہی اصول پر عمل پیرا رہے۔

راز کا دفتر پیشی مدار المہامی مہا راجہ بہادر کے پاس ہی محفوظ تھا۔ بعد انتقال مہا راجہ بہادر دفتر صدارت عظمی میں طلب کرلیا گیا۔ جس میں اصل عرضداشتیں اور اصل فرامین مبارک یا نقول امثلہ کی صورت میں محفوظ ھیں اور اون سے مہا راجہ بہادر کے ذاتی کام اور اونکی احتیاط و تدبر سیاست کا بہترین اندازہ ہوتا ہے۔

بعض اہم تغیرات | مدار المہامی کے بعد مہا راجہ بہادر نے اس کا اندازہ فرمایا کہ کن عہدہ داران حکومت مرکزی پر زیادہ اعتماد اور کن کو سبکدوش کرنا مناسب ہے شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی اس وقت تعمیرات عامہ۔ آبپاشی۔ صفائی۔ ریلوے۔ معدنیات کے معتمد تھے فینانس پر مسٹر واکر کے آنے کی وجہ سے معدنیات اور ریلوے کے صیغے محکمہ فینانس سے متعلق کردیئے گئے تھے باقی تین سررشتے تعمیرات عامہ سے ہی متعلق رکھے گئے شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی کو وظیفہ دیدیا گیا اور وہ بعد وظیفہ کئی سال تک انگلستان میں مقیم رہے۔ مولوی سید علی بلگرامی کے متعلق یہ تصور کیا گیا کہ وقار الامرا مرحوم کے ہواخواہوں میں سے تھے اور سازش میں

حصہ لیا کرتے ہیں اس لئے ان کو وظیفہ دیدیا گیا ۔ اصل صورت یہ تھی کہ اکبر الملک کوتوال اون کو پسند نہ کرتے تھے اور فریدون الملک سے بھی ان کی صفائی نہ تھی اس لئے وہ سبکدوش ہو گئے ۔ معتمدی تعمیرات پر مولوی کاظم علی صاحب صدر مہتمم صفائی بلدہ ہوے۔ چند ماہ تک صفائی کا کام بھی اون سے ہی لیا جاتا تھا پھر صفائی چادر گھاٹ اور بلدہ کا انضمام ہو گیا اور مولوی کاظم علی صاحب ہی تعمیرات کے مستقل معتمد ہو گئے اور مہاراجہ مرحوم اون پر اعتماد رکھتے تھے ۔ اور انہوں نے تعمیرات عامہ کے نظم و نسق کو اچھا بنانے کے لئے بہت محنت کی ہے تاآنکہ پیرانہ سالی سے وہ وظیفہ یاب ہو گئے ۔

عہدہ مدار المہامی کے دو ڈھائی سال بعد عماد جنگ معتمد عدالت کا انتقال ہو گیا مگر جب تک وہ مامور بہ کار تھے حضرت غفران مکان اور مہاراجہ کو اون پر اعتماد تھا اور وہ معتمدین میں اہم حیثیت رکھتے تھے ۔ مدارالمہامی کی ابتداء میں فرید الملک پر مہاراجہ کو زیادہ اعتماد نہ تھا اور یہ خیال تھا کہ وہ بھی سبکدوش ہو جائیں گے مگر چوں کہ رزیڈنسی کو اون پر اعتماد تھا اس لئے کچھ عرصہ بعد اون کا تقرب مہاراجہ کشن پرشاد کے پاس ہونے لگا اور وہی مہاراجہ کی کار فرمائی میں صاحب اثر ہوئے ۔

فرید الملک جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا ضابطہ اور سہولت و مصلحت سے کام طے کرانے کی کوشش کرتے تھے حضرت غفران مکان کے منشا کو ایک طرف ملحوظ رکھتے تھے تو دوسری طرف حکومت ہند اور رزیڈنسی کا بھی وہ خیال رکھتے تھے اور ہمیشہ اون کی کوشش رہتی تھی کہ باہمی خیر سگالی سے کام نکلتا چلا جائے ۔

وقار الامرا کے زمانہ مدار المہامی میں مجلس مالگزاری قائم ہو گئی تھی اورمعتمدی مالگزاری کا کام اولا محکمہ فینانس سے متعلق کردیا گیا تھا جب اعظم یار جنگ معتمد فینانس کا انتقال ہو گیا تو مجلس مالگزاری کو بھی معتمدی مالگزاری سرکار عالی کی حیثیت دیدی گئی تھی ۔ مہاراجہ کی ابتدائی مدار المہامی کے وقت یہ مسئلہ زیر غور ہوا کہ مجلس مالگزاری مناسب ہے یا حسب سابقہ معتمدی و معین المہامی قائم ہونی چاہئے ۔ اس بارے میں حضرت غفران مکان نے مہاراجہ کی رائے بھی طلب فرمائی اور غور و خوض کے بعد یہ مناسب معلوم ہوا کہ مجلس مالگزاری کی چنداں ضرورت نہیں ہے حسب سابق معتمدی مالگزاری کا قیام مناسب حال ہوگا اسوقت یہ مسئلہ زیر غور ہوا کہ اراکین مجلس مالگزاری کن خدمات پر مامور کئے جائیں بالاخر یہ فرمان حضرت غفران مکان کا شرف صدور لایا کہ مجلس مالگزاری تخفیف کردی جائے او ر معتمدی مالگزاری قائم معین المہام کا تقرر متعاقب ہو گا سردست مدارالمہام ہی معین المہامی کا کام بھی انجام دیں ۔ نواب مقتدر جنگ اور رائے مرلیدھر اراکین مجلس مالگزاری تھے اون کو صوبہ داری میدک و ورنگل پر تبدیل کردیا گیا قوت یاور الدولہ صوبیدار میدک کو جو وقار الامرا مرحوم کے سمدھی تھے اور ایک وقیع جاگیر دار بھی تھے وظیفہ پر سبکدوش کردیا گیا

مولوی سید امیر حسن منصرم صوبه دار ورنگل تعلقداری پر واپس کردے گئے مسٹر ڈنلاپ کے لئے قدیم خدمات انسپکٹری جنرل مال و بندو بست بنائی گئی اور معتمدی مالگزاری پر مولوی سید غلام رسول صاحب کا منصرمانه تقرر کیا گیا جو مجلس مالگزاری کے معتمد اور سات سو روپیه ماهانه تنخواه پاتے تھے مولوی سید غلام رسول صاحب اگرچه انگریزی سے ناواقف تھے تاهم تجربه کار اور باخبر عهده دار تھے مگر ان کی حیثیت اول تعلقدار سے بھی کم سمجھی جاتی تھی - معتمدی پر ان کا تقرر مسٹر ڈنلاپ اور دوسرے اراکین مجلس مالگزاری کو ناگوار هوا اور مسٹر ڈنلاپ کو یه معلوم تھا که معتمد کے مقابل انسپکٹر جنرل مال کا عهده عملاً کوئی اهمیت نهیں رکھتا هے اور انهوں نے کرنل بار رزیڈنٹ کے توسط سے یه سلسله جنبانی کی که اون کو معتمد مالگزاری بنادیا جائے اور مولوی غلام رسول صاحب کو اول تعلقداری وغیره پر بھیجدیا جا سکتا هے- اثرات رزیڈنسی اس وقت بهت زیاده کام کر رهے تھے فرید الملک اور عماد جنگ سے رائے دریافت کی گئی تھی وه اس موقع پر خاموش هوگئے - بالاخر مسٹر ڈنلاپ کو معتمد بنایا گیا اور حضرت غفران مکان نے اپنے سابقه فرمان کے احترام میں مولوی غلام رسول صاحب کو شریک معتمدی پر مامور فرمادیا اور اس طرح یه خیال که سررشته مالگزاری کی معتمدی پر اهل ملک اپنی کار فرمائی اور قابلیت کو ادا کرسکیں ملتوی ره گیا آگے چل کرجب واکرصاحب معین المهام فینانس بنادیے گئے تو ڈنلاپ صاحب نے بھی اس کی سلسله جنبانی کی که اون کو بھی معین المهام مالگزاری بنا دیا جائے حضرات غفران مکان ایک سے زیاده انگریز افسر کو معین المهام بنانے پر راضی نه هوئے البته اندرونی طور پر سمجھا دیا گیا که جب تک ڈنلاپ صاحب معتمد مال رهیں گے کوئی جدید معین المهام مالگزاری کاتقرر نه هوگا -اور وه راست مدار المهام کے پاس کاغذات سررشته مالگزاری حکم مناسب کے لئے پیش کرتے رهیں گے - یه اسوقت کی حکمت عملی تھی که مالگزاری و کوتوالی اضلاع پر انگریز افسر هی کار فرما رهیں اور مهاراجه بهادر کی مدار المهامی اور حضرت غفران مکان کی زندگی میں یهی اصول جاری رها -

ان انتظامات کے علاوه سب سے اهم تغیر فینانس پر ایک برٹش انڈیا کے تجربه کار انگریز سیول سرونٹ کی ماموری هے- عماد السلطنت و آسانجاه کی مدار المهامی میں چند سال بارش کم هوئی اور حکومت هند کی کرنسی پالیسی کی بناء پر جسکی وجه سے سرکارعالی کے لئے مثل برٹش انڈیا چاندی خرید نے اور تسکیک کا موقع مسدود هوگیا مالیه سلطنت متزلزل هونے لگا - اور یه مناسب خیا ل کیا گیا که برٹش انڈیا کے فینانشیل سرویس کے ایک افسر کو سرکار عالی کا کنٹرولر جنرل بنایا جائے مسٹر کرالی اس پر مامور هوئے اونکے زمانه میں بھی قلت بارش و قحط کا سلسله رها اور مالیه سرکار عالی متاثر هوگیا بالاخر اولا ۲۵ لاکھ روپیه کے پرامیسری نوٹ سرکار عالی نے جاری کئے بعد میں دو کروڑ روپیه کلدار حکومت هند سے قرض لیا گیا -

مسٹر کرالی اپنی مدت مستعار کے اختتام پر ملازمت سرکارعالی سے واپس کردئیے

گئے مہا راجہ بہادر کی مدار المہامی کے وقت عماد جنگ اول معتمد فینانس اورمہاراج آصف نواز ونت صدر محاسب تھے سلسلہ قحط رفع ہوکر مالیہ سلطنت کا توازن قایم نہ ہوا تھا یہ بھی شہرت دی گئی کہ سابقہ مدار المہاموں اور خاص کر نواب وقار الامرا کے زمانہ میں مصارف سلطنت زیادہ ہوگئے ماہوارات خاص بھی بکثرت اجرا ہوئے جس میں تخفیف کی گنجائش ہے ۔ مہا راجہ کی مدار المہامی کے بعد لارڈ کرزن گورنرجنرل نے حضرت غفران مکان کو براہ راست مشورہ دیا کہ مالیہ سرکارعالی اچھی حالت میں نہیں ۔ تخفیف مصارف و افزایش ذرائع آمدنی کےلئے ایک انگریز اعلی عہدہ دار کی خدمات تین سال کےلئے عارضی طور پر حاصل کئے جائیں اعلی حضرت غفران مکان نے اس مشورہ کو قبول فرمالیا تو مسٹر جی سی واکر پنجاب سیول سروس کے ایک تجربہ کار عہدہ دار کو معتمدی فینانس سرکارعالی کی خدمت کےلئے حکومت ھند نے انتخاب کیا اور اعلی حضرت نے اس کو قبول فرمالیا اون کے آنے میں چند ھفتوں کی دیر تھی حضرت غفران مکان نے حکم فرمایا کہ عماد جنگ اپنے مستقل عہدہ معتمدی عدالت وکوتوالی کا جایزہ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب منصرم معتمد سےلے کر تا جایزہ مسٹر واکر معتمدی فینانس کا کام بھی کرتے رہیں مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اول تعلقداری پر تبدیل کردئیے گئے ۔

فینانس میں دار الضرب کاغذ سمہور معتمدی امور عامہ سے اور ریلوے و معدنیات معتمدی تعمیرات عامہ سے منتقل کردئیے گئے۔ کورٹ آف وارڈز کا صیغہ معتمدی عدالت سے محکمہ مال میں منتقل ہوا ۔ لارڈ کرزن حیدرآباد آنے کے بعداون کے مشورے سے مسٹر واکرمعین المہام فینانس بنائے گئے مگر یہ بھی صراحت ہوئی کہ اس عہدہ پرعارضی تین سالہ تقرر ہوا ہے اور یہ معین المہام فینانس اور رکن کیبنٹ کونسل نہ رہیں گے ۔

باب ششم

مدار المہامی

واقعات زمانہ مدار المہامی

مہاراجہ بہادر اپنی ساجی اور ثقافتی زندگی میں جاگیرداری زمانے کا بہترین نمونہ تھے ۔ ان کے اخلاق ان کی منکسرالمزاجی کی ساری کیفیتیں ۔ دل آزاری سے پرہیز ۔ آداب محفل کی پابندیاں ۔ اقلیم سخن کے ایک ہنرمند سحر کار ہوتے ہوئے بھی دوسروں کے علم و کاوش کی مدح سرائیاں و روایات خاندانی کی پابندیاں ۔ پھر بادشاہ کی ذات کے ساتھ اگلی سی عقیدت مندیاں ۔ ان سب میں مہاراجہ بہادر ٹھیک جاگیردارانہ رنگ لئے ہوئے تھے وہ ایک اعلی جاگیردار کے دماغی شعور میں رچے ہوئے تھے ان سب اوصاف کے ہوتے ہوئے ان کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ وہ تصوف کے رنگ میں ڈوب گئے تھے ۔ ان وجوہ سے ان کا اس زمانے کی مشینی تہذیب سے مختلف ہونا لازمی تھا لیکن انہوں نے جو روش اختیار کی اس کی بدولت وہ نئے ماحول کے اثر میں بڑھتی ہوئی نسلوں اور انگریزی سوسائٹی کے دلدادوں کے لئے ایک حیرت انگیز شخصیت بن گئے تھے وہ اپنی روایات خاندانی اور ساج کی وجاہت کی پابندی میں اپنے اگلوں سے بھی قابل احترام نظر آنے لگے وہ زمانے کے ایسے دوراہے پر کھڑے تھے جہاں ایک طرف سے تو مغرب کی تقلید کے طوفان بڑھتے چلے آتے تھے اوردوسری طرف سے گو کہنہ مگر برسوں کی سینچی ہوئی اپنے آبا و اجداد کی تہذیب کی ندی خاموشی اور سکون کے ساتھ دھیرے دھیرے بہتی چلی آرہی تھی ۔ طوفان کے شور کو انہوں نے دور ہی رکھا اور نئی تہذیب کے ان دھاروں کو جن میں ہنرمندیوں کی بجلیاں چھپی ہوئی تھیں پرانی لہروں سے ملا کر ایک نیا سنگم پیدا کیا حکومت کی کارکردگی کو بڑھانے کے لئے انہوں نے انگریزی طرز کی حکومت کی اچھائیوں کو قبول کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گذشتہ تین مدار المہاموں کے زمانہ میں جو تشویش ناک صورتیں پیدا ہوتی رہتی تھیں وہ بند ہوگئیں ۔ ان کے چودہ سالہ وزارت کا زمانہ ہر طرح سے کامیاب ثابت ہوا ۔

حکومت کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی ملک میں سکون رہا وہ خود رعایا میں بھی ہردل عزیز رہے اور حکومت انگلیشیہ سے بھی وہ اعزاز پائے جو کسی ریاست کے دیوان یا وزیر کو نصیب نہ ہوا ۔ ان کے مدار المہام ہوتے ہی نواب ظفر جنگ شمس الملک معین المہامی فوج پر سرفراز ہوئے ۔ میجر پرسی گاف عرصہ دراز تک سرکار عالی کی سرویس میں رہے دوسرے فرائض انجام دینے کے بعد وہ معتمد فوج کے عہدہ پر فائز ہوئے ۔ مہاراجہ بہادر و دیگر ذمہ داران سلطنت سے انکے تعلقات دیرینہ تھے طویل رخصت قبل از وظیفہ پر ملازمت سے سبکدوش ہوگئے ان کے بعد ایک سال تک شریک معتمد سید امراللہ شاہ معتضد جنگ معتمد رہے اور شریک معتمدی تخفیف کردی گئی پھر میجر ماہر الدولہ مرزا عبداللہ بیگ خدمت کمانڈنگ افسری فرسٹ لانسرسے معتمد فوج ہوئے ۔ وہ مہاراجہ بہادر کے زمانہ مدار المہامی میں معتمد فوج رہے ان کا مہاراجہ بہادر سے بہت ھی دوستانہ تعلق رہا ۔ میجر ماھر الدولہ نے سررشتہ فوج سرکار عالی کے متعلق اچھی اور نمایاں خدمت انجام دی ۔ اور فوج باقاعدہ کی درستی و ترقی میں بہت کچھ حصہ لیا ۔

۵ سال بعد جب نواب شمس الملک کا انتقال ہوگیا مہاراجہ بہادر دورہ پر تھے اس خبر وحشت اثر سے ان کو بہت رنج و ملال ہوا ۔ اون کی جگہ پر نواب خان خانان کی معین المہامی کا بطور معین المہام فوج اور زاید رکنیت کیبنٹ کونسل پر نواب مظفرجنگ کی سرفرازی مہاراجہ بہادر کے مشورے سے عمل میں آئی اور اس کا نظم و نسق سلطنت پر اچھا اثر پڑا ۔ نواب فخر الملک دو مرتبہ رخصت لیکر باھر گئے تو اون کی منصرمی نواب مظفر جنگ کو عطا ہوئی ۔ اپنے ھم اثر معین المہامان سلطنت سے مہاراجہ بہادر نے ہمیشہ دوستانہ روابط قائم رکھے ۔ اگر امورسلطنت میں اختلاف ھوتا بھی تو تعلقات دوستانہ میں فرق نہ آتا ۔ مہاراجہ مرحوم نے معین المہاموں کے آنریریم میں اضافہ اور ان کی تعداد بڑھانے کی طرف توجہ کی مگر سرجارج واکر اس معاملے میں پیچیدگی پیدا کرتے رہے اور یہ معاملہ پیشی حضرت غفران مکان میں زیر غور رہا ۔

حضرت غفران مکان حکومت کی وزارتوں پر امراکو ھی سرفراز کرتے اور اون کے با اختیار رہنے کے حامی تھے لارڈ کرزن کی تجویز اوراصرار کی وجہ سے معین المہامی فینانس پر صرف عارضی طور سے انگریز سیویلین افسر کا تقرر ہوا ۔ ان سے بھی مہاراجہ بہادر کے اچھے تعلقات رہے ۔ واکر صاحب سینیر معین المہاموں سے اپنی حیثیت اونچی رکھنا چاھتے تھے ۔ مہاراجہ لطایف الحیل سے اون کو ٹالتے رہے ۔ مہاراجہ نے کیبنٹ کونسل میں نظم و نسق کے امور کو زیادہ لانا شروع کیا وہ اس کونسل کو مشاورتی نہیں بلکہ انتظامی کونسل بنانا چاھتے تھے جو کہ کونسل میں ذمہ داران فینانس و مال جو انگریز تھے شامل نہ تھے اس لئے وہ اس تجویز کو پسند نہ کرتے تھے نیز دونوں سرکاروں کے تعلقات کی وجہ بھی اوس وقت کیبنٹ کونسل کو زیادہ ذمہ دار بنانا حضرت غفران مکان کو پسند نہ تھا ۔

حیدر آباد میں تین سال کام کرنے کے بعد سرجارج کیسن واکر نے سرکار عالی کی ملازمت میں رہنے کی یہ شرط پیش کی کہ حیدری صاحب صدر محاسب بنائے جائیں اور

مہاراج آصف نواز ونت صدر محاسبی سے سبکدوش کردیئے جائیں - اور یہ ظاہر کیا کہ اس عہدے پر برٹش انڈیا سے کسی کو لے لینے کی وجہ سے آئندہ اون کے واپسی کے وقت کسی جدید معین المہام کی ضرورت نہ ہوگی اس خیال سے اس استدعا کو حضرت غفران مکان نے منظور فرمالیا اور اس طرح سلطنت آصفیہ میں حیدری صاحب کو ملازمت کا موقع ملا اور ۳۰ سال سے زاید عرصہ تک وہ یہاں اہم ترین کام کرتے رہے۔ سنہ ۱۳۲۰ف میں سر جارج کیسن واکر وظیفہ پر چلے گئے اور رزیڈنسی کی سفارشوں سے حیدری صاحب کو نظر انداز کرکے سر ریجنالڈ گلانسی معین المہام بنائے گئے -

مذکورہ بالا اہم تغیرات مہاراجہ بہادر کے طویل زمانہ میں مرکزی حکومت کے اعلی خدمات پر ہوئے -

مہاراجہ معین المہاموں اور معتمدوں کے ساتھ اچھے روابط رکھتے تھے اور اس کا پورا خیال رکھتے تھے کہ ضابطہ کی پابندی نظم و نسق کی پیش روی میں ہو اور بلاوجہ کوئی مداخلت ذمہ دار افسران کے کام میں نہ کیجائے - ترقیوں میں کارگزاری سینیارٹی کا لحاظ رکھاجائے - تقررات میں اہل ملک کے حقوق کا خیال کیا جائے اور بیرون ملک افراد کے تقرر شاذ و نادر خاص ضرورت پر ہی ہوں انگریز اعلی عہدہ داروں کا وجود انتظام سلطنت میں رزیڈنسی و فارن آفس کے اثر سے گوارا کیا جانا پڑا - مہاراجہ اپنے اقربا اور متوسلین کے معاملات میں اپنا اثر استعمال نہ کرتے تھے - البتہ اہل حاجت کی کاربرآری میں کوشاں رہتے اور اون کو ناخوش نہ کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے دوسروں سے اپنی سفارش بھی کیا کرتے تھے مگر چوں کہ اس کا اندازہ نہ رہتا تھا کہ دوسروں کے مقابل اون کے کیا حقوق ہیں اس لئے ایسی سفارش پرھمیشہ عمل کرنا عہدہ داروں کے لئے مشکل تھا لیکن مہاراجہ اپنی نیکی کی وجہ اس کا چنداں خیال نہ فرماتے - بہرحال مہاراجہ مرحوم کے زمانہ مدار المہامی میں نظم و نسق کا معیار ترقی کرتا رہا اور عام طور پر صیغہ جات سلطنت کی کارکردگی برٹش انڈیا کے صوبوں سے بڑھکر نہ تھی تو کم بھی نہ تھی -

مہاراجہ کی مدار المہامی کے چند ماہ بعد لارڈ کرزن حیدرآباد آئے برار کے انضمام کو صوبہ متوسط سے کرنے کا اور بہت بڑی تعداد جمعیت بیقاعدہ کی تخفیف کرنے کا معاہدہ حضرت غفران مکان کو لارڈ کرزن سے کرنا پڑا اس کے متعلق مہاراجہ بہادر کی خیر سگالی اور شاہی اعتماد اور حقوق سلطنت کے لئے جد و جہد اسلہ میں موجود ھے - لیکن حیدرآباد کے باہر اس معاملے میں بہت کچھ مہاراجہ بہادر کی ذات پر حملہ کیا گیا جس کا تذکرہ ہم اس کتاب کے شروع میں کرچکے ہیں لیکن جو لوگ انگریزی سیاسی حکمت عملی سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ باوجود ہزار مخالفت کے تقسیم بنگال ہوکر ہی رہی حیدرآباد کا اس سے بدتر حشر ہوتا یہ امر کہ مہاراجہ بہادر انگریزوں کی سیاست عملی سے ایک امیر ہونے کی وجہ سے واقف نہ تھے اس کا جواب اس سے بہتر کیا ہوسکتا ھے کہ مہاراجہ کی ایک مطبوعہ کتاب رقعات شاد میں سے جو سنہ ۱۳۱۷ھ میں اور آج

سنہ ۱۳٦۸ ھجری میں شائع ہوئی تھی ایک خط نقل کردیں جو انہوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا ہے (کتاب مذکور صفحہ ۱٦۸ سے ۱٦۹ تک) (اور دور کیوں جاؤ ھندوستان کی تاریخ دیکھو . . . . . تاوالسلام) اس خط کے الفاظ ھی نہیں پوری سطرین پڑھیئے اس میں بین السطور بہت کچھ مطلب نظر آئے گا اور آپ کو ماننا پڑیگا کہ وہ ھندوستان کی سیاسی تاریخ پر عبور رکھتے تھے - اگر سارا حیدر آباد ایک زبان ھو کر بھی کرزن کی مخالفت کرتا تو یہ ھی جواب ملتا کہ مرھٹوں کا ملک ھے تمہارا کیا ھے - سر علی امام نے جو سیاسی تدبیریں کیں ان کا جواب آخر وھی تو ملا جو لارڈ ریڈنگ کا تاریخی خط بنکر ھندوستانی ریاستوں کی تاریخ میں رہ گیا - کیا برار کے معاملے میں جو کچھ ھوا ھے وہ کانگریس کو نیچا دکھانے اور مرھٹوں کا زعم توڑنے کے لئے ھوا جس کی بدولت وھاں کے مسلمانوں سے مرھٹوں کو اور نفرت ھو گئی اور ۱۰ - اگست سنہ ۴۷ کے بعد سے جو کچھ ھوا اسکا خمیازہ بیچارے مسلمانوں ھی کو بھگتنا پڑا - تخفیف فوج بے قاعدہ کو عملا جلد سے جلد نافذ کرنے کے لئے بعد میں حضرت غفران مکان نے ھدایات دیں تاھم مہاراجہ بہادر نے جمعداروں امتیازیوں سپاھیوں کے حقوق کو ملحوظ رکھنا چاھا - اور بتدریج تخفیف عمل میں لائی گئی - اس تخفیف اور منصب کی وراثتوں میں کمی منصب جاگیرداروں کے جمود وغیرہ سے قدیم شرفا کے حال پر شدت سے جو اثر پڑرھا تھا مہاراجہ مرحوم محسوس کرتے رھے مگر رفتار زمانہ کے باعث وہ بے بس تھے - دھلی دربار تخت نشینی شاہ اڈورڈ ھفتم و جارج پنجم یہ اھم مواقع مہاراجہ کی مدار المہامی میں ھی پیش آئے ان موقعوں پر اور دیگر امور سرکاری میں حقوق سرکار عالی کا تحفظ مہاراجہ کو ھمیشہ مد نظر رھا - اور ھدایات شاھی کی تعمیل احتیاط سے کرتے تھے -

مہا راجہ کے دور مدار المہامی میں قحط کا سامنا نہ ھوا کئی سال مقامی طور پہ خشک سالی ھو گئی تھی بلکہ ملک میں امن و عافیت خوشی و خوش بختی کا دور دورہ رھا - البتہ دو مرتبہ طغیانی رود موسی کی وجہ دار الحکومت حیدرآباد کو شدید نقصان جان و مال برداشت کرنے پڑے جس کا انتظام نہایت مستعدی سے کیا گیا اور اوس میں مہا راجہ نے بڑی محنت و جفا کشی سے حصہ لیا - انکے آخری دور حکومت میں طاعون بلدہ حیدرآباد میں نمو دار ھوا اور اوس سے رعایا کو پریشانی رھی علاج معالجے کی پوری سہولتیں مہیا کی گئیں اور ایسے مہلک مرض کی روک تھام کی پوری تدبیریں کی گئیں - جارج پنجم بہ حیثیت پرنس آف ویلز جب ھندوستان میں آئے تو انھوں نے حیدرآباد کی بھی سیر کی - مہا راجہ کی ابتدائی مدار المہامی میں امرائے اعظم پائیگاہ وقار الامرا اور خورشید جاہ کا انتقال ھوگیا پائیگاہ ھر ایک کے فرزند شمس الملک و سلطان الملک کی نگرانی میں رھی اون کے بھائیوں نے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کی تو حضرت غفران مکان نے ھر ایک کو تا تصفیہ عدم مداخلت کی ھدایت دی - شمس الملک کے انتقال کے بعد اون کے فرزند لطف الدولہ نگران پائیگاہ رھے اور سلطان الملک کی دماغی علالت پر اونکو انگلستان روانہ کرکے اونکی والدہ جہاندار النساء بیگم صاحبہ کی نگرانی

رھی ۔ عدم تصفیہ و تقسیم حصص پائیگاہ کی وجہ پائیگاھوں میں پہلے کی عظمت باقی نہ رھی بعض اور امرائے عظام اور زمینداران سمستان کے انتقال کی وجہ سے حیدر آبادی امرا کے روایات و اعزاز متاثر ہونے لگے ۔

محکمہ فینانس ومالیہ سرکار عالی

واکر صاحب تجربہ کار سیویلین تھے برٹش انڈیا کے مختلف سررشتوں کے کام کا انھیں تجربہ تھا نہایت جفاکشی و گہری نظر سے کام کرنے والے افسر تھے ۔ اونھوں نے سرکارعالی میں بہت خوش اسلوبی سے کام کیا ھے ۔ اگر چہ انگریز اعلی افسروں کو وہ کم کرنا پسند نہ کرتے تھے اور ھمیشہ ان میں اضافہ کرنے کی تاک میں لگے رھتے تھے ۔ بہ حیثیت مجموعی اون کا کام نظم و نسق میں ریاست کے لئے مفید ثابت ھوا ۔ مہا راجہ بہادر اون کے کاموں میں غیر ضروری مداخلت نہ کرتے تھے ۔

مہا راجہ کے زمانہ میں قحط و خشک سالی کے اثرات ختم ہونے سے آمدنی سلطنت زیادہ ھوگئی حکومت ھند سے چاندی کی خریداری اور جدید سکہ سازی کے امور طے کئے گئے اور اھتمام کے ساتھ جدید عمارت دارالضرب محکمہ فینانس کے متصل تعمیر کی گئی ۔ اس کی بدولت تین چار سال میں ھی آمدنی ریاست بڑھنے لگی ۔ تخفیف تعداد افسران و عمال اور ماھوارات کی کمی کی صیغہ جات نظم و نسق میں عام طور پر ضرورت نہ رھی ۔

استحکام مالیہ وتحفظ سلک سرکارعالی

سکہ کا انتظام مستحکم ھو جانے سے اور آمدنی کے سال بہ سال خوش بختی سے اضافہ کی بدولت مالیہ سلطنت مستحکم ھوتا ھی گیا ھر سال کافی رقم سلک میں رہ جاتی تھی اور اس سلک کو سرمایہ نفع آور میں محفوظ کرنے کا انتظام کیا گیا گورنمنٹ آف انڈیا کے پرامیسری نوٹس ھر سال معتدبہ مقدار میں خریدنے کے لئے بھی سلک لگائی جاتی تھی جسکی تفصیل متعاقب کی جائیگی ۔ بعض اوقات کسی برٹش انڈیا کی بہتر کمپنیوں کے شیرز یا ڈبنچرز بھی خریدے گئے ۔

سر جارج کیسن واکر نے حیدری صاحب کے مشورہ سے جو سرمایہ محفوظ پرامیسری نوٹس وغیرہ کی صورت میں موجود ھوگیا تھا اوس کے متعلق یہ انتظام کیا کہ وہ مختلف محفوظات سرمایہ کے طور پر علحدہ علحدہ محسوب کیا جائے ایک حصہ سرمایہ استحکام سکہ عثمانیہ کے نام سے رکھا گیا تاکہ سکہ کے متعلق حالات ناموافق ھو جائیں تو اس وقت اس سرمایہ محفوظ سے کام لیا جائے ۔

دوسری اھم سلک محفوظ انسداد قحط کے لئے رکھی گئی کہ کسی سال گرانی اور قحط کا اندیشہ ھو تو اس کو کام میں لایا جائے ۔ تیسری سلک انفکاک ریلوے کمپنی کے نام سے رکھی گئی اور اس طرح اور بھی کچھ محفوظات رکھے گئے اور ھر سال سلک

کی محفوظات کی مقدار زیادہ ہوتی چلی گئی اور اوسکی وجہ سے سرکارعالی کا سکہ اور مالیہ مستحکم حالت میں آگیا اور چونکہ سکہ کی تسکیک سے بھی کافی مقدار میں رقم بطور منافعہ حاصل ہوتاتھا اس لئے خود بخود سکہ سازی سے منافعہ حاصل ہونے لگا۔

تسکیک سکہ کے لئے دارالضرب کا قیام اور انتظام

تسکیک سکہ کے کام کے لئے مسٹرانگلش کی خدمات دار الضرب کے لئے حاصل کی گئیں جو بمبئی کے دارالضرب میں کام کرتے تھے اونکی نگرانی میں دار الضرب اور کاغذمہور کے لئے لاکھوں روپیہ کی مشنری خریدی گئی نئی عمارات تعمیر ہویں اور یہ محکمہ جلد ترقی پا گیا ۔ تسکیک سکہ کے لئے چاندی کی بھی خریداری لاکھوں روپیہ کی ہر سال ہوا کرتی تھی ۔ اوس زمانہ میں یہ خیال مسٹر انگلش ناظم دار الضرب کو آیا کہ راجپوتانہ کی بعض ریاستوں میں جو سکہ رائج تھا اور انگریزی سکہ کی ترویج سے بیکار ہوگیا تھا اوس کو چاندی کے مالیت کے لحاظ سے خرید لیا جائے اور پھر دار الضرب حیدرآباد میں لاکر سکہ حالی کی تسکیک میں استعمال کیا جائے اور رام گوپال سیٹھ جو سکندرآباد کے مشہور تاجر و ساھوکار تھے اور جو مختلف مالی کاروبار کرتے تھے دار الضرب سرکارعالی کے بھی مختلف اشیاء کی فراھمی نیز چاندی کی فراھمی میں گتہ دار تھے ان کے سپرد یہ کام ہوا ۔ چاندی کی خریدی اور راجپوتانہ سے سکہ لاکر دار الضرب سرکارعالی میں گلایاجاتا یا دیگر اشیاء کی سربراھی ہوتی تو تعہددار کو محصول کروڑگیری کی معافی سے استفادہ کرتے تھے ۔ بہر حال چاندی اور سکہ راجپوتانہ کی خریدی اور دیگر ضروریات کی فراھمی میں بالآخر سمجھا گیا کہ مسٹر انگلش اور اون کے مددگار فراہمی وغیرہ کادامن پاک نہیں ہے کافی عرصہ تک محصول کے سرکاری نقصان کا یہ طریقہ جاری رہا ۔ کوتوالی اضلاع کے چند افراد نے اس کا پتہ چلایا اور مسٹر ھنکن ناظم کوتوالی اضلاع کو اس سے خبر دار کیا اور انہوں نے واکر صاحب کو اسکی تفصیل بتائی ۔ کوتوالی اضلاع کے جن ملازمین نے اس کا پتہ لگایا اون میں لالہ منوھر لعل پوری اور بابو دولت رام وغیرہ بھی شامل تھے انہوں نے واقف کار افراد سے بھی اس کی اطلاعیں حاصل کی تھیں واکر صاحب انتہائی تدین کو اور اپنے کسی ماتحت کی بد عنوانی کو دیکھ نہ سکتے تھے انہوں نے اس تمام معاملہ کے متعلق جس کا پتہ مسٹر ھنکن کے ذریعہ چلا تھا شدومد کے ساتھ حضرت غفران مکان کے ملاحظہ میں بتوسط مہا راجہ تحریک گذرانی کہ اس معاملہ کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن قائم ہونا چاھئیے ۔ حضرت غفران مکان کی مرضی شاھانہ اور نواب امین جنگ بہادر کی حکمت عملی یہی رھتی تھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے معاملات میں اور انگریز عہدہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کو مرعی رکھا جائے اور اس لئے حضرت غفران مکان نے اولا متعدد مرتبہ استفسارات فرمائے کہ اس معاملہ کو خاموشی سے کیوں نہ ختم کردیا جائے لیکن واکر صاحب نے انتہائی اصرار کیا کہ کمیشن قائم ہونا چاھئیے اور باضابطہ تحقیقات عمل میں لائی جانی چاھئیے بالاخر رزیڈنسی کے توسط سے معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا تک پھونچایا گیا اور یہ طے

ہوا کہ ایک آزاد کمیشن سرکارعالی اس کی تحقیقات کے لئے قائم فرمائے اور اسکی صدارت اول مددگار رزیڈنٹ کے سپرد ہوجوسر ریجنالڈ گلانسی تھے دوسرے رکن حیدری صاحب صدر محاسب سرکارعالی اور تیسرے رکن مسٹر اسٹونس کمشنر صفائی جو یوروپین اور برٹش رعایا کے فوجداری مقدمات کی تحقیقات کے لئے جسٹس آف پیس کے طور پر سرکارعالی میں ذمہ دار افسر تھے مقرر کئے گئے ۔ کافی عرصہ تک مقدمہ کی تحقیقات کی گئی ملزمین کو پیروی کےلئے وکیل مقرر کرنے اور اپنی بریت ثابت کرنے کا حق دیا گیا ۔سرکارعالی کی طرف سے راجہ بہادر کرشنما چاری کو جو اوس زمانہ میں رزیڈنسی اور سکندرآباد کی عدالتوں میں وکالت کرتے تھے مامور کیا گیا ۔ آزاد تحقیقات سے ملزمین پر الزام ثابت ہوا اور مسٹر انگلش اس رپورٹ کے نتیجہ کے طور پر سرکارعالی کی خدمت سے ہٹادئے گئے اور ان کے خدمات چونکہ گورنمنٹ آف انڈیا سے متعلق تھے اس لئے اون کے متعلق تدارک کا معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا پر چھوڑ دیا گیا اس رپورٹ کے نتیجہ کے طور پر وہ برٹش سروس سے علحدہ کردئے گئے اور مسٹر فرامجی اور دوسرے اہل کار و ملازمین برطرف کئے گئے اور آیندہ کےلئے مناسب طریقہ کار دارالضرب وغیرہ کے متعلق اختیار کرلیا گیا۔ حیدرآباد ھی نہیں بلکہ دیسی ریاستوں اور خود برٹش انڈیا میں بھی شاذ و نادر ھی کوئی اعلی عہدہ دار مسٹر انگلش کی طرح ملزم بن کر کھلی عدالت میں لایا گیا ہوگا مگر ایسا عمل واکر صاحب کی شدت سے ضابطہ پسندی کی بناء پر ہوا اور سرکارعالی کا حسن انتظام اجاگر ہوگیا جو عہدہ داران کوتوالی اضلاع اس کارروائی کا پتہ لگانے میں شامل تھے اون کو نیز کوتوالی کے اصل مخبر کو ماہوارات بطور وظیفہ رعایتی تا حیات مقرر کئے گئے ۔ حیدری صاحب پر اسی کمیشن کی بدولت واکر صاحب کو خاص اعتماد پیدا ہوگیا اور اونھوں نے صدر محاسبی سے معتمدی فینانس کے عہدہ پر اضافہ ماہوار کے ساتھ حیدری صاحب کو ترقی دلائی اور کشنما چاری صاحب بھی اس کے بعد سرکارعالی کے مشیر قانونی اور ایڈوکیٹ جنرل بنائے گئے بعد میں اڈوکیٹ جنرل کا عہدہ تو باقی نہ رہا مگر مشیر قانونی معتمد رکن وضع قانون اور صدر جوڈیشل کمیٹی کی خدمت عرصہ تک انجام دیتے رہے۔

وظائف پسماندگان ملازمین سلطنت آصفیہ کا قدیم سے عمل رہا ھے کہ جو ملازم و نمک خوار عین خدمت سرکاری ادا کرتے ہوئے اپنے پسماندوں کو بے سہارا چھوڑ کر فوت ہو جائیں اون کی پرورش کےلئے کچھ نہ کچھ انتظام کیا جائے ۔ مگر نواب وقار الامرا بہادر کی مدار المہامی میں اعلی حکام کے پسماندوں کو تو کچھ ماہواریں مقرر ہو جاتی تھیں مگر عام طور پر ما تحت حکام اور عمال کےلئے اکثر صورتوں میں نفی کا جواب ملتا تھا ۔ مہاراجہ کشن پرشاد کی مدار المہامی کے زمانے میں سر جارج واکر نے مہا راجہ مرحوم وغیرہ سے تبادلہ خیال کرنا مستحسن سمجھا کہ ایسے فوت شدہ ملازمین کے پسماندوں سے مناسب بلکہ فیاضانہ سلوک کیا جائے مدار المہامی مہاراجہ مرحوم میں چند ھی ملازم تھے کہ جن کا انتقال ہوا اور اون کے پسماندوں کے ساتھ سلوک نہ کیا گیا ہو ۔ وظایف رعایتی کی کارروائیاں محکمہ فینانس کے توسط سے بارگاہ

خسروی سے طے ہوا کرتی تھیں اور کافی عرصہ کارروائیوں کو طے کرنے میں ہوا کرتا تھا مگر کام بن جاتا تھا ۔ مہا راجہ بہادر کی مدار المہامی کے آخر دور میں اسکے متعلق اصول و ضابطہ بنایا گیا سر جارج واکر نے فیملی پنشن فنڈ بھی قائم کردیا تاکہ لازمی طور پر ملازمین سرکار سے کچھ حصہ ماھانہ وضع ہوا کرے بیمہ کمپنی کے اصول پربھی سرکارعالی نے انتظام کیا کہ ملازمین کو وظیفہ دینے کے بعد رقم ایصال ہو یا قبل از وقت فوت ہو جائیں تو پسماندوں سے سلوک کیا جاسکے ۔

مہا راجہ کشن پرشاد کا دور ملازموں کے پسماندوں کے ساتھ حسن سلوک کے لئے دوسرے مدار المہاموں کے مقابل میں امتیاز رکھتا ھے اور اسکی بدولت سرکارعالی کی ملازم نوازی خود برطانوی ھند پر فوقیت لے گئی ۔ حیدری صاحب جب معتمدفینانس تھے یہ خیال کر رہے تھے کہ فیملی پنشن فنڈ کے بعد سرکارعالی کے رعایتی وظیفہ کا اصول ختم کردیا جائے مگر سلطنت کے حالات اور روایات ملازم نوازی اس قسم کی سختی میں مزاحم ہوگئے جو ملازم عرصہ تک وظیفہ لینے کے بعد فوت ہوتے ہیں اون کے لئے بھی کچھ نہ کچھ سلوک مسٹر واکر کے زمانہ میں ملحوظ رکھا گیا تھا بعد میں اس کے لئے بھی کچھ اصول مقرر کردیے گئے ۔

منصب اور رعایتی ماھواریں | مہا راجہ کشن پرشاد کی مدار المہامی سے قبل تک قدیم اجرا شدہ منصب ۔ یومیہ ۔ معمولات ۔ وغیرہ وراثتاً ریاست میں رائج تھے اور نواب مختار الملک کے بعد کے مدار المہاموں کے زمانہ میں ماھوارات خاص یاعارضی وظیفہ کے عنوان سے ماھوارین جاری ہوگئی تھیں ۔ سالانہ ۶ ۔ ۷ لاکھ روپیہ ان میں صرف ہوتے تھے مہا راجہ کے زمانے میں محکمہ فینانس پر یہ ذمہ داری عاید کی گئی کہ ایسے ماھواروں کو ختم کردیا جائے ۔ نیز منصب وغیرہ کے متعلق بھی کمی کے فرایض محکمہ فینانس کے ذمے کئے گئے ۔ سر جارج واکر اصولا اس قسم کی ماھواروں کو پسند نہ کرتے تھے مگر ساتھ ھی اونہوں نے یک لخت مسدودی کو حالات کے لحاظ سے مناسب نہ سمجھا ۔ مناصب کے متعلق اونھوں نے ہر منصبدار کے انتقال پر فیصدی ۲۵ روپیہ کی کمی کا قاعدہ نافذ کرایا ۔ مہا راجہ کشن پرشاد اس میں اس قدر تشدد کو پسند نہ کرتے تھے مگر معین المہام فینانس کو اصرار تھا اور بالاخر اون کی تجاویز کو حضرت غفران مکان نے منظور فرمالیا اور بتدریج منصب وغیرہ کی تعداد میں کمی ہوتی چلی گئی خانگی ماھوارات خاص جو بہت بڑی بڑی تھیں اور جو ایسے لوگون پر جاری تھیں جو دوسرے ذرائع معاش بھی رکھتے تھے اون کو مسدود کردیا گیا مثلا نواب بہرام الدولہ کو نواب عماد السلطنت کے زمانہ میں معتمدی متفرقات کی خدمت کے لئے دیڑھ هزارروپیہ ماھوار جاری تھی نواب آسمان جاہ نے اون کو کام سے سبکدوش کردیااور ماھوار بد ستور جاری رکھی ۔ مہا راجہ کشن پرشاد کے زمانہ میں اسکو بند کردیا گیا ۔ نواب ظفر جنگ شمس الملک ۔ نواب سلطان الملک کو اس بناء پر کہ وہ شہزادیوں کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں اور عموماً شہزادیوں کی اولاد کو ماھوار دینے کا قاعدہ قدیم سے جاری تھا دونوں

کے نام ایک ایک‌ہزار روپیہ ماھوار نواب وقار الامرا کے زمانہ میں بہ منظوری خسروی جاری ہوگئے تھے ان کو بھی مسدود کردیا گیا ۔ بڑے ماھوارپابوں کو چھوڑ کر دوسرے ماہواریاباں خاص جن میں نواب سرور الملک تھے اون کی زندگی تک ماھوار جاری رھنا قرار پایا اور جو قابل ملازمت تھے اون کو ملازمت میں شامل کرنے کا طریقہ رکھا گیا اس طرح یہ قرار دیا گیا کہ چند سال بعد یہ سب ماھواریں جو بلا کسی خدمت کے جاری ھیں مسدود ھو جائینگی ۔ دور عثمانی میں از سر نو جدید ماھواروں کا رواج ھو گیا اور ھنوز خزانہ شاھی سے اھل حاجت و استحقاق کے وظائف کا سلسلہ چلا جارھا ھے ۔

مذہبی ماھواریں | مذہبی خدمات کی انجام دھی پر مسلمانوں کو ھی نہیں بلکہ دوسرے مذاھب و ملت والوں کےلئے بھی یومیہ معمولات وغیرہ جاری تھے قدیم سے یہ طریقہ اور عملدرآمد سلطنت چلا آرھا تھا کہ مساجد و معابد کے خدمات ادا ھوتے رھیں اور وہ آباد رہ سکیں ۔ رعایا کی مذہبی ضروریات پوری ھوں ۔ اس قسم کے عملدرآمد کو قائم رکھا گیا ۔ پرانے معمولات جاری تھے جدید اجرائیاں بہت کم ھوتی ھیں ۔

فوج بیقاعدہ کی ماھواریں | ملک کے تحفظ کےلئے شاھان آصفی نے اپنے زمانہ میں وقتاً فوقتاً جمعیت بھرتی کی تھی حضرت آصفجاہ سوم و چھارم کے وقت عربوں اور پٹھانوں اور دیگر سپاہ منش افراد کو جس میں راجپوت اور سکھ بھی شریک تھے سرکارعالی کے فوجی خدمات دئےگئے برطانوی ھند کی حکومت اوس فوج میں تخفیف کےلئے ھمیشہ مشورہ دیا کرتی تھی مگر حالات کے لحاظ سے کوئی اھم اور بنیادی تخفیف مناسب متصور نہ ھوتی تھی معاھدۂ برار میں جو لارڈ کرزن کے وقت ھوا تھا بیقاعدہ فوج کی کمی کا بھی معاھدہ کیا گیا تھا مہا راجہ کشن پرشاد کے زمانہ‌ میں معاھدہ کی شرط تخفیف فوج پر رزیڈنسی سے یاد دھانی ھونے لگی مہا راجہ کشن پرشاد کی رائے تھی کہ بتدریج تخفیف کا عمل ھو لیکن حضرت غفران مکان نے رزیڈنسی کے مشورے سے اصل معاھدہ کے مطابق تخفیف کی ھدایت فرمائی اس کی بناء پر فوجی تجاویز تخفیف پر محکمہ فینانس کی ذمہ داری عاید کی گئی تاکہ زیادہ تشدد کے ساتھ تخفیف تعداد ھوسکے ۔ محکمہ فینانس نے اس کے متعلق ضوابط و اصول منضبط کردئے نظم جمعیت میں امتیازی زمرہ بھی موجود تھا نیز یہ بھی رواج تھا کہ سلحداری کے گھوڑے جمعدار وغیرہ کے پاس رھتے اور اوسکی ماھوار سررشتہ فوج سے ایصال ھوتی ۔ اسپان سلحداری فروخت اور رھن وغیرہ بھی رکھے جاسکتے تھے ۔ امتیازیان نظم جمعیت اور سلحداری کے گھوڑوں کی تخفیف پر شدت سے عمل شروع کیا گیا امتیازی طور پر جو افراد فوج میں تھے اون کو منصب اور ماھوار رعایتی کے نام سے پانچ روپیہ ماھوار مقرر کردی جاتی اور فوج سے اون کا شمار خارج کرنے کا قاعدہ شدت سے جاری کیا گیا اس کا اثر یہ ھوا کہ فوجی جمعیت کی تعداد سال بہ سال کم سے کم ھونے لگی ۔ تاھم بوقت واحد تخفیف کو گوارہ نہ کیا گیا ۔

آمدنی سلطنت کا ازدیاد اور پیش روی نظم و نسق

دو تین سال کے اندر ہی سرکارعالی کا مالیہ متوازن ہوگیا اور ایک طرف تسکیک کا منافعہ بھی آمدنی سلطنت میں شامل ہونےلگا دوسری طرف امن و امان کی بدولت کروڑگیری آبکاری بھی ہر سال زیادہ ہونے لگی ۔ مالگزاری بھی بندوبست کی تجدید کی وجہ سے زیادہ ہوگئی اور ہر سال کافی بچت موازنہ میں نظر آنے لگی اور یہ سوال پیدا ہوتا گیا کہ آمدنی کی کے مصارف صحیح طور پر کیا ہوسکتے ہیں فینانس کے افسران بالا دست کو جو ملازمت سرکارعالی میں شامل ہوگئے تھے اس کا اندازہ ہوگیا کہ ہر سال آمدنی سلطنت زیادہ ہوتی رہے گی اسکے مصارف بھی زیادہ ہوسکتے ہیں اور یہ بھی اطمینان ہوگیا کہ سلطنت کے نظم ونسق کی درستی و اصلاح کےلئے رقم موجود ہے ۔ ١٥ ۔ ٢٠ ۔ سال سے نظم و نسق کی پیش روی کےلئے کوئی گنجائش ملنی محال تھی حیدری صاحب کی تحریک سے اول صدرمحاسبی و دفاتر حسابی کے لئے جدید اسکیم بنائی گئی جن افسروں کی ماہوار تین سو روپیہ سے سات سو روپیہ تک تھی اوسکو چارسوروپیہ سے نو سو روپیہ تک کردیا گیا عمال کے لئے بھی تدریجی ترقی کا قاعدہ بنایا گیا یہ اسکیم پیشگاہ خسروی سے مہا راجہ کشن پرشاد کے اتفاق رائے کے بموجب منظور ہوئی اور صدر محاسبی کے ہر درجہ کے ملازم اس سے مسرور اور مطمئن ہوگئے ۔ چپراسیوں کےلئے بھی اوس زمانہ میں سات تا دس روپیہ کا اسکیل بنایا گیا اور دفعداراورجمعدار کے لئے زیادہ ماہواریں رکھی گئیں صدر محاسبی کے بعد محکمہ فینانس کےلئے بھی اسکیم بنائی گئی اور یہ بھی طے کردیا گیا کہ دفاتر معتمدین میں کوئی اہلکار (٣٠) روپیہ سے کم ماہوار کا نہ رہے ۔ حیدری صاحب نے مسٹر واکر کی پسندیدگی اور مہا راجہ کی اطلاع اور منظوری کے بعد ایک قاعدہ نافذ کیا تھا کہ جہاں ماہواریں زیادہ کی گئی ہیں وہاں خدمات پر تعلیم یافتہ افراد کا تقرر کیا جائے ۔ صیغہ داروں کی جدید خدمات پر تعلیمی امتحان دئے ہوئے امید وار ہی عموماً مامور کئے جائیں اور اہلکاروں کی خدمات پر تعلیمی امتحان دئے ہوئے افراد کو امتحان مقابلہ کےذریعہ چن لیا جائے اور پھر اون کو امید وار بنا کر پہلے منصرمانہ اور پھر مستقل تقررات ہونے لگے ۔ اسکی بدولت تعلیم یافتہ طبقہ میں خوشی اور اطمینان پیدا ہوگیا کہ وہ اپنی تعلیم کی دولت سے متمتع ہوسکیں گے ۔

صدر محاسبی کی اسکیم کو دیکھ کر پھر ہر محکمہ نے اپنے سررشتہ کے افسروں ۔ عمال ملازمین کی جو ترقی ماہوار کی اسکیم روانہ کی وہ خاص خدمات کو چھوڑ کر روز افزوں گرانی وغیرہ کی وجہ ماہوار ناکافی ہی نظر آرہی تھی یہ مناسب سمجھا گیا کہ ہرسررشتہ کی تنظیم جدید کی جائے اور تعمیر قومی کے جو سررشتے ہیں اون کو کافی رقومات مہیا کئے جائیں حیدری صاحب نے صدر محاسبی سرکارعالی کے خدمت کا جائزہ لینے کے بعد پہلی مرتبہ سلطنت آصفیہ میں اپنے سررشتہ کےلئے تدریجی اضافوں کی اسکیم بنائی ۔صدرمحاسبی اور ریاست کے ہر سررشتہ میں آخری حد ماہوار عمال کی پندرہ روپیہ تھی اب بیس وپچیس روپیہ تک کی حد مقرر کی گئی اور اسی طرح ہر درجہ کے اہلکاروں کےلئے تدریجی اضافوں

کا اسکیل بنایا گیا ۔ صدر محاسبی میں اہلکاروں کے لئے بیس تا پچیس اور صیغہ داروں کے لئے ۸۰ تا ۱۰۰ اور ۱۱۰ تا ۱۲۵ ماہوار مقرر ہوئی ۔ اور منتظموں کے لئے ۱۵۰ تا ۲۰۰ اور ۲۰۰ تا ۲۵۰ ایک منتظمی کی جائداد کی ماہوار تین سو روپیہ رکھی گئی ۔ عہدہ داروں کے لئے اسکیم بنانے اور مقررہ واسطوں کے ذریعہ محکمہ فینانس کی منظوری حاصل کی جانے لگی ۔ جہاں تک ممکن ہو تعلیم یافتہ اور سند یافتہ افراد کو ملازمت سرکاری میں ملازمت دینے کا طریقہ رائج کیا گیا تاکہ نظم و نسق میں کامیابی حاصل ہوسکے اور پیشتر جو طریقہ رائج ہوگیا تھا کہ بلا لحاظ علمی قابلیت تقرر کرلیا جائے وہ بتدریج ختم ہوگیا ۔

لازمی وظیفہ و توسیع مدت ملازمت | یہ مناسب خیال کیا گیا کہ عمال اور افسروں کے متعلق لازمی وظیفہ یابی کا قاعدہ نافذ کیا جائے اور اوس میں حیدری صاحب اورسرجارج واکر نے اہم حصہ لیا اون کے اصرار سے سنہ ۱۳۱۶ف سے لازمی وظیفہ ۵۵ سالہ عمر کے بعد دینے کا قاعدہ نافذ ہوا اور ساتھ ہی ساٹھ سال تک اور اوس سے بھی بڑھکر خاص صورتوں میں توسیع دینے اور اوس کے متعلق بندگان عالی کی منظوری حاصل کرنے کا قاعدہ ضابطہ ملازمت سرکاری میں کیبنٹ کونسل کے مشورے اور حضرت غفران مکان کی منظوری سے نافذ کیا گیا اور یہ قاعدہ بھی نافذ کیا گیا کہ توسیع محکمہ فینانس کے توسط سے نافذ ہونی چاہئے اگرچہ اصولاً کسی ملازم کی توسیع مثل تقرر سررشتہ متعلقہ کا کام سمجھا جاتا ہے بعد میں یہ اقتدار متعلقہ سررشتوں اور معتمدین کو قیام باب حکومت کے بعد مل گیا اوسوقت تک محکمہ فینانس کے توسط سے عمال اور افسروں کی توسیع کے لئے مراسلت کی جاتی تھی اور اس کی وجہ دفتری کارروائی زیادہ ہوگئی تھی چونکہ حیدری صاحب اور سر جارج واکر کے پیش نظر یہ تھا کہ محکمہ فینانس کا اقتدار ساری سلطنت پر مستحکم کیا جائے اس لئے توسیع کے لئے محکمہ فینانس کا توسط قائم کیا گیا ۔ اوس زمانہ میں یہ پالیسی رکھی گئی کہ تا امکان ساٹھ سال تک توسیع دینے میں تامل نہ کیا جائے اور اس کی منظوری مدار المہام سے محکمہ فینانس کے توسط سے حاصل کی جائے مگر ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے ملازمین کے متعلق محکمہ فینانس نے یہ اصول بنادیا تھا کہ خاص صورتوں میں ہی اور عملاً عہدہ داروں کے لئے ہی ساٹھ سال کے بعد توسیع کے لئے بارگاہ خسروی میں معروضہ کیا جائے عمال لازماً ساٹھ سال کے بعد سبکدوش کردئے جائیں ۔ اس توسیع کے طریقہ کے نفاذ کے بعد یہ صورت ہوگئی کہ ناظم سررشتہ کے اختیار تمیزی میں توسیع ہوگئی ورنہ وظیفہ مل جاتا اور یہ بھی پیش نظر رکھا گیا کہ توسیع اور وظیفہ کے متعلق ذمہ دار افسر سررشتہ کی رائے کے خلاف محکمہ نظامت یا محکمہ معتمدی میں کسی مرافعہ وغیرہ کی سماعت نہ ہو ۔ توسیع ذمہ دار سررشتہ کے اقتدار تمیزی پر رکھی جائے ۔ پہلے سال جب توسیع اور وظیفہ کا قاعدہ نافذ ہونے لگا تو دو کارروائیوں کے معاملہ میں بڑی اہمیت پیدا ہوگئی تھی مدرسہ دارالعلوم میں ایک مدرس شیخ حیدر صاحب قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے اون کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی سررشتہ متعلقہ نے توسیع کی سفارش کی اور نواب فخر الملک معین المہام عدالت کی منظوری سے محکمہ فینانس میں ان کی توسیع کی

کارروائی کو روانہ کیا گیا اور بنیاد توسیع یہ قرار دی گئی کہ ان کے قوی بہت اچھے ہیں اور اپنا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں محکمہ فینانس نے یہ ظاہر کیا کہ عموماً توسیع کی بنیاد یہ نہ ہونی چاہئے کہ ملازم کے قوی اچھے ہیں اور وہ اپنا کام کر سکتا ہے بلکہ توسیع اس بنیاد پر ملنی چاہئے کہ اس کا جانشین فی الوقت ملنا ممکن نہیں ہے اور کسی اہلکار یا مدرس کے لئے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اوس کا قائم مقام نہیں مل سکتا ہے اس لئے اس کو توسیع نہ ملنی چاہئے ۔

نواب فخر الملک نے محکمہ فینانس کے جواب پر شدت سے اختلاف کرتے ہوئے مکرر توجہ دلائی کہ توسیع ملنی چاہئے محکمہ فینانس نے پر زور اختلاف کے ساتھ اظہار کیا کہ اہلکاروں کی ساٹھ سالہ توسیع کے لئے ملازمان خسروی کو زحمت نہ دینی چاہئے قاعدہ وظیفہ کا یہ مقصد ہے کہ معمر افراد کے بجائے لائق اور تعلیم یافتہ افراد کو ملازمت ملنی چاہیئے تاکہ نظم و نسق کی خوبی نمایاں ہو اور کسی اہلکار کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا جا نشین نہیں مل سکتا ہے مہاراجہ کشن پرشاد نے فینانس کی رائے سے اتفاق فرمالیا اور پھر نواب فخر الملک بھی خاموش ہوگئے اور شاید ہی کسی اہلکار کے لئے ساٹھ سالہ ملازمت کے بعد توسیع کی نوبت آئی ہوگی ۔

دوسری کارروائی صفدر جنگ مرحوم کی تھی جو محکمہ کوتوالی بلدہ میں سٹی افغان پولیس کے کمانڈنگ تھے ان کی عمر کم و بیش ٦۵ سالہ تھی مہاراجہ کشن پرشاد کے پاس ان کو انتہائی تقرب حاصل تھا ان کو بھی توسیع ملنے کی تحریک کوتوالی بلدہ اور معتمدی عدالت سے محکمہ فینانس تک روانہ کی گئی محکمہ فینانس نے اس سے بھی اختلاف کیا مہاراجہ بہادر عموماً استثنائی حالات میں سر جارج واکر سے اختلاف رائے کیا کرتے تھے اور صفدر یار جنگ کو توسیع کے لئے انہوں نے عرضداشت پیش کی اور اوس میں اپنی رائے توسیع دینے کے لئے شدومد سے عرض کی مگر حضرت غفران مکان کا طریقہ عمل یہ تھا کہ مدار المہام اور معین المہام کا اگر کوئی اختلافی معاملہ ہوتو عرصہ تک ذات شاہانہ سے پیشی کے امثلہ حکم طلب میں رکھ لیا جاتا تھا فرمان مبارک نافذ نہ ہوتا تھا اور یہ مدار المہام کے اختیار تمیزی پر منحصر ہوتا تھا کہ ایسی صورت میں کیا عمل بہ انتظار صدور فرمان مبارک کیا جائے ۔ صفدر یار جنگ کے لئے بھی کوئی فرمان مبارک باہمی اختلاف معین المہام اور مدار المہام کے باعث شرفصدور نہیں لایا تھا اور اس کے ساتھ ہی حسب گشتی محکمہ فینانس وہ تاریخ آگئی جس کے متعلق یہ حکم تھا کہ کوئی ملازم بغیر حکم توسیع بر سرکار نہ رکھا جائے محکمہ فینانس نے اپنی ذمہ داری سے یہ حکم دیدیا کہ یہ واجب خدمت سے ہٹادیئے جائیں اور کوتوالی بلدہ کے محکمہ کو یہ حکم حسب ضابطہ جاری کیا گیا صفدر یار جنگ نے مہاراجہ بہادر کو توجہ دلائی مہاراجہ بہادر نے مثل طلب کی اور اس پر اعتراض حکم لکھا کہ ان کے بغیر اطلاع ایسا حکم محکمہ فینانس سے جاری نہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ جب معاملہ پیشگاہ خسروی میں زیر تصفیہ ہے اور

هنوز فرمان مبارك شرفصدور نه لایا هے اور مدار المهام کی رائے توسیع کے لئے هے تو حکم علحدگی اون کے بلا اطلاع محکمه فینانس سے جاری هوجانا قرین مصلحت نه تها وه ملازمت سے هٹائے نه جائیں اور اپنی خدمت پر مامور رهیں اور پیشگاه خسروی سے صدور فرمان کا انتظار کیا جا سکتا هے۔ اتفاق یه هوا که حضرت غفران مکان کی پیشگاه سے کوئی فرمان ان کے متعلق نافذ نه فرمایا گیا اور یه انتظار فرمان مبارك صفدر یار جنگ بر سرکار رهے یہاں تک که حضرت غفران مکان کا انتقال هوگیا اور اس کے چند دن بعد صفدر یارجنگ بھی انتقال کر گئے۔ اپنے انتقال تک وه مهاراجه کشن پرشاد کے منشا کے لحاظ سے خدمت پر هی رکھے گئے واکر صاحب اور مهاراجه کشن پرشاد کی اختلافی صورتیں شاذ و نادر هی هوا کرتی تهیں۔ پیشگاه حضرت غفران مکان سے بعض مرتبه واکر صاحب کی رائے سے اتفاق فرمایا گیا یا یه هوتا تها که پیشگاه خسروی سے کوئی استفسار فرمایا جاتا تو پهر اس پر کارروائی هوتی رهتی۔ صفدر یار جنگ کی یه کارروائی خصوصیت سے معدودے چند امور میں هے جس کو مهاراجه کشن پرشاد اپنے اقتدار مدار المهامی سے نافذ کراسکے۔

ضابطه ملازمت مهاراجه کشن پرشاد کے هی زمانه میں حیدری صاحب کی ماموری کے بعد ضابطه ملازمت سیول سرکار عالی کیبنٹ کونسل کی تائید اور حضرت غفران مکان کی منظوری سے نافذ هوا اور اس کی بدولت ملازمین سیول کے متعلق ایک معین ضابطه نافذ هوگیا اس سے پہلے ایک منتشر انبار گشتیات نافذ شده کا تهاوه باقی نه رها۔

سیول سرویس اور یوروپی تعلیم مها راجه کشن پرشاد کی مدار المهامی میں سرکاری خدمات کے لئے سیول سرویس کو دوباره قائم کیا گیا۔ حضرت غفران مکان کے زمام اقتدار کو حاصل کرنے کے بعد سیول سرویس کلاس قائم هوئی تهی اور چونکه س وقت لازمی وظیفه کا قاعده نافذ نه تها اس لئے کامیابان سیول سرویس کو کئی کئی سال تک ملازمت کا انتظار کرنا پڑا اور کچھ سیولین خود مهاراجه کشن پرشاد کی مدارالمهامی تک تقریباً (۱۰) سال بطور زائد اسکیل مامور بکار تهے اور اسلئے سیول سرویس بند کردی گئی سیول ملازمت سرکارعالی کی بهرتی کے لئے کوئی معین اصول نافذ نه تهے مها راجه کشن پرشاد کے زمانه مدار المهامی میں محکمه فینانس میں عهدوں کےلئے گرائجویٹ افراد کو ترجیح دیجاتی تهی اور محکمه مال میں وجاهت خاندانی کو ملحوظ رکها جاتا تها واکر صاحب نے مها راجه کشن پرشاد سے اجازت حاصل کرکے حیدری صاحب کو هدایت کی که وه سیول سرویس کلاس کو دو باره قائم کرنے کے متعلق معین تجاویز پیش کریں اور اس امر کا لحاظ رکهیں که چوں که اب وظیفه پچپن ساله کے طریقه کی وجه هر سال چند خدمات حکام مامور طلب هوتے رهیں گے اس لئے سیول سرویس کے کامیاب امیدواروں کو ملازمت ملنے رهنے کا قوی امکان هے اور اون کی ماموری کے متعلق محکمه فینانس اور صدر محاسبی سے نگرانی رکهی جاسکتی هے بهر حال سیول سرویس کلاس کا امتحان دوباره مها راجه کشن پرشاد کی مدار المهامی میں جاری هوگیا۔

اولاً یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ہرسال نظام کالج کے کسی انڈرگرائجویٹ کو سرکاری وظیفہ دے کر برٹش انڈیا میں کسی سرکاری سررشتہ کی ٹریننگ دلائی جائے اور بعد واپسی ملازمت دیجائے۔ رحمت یار جنگ بہادر اور منصب جنگ بہادر اولین افرادھیں جنہوں نے برٹش انڈیا کی ایسی ٹریننگ حاصل کی۔ اور اسکے بعد باقاعدہ سیول سرویس کلاس بمنظوری حضرت غفران مکان نافذ کیا گیا اور بہترین افراد اپنی محنت و جفا کشی کی بدولت بعد کامیابی امتحان مقابلہ سیول سرویس میں داخل ہونے لگے اور ملازمت سرکاری کے اس اچھے معیار کے لئے مہا راجہ کشن پرشاد اور واکر صاحب کا نام استحسان کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ حیدری صاحب نے شروع سے اس میں خاص دلچسپی لی۔

انگلستان کی تعلیم کا قاعدہ مختار الملک کی مدار المہامی اور ریجنسی کے وقت سے ہی نافذ ہوگیا تھا مگر یہ شکایت تھی کہ وہ محض اعلی حکام کے بچوں کے لئے قائم ہے۔ طلباء کو کافی لیاقت علمی کے بغیر انگلستان کو روانہ کردیا جاتا ہے متعدد متعلم جو انگلستان کو روانہ کئے گئے کئی سال وہاں رھنے کے باوجود کسی اعلی قابلیت کے بغیر واپس ہوئے۔ نظام کالج کے اچھے تعلیم یافتہ افراد کو اس کا موقع ھی نہ ملتا تھا کہ وہ انگلستان جائیں اور اعلی تعلیم حاصل کرسکیں۔

مولوی عبدالرحمن خاں صاحب جیسے نظام کالج کے بہترین تعلیم یافتہ تک کو اوس زمانہ میں انگلستان نہ روانہ کیا جاسکا واکر صاحب نے اس صورت کی خامی سمجھ لی حیدری صاحب اور سررشتہ تعلیمات کے ذمہ داروں سے مشورے کے بعد بمنظوری حضرت غفران مکان قواعد نافذ کئے گئے اور یہ بھی تصفیہ ہوا کہ چونکہ خود ممالک محروسہ میں بعض قسم کی فنی تعلیم کا انتظام نہیں ہے اس لئے نہ صرف انگلستان بلکہ برٹش انڈیا میں بھی تعلیمی وظائف دیکر قابل افراد کو تعلیم دلانے کا انتظام کیا جائےگا۔ اور ان اشخاص کا انتخاب تعلیمی قابلیت کے معیار پر کیا جائےگا کسی عہدہ دار کے فرزند ہونے کی بناء پر ایسا انتخاب نہ کیا جائے سول سرویس کلاس اور تعلیم بیرون ملک کے لئے ایک کمیٹی بھی قائم کی گئی ان دونوں کمیٹیوں کی صدارت طویل عرصہ تک معین المہام فینانس سے متعلق رہی۔

دفتر دیوانی، مال وملکی | دفتر دیوانی و مال وغیرہ کو جو قدیم نظم و نسق کا دفتر ہے وقار الامرا بہادر کے زمانہ مدار المہامی میں راجہ رائے رایان کے اسٹیٹ سے لے کر محکمہ فینانس کے تحت رکھا گیا۔ اسکے تحفظ کا خیال اسکی تاریخی اہمیت کی وجہ سے خاص طور پرتھا اولاً یہ خیال کیا گیا تھا کہ اس کا عملہ وغیرہ ختم کردیا جائے مگر خود حضرت غفران مکان نے اسکی اہمیت سمجھتے ہوئے خاص ہدایات صادر فرمائے اسلئے بدستور علحدہ دفتر کے طور پر اوس کو قائم رکھا گیا۔ اوس سے زیادہ تر جاگیرات اور مناصب کی تحقیقات انعامی میں کام لیا گیا حالانکہ اس کے ذریعہ ملک کے نظم و نسق کی مستند تاریخ مرتب کرنے کا اہم امکان تھا اس بات کی خاص کوشش کی گئی کہ اس دفتر کے

کاغذات جہاں تک ممکن ہوسکے محفوظ رکھے جائیں اور آینده تاریخی تحقیقات کا کام اس سے لیا جائے ۔ رائے پربھو لعل صاحب کو اس کا مہتمم بنایا گیا جو محکمہ فینانس میں نواب محسن الملک کے زمانہ سے مامور بکار تھے اور علمی و تاریخی مذاق رکھتے تھے صاحب موصوف ہندوستان کے اکثر رسالوں میں ہندو فلسفہ پر اچھے مضامین لکھا کرتے تھے ۔

ریلوے اورمعدنیات | ریلوے و معدنیات کے صیغے تعمیرات سے علحدہ ہوکر فینانس میں واکر صاحب کے مامور ہونے پر شامل کردئیے گئے واکر صاحب ریلوے اورمعدنیات کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے اور اونہوں نے ان دونوں صیغوں کو اپنی راست نگرانی میں ایک انگریز مددگار کے تحت رکھا جب حیدری صاحب معتمد فینانس ہوگئے ان کے تحت ان دونوں صیغوں کو نہ دیا گیا واکر صاحب رخصت پر انگلستان گئے تو جب بھی انکی منصرمی حیدری صاحب کو بہ حیثیت معتمد نہ دی گئی بلکہ فریدوں الملک کے حوالہ کی گئی مہاراجہ کشن پرشاد کی نظرہرچیز پر رہتی تھی اور وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر چہ واکر صاحب کا اقتدار اور انکی شخصیت ہر معاملے میں بڑھتی چلی جا رہی ہے مگر جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس میں سراسر ملک کا فائدہ ہے اور ریاست کے عہدہ داروں کے روپے اور کام پر سخت نگرانی رکھتے ہیں اور نظام ریاست سنبھل رہا ہے اس لئے وہ یہی مناسب سمجھتے تھے کہ واکر صاحب کے کام میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہو اور اون کو بددل ہونے کا موقع نہ دیا جائے ۔ واکر صاحب نے ریلوے کے معاملات میں مسٹر ہرمزجی نوشیروان جی سے جو بعد میں ہرمز جنگ بنے اور بیشتر معتمد عدالت اور مشیر قانونی وغیرہ تھے اور حضرت غفران مکان کے حکم سے خارج البلد کئے گئے مشورے لینے کےلئے معروضہ بتوسط مہا راجہ بہادر کیا مگر حضرت غفران مکان نے اسکی اجازت عطا نہ فرمائی ۔

ملک کے امن و امان سے تجارتی و معاشی کاروبار کو بھی روز افزوں ترقی ہوئی اور اسکی بدولت سرکارعالی کے ریلوے کاکام بھی سال بہ سال ترقی کرنے لگا ریلوے کمپنی کو تکمیل منافعہ کےلئے اب سرکارعالی کو رقم دینے کی ضرورت باقی نہ رہی بلکہ ہرسال وسکی خالص آمدنی خزانہ میں داخل ہونے لگی ۔ ریلوے کے معاملات پر سرکارعالی کو مشورہ دینے کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا کے ریلوے عہدہ دار مسٹرتھامسن کی خدمات لی گئیں اور اونہوں نے جو رپورٹ پیش کی اس پر واکر صاحب اور مہا راجہ بہادر کی تائید سے منظوری حضرت غفران مکان شرف نفاذ لائی اور محکمہ ریلوے سرکارعالی کی یہ پالیسی قرار دی گئی کہ سرکارعالی کی بچت سے ہر سال مناسب تعداد میں ریلوے شیرز وغیرہ جو انگلستان میں فروخت ہوا کرتے ہیں سرکارعالی خرید لیا کریں ریلوے کی توسیع کےلئے بھی کارروائی آغاز ہوئی اوس میں مشکل یہ تھی کہ جی ۔ آئی ۔ پی ریلوے کمپنی چاہتی تھی کہ اوسی کے ذریعہ ریلوے کی توسیع کرائی جائے مگر واکر صاحب نے یہ پالیسی

اختیار کی کہ ملک میں توسیع کا کام خود سرکارعالی کی ریلوے کے ذریعہ عمل میں لایا جائے اور ریلوے کمپنی کو نئی ریلوے لائین وغیرہ تعمیر کرنے کی صورت میں سرمایہ سرکارعالی مہیا کردیا کرے جس کا مہیا کرنا سرکارعالی کے مالیہ کے لحاظ سے دشوار نہیں ہے -

ایک جدید لائین واڑی سے گوا تک قائم کرنے کی تجویز کی گئی جو ضلع گلبرگہ میں سے جائے مگر اس کے راستہ کے متعلق حکومت ہند نے تامل کیا کہ اس سے جی - آئی - پی ریلوے کمپنی کی آمدنی کو نقصان ہوگا نیز سیاسی نقطہ نظر سے بھی تامل کیا گیا بالاخر یہ طے ہوا کہ چھوٹے پیمانہ کی لائین حیدرآباد سے محبوب نگرو رائچور تک اور پھر وہاں سے تعلقہ لنگسگور و جاگیر نواب سالار جنگ بہادر سے ہوتے ہوئے گدگ تک پہونچ جائے اس سے پرتگالی علاقہ گووا تک خود بہ خود ریلوے کا اتصال ہو جاتا تھا اس میں بھی حکومت ہند کے تامل سے بجائے رائچور محبوب نگرکے کرنول تک ریلوے تعمیر کرنے کا تصفیہ ہوا - اور یہ شرط بھی عائد کی گئی کہ سرکارعالی ریلوے کا کرایہ ایسی شرح سے رکھے جو جی - آئی - پی ریلوے کی شرح کرایہ سے مسابقت نہ کرے ریلوے تعمیر ہو گئی مگر اسکی تکمیل مہا راجہ کشن پرشاد بہادر کی مدار المہامی میں نہ ہو سکی پورنا سے ہنگولی تک بھی مہا راجہ کے زمانہ میں ریلوے بنائی گئی -

ورنگل سے بلہار شاہ ریلوے لائین اور ہنگولی سے اکولہ تک توسیع کی بحث بھی تھی مگر برطانوی حکومت ہند جی - آئی - پی ریلوے کی خاطر لیت و لعل کر رہی تھی مہا راجہ کی مدار المہامی تک اس توسیع ریلوے کی نوبت نہ آئی -

سنہ ۱۹۱۴ع میں سرکارعالی کو کمپنی سے اپنی ریلوے لائین خود لے لینے کا اختیار حاصل تھا بشرطیکہ فیصدی ۲۰ روپیہ کا بونس یا انعام سرمایہ ریلوے کے حصہ داروں کو دیا جائے - اگر ۱۹۱۴ع میں ریلوے لے لی جاتی تو سرکارعالی کے مالیہ کی حالت اوس زمانہ میں ایسی تھی کہ باسانی اوس کے مصارف کو برداشت کیا جاسکتا تھا اور جو کچھ کمی رهتی - پرامیسری نوٹوں کے ذریعہ قرض حاصل کرکے اسکی ادائی ہو سکتی تھی - اوس زمانہ میں حکومت ہند کی پالیسی یہی تھی کہ انگلستان کے سرمایہ سے جو کمپنیاں ہندوستان اور دیسی ریاستوں میں تعمیر ریلوے کےلئے قائم ہوئی ہیں وہ باقی رکھی جائیں اور واکر صاحب نے برٹش مصلحتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے دیدی تھی کہ سنہ ۱۹۱۴ع میں سرکارعالی انفکاک ریلوے کے حق کو استعمال نہ کرے سنہ ۱۹۳۴ع میں اس حق کو کام میں لایا جاسکتا ہے انفکاک کےلئے ابھی سے علحدہ سلک ایک مد محفوظ کی طرح قائم کی جائے اس رائے سے مہا راجہ مرحوم نے اتفاق کیا اور منظوری شاهی حاصل ہو گئی -

معدنیات کے متعلق بھی واکر صاحب کے زمانہ میں یہ قواعد بنائے گئے کہ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں یا معتبر سرمایہ داروں کو حق تلاش معدن دیا جا سکتا ہے اور تحقیقات کے بعد کوئی معدن دریافت ہوتو اوس کے استفادہ کے لئے مناسب شرائط پر سرکار عالی کمپنی کاروباری افراد کو اجازت نامہ عطا کر سکے گی دکن سائننگ کمپنی انگلستان میں قائم تھی اوس کے کاروبار یلندو وغیرہ میں سال بہ سال ترقی کر رہے تھے البتہ ضلع رائچور میں سونے کے معدن کا کام روک دیا گیا تھا کیونکہ زیادہ گہرائی میں کام کرنا تھا اور خیال تھا کہ چنداں فائدہ نہ ہوگا ۔ کوئلہ کا کام خاص ترقی پر تھا اور جی ۔ آئی ۔ پی ریلوے اور مدراس ریلوے اور یم ۔ یس ۔ یم ریلوے اور مدراس کے پارچہ بافی وغیرہ کی ضرورتوں کے لئے حیدر آباد کا ہی کوئلہ فراہم کیا جاتا تھا ۔ واکر صاحب نے کوئلہ کی رائلٹی کی مقدار کم کرادی تاکہ کمپنی کو فائدہ ہوسکے ۔ انگریزی اخباروں میں کچھ اعتراضات بھی ہوئے تھے اور خیال پڑتا ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ میں بھی اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا اوس کے متعلق یہ جواب دیا گیاتھا کہ یہ معاملہ سرکار نظام سے متعلق ہے اور واکر صاحب نے اپنی کسی رپورٹ یا اخباری بیان میں یہ توضیح کی تھی کہ زیادہ رائیلٹی رہنے کی صورت میں کمپنی دلدھی سے کام نہ کرسکتی تھی بہر حال معدنیات کے معاملات میں بھی برطانوی پالیسی اور برطانوی کمپنی کے منافع پیش نظر تھے ۔ اہل ملک میں اس کی ہمت اوربلندخیالی نہ تھی کہ تحقیقات و تلاش کرنے کا اجازت نامہ لیں اور اوس کے بعد کمپنی بنا کر معدنیات سے استفادہ کریں ۔ واکر صاحب کی تحریک سے ایک جدید نظامت معدنیات قائم کی گئی اور اوس پر ایک انگریز مسٹر بلونارڈ من کو مامور کیا گیا تھا کہ معدنیات کے معاملات میں وہ سرکار عالی کو مشورہ دیا کرے یہ بآسانی ممکن تھا کہ اوسی زمانہ سے تلاش معدن کا کام خود سرکار عالی ماہر فن افراد کو مامور کر کے شروع کرادیتی اور اوس کے بعد باسانی ممکن تھا کہ اوس پر سرمایہ لگانے اور کاروبار شروع کرنے کی طرف ہمت کی جاتی ۔ جو معدنیات کی کمپنی قائم تھی اس نے بھی زیادہ مستعدی سے جدید مقامات میں کاروبار آغاز نہ کیا تھا اوس وقت سرمایہ فراہم کرنے کی پیچیدگی یہی تھی کمپنی بجائے ملک کے اندر سرمایہ حاصل کرنے کے انگلستان سے سرمایہ لانا چاہتی تھی خارجی پالیسی کی دشواریوں کی وجہ سے مہاراجہ کشن پرشاد کی مدار المہامی تک چنداں فروغ معدنی کاروبار میں نہ ہوا تھا ۔ البتہ دور عثمانی میں ریلوے اور معدنیات کے کام میں بہت وسعت ہوی مہاراجہ کشن پرشاد کا زمانہ صدارت عظمی اس کی یادگار ہے ۔

انتظامات محکمہ مال گزاری

اوس زمانہ میں فینانس و سیاسیات کے بعد مالگزاری کے محکمے کو بڑی اہمیت دی گئی تھی اوس کے معتمد مسٹر ڈنلاپ مقرر کئے گئے تھے مہاراجہ کشن پرشاد کی مدارالمہامی کے پورے زمانے میں وہی اوس خدمت پر ماموررہے۔ اور آخری دور میں معتمد کے ساتھ صدر ناظم بھی قرار پائے ۔ مہاراجہ بہادر کی آغاز مدارالمہامی کے وقت مجلس مالگزاری قائم تھی جس میں چار اراکین

تھے مسٹر ڈنلاپ اوس مجلس کے سینیر ممبر تھے اور یہی مجلس مالگزاری معتمدی سرکاری کے فرائض بھی انجام دیا کرتی تھی ۔ مہاراجہ کشن پرشاد کا منشا تھا کہ مجلس مالگزاری حذف کرتے ہوئے دوبارہ معتمدی و معین المہامی قائم کیجائے اور اوس کی منظوری بارگاہ خسروی سے حاصل ہوئی ۔ اراکین مجلس مالگزاری میں سے مقتدر الدولہ اور رائے مرلیدھر کے لئے صوبیداری تجویز کی گئی اور مسٹر ڈنلاپ کے لئے اون کا سابق عہدہ انسپکٹر جنرل مال و کورٹ آف وارڈز تجویز کیا گیا اور سید غلام رسول صاحب جو مجلس مالگزاری کے معتمد تھے محکمہ معتمدی مالگزاری کے معتمد بنائے گئے مسٹر ڈنلاپ کو یہ معلوم تھا کہ بغیر معتمدی کے انسپکٹر جنرل کا عہدہ چنداں وقعت و اقتدار نہیں رکھتا ہے اس لئے یہ جدو جہد سر ڈیوڈ بار رزیڈنٹ کے ذریعہ کی کہ اون کو معتمد مالگزاری کا عہدہ دیا جائے کیونکہ صوبہ داروں کی موجودگی میں انسپکٹر جنرل کے عہدہ کی ضرورت ھی نہیں ہے۔ اس جد و جہد میں مسٹر ڈ نلاپ کامیاب ھوگئے اور غور مکرر کے بعد یہ طے ھوا مسٹر ڈنلاپ معتمد رہے اور شریک معتمد کا ایک عہدہ بھی قائم رکھا جائے جو زیادہ تر مرافعات وغیرہ کی سماعت کرے مولوی سید غلام رسول صاحب کو شریک معتمد کا عہدہ دیا گیا اونکے انتقال کے بعد شریک معتمد مولوی محمد عبد الرحیم صاحب جو مہتمم بندوبست تھے مقرر ھوئے ۔ مسٹر ڈنلاپ نے سررشتہ بندوبست اور کورٹ آف وارڈز کے لئے جو معتمدی عدالت سے محکمہ مال گزاری میں منتقل ھوا تھا یہ انتظام مہاراجہ بہادر کی منظوری سے کیا کہ ان دونوں محکموں پر کوئی ناظم نہ رکھا جائے معتمدی مالگزاری سے ھی اس کو عملا متعلق کردیا جائے ۔ کورٹ آف وارڈز کے لئے ایک سپرنٹنڈنٹ رہے مالگزاری کے تحت بطور مددگار کام کرے اور ان کو انتظامی اختیار بھی دیدیا جائے محکمہ بندوبست میں مہتمم کے درجہ کا ایک عہدہ دار رہے وہ بھی راست معتمد مالگزاری سے مراسلت رکھے وھی احکام سرکاری نافذ کرنے کا ذمہ دار رہے۔ امرائے سلطنت میں سے کسی کو معین المہام بنانے کا خیال تھا مسٹر واکر کو معین المہام فینانس بنے ہوئے دیکھکر مسٹر ڈنلاپ نے بھی کوشش کی کہ اون کو بھی معین المہام کا عہدہ دیا جائے ۔ حضرت غفران مکان نے ایک سے زیادہ انگریزوں کو معین المہامی کا عہدہ دینا پسند نہ فرمایا حضرت غفران مکان کی یہ مستقل پالیسی تھی کہ وزارتوں کے عہدے امرا سے ھی مختص رھیں تاھم مسٹر ڈ نلاپ کے قدیم حقوق اور تجربہ سررشتہ مال کی بناء پر عملا یہ قرار پایا کہ کوئی جدید معین المہام نہ بنایا جائے اور اس کا راست تعلق مدارالمہام سے ھی رہے۔ آخری دور میں مسٹر ڈنلاپ کی یہ جدو جہد تھی کہ انکو ذمہ دارانہ عہدہ معتمدی سے زیادہ دیا جائے چونکہ سالہائے سال ان کو ملازمت سرکارعالی کرتے ہوئے گذر چکے تھے اس لئے یہ طے کیا گیا کہ مسٹر ڈنلاپ کو ڈائرکٹر جنرل مال یا صدر ناظم حساب کے نام سے مخاطب کیاجائے مگر اختیارات کا جو دستورالعمل مرتب ھوا اوس میں پورے صیغہ جات محکمہ مال شامل نہ رکھے گئے کچھ مختص اختیارات ان کو دئے گئے اور باقی تمام کام معتمد سے متعلق کردیا گیا جس پر رائے مرلیدھر نے ترقی پائی ۔ مسٹر ڈنلاپ کو اس دستور العمل پر جو رائے مرلیدھر صاحب کی باخبری کا نتیجہ تھا

پھر اعتراض ہوا ان کا خیال یہ تھا کہ معتمد ان کے تحت رہےاور ہر مثل جس طرح مدارالمہام سے قبل معین المہام کے ملاحظہ میں روانہ کی جاتی ہے ان کے پاس بھی آنی چاھئیے - حسن اتفاق سے حضرت غفران مکان نے مولوی مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب کو معتمد صرفخاص مبارك کے عہدہ سے سبکدوش فرمادیا صرف ناظم محلات رہےاور اس عہدہ پر رائے مرلیدھر کو جن سے حضرت غفران مکان اپنے شکارکے سفروں میں واقف ہوچکے تھے مامور ہوگئیے - مسٹر ڈنلاپ نے اس موقع پر یہ جدوجہد کی کہ اب معتمد کا عہدہ علحدہ قائم نہ رکھا جائے - صدر ناظم مال کو معتمد مال کی ذمہ داریاں بھی دی جائیں - شریک معتمد کا عہدہ بدستور رکھا جائے جس کی تخفیف زیر غور تھی - شریک معتمدمال کا عہدہ سعادت جنگ مرحوم کو دیا گیا جو اتفاق سے مامور طلب ہوگیا تھا - اور مسٹر ڈنلاپ نے یہ مناسب خیال کیا کہ صوبہ داروں اور سینیر اول تعلقداروں کو نظر انداز کیا جائے وہ یہ تصور کرتے تھے کہ سینیر عہدہ دار کی ماموری سے ان کا اقتدار متاثر ہوجائےگا اور جونیر شخص مامور رہنے سے وہ زیادہ مقابلہ کے ساتھ کام نہ کریگا اور اس کے پہلے بھی مولوی سیدغلام رسول صاحب کو اسی طرح ترقی دی گئی تھی اور ان سے سینیر اول تعلقدار نظر انداز کردئے گئیے تھے مہاراجہ مدار المہام یہ مناسب سمجھے تھے کہ جب ایک ذمہ دار حاکم مامور ہےتو پھر اس کا اسٹاف اس کی رائے کے مطابق رکھنا چاھئیے اور جہاں تک بھی ممکن ہو اس کی رائے کا لحاظ تمام انتظامات اور تفصیلی کاموں میں ہونا چاھئیے - مسٹر ڈنلاپ کے زمانہ میں نہ صرف مالگزاری کے جملہ سررشتہ اور صیغے بلکہ تجارت و حرفت اور کارخانہ جات بھی اونہیں سے متعلق رکھے گئے تھے -

سررشتہ مالگزاری کا انتظام پہلے کی طرح قائم رکھا تھا شخصی تقررات وغیرہ سلسلہ سے ہوا کرتے تھے - مسٹر ڈنلاپ نے معین اصول ترقی کے متعلق رکھے تھے کہ جب تک امتحان میں کامیابی حاصل نہ کیجائے ترقی نہ دی جائے اور جو معمر عہدہ‌دار امتحان سے مستثنی کئیے جائیں ان کو ترقی نہ دی جائے اور درجہ کی ترقی سلسلہ وار دی جائے ۵۰ سالہ وظیفہ کے قاعدہ کے نفاذ کے بعد بشیر نواز جنگ و مقتدر الدولہ صوبہ داران کو وظیفہ دیدیا گیا اور ان کی جگہ برزور جنگ صوبہ دار اورنگ آباد اور فراموز جنگ صوبہ دار میدك قرار پائے اور قادر یار جنگ صوبہ دار کو بھی وظیفہ دیدیا گیا اور ان کی جگہ سید محمد یوسف الدین صاحب سینیر اول تعلقدار جن سے مہاراجہ کشن پرشاد کو قدیم سے ارتباط تھا صوبہ دار مقرر کیا گیا - جدید تقررات مسٹر ڈنلاپ کامیابی امتحان نہیں بلکہ وجاہت خاندانی کو مدنظر رکھتے ہوئے کرتے تھے اور اونکو تحصیلدار و سوم تعلقدار کے آخری درجہ پر مامور کرکے سلسلہ بہ سلسلہ ترقی کا اصول رکھا تھا - عام شکایت اس کے متعلق رہی کہ وجاہت خاندانی کے ساتھ تعلیمی قابلیت کو اور امتحان کی کامیابی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور سررشتہ مالگزاری کے عہدوں پر ایسے حضرات مامور ہوگئیے جن کی قابلیت محدود ہے اور اس کی وجہ عمال کا اثر زیادہ ہوجاتا ہے

اضلاع کی جدید ضلع | جدید ضلع بندی مہاراجہ بہادر کی مدار المہامی کے زمانہ میں

عمل میں آئی اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ تخفیف مصارف کے لئے خیال کیا گیا کہ سررشتہ مالگزاری میں اول تعلقدار اور تحصیلداروں کی تعداد میں تخفیف مناسب ہوگی اس وقت (۱۰) اضلاع پر اول تعلقدار مامور تھے اور ایک عہدہ دار ضلع عادل آباد پر عملدار کے نام سے مماثل تعلقدار مامور تھا (۱۱۳) تحصیلداریاں قائم تھیں - جدید ضلع بندی کی تفصیلی تجاویز کو مولوی محمد عبدالرحیم صاحب شریک معتمد نے مرتب کیا تھا اور انہوں نے اصول یہ قرار دیا کہ تلنگانہ اور مرہٹواڑی میں زیادہ مواضع پر تحصیلدار کے زیر انتظام رہنا چاہئے اور رقبہ کا ضلع کے جغرافیائی حدود اور خاص حالات کے لحاظ سے بعض مقامات پر کم مواضع کی تحصیل بھی مناسب ہے۔ بارہ تحصیلداروں کو تخفیف کرنے کی اسکیم بنائی اسی طرح لنگسگورکو جو سرحدی ضلع تھا اور خاص حالات کی بناء پر ضلع قراردیا گیا تھا تخفیف کردیا گیا اور اس کے تعلقات گلبرگہ اور رائچور کے اضلاع میں ضم کردئے گئے - عادل آباد کو ضلع بنایا گیا - تفصیلی تجاویز مرتب ہونے کے بعد ایک کمیٹی بنائی گئی اور اوس نے عملاً حسن انتظام نہیں بلکہ تخفیف مصارف کے لحاظ سے ان تجاویز کو منظور کرلیا اس کی وجہ سے مالگزاری کے انتظام پر اثر پڑا خاص کر تعلقات کی شکست کی وجہ سے جو آسایش رعایا کو دفاتر سرکاری کی موجود گی سے قصبات میں حاصل تھی وہ باقی نہ رہی مگر اس کی تعمیل ہوکر ہی رہی - بعض جگہ آباد قصبہ ہونے کی وجہ یہ قرار دیا گیا کہ ڈویژن افسری کا وہاں مستقر رکھا جائے مگر اس سے بھی رعایا کی آسایش متاثر ہوئی کیوں کہ دوم تعلقدار علی العموم وہاں ہی رہتے تھے جہاں پر تحصیل قائم ہو اور اس کی وجہ رعایا کو دفاتر سرکاری میں رجوع ہونے کی سہولت تھی اس انتظام سے وہ سہولت متاثر ہوگئی - ایک تجویز یہ تھی کہ چار صوبہ داروں میں سے ایک کو ختم کردیا جائے مگر قرار پایا کہ چار صوبہ داران بدستور قائم رہیں یہ بھی صورت تھی کہ بعض اضلاع میں صرف خاص مبارک کی تحصیلات قائم تھیں اور وہ علاقہ صرف خاص کے شمار ہوتے تھے اور اوس میں زیادہ مواضع شامل نہ تھے یہ ممکن تھا کہ حسن انتظام کے لحاظ سے ان تعلقات میں مواضعات کا شمول و خروج ہوتا اور تخفیف تعداد بھی ہوتی اور یہ بھی ممکن تھا کہ ایک مکمل ضلع صرفخاص کا قرار دیا جاتا اور ضلع بندی میں دو ضلع صرفخاص کے قرار دئے جاتے اور بلا لحاظ دیوانی اور صرف خاص انتظامی اصول پر تعلقات اضلاع قرار دئے جاتے مگر اس تفریق کو قائم رکھا گیا - ضلع میدک اور صوبہ میدک کے متعلق قدیم سے یہ خیال چلا آرہا ہے تھا کہ قصبہ میدک جو بہت آباد مقام ہے اور ضلع میدک کے وسط میں ہے مستقر صوبہ و ضلع قرار دیا جائے مگر مصارف کے عنوان سے اوس کو منظور نہ کیا گیا - بہر حال ضلع بندی کا جو انتظام ہوا وہ حسن انتظام پر مبنی نہیں سمجھا جاسکتا اس سے نواب مختار الملک کی ضلع بندی جو مقامی حالات پر مبنی رہی متاثر ہوگئی اور عملاً کوئی تخفیف اس سے حاصل نہ ہوئی - رعایا کو ضلع اور تحصیل کے اٹھ جانے سے جو زحمتیں ہوئیں وہ آج بھی محسوس ہورہی ہیں -

گشتیات اور احکام میں تغیر مالگزاری کے جو اصول اور دھارے وغیرہ مقرر تھے اوس کے متعلق وقتاً فوقتاً حسب مناسب تغیرات کئے گئے اور جہاں تک ممکن تھا اوس میں رعایا کی سہولت اور آسانی کو ملحوظ رکھا جاتا تھا مسٹر ڈنلاپ کو چونکہ انتظام مالگزاری کا تفصیلی تجربہ تھا اس لئے گشتیات وغیرہ جو کچھ نافذ ہوتے تھے وہ اصول پر مبنی رہتے تھے اور اوس کے نافذ کرنے سے قبل اول تعلقداروں صوبہداروں کی رائے حاصل کرلی جاتی تھی البتہ اسکی طرف توجہ نہ کی گئی کہ ایک معین ضابطہ مالگزاری مثل عدالت بنادیا جائے اوس کے لئے کسی اعلی تجربہ کار عہدہ دار کو ماسور کرکے یہ کام لیا جاسکتا تھا ایک عرصہ بعد ضابطہ مالگزاری قانون کے طور پر نافذ ہوا اسکے ذیلی قواعد منظور ہونے کے قابل تھے وہ عرصہ تک نظر اندازہوگئے مالگزاری میں حکام ۔ رعایا اور وکلاء سب کا مدار عزیز جنگ مرحوم کے جمع کردہ مجموعہ مالگزاری پر رہا کرتا تھا اور اب تک بھی وہی کار آمد سمجھا جاتا تھا محکمہ فینانس اور عدالت کی طرح مالگزاری کے معین ضوابط کا نفاذ ہنوز نہ ہوا ہے ۔

مالگزاری اور بندوبست سررشتہ مالگزاری آمدنی کا اصل اور اہم ذریعہ ہے اور ملک آصفیہ ھی نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی محصولات زرعی (مالگزاری) آبکاری ۔ کروڑ گیری ۔ جنگلات بڑی حد تک حکومت کے مالیہ کا دار ومدار ہیں ۔ نواب مختار الملک کے زمانہ میں مملکت آصفیہ میں ان تینوں سررشتوں کی تنظیم عمل میں آئی اور بتدریج آمدنی بڑھتی چلی گئی ۔ سہا راجہ مرحوم کے زمانہ مدار المہامی میں قدیم بندوبست کی میعاد اکثر تعلقات میں ختم ہوگئی تھی اور محصولات مالگزاری و بندوبست کا رویزن یا تجدید کا موقع آیا اور ہر تعلقہ کا رویزن ہوتا چلا گیا اس زمانہ میں ہندوستان کے محصولات مالگزاری پر رومیش چندردت کی مشہور و معروف کتاب شائع ہوچکی تھی اور لارڈ کرزن تک کو محسوس کرنا پڑا کہ ہندوستان کے طریقہ محصولات مالگزاری اور مزارعین کی صلاح و فلاح کے لئے اس کتاب کے پیش کردہ امور اہمیت رکھتے ہیں اور قابل غور ہیں ۔ مسٹر ڈنلاپ اور سر جارج کیسن واکر جو در اصل فینانس اور مالگزاری کے ذمہ دار تھے اس قسم کی پیش روی کو چندان پسند نہ کرتے تھے اور نہ کوئی حیدرآباد میں ایسی با اثر آواز موجود تھی جو اس کے لئے حکومت سرکارعالی کو امادہ کرتی ۔

سررشتہ بندو بست کی نظامت مہا راجہ بہادر سے پہلے ھی تخفیف کردی گئی تھی اور اس کا کام معتمدی مالگزاری میں شامل کردیا گیا تھا اور جہاں تک قدیم تجربات کی روشنی میں تجدید دھارہ جات بندوبست کا کام ہوا وہ اچھا ھی ہوا ۔ عموما سرکارعالی کا اصول مالگزاری رعیت واری بندوبست پر شروع سے قائم رکھا گیا اور یہ بھی پیش نظر رہتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو رعایا پر کم سے کم دھارہ رکھا جائے اور خشکی کی زمینات کا دھارہ پیشتر فی یکر ایک روپیہ کے اندر ھی تھا پٹہ دار کو اپنی زمینوں میں اپنے صرفہ سے جو کچھ ترقی کرتا تھا اوس کے فائدہ کا تمتع دیا جاتا تھا

اور اس سے سرکار متمتع نہ ہوتی تھی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ممالک محروسہ میں محصولات مالگزاری رعیت کے لئے گران بار نہیں ہیں ۔ البتہ سودی قرضے ساہوکاروں اور مہاجنوں کا جو ہر گاؤں میں پھیلے ہوئے ہیں کاشت کاروں کو خوش حال بنانے میں بڑی حد تک مزاحم رہے ہیں اور آج بھی جو شکایات کاشتکاروں کا معیار زندگی پست رہنے کے متعلق سنی جاتی ہیں وہ اسی زرعی سودی قرضداری کا نتیجہ ہیں ۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس کے متعلق مہا راجہ بہادر کے زمانہ مدار المہامی میں توجہ ہوتی ۔ زرعی قرضداری کے متعلق برٹش انڈیا میں سررشتہ امداد باہمی مہا راجہ بہادر کی مدار المہامی کے زمانے میں قائم ہوچکا تھا لیکن یہاں ذمہ داران مال و فینانس دونوں کو جو برٹش انڈیا سے آئے ہوئے انگریزوں کے ہاتھ میں تھا اسکی طرف توجہ نہ ہوئی کہ سرکارعالی میں بھی اسی قسم کا کام اسی زمانہ میں جاری کردیا جائے ۔ سررشتہ بندو بست کی نظامت مامور نہ رہنے کا احساس سر جارج واکر کو ہوا جو مسٹر ڈنلاپ کے معاملات میں چنداں دخل نہ دیا کرتے تھے مگر اونھوں نے یہ محسوس کیا کہ مسٹر ڈنلاپ معمر ہوتے چلے جارہے ہیں اور اون کی جانشینی کے لئے ایک دوسرے انگریز عہدہ دار کو لانے کا اہتمام ابھی سے کیا جانا مناسب ہے اور ناظم سررشتہ بندوبست آبپاشی کے نام سے ایک عہدہ قائم کرنے کی منظوری حاصل کی اور اس پر مسٹر ویکفیلڈ کا تقرر ہوگیا ۔ خیال یہ کیا گیا کہ برٹش انڈیا کی طرح آبپاشی سے جو فائدہ سرکار کو ہوتا ہے اور جس طرح اس کے حسابات مرتب ہوتے ہیں ویسے ہی مرتب ہوا کریں اور آبپاشی کی بڑی اسکیموں کے نتائج پر مالگزاری کے نقطہ نظر سے قبل از قبل غور کرنے کے لئے ایک اعلی افسر کی ضرورت ہے اور اونھوں نے اس سررشتہ کے نام سے اس کی منظوری حاصل کی ۔ مسٹر ویکفیلڈ کہاں تک سررشتہ بندوبست و آبپاشی کا تجربہ رکھتے تھے وہ بجائے خود قابل غور ہے حیدرآباد میں ہمیشہ سے یہ شکایت رہی کہ عہدوں کے لئے افراد نہیں بلکہ افراد کے لئے عہدوں کو لایا جاتا ہے وہی بات اس سررشتہ بندوبست اور آبپاشی پر صادق آتی ہے ۔ بعد میں مسٹر ویکفیلڈ کا عہدہ ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل مالگزاری سے بدل دیا گیا اور اون کو مسٹر ڈنلاپ کی جانشینی کے لئے تیار کیا گیا اور جیسے ہی کہ وہ صدر ناظم مالگزاری ہوگئے یہ جدید عہدہ ختم کردیا گیا سررشتہ بندو بست سرکارعالی مستقل ناظم کے نہ ہونے کے باوجود اپنے فرایض کو عمدگی سے مہا راجہ بہادر کے زمانہ میں انجام دیتا رہا اور اس کے بعد انجام دیرہا ہے مگر ایک مستقل ناظم کی عدم موجودگی اس کے کاموں میں ہمیشہ خلل انداز رہی ۔

سررشتہ جات زراعت و صنعت و حرفت

برٹش انڈیا میں ہر صوبہ میں زرعی صنعتی ترقی کے لئے حکومت و مزارعین و اہل حرفہ کو اچھے مشورے دینے اور تجربات کرنے کے لئے سررشتہ زراعت اور صنعت حرفت عرصہ سے قائم ہیں نواب آسمان جاہ کی مدارالمہامی میں یہاں بھی یہ سررشتہ قایم کیا گیا تھا اور نواب وقار الامراکی مدار المہامی میں مسٹر ڈنلاپ کے مشورہ پر تخفیف مصارف کے بہانے سے ختم کردیا گیا ۔ زرعی تجربات کے لئے

اس سررشتہ کی ہمیشہ ضرورت محسوس ہوتی رہی مہا راجہ بہادر بھی وقتاً فوقتاً مسٹر ڈنلاپ کو توجہ دلاتے رہے لیکن مہا راجہ کی پوری مدار المہا می کے زمانہ تک سررشتہ فینانس اور سررشتہ مال دونوں ان سررشتوں کے قیام سے بالکل بے پروا رہے اور اسی کا اثر ہے کہ ممالک محروسہ سرکارعالی کا زرعی و صنعتی حالت پست ہی رہی - روئی اور روغندار تخم - چاول اور گہیوں وغیرہ کے متعلق مزارعین کو زرعی مشوروں کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی تھی اور ایسے سررشتہ کی عدم موجود گی سے وہ چار و نا چار اپنے قدیم اصول ہی پر عمل پیرا رہا کرتے تھے - اسی طرح صنعتی کار خانوں کیلئے سست رفتاری بھی اسی کی وجہ تھی -

عطیات | جاگیرات اور سمستانات اور انعامی اراضی ان سب کا تعلق بھی سررشتہ مال گزاری سے ابتداً سے چلا آرہا ہے مہا راجہ مرحوم کے ذاتی خیالات ہمیشہ یہی رہے تھے کہ طبقہ امرائے عظام جاگیرداروں - زمینداروں سمستان - معاش داروں کا تحفظ کیاجائے اور وہ بھی زمانہ حال کے اقتضاً کو سمجھیں - ذاتی طور پر وہ اپنے طبقہ کے ساتھ میل جول میں انتہائی اخلاق کو ملحوظ رکھتے تھے اور امراً و جاگیرداروں کے باھمی میل جول کے لئے نوبل کلب کو بھی قائم کیا تھا مگر ایک طرف معاشداروں کے باھمی نزاعات اور مقدمہ بازی کے مصارف اصل قابض معاش کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا کرتے تھے اور پھر چپراسی سے لے کر عملہ اور حکام تک مستثنی افراد کو چھوڑ کر سب اون سے تمتع بھی حاصل کرنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے اور یہ بھی ملحوظ نہ رکھا گیا کہ سب کےلئے یکساں اصول و ضوابط بنادئے جائیں متضاد اصول و تجاویز کی انتہا نہ تھی خود مہا راجہ بہادر اپنے احباب کی سعی وسفارش سے مقدمات میں شخصی طور پر دلچسپی لیاکرتے تھے اور بعض وکلاً کا بھی اثر کام کیا کرتا تھا بہر طور طبقہ معاشداروں کو اس کا موقع نہ ملا کہ وہ باستثناً چند کے اپنی جاگیرات کا بہترین انتظام کرتے -

معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ | آمدنی کے صیغہ جات کے بعد تعمیر قومی کے محکمے سامنے آتے ہیں - مہا راجہ مرحوم کی مدار المہامی میں صیغہ جات عدالت کوتوالی و امور عامہ ایک ہی معتمدی میں شامل تھے اگر چہ معین المہام دو تھے اور بعض صیغہ جات راست مدار المہام سے متعلق تھے مگر معتمدی کی یکجائی سے کام عمدگی اور سہولت سے انجام پاتا تھا ان صیغوں میں اہم ترین شعبہ نظم و نسق عدالت سمجھا جاتا تھا - اور اسکی کوشش ابتداً سے حکومت سرکارعالی کی رہی ہے کہ عدالت عامہ کے شعبہ کو انتہائی ترقی دی جائے مہا راجہ مرحوم بھی جہاں تک ہوسکتا تھا عدالت کے کسی معاملہ میں انتظامی مداخلت نہ کرتے تھے اپنے اختیار نگرانی کو جو عموماً ہر مدار المہام کو بہ حیثیت ذمہ دار حکومت رہتا تھا شاذ و نادر ہی کام میں لاتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کام عمدگی سے انجام پا رہا تھا مہا راجہ بہادر کے

مانہ میں معتمدی عدالت پر عماد جنگ اول ۔ سربلند جنگ ۔ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نظامت جنگ بہادر پھر حیدری صاحب مامور ہوئے ۔ مولوی سید افضل حسین صاحب اور اون کے بعد سر بلند جنگ میر مجلس عدالت العالیہ تھے ۔ مولوی سید افضل حسین صاحب کے بعد مہا راجہ بہادر چاہتے تھے کہ بخشی رگھوناتھ پرشاد کو یا تو میر مجلس کی خدمت دی جائے یا معتمدی عدالت یا ورنہ معتمدی سیاسیات کا عہدہ دیا جائے ۔ چونکہ حضرت غفران مکان نے میر مجلسی پر نواب سر بلند جنگ کو اور معتمدی عدالت پر مولوی عزیز مرزا صاحب کو مامور کیا تھا اس لئے اسکی تعمیل ضروری تھی ۔ معتمدی سیاسیات پر فریدون جنگ کی رخصت پر اون کو منصرمی ملنے لگی مگر انتقال ہو جانے سے پھر کوئی موقع نہ آیا کہ مستقل معتمدی دی جاسکے ۔ ورنہ اس کا قرینہ تھا کہ وہ مرکز حکومت میں ترقی کرتے ۔

عدالتی تقررات وغیرہ میں بھی ضابطہ اور استحقاق کو مد نظر رکھکر انتظام ہوتا تھا معتمد اور معین المہام عدالت کے اختلاف کی صورت میں البتہ اپنی رائے سے مہا راجہ مرحوم قطعی احکام دیا کرتے تھے اور عموماً شکایت کا موقع کسی کو نہ ہوتا تھا عدالتیں ضابطہ اور قانون پر عمل پیرا تھیں شخصی مقدمات مسلمانان و ہنود میں شرع وشاستر کو یہاں کی عدالتوں میں برطانوی ہند کی عدالتوں سے زیادہ ملحوظ رکھا جاتا تھا عدالت العالیہ کی جدید اسکیم مہا راجہ مرحوم کے زمانہ میں عمل میں نہ آسکی صرف چند منصفیاں بڑھائی گئیں اور نہ اضلاع کی عدالتوں اور دفاتر کی تعمیر زیادہ تعداد میں عمل میں آسکی ۔ محکمہ فینانس کے ذمہ دار عدالت سے بڑھکر کوتوالی و محابس کے لئے رقمی منظوریاں دیا کرتے تھے اور اوس زمانہ میں اخبارات اور رائے عامہ یہ اظہار خیال کرتے تھے کہ حکومت سرکارعالی عدالت کے مقابل کوتوالی اور محابس کو فوقیت دے رہی ہے اضلاع میں عدالت کے عمارات کے مقابل کوتوالی کے عمارات شاندار بنائے گئے اور خود عدالت العالیہ اور دوسرے دیوانی اور فوجداری عدالتیں بلدہ میں کرایہ کے مکانوں میں تھیں چونکہ مسٹر ہنکن کا اثر بڑھکر تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ فی نفسہ اپنی ذاتی جدوجہد اور ذاتی پیروی سے ہر کارروائی میں خود دلچسپی لیا کرتے تھے اس لئے انکو منظوری بھی جلد حاصل ہو جاتی تھی ذمہ داران سررشتہ عدالت کو زیادہ دلچسپی نہ تھی اس لئے اونکو اپنی ہی حالت پر قانع رہنا پڑتا ۔ عدالتوں کی تنظیم اور پیش روی زیادہ تر عہد عثمانی میں عمل میں آئی ۔ جوڈیشل کمیٹی کو یا دوسرے الفاظ میں پریوی کونسل کو مہا راجہ مرحوم کی مدار المہامی میں بڑی تقویت ہوئی اس کے لئے ضابطہ اور اصول منضبط ہوتے چلے گئے اور سرکارعالی کی جوڈیشل کمیٹی کو ایک خاص امتیازی صورت حاصل ہوگی ۔ مشیر قانونی ۔ معتمدی مجلس وضع قوانین کا ایک نیا عہدہ بنایا گیا اور یہ کام معتمدی عدالت سے نکال لیا گیا کرشنا چاری صاحب اوس پر مامور کئے گئے ۔

صیغہ تعلیمات معتمدی عدالت کوتوالی امور عامہ سے متعلق تھا اور اس کی شدید ضرورت محسوس کرلی گئی تھی کہ ملک میں تعلیمی پیش روی ہونی چاہئے مگر وہ ایک عرصہ تک لارڈ کرزن کے قائم کردہ یونیوسٹی کمیشن کی رپورٹ اور تصفیہ کے انتظار میں اسے ملتوی رکھا گیا ۔ اس کے بعد عماد الملک نظامت تعلیمات سے وظیفہ پر سبکدوش ہوگئے ۔ مسٹر واکر کی رائے تھی کہ نظامت تعلیمات پرمسٹر سیٹن پرنسپل نظام کالج کو ناظم تعلیمات بنا ناچاہئے ۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے معتمد تعلیمات کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت غفران مکان کی منظوری ڈاکٹر سید سراج الحسن سراج یار جنگ کو ناظم تعلیمات بنانے کی حاصل کی ۔ یہ انتظام مسٹر واکر کو ناپسند ہوا اور انہوں نے ایک عارضی عہدہ مشیر تعلیمات کا قائم کرنے پر زور دیا کہ تعلیمی حالات ملک اور تجاویز پیشروی وہ مرتب کریں ۔ اور اس کے بعد قدم آگے بڑھایا جائے ۔ ان کی یہ رائے منظور ہوئی اوراس پر مسٹر سیھو جو سررشتہ تعلیمات مدارس سے تعلق رکھتے تھے مامور کئے گئے اور ان کے رپورٹ کے پیش ہونے اور تصفیہ ہوجانے تک تمام تحریکات متعلق سررشتہ تعلیمات کو ملتوی رکھنے کا تصفیہ ہوگیا ۔ اور اس طرح مہاراجہ کے دور مدار المہامی میں رفتار ترقی رک گئی ۔ باوجود اس کے خود بخود ایک اہم اور اصولی ترقی تعلیمات میں ہوسکی ۔ جامعہ پنجاب نے حیدر آباد میں عربی فارسی کے متعلقہ امتحانات سے یونیورسٹی کمیشن کے تصفیہ کے مطابق قطع تعلق کر دیا ۔ معتمد اور معین المہام تعلیمات کی رائے کو مہاراجہ کشن پرشاد نے منظور فرمالیا کہ خود سرکار عالی ایسے امتحانات جو جامعہ پنجاب لیا کرتی تھی اپنے اہتمام سے شروع کرے اور س کے لئے مولانا شبلی طلب ہوئے اور مولوی عبدالحلیم اس کے مددگار ناظم بنائے گئے بالاخر تجاویز مرتب ہوئے اور ایک کمیٹی میں جس میں ماہر تعلیمات شامل تھے اور جس کے صدر نواب فخر الملک مرحوم تھے ترمیم مناسب کے بعد منظور کیا گیا سررشتہ تعلیمات نے اون مدارس اضلاع و بلدہ کا تعلق جو بغیر انگریزی کے اردو اور ملکی السنہ میں تعلیم دیا کرتے تھے انہی امتحانات کے تحت کردیا اور یہی امتحانات و نصاب بالاخر عظیم الشان جامعہ عثمانیہ کی بنیاد کا ذریعہ بن گئے ۔

دوسری تعلیمی ترقیاں بھی جو بغیر جدید رقمی منظوریوں کے ہوسکتی تھی ایک حد تک عمل میں آئیں ۔ بہر حال مہاراجہ کے دور مدار المہامی میں یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ ملک کی تعلیم توجہ کے قابل ہے اور وسیع بنیادوں پر اس کی ترقی ہونی چاہئے ۔

نواب عماد الملک کو مہاراجہ کی مدار المہامی میں وظیفہ طویل خدمات سرکار عالی کے بعد دیا گیا او راس کے بعد لارڈ مارلے وزیر ہند نے اپنی انڈیا کو نسل میں بطورمشیر ان کو انگلستان میں مامور کیااور ڈاکٹر سراج یارجنگ مرحوم ناظم تعلیمات قرار پائے تھے ور وہ ملک کی تعلیمی حالت کا تجربہ اور اصلاح کا شغف رکھتے تھے مگر مہاراجہ کی مدار المہامی کے بعد جب اصلاحات تعلیمی کا وقت آیا ان کو عدالت العالیہ کی رکنیت پر مدیل کردیا گیا ۔

مہاراجہ کی مدار المہامی ھی کے زمانہ میں ایک حد تک صنعتی تعلیم کے لئے توجہ آغاز ھوئی ۔ اورنگ آباد، بیدر، نظام آباد میں صنعتی مدرسے قائم ھو سکے ۔ جس کا صرفہ بڑی حد تک لوکلفنڈ پر عاید کیا گیا ۔ اور یہ بھی مہاراجہ مرحوم نے اصول قرار دیا کہ ھر ضلع میں صنعتی مدرسہ لوکل فنڈ سے قائم ھو ۔

صیغہ طبابت | مہاراجہ کی مدار المہامی کے زمانہ میں صیغہ طبابت بھی معتمدی امور عامہ سے متعلق تھا اور مہاراجہ کے دور ھی میں ملک کے انتظامات طبابت و حفظان صحت کو وسعت دینے پر توجہ آغاز ھوچکی تھی ۔ متعدد اسکیمیں منظور ھو ئیں ۔مہاراجہ ھی کے زمانے میں رزیڈنسی سرجن سے نظامت طبابت کا تعلق منقطع کرتے ھوئے علحدہ ناظم طبابت کا عہدہ قائم کیا گیا ۔ وکٹوریہ زنانہ ھاسپتال کاسنگ بنیاد بھی امین باغ میں رکھا گیا اور مہاراجہ کی مدا رالمہامی کے دور میں اس کا افتتاح ھو گیا ۔ افضل گنج جنرل ھسپتال کی بجائے ایک جدید جنرل ھسپتال کی قیام کی تجاویز طغیانی رود موسی کے بعد مرتب ھوئیں مگر اس کی تعمیر مہاراجہ کی مدار المہامی میں آغاز نہ ھوسکی تھی ۔ لبتہ صدارت عظمی کے دور میں عثمانیہ جنرل ھسپتال کا افتتاح اور افضل گنج کی عمارات اسے یہاں جنرل ھسپتال منتقل ھوئے ۔

طبابت یونانی کے سررشتہ کی بھی تھوڑی بہت ترقی ھوتی رھی ۔

سررشتہ امور مذھبی | سررشتہ امور مذھبی کی معتمدی معتمدی عدالت سے متعلق کردی گئی تھی اور مہا راجہ کے دور مدار المہامی میں اسکی جانب خصوصیت سے توجہ کی گئی کہ ملک میں فرقہ واری نزاعیں اور ھنگامے نہ ھونے پائیں اور اسکے متعلق ایک اصول قائم کیا گیا کہ جدید تعمیر عمارات مذھبی یا جدید رسم و جلوس مذھبی کے متعلق متعلقہ سررشتوں کی رائے اور خود مقامی باشندوں کی رائے کو مد نظر رکھتے ھوئے اجازت سرکار سے عطا کی جائے اور اس میں سب مذاھب اور فرقوں پر یکساں پابندی رکھی گئی اور یہ کہا جاسکتا ھے کہ مہا راجہ نے قدیم روایات سلطنت کو جو ملک کے قومی اتحاد کے متعلق نسلا بعد نسل چلی آرھی تھیں قائم رکھنے پر خاص توجہ کی تھی اور اس کا اچھا اثر ملک کے فرقہ واری تعلقات و امن و امان پر پڑا ۔

ٹپہ | سررشتہ ٹپہ بھی اس زمانے میں معتمدی امور عامہ سے متعلق تھا ۔ رزیڈنسی اور برٹش سررشتہ ٹپہ کا یہ رجحان تھا کہ سرکارعالی کے سررشتہ ٹپہ کو انگریزی ٹپہ کے ساتھ ملحق کرد یا جائے ۔ مگر اعلی حضرت غفران مکان کے زبردست رحجان سے یہ تجویز منظور نہ ھوسکی اور یہ تصفیہ ھوا کہ انگریز عہدہ دار ٹپہ برٹش انڈیا سے طلب کرکے ناظم ٹپہ سرکارعالی بنایا جائے اور سرکارعالی کے سررشتہ ٹپہ اور ٹپہ خانوں کا انتظام برٹش انڈیا کے مماثل کیا جائے ۔ مسٹر ھوسن ناظم ٹپہ مقرر ھوئے اور مہا راجہ کی مدار المہامی کے دور میں سررشتہ ٹپہ سرکارعالی وسعت کے ساتھ ترقی کرنے لگا ۔

ٹپہ خانے زیادہ کئے گئے اور ان کا انتظام بڑٹش انڈیا کی رفتار پر لالیا گیا ۔ اشیاء ٹپہ کو بیمہ کرنے اور منی آرڈر کا طریقہ بھی کامیابی کے ساتھ رائج ہوگیا ۔

سررشتہ رجسٹری :— یہ بھی اس وقت معتمدی امور عامہ سے متعلق تھا ۔ اس میں ترقی ہوتی رہی ۔مہا راجہ کی مدارالمہامی کے زمانہ میں ڈاکٹر جارج نندی اسکے ناظم تھے ۔

محکمہ تعمیرات مہا راجہ کی مدار المہامی میں جس قدر سررشتہ تعمیرات نے وسیع ترقی کی دوسرا سررشتہ نہ کرسکا ۔ مولوی میر کاظم علی صاحب اسکے معتمد قرارپائے ۔ اور وہ روشن خیالی کے ساتھ ملک کے تعمیرات کو ترقی دینے کی طرف متوجہ رہے ۔ اگرچہ رزیڈنسی اور محکمہ فینانس کا رجحان یہ تھا کہ اعلی ذمہ داری تعمیرات انگریز افسروں کے سپرد رہے جو برٹش انڈیا سے طلب ہوں اور مولوی کاظم علی صاحب سبکدوش ہو جائیں ۔ مگر مہا راجہ اور نواب افتخار الملک معین المہام تعمیرات کی توجہ سے مولوی کاظم علی صاحب سررشتہ تعمیرات کو ترقی دینے میں کامیاب ہوسکے ۔ نواب وقار الامرا کی مدار المہامی کے زمانے میں کرامت جنگ اور علی نواز جنگ کو انگلستان کے کو پرس ھل کالج میں تعمیرات کی اعلی تعلیم و تربیت دلائی گئی اور فاضل موراج صاحب کو بھی جو کوپرس ھل کالج ھی کے تعلیم یافتہ تھے اور بھی کئی دیسی اعلی تعلیم یافتہ افراد کو سررشتہ تعمیرات میں ملازم کرلیا گیا تھا مولوی کاظم علی صاحب نے ان عہدہ داروں کو سررشتہ تعمیرات کی ذمہ داری ملنے کے لئے مہا راجہ کو متوجہ کیا اور مہا راجہ ھی کی تائید و توجہ سے فاضل موراج اورکرامت جنگ تعمیرات کے دونوں شاخوں کے ناظم مقرر ہوئے ۔ سررشتہ تعمیرات و آبپاشی کےلئے زائد گنجائش موازنہ میں شریک کرائی گئی ۔ سررشتوں کی ضروریات تعمیری کےلئے اسٹانڈرڈ پلان عمارات کےلئے بنائے گئے ۔ آسان قواعد منظوری رقوم و اجرائی کار کےلئے مرتب ہوئے اور اس کا نتیجہ سال بہ سال سررشتہ تعمیرات و آبپاشی کی ترقی میں نمایاں نظر آنے لگا ۔ مولوی کاظم علی صاحب کی وظیفہ یابی کے بعد فاضل موراج صاحب معتمد تعمیرات ہوئے اور وہ بھی مستعدی اور ترقی پسند رجحان کے ساتھ کام کرنے لگے ۔

مہا راجہ ھی کے دور مدار المہامی میں رود موسی کی شدید طغیانی ہوئی اور دار السلطنت کی از سر نو تعمیر اور آئندہ طغیانی کے وقوع میں نہ آنے کے لئے ہندوستان کے مشہور و معروف انجنیر سر ویشو یشور آئر کی خدمات حاصل کی گئی جو اس وقت بمبئی پریسیڈنسی میں ناظم تعمیرات کا عہدہ رکھتے تھے اور جنہوں نے میسور میں اپنی قابلیت فن تعمیر کو نمایاں کیا تھا ۔ علی نواز جنگ مرحوم ان کے نائب بنائے گئے ۔ ان دونوں مشہور و معروف انجنیروں کی محنت کا نتیجہ عثمان ساگر و حمایت ساگر کے تالابوں کی صورت اور ذرائع آبرسانی و ڈرینج کی صورت میں ظاہر ہوا ۔

دوسرے آبپاشی کے کام ، سرکاری دفاتر کے عمارات ، سڑکیں بھی کثرت سے

تعمیر ہوئے ۔ سررشتہ کے لئے سالانہ امداد گنجائش رقمی زیادہ منظور ہونے لگی اور یہ سررشتہ برٹش انڈیا کے مماثل کام کرنے لگا ۔

دریائے تنگ بھدرا سے حکومت مدراس آبپاشی کے انتظامات بطور خود عمل میں لانا چاہتی تھی اور اس کا مطالبہ یہ تھا کہ نواب سالار جنگ کا جاگیری علاقہ کپل اسکے رقمی معاوضہ کے طور پر دیدیا جائے ۔ اس تحریک کو منظور کرانے کے لئے خود لارڈ اپھنلی گورنر مدراس حیدرآباد آئے ۔ مہا راجہ کی رائے کے لحاظ سے حضرت غفران مکان نے اس تحریک کو منظور نہ فرمایا اور بالآخر دور عثمانی میں نواب علی نواز جنگ کی فنی قابلیت اور نکتہ رسی کی بدولت دونوں حکومتوں کے مشترکہ صرفہ اور مشترکہ انتظام سے بند بنانے اور نہریں نکالنے کا انتظام آغاز ہوا ہے اور امید ہے کہ چند سال کے بعد دونوں علاقوں کے اضلاع کرناٹک کی زرعی سرسبزی نمایاں ہوسکے گی ۔

سررشتہ بلدیہ | مہا راجہ کی مدار المہامی ہی کے زمانے میں چادرگھاٹ اور حیدرآباد کے مجالس صفائی ملا دیئے گئے اور اچھے انتظامات کا آغاز ہوا ۔ اضلاع میں بھی مجالس لوکل فنڈ کو ترقی دینے کی تجویز ہوئی تھی مگر اسکے انتظامات میں زیادہ وسعت نہ ہوسکی تھی ۔ بہر طور مہا راجہ کشن پرشاد کے دور مدار المہامی میں تعمیرات و آبپاشی حقیقتاً بہت ترقی کرسکے ۔ ملک کے نوجوان قابل افراد کو انگلستان و برٹش انڈیا میں انجنیری کی تعلیم دلائی گئی اور وہ بعد فراغ تعلیم سررشتہ تعمیرات کی خدمات ادا کرنے لگے ۔ برٹش انڈیا سے بھی چند قابل انجنیروں کو لیا گیا ۔ بہر طور انتظام کامیابی حاصل کرنے لگا ۔

سررشتہ جات فوج | مہا راجہ کی مدار المہامی میں افسر الملک سپہ سالار فوج تھے اور یہ تحریک کامیابی حاصل کرسکی کہ سرکارعالی کی فوجوں کو اچھی بندوقیں حکومت انگریزی مہیا کرے اور جس حدتک امکان میں تھا فوج باقاعدہ سرکارعالی کی کارکردگی کو تقویت دی جائے ۔ فوجی اسپورٹس کو ترقی ہوئی اس پر برٹش انڈیا بعض افسران کو فوجی ٹریننگ بھی دلائی گئی ۔ امپریل سرویس کے رسالہ کی تعداد نفری آٹھہ سو سے بڑھا کر بارہ سو تک کی گئی سابقہ تصفیہ کو قائم رکھا گیا کہ زمانہ جنگ میں تو یہ فوج تحفظ ہندوستان میں حصہ لے گی مگر زمانہ امن میں ملک سرکارعالی کے انتظام میں اور اورسرکارعالی ہی کے ملک میں مقیم رہے گی ۔

فوج بے قاعدہ میں جو تخفیف تعداد ہو رہی تھی اس میں مہا راجہ کے التفات اور توجہ سے ایسا نظام العمل بنا گیا کہ تخفیف تدریجی ہو اور جہاں تک ممکن ہو قدیم، موروثی جمعداروں اورسپاہیوں کے حقوق متاثر نہ ہوں ۔

وضع قوانین | مہا راجہ کی مدار المہامی کے زمانہ میں مجلس وضع قوانین

عمدگی سے کام کرتی رہی خود مہاراجہ صدر مجلس وضع قوانین تھے ۔ قانون تعزیرات آصفیہ ضابطہ دیوانی ، ضابطہ فوجداری شہادت اور دوسرے تمام فوجداری اور سیول قوانین یکے بعد دیگرے نافذ ہوتے چلے گئے ۔ اور ملاحظہ روئداد ھائے مجلس وضع قوانین سے اس کا پتہ چل سکتا ھے کہ کسقدر باقاعدگی سے کام ہوا کرتا تھا ۔ مہا راجہ کی مدارالمہامی تک ہر رکن خواہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری اپنی رائے دینے میں آزاد تھا اور جوصورت برٹش انڈیا کی مجالس وضع قوانین کی تھی کہ سرکاری اراکین سرکاری پالیسی ھی کی تائید میں اپنی رائے دیں یہاں نہ تھی ۔ ہر رکن رائے دینے میں آزاد تھا اور روئدادوں سے اور خود قوانین کے مطالعہ سے یہ واضح ہوسکتا ھے کہ کسقدر سنجیدگی و پابندی اور آزادی رائے کے ساتھ مجلس وضع قوانین بہ صدارت مہا راجہ کام کر رہی تھی ۔

اھم واقعات حکومت | نظم و نسق سلطنت کی اسقدر توضیح پر اکتفا کرتے ہوئے اب چند اھم واقعات سلطنت کا بھی تذکرہ کردیا جاتا ھے ۔

مہا راجہ کی مدارالمہامی کے دوسرے ھی سال لارڈ کرزن حیدرآباد آئے ۔ اورمہا راجہ کو مراسم سرکاری میں مدار المہام اور سینیر امیر سلطنت کی حیثیت سے حصہ لینا پڑا ۔ اور اسی مدار المہامی کے بعد برار اور تخفیف فوج کا معاھدہ ھوا ۔ لارڈ کرزن کی واپسی کے بعد دھلی دربار کی شرکت کے لئے حضرت غفران مکان معہ ولی عہد والاشان اور مہاراجہ کشن پرشاد شاھی تزک احتشام کے ساتھ دھلی گئے اور اس دربار میں فرماں روائے حیدرآباد کے اعزاز و احترام کو ملحوظ رکھنے کےلئے بہت کچھ کام مہا راجہ کشن پرشاد کو حضرت غفران مکان کے فرامین کی بنا پر کرنا پڑا۔ تھا حضرت غفران مکان نے اسکو نا پسند فرمایا کہ فرمانر روائے حیدرآباد وئسرائے ھند کے سامنے اس طرح پیش ہوں جو بمنزلہ طواف ہو جائے اور جس سے عظمت فرمانر روائے حیدرآباد متاثر ہو ۔ یا ولی عہد والا شان حیدرآباد یا سلطنت حیدرآباد کی فوج کی کمان کرتے ہوئے جلوس فوجی میں ویسرائے کے سامنے سے گذریں ۔ دربار دھلی سے واپسی کے بعد سنہ ۱۹۰۳ع میں حضرت غفران مکان کے حیدرآباد میں استقبال کےلئے مہا راجہ کشن پرشاد نے رعایا کی جانب سے اس طرح کے انتظامات کئے جو سفر کلکتہ کےوقت ہوئے ۔ حیدرآباد کو استقبال حضرت غفران مکان کے لئے بڑی رونق و شان کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا ۔ تمام شہر میں چراغاں کیا گیا اسکی یاد اب تک دیکھنے والوں کے دلوں میں تازہ ھے اور سپاس نامہ خیرمقدم پبلک کے منعقدہ جلسہ میں خود مہا راجہ کشن پرشاد نے انتہائی ادب و عقیدت کےساتھ پڑھا تھا ۔

ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۳ھ میں حضرت غفران مکان کے جلوس سلطنت پر چالیس سال گذر رہے تھے ۔ اور عمر بھی چالیس سال سے متجاوز ہورھی تھی ۔ مہا راجہ کشن پرشاد نے اس کا اہتمام کیا کہ اس موقعہ پر حضرت غفران مکان کی سلور جوبلی چالیس سالہ سالگرہ مبارک اور ۲۵ سالہ زمام اقتدار پر منائی جائے ۔ یہ جشن جوبلی بھی انتہائی تزک

و احتشام سے منعقد ہوا۔ عروس البلاد ہند حیدرآباد بڑی عقیدت مندی کے ساتھ جشن جوبلی کو مناسکا ۔ اور حضرت غفران مکان بھی انتہائی محبت و رعایا نوازی کے ساتھ اس کی تقریبات میں شامل ہوتے رہے ۔ فوجی پریڈ کے بعد فوج امراءؑ اور عوام الناس کے سامنے حضرت غفران مکان نے مہا راجہ کو مرصع چغہ عطا فرما کر ان کی عزت افزائی فرمائی۔ حکومت برطانیہ و حکومت ہند نے بھی مبارک باد روانہ کی تھی ۔ اسی ضمن میں مصنوعات و پیدا وار ممالک محروسہ کی بھی شاندار نمایش باغ عام میں منعقد کی گئی تھی ۔

جوبلی کے بعد پرنس آف ویلز کی حیثیت سے جارج پنجم اپنی سیر ہندوستان کے ضمن میں حیدرآباد بھی آئے اور دونوں جانب سے اخلاص و ارتباط کا نمایاں اظہار ہوا ۔ مگر اس دوران ورود پرنس آف ویلز میں حضرت غفران مکان کی بڑی صاحبزادی نظام النساءؑ بیگم صاحبہ کا انتقال ہوگیا اور خوشی کی تقریبیں غم سے مکدر ہوگئیں ۔ اسی زمانے میں موٹر کی سواری جو ہندوستان میں رائج ہوچکی تھی حیدرآباد میں بھی زیادہ رائج ہوگئی ۔ اور خود حضرت غفران مکان نے بھی اس کی سواری کو پسند فرمایا اور اسکے بعد سے بتدریج چوکڑا اور فوجی جلوس کے ساتھ شاہی تزک و احتشام کی سواری موٹر کی سادہ سواری سے مبدل ہوگئی ۔

سنہ ۱۹۱۰ع میں شاہ برطانیہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال ہوگیا ۔ اور حیدرآباد نے بھی اس کا سوگ کیا ۔ پھر جب یہ اعلان ہوا کہ ڈسمبر سنہ ۱۹۱۱ع میں خود ہزمجسٹی شاہ جارج خاص دہلی میں جشن تاجپوشی کی تجدید فرمائینگے اور دو سابقہ مواقع کی طرح دہلی میں دربار منعقد ہوگا اور والیان ریاست مدعو ہونگے تو اسکی تیاری حیدرآباد میں آغاز ہوگئی ۔ مہا راجہ کشن پرشاد نے اس امر کے متعلق کارروائی آغاز کی تھی کہ اس موقع پر برار کے معاہدہ پر نظر ثانی بھی ہو اور فرمان روائے حیدرآباد کی مخاطبت ہز مجسٹی کے الفاظ سے تسلیم کی جائے اور خود فرمان روائے برطانیہ کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی جائے مہا راجہ نے اپنے معروضات حضرت غفران مکان کے پیش گاہ میں پیش کئے اور وہاں سے یہ فرمان شرف نفاذ لایا تھا کہ اس کے لئے کس طرح کارروائی کی گئی اسکی صراحت کی جائے ۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ کارروائی بڑی حدتک موافق مرام چلنے لگی تھی کہ حضرت غفران مکان کا انتقال چوتھی رمضان سنہ ۱۳۲۹ھ کو ہوگیا ۔

ایک معتبر حلقہ کا بیان ہے کہ اس وفات حسرت آیات کی وجہ انگریزی حکومت جو حضرت غفران مکان کی زندگی میں ان کی منزلت کو زیادہ کرنے پر رضامند ہوچکی تھی اب اس سے پیچھے ہٹ گئی ۔ اور وہی حالت قائمہ قائم رہی جو پہلے تھی بلکہ کچھ اس سے پیچھے ہی قدم ہٹایا گیا ۔

جدید فرمان روائے حیدرآباد

حضرت غفران مکان دوسری رمضان کو کچھ علیل ہوگئے تیسری کو معلوم ہوا کہ علالت شدید ہوگئی ہے اوس وقت حضرت غفران

مکان قصر فلک نما میں مقیم تھے - شب کا بڑا حصہ گذر نے پر علالت زیادہ شدید
ہوگئی - رزیڈنٹ وقت ، مہا راجہ کشن پرشاد اور اعلی حلقہ کے افراد کی آمد و رفت شب
میں فلک نما پر ہو رہی تھی - چوتھی رمضان کی صبح میں بھی مہا راجہ کشن پرشاد
اور دوسرے امرا اور طبابت پیشہ افراد کی سرگرمیاں فلک نما کی طرف نقل و حرکت
کر رہی تھی - گیارہ بجے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اب حضرت آصفجاہ سادس کی روح پرواز
کرچکی ہے - دار الحکومت حیدرآباد کےلئے یہ نازک اور غیر متوقع حادثہ تھا اور امرا
کے دو عالی پایہ افراد کنگ کوٹھی میں اس حادثہ کو عرض کرنے حضرت آصفجاہ سابع
کی خدمت میں حاضر ہوئے - نعش چو محلہ میں لا لی گئی - ایک طرف تجہیز و تکفین
کی تیاری آغاز ہوئی تو دوسری جانب جدید فرمان روا کے جلوس کا اعلان کرنا تھا -
مہا راجہ کشن پرشاد کی دیوڑھی میں ان کے حسب الطلب دو پہر کے وقت فریدوں جنگ
اپنے منتظم پیشی مولوی عبد العزیز صاحب مرحوم کو لے کر حاضر ہوئے - نواب افتخار الملک
معین المہام کوتوالی سلطان یاور جنگ کوتوال حیدرآباد بھی وہاں آگئے - اور یہ طے
پایا کہ فرمان روائے حیدرآباد کے اعلان جلوس کے لئے گورنر جنرل کی اجازت کی ضرورت
نہیں ہے - جریدہ ایک بادشاہ کے انتقال اور دوسرے کے جلوس کا شایع ہونا چاہئے -
اور اسی میں تعطیل کا بھی حکم نافذ ہونا چاہئے - اور حسب عمل درآمد قدیم چار مینار
اور شہر حیدرآباد کے ہر دروازہ اور کھڑکی پر بھی انتقال و جلوس کا اعلان ہوجانا چاہئے -
اس کے بعد دوسرے دن جلوس شاہی کا بھی جریدۂ غیر معمولی نافذ ہو جانا چاہئے -
مولوی عبد العزیز صاحب نے مہا راجہ کشن پرشاد اور فریدوں جنگ کے منشا کے مطابق
غیر معمولی جریدوں کے مسودے مرتب کئے جو حسب الحکم مدار المہام سرکار عالی
نافذ ہوئے اور اس میں اعلی حضرت آصفجاہ سابع کے جلوس کے حکم کا بھی مناسب
الفاظ میں اندراج تھا - یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان جریدہ ہائے غیر معمولی میں شاہی
خطابات کے اندراج میں تسامح ہوگیا تھا اور اسکی وجہ بعد میں اسکی اصلاح میں
پیچیدگی پیدا ہوئی تھی اور اس میں یہ تسامح بھی تھا کہ جس طرح حضرت غفران
مکان نے اپنے حصول اقتدار سلطنت کے بعد اپنے طریقہ اور پالیسی حکومت کو جن بلیغ
الفاظ میں بذریعہ جریدہ غیر معمولی واضح فرمایا تھا اسکو بھی نظر انداز کردیا گیا -
بہر طور مہا راجہ کشن پرشاد اس حادثہ عظیمہ پر انتہا درجہ سوگوار تھے - نواب افتخار الملک
معین المہام کوتوالی اور کوتوال حیدرآباد نے چار مینار پر بادشاہ کے انتقال اور بادشاہ کے
جلوس کی منادی جمعیت کوتوالی کے ساتھ حاضر الوقت عوام الناس کے سامنے کی اور پھر بقیہ دروازوں
کھڑکیوں پر کوتوال حیدرآباد اعلان کرتے رہے اعلی حضرت آصف سابع نے تجہیز و تکفین و
تدفین کے متعلق حسب عادت عمل آوری کی ہدایت کی - تمام شہر سوگوار و متاثر نظر
آرہا تھا - شب میں تقریباً گیارہ بجے مکہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھی گئی - مہا راجہ
کشن پرشاد بھی اس موقع پر موجود تھے - بعد نماز جنازہ مکہ مسجد ھی میں تدفین
ہوگئی - اس کے بعد زیارت اور ایصال ثواب وغیرہ کے طریقے حسب عادت اختیار کئے گئے
کنگ کوٹھی پر مرکز حکومت منتقل ہوگیا پنجشنبہ کو مکہ مسجد میں فاتحہ زیارت

ہوئی اور سہ پہر میں حسب عادت قدیم منجھلی بیگم کی حویلی میں تعزیت کا دربار اعلی حضرت آصف سابع نے منعقد کیا ۔ کرنل پھنسے رزیڈنٹ نے تعزیت برطانوی حکومت کی جانب سے ادا کی اور حضرت آصف سابع نے اس کا مناسب جواب انگریزی میں ادافرمایا۔ جمعہ کو تہنیت محل چو محلہ میں جلوس شاہی کادربار ہوا ۔ ان دونوں درباروں کے مواقع پر کنگ کوٹھی سے پنچ محلہ تک جلوس شاہی کے ساتھ آمد و رفت ہوئی اور چوکڑہ میں اعلی حضرت نے مہا راجہ کشن پرشاد اور افسر الملک کو اپنے سامنے بیٹھنے کااعزاز عطا فرمایا تھا ۔ اور رعایائے حیدرآباد کو جلوس فرمان روائی سے دلجمعی ہوئی اور اس جلوس پر گرم جوشی وفا شعاری ظاہر کر رہی تھی ۔

تفصیلات کا موقعہ نہیں ہے بہر طور مہا راجہ کشن پرشاد اور افسر الملک کو ابتدا میں بڑی حدتک تقرب شاہی حاصل ہوگیا تھا اور ایسے نازک موقع پر زمام حکومت کی ذمہ داریاں بڑی حدتک مہا راجہ کشن پرشاد سے وابستہ تھیں ۔ روزانہ مہا راجہ کو کنگ کوٹھی پر کافی عرصہ تک باریابی کا موقع ملتا تھا ۔ عماری کے جلوس اورخلوت میں نذر کا دربار اور فوجی پریڈ میں مہا راجہ کا خاص تقرب پبلک کو نظر آرہا تھا ۔ مہا راجہ پر دو ذمہ داریاں عائد ہوگئی تھیں نئے بادشاہ کے منشا کو ملحوظ اور انگریزی حکومت کا بھی اعتماد قایم رکھنا اور اونکو ملحوظ رکھنےکے ساتھ ھی ساتھ نظم و نسق سلطنت کو بھی حسب عادت جاری رکھا ۔ طاعون بھی دفعۃ دار السلطنت حیدرآباد میں شایع ہوگیا تھا اور مخلوق میں پریشانی پھیل رہی تھی ۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ قصر شاہی کے محلات مبارک و خانوادہ شاہی کے حالات کو بھی ملحوظ رکھنا تھا ۔ ایصال ثواب ، خیرات و مبرات کے کام کو بھی انجام دینا تھا ۔ ساتھ ہی ساتھ دھلی دربار کی تیاری بھی کرنی تھی جو ذیحجہ میں منعقد ہو رہا تھا ۔ یہ حقیقت ہے کہ مہا راجہ حضرت غفران مکان کے انتقال سے انتہا درجہ متاثر تھے ۔ تاہم انہوں نے اپنا یہ فرض سمجھا تھا کہ نمک حلالی کے ساتھ سلطنت کے کاروبار کو عمدگی سے جاری رکھاجائے اور نئے فرمان روائے ملک کو بھی ذمہ داری سلطنت سے باخبر رکھا جائے ۔ بہر طور مہا راجہ کشن پرشاد اپنی ذمہ داری بڑی حسن و خوبی سے انجام دے رہے تھے ۔ ۔ دھلی دربار میں بھی شریک ہوئے وہاں سے واپسی کے بعد طاعون کی شدت سے سواری اعلی حضرت اورنگ آباد روانہ ہوئی ۔ چند ہفتے مہا راجہ کشن پرشاد بھی وہاں ھی مقیم رہے مگر رعایا کی حالت مدار المہامی کی ذمہ داری اور طاعون کی پریشانیوں سے حیدرآباد آئے ۔ اسکے بعد شاہی کیمپ ورنگل منتقل ہوا پھر حیدرآباد میں مراجعت ہوگئی ۔ بتدریج حالات نے مراجعانہ اثرات قبول کئے ۔ پائیگاہوں کے انتظام میں تغیر ہوا ۔ سلطان یاور جنگ کوتوالی سے سبکدوش کئے گئے اور محمد عبد الکریم خان سرکردہ کوتوال ہوگئے ۔ اور انھوں نے کچھ اس قسم کی انٹریگ شروع کی جو عظیم ترین تغیرات سلطنت کا باعث ہوئی ۔ دھلی جانے سے پہلے یا اسی زمانے میں مجلس وضع قوانین کی توسیع کے متعلق اعلان کیا گیا ۔ اور اس عمارت کا بھی افتتاح عمل میں آیا جو مجلس وضع قوانین کے

اجلاس کےلئے حضرت غفران‌مکان کی منظوری سے تعمیر ہوئی تھی ۔ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ذمہ داران مال و فینانس‌اور خود کرشنا چاری صاحب معتمد مجلس وضع‌قوانین کے تامل سے اصلاحات و توسیع دستوری کا قدم استواری کے ساتھ نہ اٹھایا گیا ۔

حالات روز بروز نازک ہوتے چلے گئے ۔ قصر شاہی ہی سے حکومت کی تفصیلی ذمہ داریاں وابستہ ہوتی چلی گئیں ۔ مہا راجہ نے زبانی و تحریری معروضات بھی کئے مگر بالاخر مہا راجہ کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ سابقہ مدار المہاموں کی طرح خود بھی چھ ماہ کی رخصت کی درخواست گزاردیں اگر چہ مہا راجہ رزیڈنسی اورگورنر جنرل کی تائید حاصل کرسکتے تھے مگر انہوں نے سبکدوشی ہی مناسب سمجھی اور چھ مہینے کی رخصت کا معروضہ گذران دیا اور اسکو منظور فرماتے ہوئے نواب سالار جنگ مدارالمہام مقرر ہوئے اور اس طرح تقریباً گیارہ سالہ مدار المہامی کا دور جو عمدگی اور پیش روی کے ساتھ جاری تھا ختم ہوگیا ۔

راجہ کشن پرشاد نے نواب مختار الملک کا ایک فقرہ نور چشم میں لکھا ہے وہ اس موقع پر قابل ملاحظہ ہے ۔

” نوجوان بادشاہ کی حکومت کے زمانہ میں بوڑھے وزیر کا خانہ نشیں ہونا اچھا ہے تا وقتیکہ خود ہی پادشاہ بہ طبیب خاطر اوس پر اعتماد کرکے کوئی خدمت نہ دے

باب ہفتم

مدارالمہامی سے سبکدوشی

کون نہیں جانتا کہ فطرت کا اٹل قانون کل من علیہا فان اپنی پوری طاقت کے ساتھ دنیا کی ابتداء سے چلتا چلا آرہا ہے اور دنیا کے آخری لمحہ حیات تک اسی طرح چلتا چلا جائے گا۔ ذوق کے اس شعر پر

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

کس کا ایمان نہیں ہے ۔ لیکن کوئی نہیں جانتا کہ کس کے گھر میں کون کب پیدا ہوگا اور کب رخصت ہو جائے گا ۔

دنیاوی تعلقات اور دلی جذبات اس پر بھی ایسی صورتیں پیدا کردیتے ہیں کہ جانے والا بہت سوں کا سکون و چین ۔ راحت و آرام ۔ ہنسی خوشی اپنے ساتھ لیجاتا ہے۔
غفران مکان کی اچانک موت بہت سوں کو زندہ درگور کر گئی ۔ خصوصاً مہاراجہ بہادر کو جو ذاتی عقیدت غفران مکان کے ساتھ تھی اور جو والہانہ خدمت گذاری اور بادشاہ پرستی کا جذبہ تھا اس کے باعث اس موت سے مہاراجہ بہادر کی زندگی میں وہ خلا پیدا ہوچکا تھا جو مرتے دم تک بھرا ہی نہیں اور اون کی زندگی کا ساغر اس بادۂ ساقی سے خالی ہو گیا جس میں سرور بھی تھا اور مستی بھی تھی ۔ اب نہ اس میں نشہ تھا نہ کیف ۔ صرف زندگی تھی جو پرانے راستے پر چلی جارہی تھی ۔ عقیدت و نیاز مندی جو باپ کے ساتھ تھی وہ بیٹے کے ساتھ بھی رہی ۔ مگر اس کی روح رخصت ہوچکی تھی اور خدمت گذاری و عقیدت فرض

کے تحت تھی - نہ کہ ولولے کے ساتھ - حکومت کی امنگیں اون کے دل سے نکل چکی تھیں ذمہ داریوں کی ادائی اور بادشاہ وقت کے ساتھ پر خلوص اطاعت گذاری کام چلا رہی تھی - اور نو جوان بادشاہ کے ساتھ اس پیر کہن سال وزیر کو جو زمانہ کے سرد و گرم سے واقف تھا وابستہ کئے ہوئے تھی - نئے بادشاہ کی عنایت اور نوازش اپنے اس باپ کے زمانہ کے وزیر پر تھی - میر عثمان علی خاں نظام سابع کے خطوط جن سے اس زمانہ میں مہاراجہ بہادر سرفراز ہوتے رہے جن لوگوں نے دیکھے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ انہیں بھی اپنے اس پرانے خاندانی خادم کا احترام منظور تھا اور نوازشات شاہانہ کی بھرمار تھی - جسطرح سے یہ قانون فطرت کے خلاف ہے کہ کوئی مقام ہوا سے خالی رہے اسی طرح کسی بادشاہ اور رئیس کا دربار اگر ہواپرستوں - چاپلوسوں - جاسوسوں غمازوں اور خود غرضوں سے خالی رہے تو مطلق العنانی کی صریح قانون شکنی ہوگی - اور بادشاہ کو اس کا موقع نہ ملے گا کہ وہ اپنے وابستگان کی معراج اور زوال کی جر ثیقل کو کام میں لاسکے - کسی مطلق العنان بادشاہ کے خواہ وہ نوشیروان ایسا عادل یا نیرو ایسا جابر کیوں نہ ہو دربار کو لے لیجئے آپ کو بادشاہ کے دل میں وسوسے ڈالنے والے اور دوسروں کی غداریوں کے فرضی قصے بنا بنا کر موقع و محل سے بیان کرنے والے ملیں گے - اکثر و بیشتر ایسے لوگوں کا ہاتھ پرانے وزرا٫ اور مصاحبین پر پڑتا رہا ہے اور پرانے درباری نئے دربار سے بیک بینی و دو گوش رخصت کرائے جاتے رہے ہیں چنانچہ ان صدیوں سے چلے آنے والے رواج کی پابندی یہاں بھی ہوئی - اور ایک ایسی شخصیت جو نوجوان بادشاہ کے زمانہ ولیعہدی میں ایک امین کوتوالی کی حیثیت سے نظر میں چڑھ گئی تھی کوتوالی ایسے اہم اور ذمہ دار عہدے پر پہونچکر ایسے حرکات کی بانی ہوئی جس نے بہت سے امرا اور عہدے داروں اور غفران مکان اور اون کے خاندان پر جان دینے والوں کو سازشیوں اور بد خواہوں کا رنگ و روپ دیکر ایک ایسا فتنہ پیدا کیا جو اگر چل جاتا تو ملک کو تباہ و برباد کر کے رہتا - مگر جال خود اسقدر فرسودہ تھا کہ خود ہی ٹوٹ گیا - بہر حال دربار کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا - اور وہ زمانہ آگیا کہ مدار المہام بدلا جائے اور مہاراجہ بہادر کو عمل سبکدوشی کے رواج کے مطابق درخواست رخصت داخل کرنا پڑی -

مہاراجہ بہادر کو اتنی بڑی ریاست کی مدار المہامی کی حکومت چلی جانے کا اتنا تو غم نہیں ہوا جتنا ان کو اس امر سے ہوا کہ اب ان کی داد ودهش میں اتنی وسعت نہیں رہ سکتی جسکے وہ گذشتہ گیارہ سال میں عادی ہوچکے تھے - حاجتمند تو یہ دیکھتا ہے کہ اس کی حاجت روائی کس ذریعے ہورہی ہے وہ اس غور و فکر میں نہیں پڑتا کہ ان حاجت روائیوں کے ذرائع کا منبع کہاں ہے - مہاراجہ بہادر کو اس خدمت کا اعزازی الونس دس ہزار ماہانہ ملتا تھا - چھ ہزار ماہوار تحریر پیشکاری کے تھے - ڈیڑھ ہزار ماہانہ دو خدمتوں کے عطا٫ ہونے کی وجہ سے وضع سرکار ہوکر ساڑھے چودہ ہزار ماہوار کی کثیر رقم اون کے ذاتی خزانہ میں ماہ بماہ جمع ہوتی رہتی تھی - اس کے علاوہ توشک خانہ عامرہ کے کار خانے اور خیرات مبرات تواضع و ضیافت ان ہی کے زیر اقتدار تھے ان پر اگرچہ

ضابطہ کی پابندیاں عاید ہوچکی ہیں اور وہ پرانی سی آزادیاں نہ تھیں ۔ محکمہ سیاسیات اور امور مذہبی کا بھی توسط تھا ۔ مگر یہ رسمی امور تھے ۔ لیکن بڑے لوگوں کی خواہ وہ انگریز ہوں یا ہندوستانی بیرونی عائدین ہوں یا ملکی انہی کے نام سے دعوتیں ہوتی تھیں اور انہیں کو میزبان سمجھا جاتا تھا ۔ اور ان دعوتوں اور ملاقاتوں میں ان کو ذاتی ملاقات اور تبادلہ خیالات و تفریحات کا موقع رہتا تھا اہل علم و فضل و صاحب سیاست و عمل کی رقمی تواضع انہیں کے ہاتھ سے تھی اور خلعت تواضع سے سرفراز کرنا بھی انہیں کا کام تھا شرفاء اور اہل حاجت بھی انہیں کے پاس رجوع ہوتے اور وہ مناسب رقمی امداد کا حکم دتیے توشک خانہ و کارخانہ جات کی مقررہ رقوم کے علاوہ وہ اپنی جیب خاص سے بھی بہت سے لوگوں کی مالی امداد کرتے رہتے تھے ۔ اگرچہ ان کے زمانے میں سیکرٹ سروس فنڈ حذف کردیا گیا تھا ۔ اور مصارف دورۂ مدار المہامی پر بھی حد بندیاں عائد ہوچکی تھیں ۔ پھر بھی بیس پچیس ہزار روپیہ ماہوار تک انکے زیر تصرف سرکاری رقم تھی ۔ ایسی سرکاری گنجائشوں کے علاوہ وہ اپنے جیب خاص سے بھی شرفانوازی و تواضع و خیرات میں کافی رقم خرچ کردیا کرتے تھے ۔ اس لئے یہ الونس اور جاگیر کی آمدنی ہمیشہ ناکافی رہی ۔ اپنی دو بچیوں کی شادی بیاہ میں بھی انہوں نے دل کھول کر خرچ کیا تھا ۔ اس لئے قرضے کا بار بڑھتا ہی چلا جارہا تھا ۔ خدمت سے علحدگی کے بعد انکی سیرچشمی و فراغ دلی اورجود وسخامیں کمی ہونا دشوار تھا ۔ اس لئے اصل تو درکنار سود کی ادائی بھی مشکل تھی ۔ سائل آنا بند نہ کرتے تھے اور ان کی پڑی ہوئی عادت بدل نہ سکتی تھی ۔ نہ اولاد و محلات و متوسلین کے خرچوں میں کمی ان کو گوارا تھی ۔ یہ مصارف البتہ ان کے تفکرات کا باعث بن گئے ۔

دنیا پرستوں اور مطلب براروں کی فطرت کا یہ جزو ثانی بن چکا ہے کہ وہ ہوا کے رخ کو دیکھیں اور وضع داری اور محسن پرستی کو بالائے طاق رکھ کر جس کی تھالی میں بھات ہو اسی کا ساتھ دیں ۔ چنانچہ حیدر آباد بھی ایسی ذہنیت سے خالی نہ تھا ۔ اور دولت کی افراط کی طرح اس کی بھی ماشاءاللہ افراط ہی تھی کمی نہ تھی ۔ چند مخصوص ہستیوں کو چھوڑ کر یہاں بھی کثرت سے ایسے لوگ تھے کہ جب تک کوئی فرد کسی اعلیٰ عہدے خصوصاً مدار المہامی پر مامور ہو وہ سمجھتے تھے کہ وہ جوچاہے کر سکتا ہے ۔ اس کی خوشنودی کی تلاش میں بڑے بڑے اکابرین ملک چلے آتے تھے اور ہاں میں ہاں ملاتے اور جیسے ہی وہ اس عہدے سے سبکدوش ہوجاتا اپنے اور بیگانے دونوں آنکھ چراتے تھے ۔ مہاراجہ بہادر اپنے شباب میں جب ان کے نانا مرحوم کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا تھا اس ناٹک کے چند سین دیکھ چکے تھے ۔ اب جب کہ وہ جوانی کا دور ختم کرکے بڑھاپے کی منزل میں داخل ہورہے تھے ۔ یہ ڈارمہ دیکھنا پڑا ۔ بادلوں کے رخ کی طرح ایوان شاد میں حاضر باشوں کے دل کے دل اپنی چال بدلنے لگے اور معززین کا ہجوم گھٹا ۔ تملق اور چاپلوسی کے دریا خشک ہونے لگے ۔ لیکن انہوں نے دنیا کی اس پرانی بد بختانہ ریت سے متاثر ہوکر اپنا رنگ نہیں بدلا اور اس دور نیرنگی

میں اپنی رنگین ادائی قائم رکھی ۔ وہ گوشہ نشین نہیں ہوئے نہ کسی سے ملنے میں انہیں تکلف ہوا اور نہ ان کا ہاتھ رکا ۔ جب بھی وہ کسی شاہی تقریب میں مدعو ہوتے یا رزیڈنسی کی دعوت ہوتی تو وہ ضرور جاتے اور دیکھتے کہ ایسے موقعوں پر جو لوگ پہلے اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مہاراجہ کی نظر ان پر پڑجائے اور یہ سلام کرلیں ۔ اب راستہ کاٹ رہے ہیں ۔ اور سامنا نہ ہونے کی فکر کر رہے ہیں لیکن اونکے چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی ۔ ایک صاحب جو بڑے ہی جہاں دیدہ صاحب تدبیر معتمد سمجھے جاتے تھے اور جن کی شان میں ہندوستان کے مشہور و ظریف بیرسٹر مسٹر نارٹن فرمایا کرتے تھے کہ Ministers may come or Ministers may go but I go on for ever اور جو مہاراجہ بہادر کے یہاں ہر روز احکام حاصل کرنے کو حاضر ہوا کرتے تھے ان کی آنکھ چرانے کی کوشش تو زبان زد ہو کر رہگئی تھی ۔ مہاراجہ بہادر نے اپنے ایک خاص شناسا کے متعلق اپنے سفر ناگپور کے حالات میں لکھا ہے جسے یہاں نقل کرنا دلچسپ بھی ہوگا اور سبق آموز بھی ۔ مہاراجہ بہادر تحریر فرماتے ہیں کہ ۔

وو منماڑ کی اسٹیشن پر اترا تو اپنے ساتھیوں سے کہدیا کہ ہمارا سیلون بھساول جانے والی ریل کے ساتھ لگادیا جائے ۔ اس کے بعد میں اسٹیشن کے تماشہ گاہ کی سیر کرتا ہوا چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک انگریز نے سلام کیا اور نہایت متانت سے استفسار کیا کہ سیلون دوسری گاڑی میں لگایا جائے یا میں ابھی وہاں قیام کرونگا ۔ میں نے اپنا سیلون دوسری گاڑی میں لگانے کے لئے کہہ کر ان سے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں معلوم ہوا کہ وہ ہمارے گاڑی کے فرسٹ گارڈ ہیں ۔ میں ان کا شکریہ ادا کرکے دوسری طرف متوجہ ہوا اور انہوں نے اپنے ساتھی سے جو اسی لباس میں مزین تھے مگر رنگ وروغن سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی یوروپین ہیں ۔ پوچھا تم ان کو جانتے ہو کہ یہ کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ شائد حیدر آباد کے کوئی نوبل یعنی امیر ہیں ۔ گارڈ نے کہا کہ نوبل تو ضرور ہیں مگر یہ مستعفی وزیر اعظم ہیں جن کو مرحوم نظام اپنے بچوں سے زیادہ چاہتے تھے اور یہ بھی سنا ہے کہ مرحوم نظام کا ان پر ایسا بھروسہ تھا کہ وہ ان کو دیانت دار اور راستباز اور وفادار یقین کرتے تھے ۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان کی خوبیوں نے ان کو ایسا سربر آوردہ اور برٹش گورنمنٹ کے نزدیک لائق قدر بنایا کہ گورنمنٹ سے ان کو اعلی درجہ کا خطاب جی ۔ سی ۔ آئی ۔ ای کا ملا ۔ یہ وہ خطاب ہے جو بڑے بڑے رولنگ چیفس کو ملتا ہے ۔

میں اگرچہ اپنے مصاحبین کی باتوں میں مصروف تھا مگر کانوں میں برا بر گارڈ کا مکالمہ آرہا تھا ۔

(ساتھی) نے پوچھا کہ کیا اب یہ وزیر نہیں ہیں اس نے کچھ ایسے لہجہ میں نفی کا جواب دیا جس کے سننے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کو نفی میں جواب دینا شاق معلوم ہوتا تھا ۔

اس اثناء میں تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو اپنے ایک دوست کو کھڑا ہوا دیکھا میں نے پیش قدمی کی اور خیر وعافیت دریافت کی - ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے ملتے ہوئے ڈر رہے ہیں -

الغرض نہایت اختصار کے ساتھ خیر وعافیت دریافت کرنے کے بعد مرخص ہوا - اور وہ لکھنو کی طرف روانہ ہوئے -

غالباً کوئی پون گھنٹے کے قریب مجھے اس اسٹیشن پر ٹہرنا پڑا - گارڈ اور اوس کے ساتھی کی گفتگو نے تمام اسٹیشن کے لوگوں کو میرے حال اور نام و نشان سے خبردار کردیا -

رزیڈنسی اور حکومت ہند کی پالیسی یہ تھی کہ مہاراجہ کشن پرشاد کا وقار قائم رہے اور مدار المہام کے بعد وہ حیدرآباد کے سب سے زیادہ عالی مرتبت امراء میں شمار ہوں، مدار المہامی سے سبکدوشی پر جو تاج برطانیہ کے نمائندے اور ہندوستان کے وائسرائے و گورنر جنرل نے ان کو جو خط لکھا ہم یہاں نقل کرتے ہیں -

VICEREGAL LODGE,

SIMLA.

July 20. 1912.

MY DEAR MAHARAJA,

Colonel Pinhey has informed me that you have put in your resignation of the post of Minister to the Nizam and that His Highness has accepted it.

I feel that I cannot allow this occasion to pass without writing to you to express to you my very warm appreciation of your long and faithful services and of the assistance that you have always rendered to the Government of India, which tenaciously upholding the rights and privileges of your master the Nizam.

I hope and trust that you may have good health and be spared for many years to enjoy your well earned rest.

Believe me,

Yours very sincerely,

HARDING OF PENHURST.

چونکہ مدار المہام کا عہدہ کچھ عرصہ بعد ختم ہو گیا وہی ذات شاہانہ اور شاہی خانوادہ کے بعد تقدم رکھتے تھے۔ رزیڈنسی بلکہ شاہی تقریبوں میں بھی وہ لازماً مدعو رہتے اور امیر اعظم سلطنت کے طور پر اونکا تقدم رکھا جاتا تھا۔ اور اس کے انحراف کی کسی کو جرات نہو سکتی۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے یہ کوشش کی کہ اون کے اسٹیٹ کے انتظام میں چند اچھے عہدہ داروں کی خدمات سرکار عالی سے حاصل کئے جائیں اور بعض خاص حکام سرکاری سے جن سے اون کے دوستانہ روابط تھے انتظام اسٹیٹ کے متعلق وقتاً فوقتاً مشورہ کیا جائے اون کی کمیٹی بھی بنائی گئی مگر اسٹیٹ کا اچھا انتظام اسوقت ہو سکتا ہے کہ جب اس کا مالیہ اچھا رہے۔ قرض کا بار نہو۔ اور آمدنی سے صرفہ بڑھ نہ جائے مہاراجہ کشن پرشاد کے لئے مصیبت یہ تھی کہ اسٹیٹ کا مالیہ بگڑا ہوا تھا۔ جو کچھ آمدنی ہوتی اوس کا بڑا حصہ سودی قرضوں کی صرف ادائی سود میں صرف ہوجاتا اور پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ دیوڑھی اور محلات کے مصارف ناگزیر بھی کچھ کم نہ تھے۔ اس کی سربراہی اسٹیٹ کے روپیوں سے کارے دارد کا مصداق تھی۔ مہاراجہ کشن پرشاد اسٹیٹ کے حسن انتظام اصلاحات و دورہ کی ضرورت کو سمجھتے تھے مگر اس کے لئے کافی روپیہ ناگزیر تھا اور یہ مفقود تھا۔ اس لئے مہاراجہ کشن پرشاد اپنے اسٹیٹ کا براہ راست دورہ نہ کرتے تھے۔ اور نہ اصلاح و پیش روی انتظام اسٹیٹ میں متوجہ ہو سکتے تھے۔ اوس زمانہ میں طاعون اور انفلوئنزا وغیرہ کی بیماریاں وقتاً فوقتاً بلدہ حیدرآباد میں پھیل گئیں۔ شاہی سفر اوس زمانہ میں ہوتے تھے مہاراجہ کشن پرشاد کو ٹیلیفون پر تحریراً حکم ہو جاتا تھا کہ جہاں شاہی سواری رونق افروز ہو وہاں وہ خود بھی حاضر ہو جائیں۔ اسکی تعمیل لازمی تھی اور ایسے سفر کے مصارف بالکلیہ مہا راجہ کو اپنے اسٹیٹ سے برداشت کرنے پڑتے تھے۔ مکان وغیرہ کے انتظامات جو خود اون کو کرنے پڑے صرفہ کے طالب تھے محلات اور اولاد کے قطع نظر ملازمین کی کثیر تعداد کو وہ ساتھ لیجاتے تھے۔ مشکلات سے تنگ آکر مہا راجہ کشن پرشاد نے اعلیٰ حضرت بندگانعالی کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ انکی مالی مشکلات میں سرکاری تعاون کیا جائے۔ اوس کی بناء پر ایک کمیشن قائم کیا گیا کہ مہا راجہ کشن پرشاد کے قرضوں کی تحقیقات کی جائے اور حقیقی مقدار قرض و سود کی دریافت ہو اور اسکے بعد کسی مناسب سمجھوتے پر کمی کے ساتھ قرضداروں کی بیباقی کا تصفیہ کردیا جائے۔ کمیشن کے اراکین مہا راجہ کشن پرشاد کے ساتھ نیازمندانہ تعلقات رکھتے تھے اس لئے اونہوں نے ہمدردی کے ساتھ کام کیا۔ بالاخر دریافت حالات قرضہ اور بعض مطالبات اسٹیٹ کی اجرائی و مہنائی کے مسائل پر غور کرتے ہوئے محکمہ فینانس کی رائے کے مد نظر تصفیہ ہوا کہ شاہی خزانہ سے بوقت واحد قرضوں کی ادائی ہو جائے اور مطالبات کی منہائی کے بعد بقیہ رقم معینہ اقساط سے اسٹیٹ سے ادا ہوتی رہے اور اس طریقہ کی بدولت بالآخر مہا راجہ کشن پرشاد کو ایک گونہ خلاصی اپنے مالی تفکرات سے حاصل ہو گئی۔ تقریباً (۱۷) سال کا وقفہ مہا راجہ کشن پرشاد کی سبکدوشی مدار المہامی و سرفرازی صدارت عظمی میں گذرا۔ انہوں نے انتہائی مشکلات کو صبر و خاموشی سے برداشت کیا۔

مہاراجہ کشن پرشاد کی گوشہ نشینی کی یہ زندگی اپنی آپ مثال ہے کہ کس طرح اونہوں نے تخت شاہی اور آصفی اقتدار کے ساتھ وفا شعاری کو اپنا نصب العین بنائے رکھا ۔ حکومت برطانیہ کے ساتھ بھی وفا داری اور اخلاص کو وہ مد نظر رکھے ہوئے تھے وہ جانتے تھے کہ اصلی پس منظر کیا ہے ۔ برطانوی اقتدار اعلی اور تفوق کو چیلنج سازگار نہیں ہوسکتا ۔ دور عزلت میں مہا راجہ کشن پرشاد اپنے علمی ادبی مشاغل کو جاری رکھے ہوئے تھے ۔ ادبی تالیفات سیاحتی حالات اور مشق سخن اور علمی قدر دانی عام داد ودھش بھی کیا کرتے تھے ۔ ان تالیفات کو اپنے صرفہ سے شایع کرتے اور اکثر تحفتاً تقسیم کرتے ۔ اس زمانہ میں اونہوں نے ہندوستان کے متعدد سفر کئے اور اسکی تفصیل ان کی سیروسیاحت کے ساتھ کردی گئی ہے ۔

مہا راجہ کشن پرشاد اس زمانہ عزلت و سبکدوشی میں سیاسی جدوجہد میں حصہ لینے کو ناپسند کرتے تھے البتہ وہ ہمیشہ جہاں باہر جاتے وہاں عائدین مقامی سے ملاقاتیں کرتے جو پیشقدمی کرکے اون سے ملتے اور اونکی کوشش یہ رہتی تھی کہ ہندوستان کا جو قومی اتحاد صدیوں سے ہندو اور مسلمانوں نے اختیار کرلیا ہے استوار اور مستحکم کیا جائے ۔ سیاسی مسائل کو انکی پرائیوٹ ملاقاتوں میں بھی چندان جگہ نہیں ملتی تھی ۔ جو کچھ تذکرے رہتے وہ ادب ۔ شاعری ۔ تاریخ قومی ثقافت کے متعلق ہوا کرتے تھے ۔ حیدرآباد میں اکثر قیام اون کا رہتا اور مطالعہ کتب بینی میں وقت گذارتے یا ملازمت سے سبکدوش افراد سے اونکی ملاقاتیں رہتیں ۔ اور جب کبھی ایسی ملاقاتیں ہوتیں بہترین مکالمات مباحث علمی ۔ ادبی ۔ تاریخی ۔ ثقافتی ہوا کرتے ۔

حیدرآباد میں انگریز اور ہندوستانی افراد جو ملک کی سیاحت کےلئے آتے اونکو مہا راجہ کشن پرشاد گفتگو اور ملاقاتوں کا موقع دیا کرتے ۔ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے پاس مدعو کرتے بعض کو اپنا مہمان بناتے ۔ اس دور میں بھی وہ ملک کی ترقی کے متعلق جب کبھی موقع ملتا اپنے تجربہ سے ذمہ داران حکومت کو مستفید کرتے ۔ امرا٫ عظام اور حکام کے طبقہ سے خواہ وہ وظیفہ یاب ہوں یا بر سر خدمت چونکہ اونکے ماتحت رہا تھا اس لئے جب کبھی موقع ملتا سرکاری اور پبلک تقریبوں میں تبادلہ خیالات کرلیا کرتے ۔ مہا راجہ کشن پرشاد کے مشاغل فرصت یہ بھی تھے کہ نامور اہل قلم کےساتھ خط وکتابت رکھتے مہا راجہ کشن پرشاد کے شخصی کاغذات کے انبار میں اونکی شخصی مراسلت کا بڑا ذخیرہ موجود ہے ۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کیسے اچھے تعلقات اون کے اکابر ملک سے تھے ۔ ادب تاریخ و ثقافت پر تبادلہ خیالات ہوا کرتے تھے ۔ زمانہ سبکدوشی میں جن نام آوران قلم سے اونکی خط وکتابت تھی ۔ اون میں عبد الحلیم شرر ظفر علی خان ، نیاز فتح پوری ، عبد الماجد مدیر صدق ، علی حیدر طباطبائی وغیرہ کے مسودات و خطوط موجود ہیں ۔ عماد الملک ۔ فضیلت جنگ وغیرہ سے بھی خط وکتابت تھی ۔ ان کا مناسب انتخاب اپنی جگہ نظر آئے گا ۔ مہا راجہ کشن پرشاد کی سبکدوشی خدمت کے وقت بھی اہل حاجات کا ھجوم روز انہ جمع ہوتا تھا کہ کسی مرجع حکومت

یا اعلی عہدہ دار سے عطائے خدمت ۔ اجرائی ماھوار وظیفه رعایتی کےلئے سفارش بالمشافه یا تحریری کی جائے ۔ مہا راجه جو همه تن منبع خیر تھے سفارش کرنے میں اپنی حدتک مطلقاً تامل نه کرتے تھے ۔ اخلاقی طریقه پر نفی میں یا خاموشی سے بات ٹال دینا نه آتا تھا ۔ معلوم نہیں دوسری جگه کا کیا عملدر آمد ھے مگر حیدرآباد میں سفارش در سفارش کرانے کا رواج ملک کی پیش روی میں شدید مزاحم رہا ھے ۔

مہا راجه کشن پرشاد نے دور سبکدوشی انتہائی صبر و تحمل سے گزارا اسکی تفصیل دلخراش ہونے سے نظر انداز کردی گئی ھے ۔ لیکن تسلسل قائم رکھنے کےلئے اتنا بیان کرنا ضروری ھے که بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ جب حیدرآباد کے عوام کی ذھنیت بھی بدلنا شروع ہوئی تو انکی مقبولیت عام ہوتی گئی ۔ رزیڈنسی سے اس زمانے میں انکے تعلقات اچھے رہے اور وہ نگاہ پر چڑھتے ھی گئے ۔ وفا شعاری بادشاہ اون کا جزؤ ایمان بنی ہوئی تھی ۔ اتحاد قومی کی پالیسی سے وہ سرمو نه ھٹ سکے تھے ۔ ملک کے حالات ان سوله سال میں اس طرح تبدیل ہو گئے که سر ولیم بارٹن ریذیڈنٹ وقت کی پالیسی ملک کی اصلاح کےلئے استحکام اور استقلال کے ساتھ قائم ہوگئی تو مہا راجه ھی ایک ایسی شخصیت تھے جسکو حضور نظام رعایا اور برٹش گورنمنٹ سب کا اعتماد حاصل تھا ۔ اور اب یه ھی چارہ کار نظر آیا که جس طرح بنے مہا راجه کشن پرشاد کو آمادہ کیا جائے که وہ صدر اعظم کی حیثیت سے ملک کی ذمه داری کو اپنے ھاتھ میں لیں ۔ اور بالآخر مہا راجه کشن پرشاد نے محض اپنی وفاداری اور ملک کی بھلائی اور ملک کے قومی اتحاد کے توازن کو نه بگڑنے دینے کےلئے صدارت عظمی کی ذمه داری کو قبول کرلیا ۔

اس گیارہ سال کے زمانے میں جو کچھ انہوں نے کیا جو دور اندیشانه تجاویز اونہون نے پیش کیں اور اس مشکل زمانے میں جو گتھیاں اونہوں نے سلجھائیں اور متضاد خیالات میں ہم آھنگی پیدا کرنے کی کوشش کی اس کا تذکرہ اپنی جگه پر آچکا ھے ۔

باب ہشتم

صدارت عظمی اور اس کے بعد

مہاراجہ کشن پرشاد مرحوم نے ۲۰ - جمادی الاول سنہ ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۳- دے سنہ ۱۳۳۶ ف م ۲۷ - نومبر ۱۹۲۶ ع کو اعلی ذمہ داری صدراعظم باب حکومت سرکارعالی کا جائزہ لیا۔ اگرچہ سہ سالہ مدت کے لئیے تقرر ہوا تھا مگر ۲۹ - ذیحجہ سنہ ۱۳۵۰ھ تک کار فرما رہے -

۴ - شعبان سنہ ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۵ - فروردی سنہ ۱۳۳۶ف و ۱۷ - فروردی سنہ ۲۶ع کو آپ نے اپنی پیشی کے فرائض کےلئیے نواب مہدی نواز جنگ بہادر کو مامور فرمایا۔ یہ دور انقلاب ملک کا پیش خیمہ تھا اور عظیم تغیرات اور تبدیلیاں اس عرصہ میں ہوتی چلی گئیں - دور صدارت عظمی بلکہ سرکاری ذمہ داریوں کی تفصیلی تنقیدی روئیداد بہت طوالت کی متقاضی ہے پھر یہ دور انقلاب اوس کے لئیے ممد بھی نہیں یہاں یہ اشارہ کافی ہے کہ مہاراجہ کشن پرشاد مرحوم نے اس دور کے لئیے بھی خود کو مطابق بنالیا جبکہ مدار المہامی کی انفرادی ذمہ داریوں کے بجائے اجتماعی ذمہ داری باب حکومت یعنی صدر اعظم اور ارکان باب حکومت پر عاید ہوگئی تھی -

اس مقام پر اختصاراً صرف خصوصی کارگزاریوں کی فہرست شامل کی جاتی ہے تیسرے حصہ میں زمانہ صدارت عظمی میں مہاراجہ مرحوم نے جو تقریریں فرمائیں یا اڈریسوں کے جواب دئے یا سررشتہ جات متعلقہ کو ہدایات روانہ فرمائیں اور جو در اصل ان کے بلند خیال اور پاکیزہ جذبات ترقی ملک کا آئینہ دار ہیں ملاحظہ میں آئیں گے -

آخری دور زندگی اور انتقال

بتاریخ ۲۹ - ذیحجہ سنہ ۱۳۵۰ھ صدارت عظمی سے مہاراجہ مرحوم سبکدوش ہوگئے اعزازی عہدہ پیشکاری معہ لوازمات بطور آئندہ ماہوار جاری فرمائے گئے اور اب بھی

مشہور امرائے حیدر آباد میں آپ شمار کئے جاتے ھیں ۔ بعد سبکدوشی بھی آپ کے جیب خاص سے داد و دھش کا سلسلہ جاری تھا ادبی مشاغل بدستور قائم تھے اسی زمانہ میں اونکی چھوٹی صاحبزادی کی تقریب سادگی او ر سیر چشمی کے ساتھ انجام پائی مختصر سیاحت بھی فرمائی علمبردار صاحب اس زمانہ میں آپ کے ذمہ دار پیشی تھے ۔

خصوصی کار گزاریاں :—

(۱) جشن سیمین حضرت جلالت مآب

(۲) شہزادگان والاشان کا سفر یورپ اور شادی میمنت آبادی

(۳) بلدہ حیدر آباد میں سیمنٹ کی سڑکیں

(۴) مراکز بہبودی اطفال کا قیام ۔ لڑکوں کے کھیل کود کے میدانوں کا قیام ۔ غریبوں کے لئے حمام

(۵) بہ حیثیت صدر اعظم جملہ مستقر ھائے اضلاع کا دورہ مناسب تقریریں حکام اور سربرآوردہ عہدہداروں کو انعام و تحفے ۔

(۶) مجلس بلدیہ کا قیام

(۷) تحت کی کارروائیوں میں عدم مداخلت

(۸) باب حکومت کی مشترکہ ذمہ داریوں کا احساس اور اختلاف آرائیوں کا کم سے کم ھوجانا ۔

(۹) سررشتہ امداد باھمی سے خصوصی دلچسپی

(۱۰) انفکاک ریلوے سرکار عالی ۔ ریلوے لائنوں کی توسیع

(۱۱) ریلوے بس سرویس کا قیام اور ریل سڑك اور فضائی حمل و نقل کا ارتباط

(۱۲) وفاق ھند پر غور و خوض اور ایوان روسا میں شریک ھوئے بغیر اس سے اشتراك عمل کا آغاز

(۱۳) برار کا نیا معاھدہ ۔ رزیڈنسی بازار کا استر داد اور اس کا سلطان بازار سے موسوم کیا جانا

(۱۴) بعض محصولات مثلا دیا سلائی پٹرول وغیرہ میں برطانوی ھند کے نظام میں شمولیت

(۱۵) اسٹیٹ بنک کے قیام کے کارروائی کا آغاز

(۱۶) گاؤں سدھار تنظیم اور سررشتہ زراعت کی ترقی اور اس کے متعلق بعض قواعد کا نفاذ

(۱۷) توسیع مجلس وضع قوانین اور حکومت مقامی خود اختیاری کی کوشش

(۱۸) طبقہ امرا کی ذمہ داری حکومت سے بڑی حد تک علحدگی اور جاگیروں پر پابندیاں اور اصول وراثت کا رواج مثل قانون انگلستان ورثہ راست کے لئے ۔

(۱۹) عہدہ صدر الصدور کو خالی رکھنا عہدہ مفتی عدالت العالیہ کو گھٹا دینا

(۲۰) پائیگاھوں کی وراثت کا تصفیہ اور اسٹیٹ شیوراج کے سوروثی فرائض، انتظامات مال کی تخفیف اوران مشروط الخدمت جا گیری مواضعات کا شریک خالصہ کیاجانا

(۲۱) سررشتہ تعمیرات کی عظیم ترقیاں

(۲۲) ملازمت کے لئے کم ازکم امتحان میٹرک کی کامیابی کا لزوم

(۲۳) دستور العمل باب حکومت کی دفعہ (۳۹) کی تنسیخ جو نظامۓ سررشتہ کے مرافعوں کی سماعت کے متعلق تھی اور جس کو علی امام نے بڑے شدو مدسے شامل دستور کیا تھا

(۲۴) توشک خانہ عامرہ اور خیرات و مبرات کا تعلق پیشی خسروی کے بجاۓ فینانس سے ہوجانا۔اس کے خدمات متعلقہ میں تخفیف اور عدم وراثت کا تصفیہ

(۲۵) عثمان آباد کے دو نظاۓ عدالت کی برطرفی اس بناۓ پر کہ شریک ناظم کی بیوی نے اپنی ملازمہ کو ایسی سزادی کہ وہ مر گئی

(۲۶) بعض اعلی عہدہ داران سرکار عالی کی برطرفی یا وظیفہ پر علحدہ گی

(۲۷) گرد وارہ ناندیڑ کی اراضی سے متصل ایک مسلمان کی تدفین ۔سکھوں کی ناراضی ۔ تحقیقات اور بالاخر مدفونہ نعش کی منتقلی کا حکم

(۲۸) سرکاری فوج کی تنظیم اور اس کے لئے دو انگریز افسروں کا تقرر

(۲۹) غیر فوجی طیارہ رانی کا آغاز

(۳۰) مستقر ھاۓ اضلاع میں آب رسانی کا انتظام

(۳۱) چنگی و کروڑگیری کے محصولات میں تغیرات و جدید انتظامات

(۳۲) دفتر دیوانی و مال یعنی مرکزی محافظ خانہ سرکار عالی کی تہذیب و ترقی کے لئے وسیع اسکیم

(۳۳) گزیٹیڈ ملازمتوں کی ماھوار اور تعداد میں اضافہ

(۳۴) بڑی منصبوں کو فروخت کرکے یکمشت معاوضہ حاصل کرنا

(۳۵) وظیفہ یاب ملازموں کی بیواؤں اور پسماندگوں کےلئے بھی وظیفہ کے قاعدہ کا نفاذ

(۳۶) تعین مراتب میں عظیم تغیرات اور برطانوی رزیڈنٹ کا شہزادگان والاشان اور ارکان خانوادہ شاھی پر تفوق

(۳۷) باب حکومت کی رکنیت اور بعض دیگر اعلی خدمات سلطنت پر انگریزوں کی ماموری کا تصفیہ

(۳۸) سرکار عالی کے سول سررشتوں کی ترقی

باب نہم

انتظامات اسٹیٹ

یہ مناسب معلوم ہوا کہ اسٹیٹ اور جاگیرات کے انتظامات کو علحدہ طور پر ایک باب میں بیان کردیا جائے ۔ (۲۶) برس کی عمر تک مہا راجہ کشن پرشاد کی تربیت اپنے نانا مہا راجہ نرندر پرشاد کے سایہ عاطفت میں رہی ۔ جو اوس وقت حیدرآباد کے هند و امرا میں سب سے عالی پایہ ذی رسوخ فرد تھے اور امیرانہ شان کے ساتھ درویش صفت بھی گذران بے فکری سے ہوتی رہی ۔ اور جوانی کے بعد اسٹیٹ کے انتظامات کا بھی عملی تجربہ اون کو کرایا جا رہا تھا نانا کے انتقال کے بعد مہا راجہ کشن پرشاد پر جو اوس وقت تک راجہ کشن پرشاد ہی تھے بڑی آزمائش اور ابتلا کا دور سامنے آیا ۔ راجہ بہاری پرشاد ورانی نہال کنور وغیرہ دعویدار پیشکاری و جاگیرات کے طور پر کھڑے ہوگئے تھے اور دوسری طرف خود مدار المہام وقت کا یہ خیال تھا کہ عہدہ پیشکاری و جاگیرات کو کلیۃً بحال کرنا چنداں ضروری نہیں ہے ۔ حسب مناسب کمی کے ساتھ انتظام ہونا چاہئے ۔ عہدہ پیشکاری معہ متعلقہ جاگیرات کے حذف ہونا چاہئے ۔ ذات جاگیر سب دعویداروں پر غور کرتے ہوئے بحال ہوسکتی ہے مہا راجہ نرندر پرشاد اگرچہ محتاط زندگی بسر کرتے تھے تا ہم خاندانی امارت کو قایم اور بحال رکھنے میں ۳۶ سالہ مدت کی جدوجہد میں سات آٹھ لاکھ کے قرضدار ہوچکے تھے ۔ نقد کھم پانچ هزار روپیہ اور جواهرات ایک لاکھ روپیہ مالیت کے چھوڑے تھے اور باقی جواهرات تقسیم کردئے تھے تیرہ هزار روپیہ ماهانہ بطور تحریر (الاؤنس اعزازی) پیشکاری و مصارف جمعیت همراهی خزانہ سرکاری سے ملا کرتے تھے مسدود ہوگئے ۔ اس طرح معین ماهانہ آمدنی کی مسدودی ضروریات زندگی و اسٹیٹ کے معین مصارف دیوڑھی کے اقربا و متوسلین کے ضروریات کی فراهمی اور انتظامات اسٹیٹ بڑے مشکلات رکھتے تھے ۔ حضرت غفران مکان نے ان حالات کو سمجھتے ہوئے مہا راجہ کشن پرشاد کو پرسہ کی شال عطا فرمادی اور یہ حکم صادر فرمادیا کہ انتظام اسٹیٹ حسب سابق قائم رہے ۔ اور خود بدولت اس کا تصفیہ

متعاقب فرمائینگے ۔ اس التفات شاهی کی بدولت طوفان تو تهم گیا مگر مختلف دعویداروں اور مدار المہام کی رائے کی بناء پر کہ عہدہ پیشکاری کی چنداں ضرورت نہیں ہے امید و بیم کی حالت طاری تهی اور دعویداران اسٹیٹ اندرهی اندر جدو جہد کی جال پھیلا رہے تھے۔ مہا راجہ کشن پرشاد صبر و استقلال اور عزم کے ساتھ اپنے معاملات حضرت غفران مکان پر چھوڑے هوئے تھے ۔ اور ضابطہ کی جد و جہد اپنے حقوق کے متعلق جاری رکھے هوئے تھے ۔

رمضان سنہ ۱۳۰۶ھ میں مہا راجہ نرندر پرشاد کا انتقال هوا تمام امور پر غور کامل فرماتے هوئے یکم رجب سنہ ۱۳۱۰ھ میں حضرت غفران مکان نے پیشکاری اور وزارت فوج مہاراجہ کشن پرشاد کے تفویض فرما دیا ۔ اور اسکے ساتھ چھہ هزار روپیہ اعزازی الونس پیشکاری خزانہ دیوانی سے مقرر فرمایا گیا ۔ اب مہا راجہ کشن پرشاد کو موقع ملا کہ اپنے اسٹیٹ اور سرکاری خدمت وزارت فوج کی ذمہ داریوں کو دلجمعی سے انجام دیں مگر هنوز دعویداران اسٹیٹ کے دعاوی کا تصفیہ هونا باقی تھا ۔ اور بعض ایسے اقرباء کا بھی انتقال هوگیا تھا جنکو علحدہ جاگیریں ملی تھیں وقار الامراء مدارالمہام وقت کی یہ تجویز تھی کہ تصفیہ تک جاگیرات سرکاری نگرانی میں رهیں مگر اس تجویز کو حضرت غفران مکان نے منظور نہ فرمایا اور بالاخر یہ تصفیہ فرمادیا کہ کل جاگیرات مہا راجہ کشن پرشاد کے قبضہ میں رهیں اور راجہ بہاری پرشاد اور رانی نہال کنور اور بعض دوسرے رشتہ داروں کو معینہ ماهوار مہا راجہ کشن پرشاد پابندی کے ساتھ ایصال کیا کریں اور اس طرح سات سال کی جدوجہد کے مقابلہ کے بعد مہا راجہ کشن پرشاد کے لئے وقت آیا کہ اپنا اسٹیٹ اور جاگیرات کا انتظام بھی بالکلیہ اپنی ذاتی ذمہ داری سے عمل میں لائیں مہا راجہ کشن پرشاد نے اپنی خود نوشتہ سوانحعمری میں اپنے نانا کے انتقال کے بعد اپنے ذاتی مشکلات خاندانی دعویداران نیز مدار المہام وقت کے اختلافات کی نسبت بھی تفصیلی تذکرہ کیا هے مہا راجہ کشن پرشاد نے جو کچھ لکھا هے اوسکے مقابل دوسرے فریق بھی لکھتے رهے هیں وہ سب استداد مدت کی وجہ نظر انداز کرنے کے هی قابل هیں ۔

مہا راجہ کشن پرشاد نے مولوی عبد الباقر خاں صاحب مرحوم کو اپنے اسٹیٹ کا معتمد بنایا اور اون کی رائے اور مشورت سے اسٹیٹ کا انتظام هونے لگا ۔ اور مہا راجہ کشن پرشاد اور اون کے ماتحت ذمہ دار اسکی طرف متوجہ هوئے کہ قوانین و ضوابط سرکارعالی کی پابندی اور احکام سرکارعالی کے تعاون سے انتظام اسٹیٹ جہاں تک ممکن هو خوش اسلوبی سے کیا جائے ۔ تحریر پیشکاری اور اسکے بعد مدار المہامی کے اعزازی الونس کی بدولت معتدبہ آمدنی هونے لگی جس سے روز مرہ کے اور دیوڑھی کے معین اخراجات نکل جاتے ۔ مگر مہا راجہ کشن پرشاد کی غیر محدود داد ودهش کی بدولت مالیہ کے حالات کبھی اعتدال کے دائرہ میں نہ آسکے تا هم زمانہ کی رفتار سے مہا راجہ کشن پرشاد کی آئین و ضوابط پسندی اور وقتاً فوقتاً اچھے ماتحتین کے انتخاب سے

سررشتہ جات آبکاری کوتوالی مال ۔ عدالت ۔ اور مرکزی دفتر کا کام اوسی نہج پر جاری رہا جیسے سرکارعالی کے دفاتر میں رہا کرتا ہے ۔ البتہ ماھواریں سرکاری اسکیل پر نہ تھے ۔ لوکلفنڈ ۔ تعلیمات طبابت اور رفاہ عام کے سررشتہ بھی موجود تھے مگر اون میں سرکارعالی کی طرح روپیہ زیادہ صرف نہ ھوسکتا تھا اور پھر یہ بھی ظاھر ہے کہ محدود اور منتشر طور پر علاقہ جات اسٹیٹ واقع تھے اونکی آبادی بھی زیادہ بڑھی ہوئی نہ تھی مرکزی مقامات تحصیل پر مڈل اسکول اور دوا خانے تھے اور اس سے کم آبادی کے مواضعات میں خود سرکارعالی کی جانب سے خالصہ کے مواضعات کی طرح مدرسے اور دوا خانجات تھے جاگیرات میں بڑے آبپاشی کی اسکیم سرکارعالی پر منحصر تھی اورجاگیری علاقہ بطور خود کسی بڑی ندی سے پانی لیکر بند بنانے کے مجاز نہ تھے چھوٹے ذرایع آبپاشی ۔ تالاب ۔ کنٹوں پر حسب گنجایش رقمی صرفہ ھوتا تھا خود سرکارعالی نے اس اصول کو طئے نہ کیا تھا کہ جاگیری علاقوں کو خالصہ کی سڑکوں کے ذرائع سے کس طرح سے متصل کیا جائے تا ھم کچھ نہ کچھ انتظامات سڑکوں کی حد تک بھی تھے کروڑ گیری ۔ معدنیات ۔ ٹپہ ۔ ریلوے خالصہ کے اقتداری تھے ۔

مہا راجہ کشن پرشاد وزارت فوج اور پھر مدار المہامی کے فرایض میں اس قدر مصروف تھے کہ جاگیرات کے انتظامات کے متعلق چنداں توجہ نہ کر سکتے تھے حالات سلطنت کی وجہ دار السلطنت حیدرآباد میں ھی قیام ضروری تھا مدار المہامی کے بعد اپنے تفکرات اور قرضداری کی وجہ سے اپنے اسٹیٹ کا دورہ نہ کرسکتے تھے جس کےلئے بجائے خود کافی رقمی صرفہ عاید ہو جاتا تھا ۔ جسکی پابجائی اسٹیٹ کی محدود آمدنی و قرضداری کی وجہ دشوار تھی البتہ مرکزی طور پر وہ اسٹیٹ کے امثلہ اور کاغذات کا مطالعہ غور اور توجہ سے کرتے تھے ۔ اور جہاں تک وہ سمجھتے تھے انتظامات کےلئے بھی سنجیدہ اورکارگزار افراد کو مامور کرتے اسکی بدولت بعض دوسرے علاقوں میں جس طرح شکایات بدنظمی ھوتی تھیں مہا راجہ مرحوم کے اسٹیٹ میں نہ تھیں ۔ مہاراجہ کشن پرشاد اپنے اسٹیٹ کی معتمدی پر کارگزار اور متدین فرد کو ھی مامور فرماتےتھے مگر اسٹیٹ کے مالیہ کی حالت معتمد سے نہ سنبھلتی تھی تا ھم حسن انتظام سے اور مہا راجہ کشن پرشاد کے بلند اقبال سے کام آسانی سے نکل جاتا تھا ۔ مدار المہامی سے سبکدوشی کے بعد سرکارعالی کے خزانہ سے اون کو قرضہ ملا جسکی وجہ واجب الادا رقومات کا بھی تصفیہ ھوگیا اسکی بدولت حد سے زیادہ مالی پریشانیوں سے رھائی مل گئی اور اسٹیٹ کے انتظامات پر توجہ شروع ھوئی شاد نگر کو جو محبوب نگر ریلوے لائین پر واقع تھا ترقی دیگئی اسکے پہلے یہاں اعظم علی خاں صاحب مقطعہ دار فرخ نگر سے مقابلہ اسٹیٹ پیشکاری کو رھا کرتا تھا ۔ بالآخر اسٹیٹ پیشکاری میں شاد نگر کو ترقی دیگئی اور مہا راجہ کشن پرشاد نے وھاں ایک متوسط درجہ کی کوٹھی تعمیر کرائی اور تبدیل آب و ھوا کے لئے وقتاً فوقتاً وھاں رھا کرتے ۔ صدارت عظمی کے زمانہ میں بھی یہاں بعض وقت رھایش رھا کرتی تھی مہا راجہ کشن پرشاد حسن انتظام

کے لئے وقتاً فوقتاً اسٹیٹ کے لئے عہدہ داران سرکارعالی برسر خدمت یا وظیفہ یاب کی جن کا رسوخ مہا راجہ کے پاس اون کے اعتماد کے ساتھ تھا کمیٹی بھی قایم کر دیتے تھے اور اونکے مشورہ سے انتظامات اسٹیٹ عمل میں آتے تنظیم سے کام جاری رھتا تھا رعایا کے جو مقدمات وغیرہ صدر دفتر اسٹیٹ میں دائر ہوتے اون کا تصفیہ بھی اپنی کمیٹیوں کے ذریعہ ہو جاتا تھا اسکے انتظا مات اگر چہ کہ اعلی پیمانہ پر قایم نہ ہو سکے مگر بگڑ ے ہوئے اور ابتر حالت میں بھی نہ تھے ۔ معتمدین اسٹیٹ کی مولوی عبدالبا قرخاں صاحب کے بعد طویل فہرست ھے مولوی نور اللہ حسینی صاحب مولوی طالب الحق صاحب مولوی خلیل اللہ صاحب وغیرہ نے اچھا کام کیا ھے سید علمبر دار حسین صاحب جو صدارت عظمی کے زمانہ میں اونکی پیشی میں کار گزار تھے بعد سبکدوشی دفتر اسٹیٹ اور پیشی مہا راجہ میں لیلئے گئے اور اون سے تا زندگی کام اعتماد و احترام سے لیا گیا اور وہ بھی نزاکت کے پہلو کو سمجھتے ہوئے کام کرتے رھے ۔ صدارت عظمی کے زمانہ میں اسٹیٹ کے معتمد گنڈے راؤ صاحب ہوگئے تھے وہ کار دان سنجیدہ شخص تھے مہا راجہ کشن پرشاد کی طبیعت سے کافی واقف ہوگئے تھے اون کو اور اون کے حسن انتظام کو بھی وہ قدر سے دیکھتے تھے ۔ صدارت عظمی کے زمانہ میں مہا راجہ کشن پرشاد نے اکثر اپنی اولاد کی شادیاں بھی تکلف سے کردیں اور ساتھ ھی اعتدال کو بھی ملحوظ رکھا تھا ۔ اور فضول مصارف سے احترازکرتے ہوئے اپنے تمام متعارفین کو مدعو کرتے دلھن کے لئے بھی ایک مناسب حدتک جھیز یا چڑھاوا بھی دیا کرتے ۔ اس طور سے تقریباً ۵۰ سال تک مہا راجہ آنجہانی اپنے اسٹیٹ کے انتظامات کرتے رھے ۔ غیر معمولی دادودھش میں اعتدال پسندی ہوتی اور نیم سرکاری اثرات سے کام لیکر اسٹیٹ کے انتظام میں آمدنی لانے والے صیغوں اور کاموں میں روپیہ صرف کرتے تو وہ اپنے اسٹیٹ کا انتظام بلند معیار تک پہونچادے سکتے تھے ۔ مگر یہ اون کی بس کی بات نہ تھی تقاضائے کرم اونکو مجبور رکھے ہوئے تھا وہ اپنی فیاضیو ں کے ھاتھ روک نہ سکتے تھے ۔ پھر احکام شاھی کی وجہ وقتاً فوقتاً اون کے لئے سفرکرنا لازم ہو جاتا تھا ۔ غم غلط کرنے کو بھی سفر پر نکل جاتے بہر طور اونکی سخاوت و فیاضی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی یہ امکانات تھے کہ وہ اپنے فرزندوں اور دامادوں کے لئے اسٹیٹ میں کاروبار کی صورتیں مہیا کریں۔ روئی اور تخم روغندار کی پیدا وار اونکے اسٹیٹ میں زیادہ تھی اور یہ ممکن تھا کہ چار پانچ بڑے کار خانے سرمایہ مشترکہ سے اونکی اولاد اور دامادوں کی منیجنگ ڈائرکٹری سے قایم ہوتے اور ایک ایک کار خانہ مینجنگ ڈائرکٹری کے کمیشن میں سالانہ لاکھ دیڑھ لاکھ روپیہ کا معاوضہ حاصل کر سکتے تھے جو بجائے خود بڑی جاگیر کے مقابل ہو جاتا اسٹیٹ کے بڑے قصبات میں مارکٹ بازار اور رھایشی مکانوں کی تعمیر بھی ممکن تھی جسکا کافی کرایہ آسکتا تھا ۔ بلدہ اور قرب وجوار میں بھی آرائش بلدہ کے اصول پر کرایہ کے مکانات بنا بھی سکتے تھے ۔ مگر یہ چیزیں وافر روپیہ کی موجودگی اورکارو باری لیاقت و عزم میں پیشتر تھے ۔ مہا راجہ کے لئے سرکاری شخصی مصروفیات اور انتہائی دادودھش اس جرات میں مانع تھے اور اونکی اولاد اور دامادوں میں بھی کاروباری

مہارت اور عزم نہ تھا بہر طور مہا راجہ آنجہانی نامور امیر اعظم مہا راجہ چند و لعل اور مہا راجہ نرندر پرشاد کے جادہ پر قائم تھے ۔ بادشاہ پرستی اور اطاعت حکمرانی میں سرمو ہٹتے نہ تھے ۔ اور اپنی داد ودھش کے بدولت شرفاء اور عامۃ الناس میں ایک ایسا مقام حاصل کیا جو اونکے ہم عصر امراء اور دولت مند حاصل نہ کرسکے عموماً بندگان خدا کے ساتھ رحم اور اسٹیٹ کی رعایا کو امن چین سے اپنے کاروبار میں موقع دینے میں کبھی کوتاھی نہ کی ظلم و ستم اور جس طرح بن سکے اسٹیٹ کی رعایا سے روپیہ پیدا کرنا اون کو پسند نہ تھا ملازمین اسٹیٹ کی بھی بڑی شہرت اور بڑی کارگزاری کو وہ گوارانہ کرتے تھے اگر ایسی کوئی شہرت ہو جاتی تو فوراً ھی اوس کا انسداد کردیا کرتے تھے ۔ اونکی آرزو کہ اونکی اولاد میں کوئی ایسا فرد نکل جائے جو چندو لال کے نام کو قائم رکھے پوری نہ ھوسکی ۔ اور اب جبکہ نظامجا گیر داری ھی ختم ھوجا رہا ھے اس موروثی عظیم تر خاندان کا نام بھی مہا راجہ کشن پرشاد پر ھی ختم ھو جارہا ھے ۔

حصه سوم

اوصاف وشخصی زندگی

حصہ سوم

باب اول

ذات شاہانہ کے تعلقات

مہا راجہ کشن پرشاد کی سوانح زندگی کا ایک اہم جز اپنے آقا اور بادشاہ کے ساتھ وفا داری عقیدت میں نمایاں حصہ لینا ہے ۔ مہا راجہ کشن پرشاد ہی نہیں بلکہ اون کے نانا مہا راجہ نرندر پرشاد اور مہا راجہ چندو لعل اور دوسرے امرائے خاندان پیشکاری بھی اس میں کچھ کم نہ تھے عملاً امرائے حیدرآباد بادشاہ کی عقیدت ادب وفا داری اطاعت گزاری میں خاص حیثیت رکھتے رہے ہیں ۔ یہاں امراؑ کا طریقہ مخاطبت اون کے آداب و اصول زندگی دکن ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھر میں مغلیہ دور کے ختم ہونے کے بعد نمایاں رہے ہیں مملکت آصفیہ مغلیہ ثقافت تہذیب آداب شایستگی کی جانشین تھی ۔ ہندوستان میں مسلمان اور ہندو دونوں کا اصولی عقیدہ بادشاہ پرستی اور بادشاہ کو سایہ خدا اور بادشاہت کو ظل اللہ سمجھنے کے تخیل پر مبنی ہے اور ہندووں کے پاس وید شاستر اور مسلسل چلے آنے والے روایات مذہب سے ہی یہ عقیدہ اور اصول ماخوذ ہے ۔ یہ جداگانہ امر ہے کہ حوادث زمانہ کے تکدر سے حالات تبدیل ہو جائیں مگر راج اور بادشاہت کے ساتھ ہندو رعایا اور ہندو مذہب عظیم ترین وفاداری کے جذبات اور روایات سے معمور ہیں ۔

مہا راجہ کشن پرشاد نے اپنے اسلاف کی روایات قومی و ملکی ثقافت اور خود اپنے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے بادشاہ پرستی کو اپنا عمل بنا دیا تھا مہا راجہ کشن پرشاد کی زندگی بڑی حد تک حضرت غفران مکان کے دور سے وابستہ رہی ہے حضرت غفران

مکان سے مہا راجہ کشن پرشاد دو سال چند ماہ عمر میں بڑے تھے انہوں نے ہوش سنبھال کر حضرت غفران مکان کو ہی اپنا فرمان روا اور آقا دیکھا کیونکہ حضرت غفران مکان ذی قعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ میں اپنے آبائی موروثی سلطنت پر اورنگ نشین ہوچکے تھے اور بادشاہ کی کم سنی کی وجہ سے مختار الملک اور امیر کبیر مرحوم کی ریجنسی قائم ہوچکی تھی انکے بعد رتبہ دیکھنے والے امرائے عظام سلطنت میں مہا راجہ نرندر پرشاد شمار ہوتے تھے ۔ اونھوں نے مہا راجہ کشن پرشاد کی تربیت میں اس اہم جزء کو ملحوظ رکھا تھا جیسے جیسے مہا راجہ کشن پرشاد کی عمر بڑھتی گئی انکی تخت شاہی کے ساتھ محبت و عقیدت زیادہ ہوتی چلی گئی پہلے دہلی دربار اور اوسکے بعد اورنگ‌آباد گلبرگہ کے سفر میں ہمرکاب امرائے شاہی میں شمولیت کا افتخار بھی اون کو حاصل ہوا تھا۔ روایات قدیمہ تربیت بادشاہ کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند نوجوان امرازادوں کا انتخاب ہفتہ میں باری باری سے تقرب شاہی میں شرف حضوری کے لئے ہوا تو اوس میں مہا راجہ کشن پرشاد شامل تھے وہ مقررہ دن صبح شام دربار شاہی میں حاضررہتے مغلیہ ثقافت خاندانی روایات و رواج کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے خاموش مودبانہ طرز عمل سے حضرت غفران مکان کو خاص طور سے متاثر کردیا تھا اسکی بدولت مہا راجہ بہادر کے شخصی تعلقات حضرت غفران مکان سے اوسی زمانہ سے قائم ہوگئے تھے ۔ حضرت غفران مکان مہا راجہ کشن پرشاد کو امرائے عظام خاص کر ہندو طبقہ کا وفادار فرد سمجھتے تھے ۔ جب باہمی میل جول کے تعلقات بادشاہ اور امراء کے درمیان پیدا ہو جاتے ہیں تو یہ امر کچھ تو قسمت پر اور کچھ امراء زادوں کے عمل پر منحصرہو جاتا ہے کہ وہ بارگاہ شاہی میں اپنے وفا دارانہ اور مودبانہ افعال اور طریقہ آداب سے بادشاہ کے دل میں جگہ پیدا کریں ۔

حضرت غفران مکان اگرچہ انتہائی راسخ العقیدہ مسلمان تھے مگر ملک کی رعایا کے ساتھ رواداری محبت باہمی برتاو میں فرق نہ کرنا اور سب کو یکساں سمجھنا اونکی شاہانہ زندگی اور شاہی حکمت عملی کا ایک بہت اہم اور نمایاں اصول رہا ہے ۔ حضرت غفران مکان اسکو سمجھتے تھے کہ امرائے سلطنت موروثی حقوق رکھتے ہیں اون کے ساتھ رواداری بھی بقائے سلطنت کے لحاظ سے رکھنا چاہئے اور ایک طرف بادشاہت اور دوسری طرف امراء تیسری جانب مسلم ہندو رعایا سلطنت کے لازمی اجزاء ہیں اونکی خوشی اور غمی کے موقع پر ہمدردی اور دلجوئی کرنی چاہئے ۔

امرائے عظام کی حیثیت سے سنہ ۱۳۰۶ھ تک مہا راجہ نرندر پرشاد امرائے حیدرآباد سے تھے اور خاصکر ہندو پیشکار وزیر اعظم کی حیثیت سے ہندو رعایاء کے سب سے بڑے سربرآوردہ فرد رہے تھے اور تمام ہندو امراء اور ہندو معززین پر مہا راجہ نرندر پرشاد کی برتری غیر نزاعی بلکہ مسلمہ امر تھی ۔ اگرچہ حضرت غفران مکان نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد عماد السلطنت کو مدار المہام کا اعزاز عطا فرمایا تھا مگر خاندان پیشکاری کے رکن رکین کی دلدہی اور عزت کو بھی فراموش

ہ فرمایا تھا۔اون کو پیشکاری کےساتھ کونسل آف اسٹیٹ کا کارکن رکین قرار دیا تھا حضرت
فران مکان کی حکمت عملی میں کسی امیر اعظم کے انتقال پر اوسکے جائز اور مستحق وارث کو
وسکی صورت میں حقیقی اور جاگیر اور اسکے مراتب اعزاز کا قائم مقام قرار دینا داخل تھا۔البتہ متعدد
۔عویداروں کی صورت میں حقیقی اور مرجح فرد کی دریافت تدقیق سے کی جاتی تھی۔ جیسے ہی مہا راجہ
نرندر پرشاد کا انتقال ہوگیا خود حضرت غفران مکان کے سامنے یہ اصول سوال پیش نظر ہوگیا
کہ خاندان پیشکاری کا تحفظ لازمات سے ہے جاگیرات پیشکاری اور عہدہ پیشکاری کا کون
ستحق قرار دیا جائے۔ اور کیا انتظام کیا جائے۔ یہ دوسرا اہم سوال تھا۔حضرت غفران مکان
نے بہت جلد اس قدیم دستور کے مطابق مہا راجہ کشن پرشاد کو نواب عسکر جنگ
شیر الملک کے توسط سے اون کو پیام تعزیت و تسلی روانہ فرمایا چند دن بعد اپنی بارگاہ
یں طلب فرمایا اور ماتم پرسی کی شال سے معزز کیا تا ہم یہ سوال تھا کہ منصب
پیشکاری اور جاگیرات کا انتظام کس طرح ہو۔ امرائے عظام کے انتقال پر اونکے خاندان
کے افراد اوس زمانہ میں بارگاہ شاہی میں عرض و معروض کرنے کا استحقاق رکھتے
تھے اور مدار المہام وقت کو بھی اسکے متعلق اپنی رائے معروضہ کے ذریعہ گذراننے کا
موقع رہتا تھا اس لئے مہا راجہ کشن پرشاد کو حکمت عملی کے ساتھ کام لینا پڑا اونھوں
نے سنجیدگی اور ماحول کے لحاظ سے یہ طریقہ مناسب سمجھا کہ اپنے حالات کو وقتاً فوقتاً
بارگاہ شاہی میں عرض کرتے رہیں اور اس سے اونھوں نے فائدہ اٹھایا اون کو شاہی
داب کے ساتھ معروضات بذاتہ قلمبند کرنے اور گذراننے کا طریقہ معلوم تھا اس لئے اپنے
حریفوں کے رخ اور مدار المہام وقت کے منشاء کو جانتے ہوئے بارگاہ حضرت غفران مکان
یں اپنے حالات من و عن عرض کردئے ۔ اور حضرت غفران مکان کے شاہانہ احکام پر
ہی اپنی قسمت کو بالکلیہ وابستہ کر دیا ۔ حضرت غفران مکان کا اصول حکمرانی یہ تھا
کہ کسی متوفی امیر کے بعد اوسکی دیوڑھی کے مقررہ طریقے جاری رہیں اور باہم ورثاء
یں اگر کوئی نزاع ہو تو حکم شاہی اور تصفیہ قطعی کا انتظار کیا جائے جس فرد کو
ماتم پرسی کی خلعت عطا ہو جائے وہ جاریہ انتظام دیوڑھی ملحوظ رکھے ۔سنہ ۱۳۰۶ ھ
یں مہا راجہ نرندر پرشاد کا انتقال ہوگیا اور اواخر سنہ ۱۳۱۰ ھ میں یعنی چار برس کے
بعد جانشینی کا تصفیہ ہوا مہا راجہ کشن پرشاد نے اپنے آداب و عقیدت اور اپنی طبیعت
کے لحاظ سے اوس وقت تک خاموش تصفیہ شاہی کا انتظار کیا مقربان شاہی کے ذریعہ
جو عرض و معروض پہونچانے کی ذمہ داری رکھتے تھے اپنے ذاتی و خاندانی معاملات
کو حضرت غفران مکان کی پیشگاہ میں صاف صاف عرض کردیا کرتے اور خود حضرت
غفران مکان کا فرمان شاہی مدار المہام وقت کو یہ ملا کہ کوئی جدید تغیر نہ ہونے پائے
ور مہا راجہ کشن پرشاد پیشکار دیوڑھی کا نظم و نسق اپنے قدیم طریقہ سے انجام دیتے
رہیں ۔ بہر حال سنہ ۱۳۱۰ ھ میں جب سلطنت آصفیہ کا انتظام جدید پیش نہاد خاط
شاہی تھا مہا راجہ کشن پرشاد کی قسمت کا تصفیہ بھی عملاً اون کے ہی حق میں
ہوگیا ۔ پیشکاری کے ساتھ وزارت فوج کا عہدہ جلیلہ بھی اون کو مرحمت ہوا رکن

کیبنٹ کونسل (یا مجلس وزرا) بھی بنا دے گئے اور اس طرح اون کو اپنے حقیقی نانا کا جا نشین و وارث تسلیم کرلیا گیا ۔

اس کے تھوڑے ھی عرصہ کے بعد حضرت غفران مکان نے اپنی دور بینی اور عزم شاھی سے اس کا بھی تصفیہ فرمادیا کہ جس طرح مہاراجہ نرندر پرشاد جملہ جاگیرات پیشکاری کے قابض رہے تھے یہ بھی اوسی طرح تمام جاگیرات اور دیوڑھی پیشکاری کے ذمہ دار رھیں گے ۔ جو بڑے چھوٹے رشتہ دار پیشکاری سے متعلق تھے اونکو ان کی ماھانہ نقد ماھوار مہاراجہ کشن پرشاد ماہ بماہ یا سالانہ پہونچاتے رھیں جو حصہ مکان اونکی سکونت کا مقرر ھے اوس میں وہ رھیں باقی تمام انتظامات جاگیر اور دیوڑھی مہاراجہ کشن پرشاد سے وابستہ رہے اس کے بعد سے حضرت غفران مکان مہاراجہ کشن پرشاد کے حال پر انتہائی مہربانی فرمانے لگے ۔ شاھی دربار میں حاضری اور نذر گذراننے سے قطع نظر قدیم روایات کو تازہ کردیا گیا کہ حضرت غفران مکان وقتاً فوقتاً اور خاص کر ماہ محرم میں مہاراجہ کشن پرشاد کی دیوڑ ھی پر تشریف لاتے اور تھوڑی دیر تک وھاں استراحت فرماتے مہاراجہ کشن پرشاد اور اون کے ازواج اور اولاد کو شرف تکلم عطاء فرماتے ماہ محرم اور کسی موقع پر حسب دستور قدیم شاھی جلوس نکلے تو مہاراجہ کشن پرشاد کو بھی نمایاں حیثیت سے شرف حاضری عطا فرمایا جاتا ۔

ماہ محرم میں لنگروغیرہ کا جلوس قدیم اصول پر مہاراجہ کشن پرشاد کے جلو خانہ کے اندر سے گذرا کرتے حضرت آصفجاہ خامس تک لنگر کا جلوس دیوڑھی پیشکاری کے جلو خانہ سے بھی گزرتاتھا ۔ اور اس کے بعد حضرت غفران مکان کی کم سنی کی وجہ اس کا راستہ بدل دیا گیا تھا امرائے پائیگاہ کے مدار المہام ھوجانے کے بعد شاہ گنج پر سے مدارالمہام کے سامنے سلامی دیتے ھوئے یہ جلوس پنچ محلہ پر سے گزرا کرتاتھا ۔ حضرت غفران مکان نے یہ حکم صادر فرمادیا کہ قدیم طریقہ سے مدار المہام کے سامنے گذرنے کے بعد جلو خانہ پیشکاری کے اندر سے ھی مہاراجہ کشن پرشاد کو بہ حیثیت وزیر فوج سلامی دیتے ھوئے لنگر کا جلوس پنچ محلہ سے شاھی آداب و سلامی کے لئے گزرا کرے ۔ اس اعزاز کی قدر و قیمت کو مہاراجہ کشن پرشاد نے بخوبی محسوس کیا انہوں نے اس کا پورا اھتمام رکھا تھا کہ ماہ محرم الحرام میں نیز جب کبھی شاھی سواری اون کی دیوڑھی میں رونق افزا ھو خاص اھتمام کیا جائے شاھی مدح و ثناء میں رباعیات اور اشعار نمایاں طریقہ سے نصب ھوں اور اس کا پورا اھتمام کیا جائے کہ حضرت غفران مکان جذبات عقیدت سے متاثر ھوں دیوڑھی کے اندرونی حصہ میں بھی جہاں شاھی سواری رونق افروز ھوتی تھی خاص اھتمام آداب و عقیدت کے اظہار کا رکھا جاتا تھا ۔ مہاراجہ کشن پرشاد اون کے محلات اور اولاد اپنی عقیدت کا اظہار رکھتے تھے مہاراجہ کشن پرشاد کی شاعری کا ایک بڑا حصہ حضرت غفران مکان کی مدح سرائی میں لکھا گیا ھے اور شائع بھی ھوا ھے۔

شاھی سواری جب شکار کو یا کسی جگہ تشریف فرما ھوتی تھی یا بعض موقع پر

ات کے لئے دھلی یا کلکتہ رونق افروز ہوئے ھیں تو مہاراجہ
المہام کے غیاب میں حیدر آباد کی حکومت کی ذمہ داری عطا ہوئی
ےاور اپنی وفاداری کا اظہار عرائض کے ذریعہ کیا کرتے تھے خود
نکار یا جاگیری سفر پر جاتے یا سرکاری ضرورتوں سے حیدر آباد سے
شگاہ شاھی میں معرو ضہ خیرو عافیت کے متعلق اھم دار السلطنت
اتی معروضات بھی گزرانسے کاشرف حاصل کرتے تھے اور مہاراجہ
، کوشش یہ رھتی تھی کہ خود اپنے قلم سے اپنے جذبات کا
دت کا اظہار کما حقہ ہوا کرے ۔ اور حضرت غفران مکان کی
ک قدم بھی آگے نہ بڑھا یا جائے ۔ شکار و غیرہ میں کامیا بی
ناسازگاری پر حسب طریقہ شاھی خیر یت پرسی اور دیگر مراسم
لحوظ رکھنا بھی مہاراجہ بہادر کی طرز زندگی میں داخل تھا جس
پیرا رہے ۔ بادشاہ پرستی اور آداب شاھی کے متعلق مہاراجہ
نہ فروگذاشت نہ کرتے تھے ۔ اولاد پیدا ہوتو فوراً اس کی اطلاع
، کرتے نام رکھنا ھوتو بھی وہ حکم شاھی کا انتظار کرتے ۔ بعض
کان براہ راست امور سلطنت میں اون سے کیفیت وغیرہ دریافت کرتے
طا ہوتا تھا ۔

را کی سبکدوشی کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد کو مدار المہام
ضرت غفران مکان نے اپنی کار فرمائی اور تدبر سے طئے فرمایا ۔ قصر
عوتوں اور تقریبوں میں مہاراجہ کشن پرشاد کا نمایاں مقام رہا کرتا تھا.
ن ھوا ھے کہ مہاراجہ کشن پرشاد کو اس موقعہ پر خصوصیت سے
۔ وقتاً فوقتاً مہاراجہ مرحوم کو حضرت غفران مکان شاھی تحفوں و
ۃ مہاراجہ کشن پرشاد اونکو آنکھوں پر رکھتے اور اکثر نظم میں
ں کرتے ۔

۔ عثمان علی خاں بہادر کی عمر جب بڑھنے لگی اور سرکاری تقریبات
لگے تو مہا راجہ کشن پرشاد ولی عہد سلطنت کا ادب بھی قدیم
طابق ملحوظ رکھا کرتے تھے جب نواب صلابت جاہ مرحوم اور
دت ہوئی اور اون کی سالگرہ کی تقریبات خود اعلی حضرت غفران مکان
منعقد فرمایا کرتے تھے تو مہا راجہ کشن پرشاد کو بھی اوس میں
، تقریر کےلئے خاص ھدایات پہلے ھی سے فرمادئیے جاتے مہا راجہ
ی کو بخوبی ملحوظ رکھا کرتے تھے اورساتھ ھی شہزادۂ ولی‌عہد کا
روگذاشت نہ کرتے تھے ۔

ہفجاہ سابع کے جلوس سلطنت کے بعد بادشاہ اور مدار المہام میں

اچھے تعلقات ادب و بندگی ترقی پذیر رہے ۔ مگر پھر تغیرات بھی اندر ہی اندر پیدا ہوگئے اور رجب سنہ ۱۳۳۰ھ میں اون کو مدار المہامی سے سبکدوش ہونا پڑا تاہم مہا راجہ کشن پرشاد نے اس کو بخوبی ملحوظ رکھا کہ اپنے بادشاہ کے ساتھ وفا داری کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے شاہی اور شخصی فرامین جو بجنسہ محفوظ ہیں وہ اس کا ثبوت ہیں کہ مہا راجہ کشن پرشاد جادۂ وفا داری پر کسقدر استحکام سے قائم رہے اس نازک اور پیچیدہ دور زندگی میں جو ۱۵ سال کے طویل عرصہ تک ممتد رہا اونھوں نے اشعار کے ذریعہ اپنے درد دل سرشت عقیدت کو واضح کیا اور مہا راجہ مرحوم کی شاعری میں وہ شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں اسی کی بدولت رجب سنہ ۱۳۴۶ھ میں وہ دوبارہ ذمہ داری سلطنت پر بہ حیثیت صدر اعظم سرفراز ہوئے ۔ صدر اعظمی سے سبکدوشی کے بعد بھی کچھ کم چار سال اون کے گذرے اوس میں بھی قدیم آداب شاہی کو کبھی بھی فروگذاشت نہ کیا حضرت آصفجاہ سابع بھی جب کبھی دیوڑھی پیشکاری میں رونق‌افروز ہوئے قدیم طریقہ پر عقیدت مندانہ رباعیات اور اشعار نمایاں کئے گئے اور مہاراجہ کشن پرشاد سواری شاہی کی واپسی تک آداب شاہی کو پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے اور انگریزوں اور بیرون ملک کے معزز اور سیاحین پر شاہ اور وزیر کے تعلقات نمایاں طور پر اثر کرتے تھے ۔ اور وہ عملاً محسوس کرتے کہ حیدرآباد کی ثقافت میں شاہی‌آداب کا تعلق کیسا مستحکم بلند و بالا ہے ۔

شاہ و وزیر کے تعلقات کے اظہار کے لئے مہا راجہ مرحوم کے شاہ کاروں کو ضمیمہ (۱) میں درج کیا گیا ہے ۔

*14

باب دوم

سیر و سیاحت

سرمد تو حدیث کعبه و دیر مکن   دروادئی شک جو گمر هاں سیر مکن
روشیوهٔ بندگی ز شیطان آموز   یک قبله گزیں سجده بر غیر مکن

مہاراجہ بہادر کو مرحوم نظام سے جو والہانہ عقیدت تھی اور ان کی ذات کے ساتھ جو وابستگی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ تھی جس کا اظہار انہوں نے اپنے آقا کی زندگی ھی میں نہیں بلکہ ان کی وفات کے بعد ہر موقع پر کیا ھے۔ مہاراجہ کہتے تھے کہ جو کوئی ھمہ تن کسی کا ھوجاتا ھے وہ اسی کا کہلاتا ھے۔ اور اسی کی بدولت ساری دنیا اسکی تعظیم اور توقیر و عزت کرتی ھے اور محبت کی نظروں سے دیکھتی ھے۔ قدر دانی کی مسند پر جگہ دیتی ھے اور دل میں بٹھاتی ھے وہ فرماتے تھے کہ میری عزت اور آؤ بھگت کا سبب یہ ھے کہ سب مجھے حضور مرحوم کا فدائی ان کا دست گرفتہ اور ان کے دربار کا عزت یافتہ سمجھتے ھیں۔ میرے دل میں یہ خیال آتا ھے کہ ایک بندہ خدا کا محبوب بادشاہ کے منظور ھونے کے سبب یہ اثر ھے تو جو اس خدائے پاک کے ھوجاتے ھیں اور اپنے آپ کو اس کی ذات میں فنا کردیتے ھیں ساری خدائی ان کی نہ ھوجائے اور وہ ساری خدائی کے نہ سمجھیں جائیں تو حیرت اور تعجب کی بات ھے۔ مرحوم نظام کے متعلق وہ فرماتے اور کھلم کھلا اون کی وفات حسرت آیات کے بعد رو رو کر فرماتے تھے۔

''بلا مبالغہ میں کہتا ہوں اور یہ امر مسلمہ ہے کہ اگرچہ آصف جاہ خلدآشیاں نے سلطنت کی داغ بیل ڈالی لیکن سلطنت کی عمارت کو انتہائی بلندی اور شان و شکوہ تک پہنچانا مختص تھا حضور مرحوم کے لئے۔ ان کی دور بین آنکھوں پر ہمیشہ دور بینی کی عینک لگی رہتی تھی۔ در حقیقت محبوب باد شاہ عقل و دانش کا پتلا تھا اور کھرے کھوٹے کے پرکھنے کے لئے کیسی کسوٹی تھی۔ انہیں سے اس کی داد ملے گی جو بڑے بڑے زمانہ دیدہ اور تجربہ کار مرحوم کو دیکھ چکے ہیں''۔

بناوٹی عقیدت اور تابعداری میں خلوص و محبت کی بو نہیں ہوتی۔ وہ ہوا کا رخ دیکھتی ہے اور جس سمت میں ہوا چلتی ہے چلنے لگتی ہے وہ ناؤ کی طرح بہاؤ کے زور پر چلی جاتی ہے۔ لیکن یہ محبوب شاہ پرستی مہاراجہ کی فطرت کا جزو ثانی بن گئی تھی۔ اور یہ ھی اظہار عقیدت مرحوم کے بعد مہاراجہ کی وزارت سے علحدگی کی ایک وجہ موجہ بن گئی۔ دنیا کے دستور کے مطابق بادشاہ اور وزیر میں جسقدر عقیدت اور وابستگی ہوتی ہے وہ تاج و تخت کی حد تک جب وزیر سے کہاجاتا ہے کہ بادشاہ مر گیا تو وزیر فوراً کہتا ہے کہ خدا بادشاہ کی عمر دراز کرے اور پھر مرحوم بادشاہ کے نام تک کو دربار شاھی میں نہیں لیتے۔ مگر اس کلیہ کے خلاف مہارجہ کا یہ حال تھا کہ ماھی بے آب کی طرح تڑپتے تھے اور اٹھتے بیٹھتے مرحوم کی توصیف و ثنا میں رطب اللسان تھے اور بعض وقت تو انہوں نے یہ تک کہا کہ وزارت نہیں

اب تو سرتک میرے سر پہ بار ہے

الحاصل مہاراجہ کی اپنے آقا کی یاد میں آہ و زاری نے لال خاں ایسے لوگوں کو کارگذاری کا موقع دیا۔ اور وہ وقت آگیا کہ چندو لعل کی دیوڑھی سے قلمدان وزارت پھر سالار جنگ کی دیوڑھی میں پہونچ گیا۔ اور مہاراجہ بہادر کی شمع انجمن کے پروانے بیلٹے سے دیوانوں کی طرح پتھرگٹی کی طرف یہ کہتے ہوئے اڑ گئے کہ

زلیخا بن کے دیوانی مرے یوسف کے گھر آئی

دنیا پرستوں۔ ابن الوقتوں۔ خوش آمد پسندوں۔ گندم نما جوفروشوں اور وزارت کے کاموں سے مہاراجہ بہادر کو فراغت نصیب ہوئی اور جو وقت ان کا ایسے لوگوں کی ملاقاتوں میں ضائع ہوتا تھا جن کا دل اخلاص کی نعمتوں اور کردار کے اصول کی بندشوں سے آزاد تھا اب علمی مشاغل اور باطنی ریاضت میں صرف ہونے لگا۔ سوائے وزات کے طبل تہی کے اور چند ہزار ماہوار کے باقی سب سامان ریاست و امارت اب بھی موجود تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے آقائے مجازی کے بعد وزارت ان کو اندرھی اندر گھلائے چلی جاتی تھی اور حیدرآباد انہیں کاٹے کھاتا تھا پھر بھی وہ ایک خاندانی امیر تھے اور ننھیال کی جاگیرات و روایات کے امین جو مہاراجہ نریندر پرشاد نے انکیے تفویض کی تھیں۔ جوں ھی

مصالح سلکی نے اس کا موقع دیا وہ سیر و سیاحت کو نکلے ۔ وہ فرماتے تھے کہ سفر ایسا مبارک درخت ہے جس کی شاخوں میں دنیا کی کامیابی کے میوے آئے ہوئے ہیں ۔ یہی وہ دریا ہے جس کی تہہ میں تہذیب شایستگی ۔ علم ۔ اخلاق ۔ پاکیزگی خیال ۔ معاشرت ۔ تمدن صحت و عافیت کے سینکڑوں چمکدار موتی پڑے ہیں ۔ یہ موتی کسی کو نہیں ملتے مگر سفر کرنے والوں کو ملتے ہیں ۔ سفر کاہل کو مستعد ۔ بزدل کو بہادر غریب کو امیر بنادیتا ہے ۔ امرا کو غربا کی اعانت اور اصلاح حال کی توفیق دیتا ہے۔

انہوں نے تاج الدین ولی کی جو ناگپور کے قریب رہتے تھے بہت تعریف سنی تھی اون کے دیدار کی آرزو میں اور یہ سمجھکر کہ ایسے صاحب کشف کی بدولت ان کو اطمینان قلب نصیب ہوگا اور ان کا دل محزوں تسکین پائےگا اور ان کے چہیتے بیٹے عثمان پرشاد کو جس کی علالت کی وجہ سے وہ پریشان تھے ایسے بزرگ کی دعا سے صحت نصیب ہوگی ناگپور کا سفر کیا ۔ اس سفر کی کیفیت کو مہاراجہ نے اپنی کتاب میں جس کا نام انہوں نے

”آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش میں“

رکھا درج کیا ہے۔ ان کے قلب کو اس بزرگ کی کیفیت سے بڑی تقویت نصیب ہوئی ۔ ان سے اپنی پہلی ملاقات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں ”شاہ صاحب دوسری طرف متوجہ تھے ۔ میری پشت پر کھڑے ہوتے ہی چونک کر فوراً میری طرف نظر ملائی بقول شخصے ۔

نین چھپائے نہ چھوپیں پٹ گھونگٹ کی اوٹ
چترتا اور سورما کریں لاکھ میں چوٹ

نظر کا ملانا تھا کہ میرے قلب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جس کا اظہار قلم سے ممکن نہیں ۔ در حقیقت ان کی نسبت نہایت قوی اور نظر میں برقی قوت تھی ۔ میں نے بھی ان کی دید سے آنکھ نہیں چرائی ۔ دس منٹ یا اس سے زیادہ عرصہ گزرا ہوگا ۔ بقول شخصے

دید مغز است باقی پوست است
دید آن باشد کہ دید دوست است

اس دید بازی کے مزے خوب ملے ۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے کہا کہ شرارتیں کرتے ہو جاؤ سید ھے گھر جاؤ ۔ میں سلام کرکے واپس ہوا . . . . جب تھوڑی دور میں چلا گیا تو میرے پیچھے ہی آئے اور ایک مائی صاحب بیٹھی تھیں ان سے چوڑی لی اور مجھے دیکر کہا کہ بس اب تو جاؤ گے“

کیا ہندو کیا مسلمان ہندوستان میں امیر ہو یا غریب سب میں چوڑیاں سہاگ کی نشانی سمجھی جاتی تھیں اور چوڑیاں ہاتوں میں نہ ہونا بیوگی کی اور رنڈاپے کی دلیل لیکن آج کل کا چلن ـ مسی ـ پرانے بھاری زیورات کی طرح ہاتھوں میں چوڑیاں نہ ہونا فیشن ہو گیا ہے۔ مہاراجہ بہادر کو اس چوڑی کے عطیے میں اپنے اعزاز و اقتدار کی ضمانت نظر آئی اور وہ خوش خوش '' سیدھے گھر جاؤ،، کی تعمیل میں حیدر آباد واپس آئے اور اپنے فرزند کو پہلے سے بہتر پایا ـ

مہاراجہ نے شمالی ہندوستان کا سفر جس کو انہوں نے سیر پنجاب کے نام سے موسوم کیا ہے ۶ ـ جون سنہ ۱۹۱۳ع کو شروع کیا اور ۱۳ ـ اگست سنہ ۱۹۱۳ع کو واپس بلدہ ہوئے ـ اس سفر کا بڑا مقصد اجمیر شریف میں حاضری اور اپنے آبائی وطن کو دیکھنے کا شوق تھا ـ انگریزوں کی حکومت میں اجمیر کا شہر راجپوتانہ کا صدر مقام رہا ہے اور یہیں ایجنٹ گورنر جنرل کا قیام رہتا تھا ـ اس شہر کے گرد ایک فصیل ہے جس میں پانچ دروازے ہیں۔ چاروں طرف سے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اس خوبصورت شہر کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں ـ انہیں پہاڑیوں میں سے ایک کے دامن میں خواجہ صاحب کا مزار ہے ـ درگاہ سنگ مرمر کی ہے۔ خواجہ صاحب کا سلسلہ نسب چھٹویں پشت میں حضرت امام نقی علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ یہ درگاہ شاہوں کے شاہ کی بارگاہ عرش پائیگاہ سمجھی جاتی ہے ـ ہر قوم اور ہر ملت کے لوگ نزدیک اور دور سے آتے ہیں سنگ آستاں پر سر جھکاتے ہیں اور منہ مانگی مراد پاتے ہیں ـ اکبر سا جلیل القدر بادشاہ کئی بار آگرہ سے یہاں تک پاپیادہ آیا اور گل مراد کو پایا ـ اکبر کے پہلے ہی سے راجپوتانہ کی تمام ہندو راجہ مہاراجہ اس درگاہ عالی کی وقعت کرتے رہے ـ مسلمان بادشاہوں سے اس خطے کے سورما لڑتے رہے اور مسلمان بادشاہ ان پر چڑھائی کرتے رہے اس سے بڑھکر اس زمانے کی مذہبی رواداری اور سورمائی کے ضابطوں کی پابندی اور اخلاق کی بلندی کا کیا ثبوت ملیگا کہ اس درگاہ سے پیٹھ نہ موڑی ـ جوش انتقام میں سب کچھ کیا ـ پاس ناموس کی خاطر شریف عورتوں کو چتاؤں پر چڑھتے دیکھا مگر کسی نے ایک جلتی چنگاری تک اس بارگاہ فلک آسا کی طرف نہ پھیکی۔ اب تک ادب و تعظیم سے حاضر ہوتے ہیں ذاتی عقیدہ اور نیز اس وجہ سے بھی کہ سورج بنسی ہونے پر مہاراجہ کو ہمیشہ فخر رہا اور سورج بنسیوں کا سر اس آفتاب روحانی کی طرف جھکا رہا وہ خواجہ اجمیری کے ساتھ بڑی روحانی وابستگی کا اظہار کرتے تھے ہر ماہ ہلالی کی چھٹویں تاریخ کو اپنے یہاں محفل سماع مقرر کرتے تھے اور نذر و نیاز سے اپنی شیدائیت کا ثبوت دیتے تھے اور تسکین قلب حاصل کرتے تھے ـ مہاراجہ بہادر نے کئی مرتبہ مختصر سی سوانح حیات لکھی ہے۔ جس سے انکی کیفیت و ماہیت قلب کا جو دوران تحریر میں ہوتی سراغ ملتا ہے چونکہ ان بزرگ کی روحانیت کا ڈنکہ آج تک چار دانگ عالم میں بج رہا ہے اور اہل دل کے دل ان کی محبت سے لبریز ہیں ـ

اس سفر میں مہاراجہ بہادر کی ملاقات رنگیلے شاہ ـ بصرے والے سید محمد صاحب اور حضرت خواجہ حسن نظامی سے کئی بار ہوئی ـ خواجہ حسن نظامی خود ایک بلند پایہ

سالک طریقت ھیں اور زبان اردو کے بہترین ادیبوں میں خیال کئے جاتے ھیں۔ واردات قلبی اور حسیات ذھنی جسطرح وہ نثر میں بیان کرتے ھیں اس میں شعر کا لطف آجاتا ھے وہ دوسروں کے الفاظ میں ایسی بیساختگی کےساتھ تصویر اتارتے ھیں کہ جس کا مذکورھو وہ ھو بہو آنکھوں کے سامنے آجاتا ھے مہاراجہ بہادر نے انہیں کے رنگ میں ان کی عکس کشی کی ھے۔ اس میں وہ کہاں تک کامیاب رہے ھیں اس کا تصفیہ ناظرین خود کر سکتے ھیں ۔ ملاحظہ ھو :

" حضرت اپنے خادم شاد ناشاد کے حال پر نوازش فرماتے ھیں اگرچہ حضرت محبوب الٰہی کے ھمشیر زادے ھونے کا فخر رکھتے ھیں لیکن نسب فروش نہیں ھیں۔ بلکہ ذاتی خوبیوں سے آراستہ اور فقر و فخر کے لباس سے پیراستہ ھیں ۔ چشم گریاں اور دل بریاں رکھتے ھیں ۔ با خبر صوفی عارف و نہایت وجیہ ۔ متین ۔ زندہ دل اور خوش مذاق ھیں ۔ درویشی میں دل پر اثر کےساتھ قلم میں جادو بھی ھے جسکو تمام دنیا جانتی ھے۔ "

علاوہ نذر و نیاز کے جس میں مہاراجہ ھمیشہ فراغدلی سے کام لیتے تھے ایک ھزار روپیہ اجمیر کے اسلامیہ اسکول کو بطور چندہ دیا ۔ اور بمبئی کے سمت روانہ ھوئے اور ملابار ھل پر ایک کوٹھی کرایہ پر لیکر اس میں قیام کیا بمبئی کی کیا پیاری تصویر انہوں نے اپنے اس شعر میں کھینچی ھے۔

تجھ پہ کیا شان خود آرائی ھے
حسن ھے آن ھے رعنائی ھے

بمبئی سے آبو اور اجمیر ھوتے ھوئے ۲۹ ۔ جون سنہ ۱۹۱۳ع کو دھلی پہونچے ۔دربار محبوب الٰہی میں حاضر ھوئے ۔ اور ۳۰ جون کے دوسرے دن ھی ڈیرہ ڈون کی طرف روانہ ھو گئے ۔ تاکہ وھاں سے ھردوار جا کر گنگا اشنان کریں ۔ یوں تو گنگا گوھکہ سے نکل کر خلیج بنگال تک چلی گئی ھے۔ لیکن اس مقام پر اس متبرک دریا کو خاص بزرگی حاصل ھے اور یہ ھندوں کا سب سے پرانا تیرتھ ھے راجہ ۔ مہاراجاؤں ۔ ساھوکاروں نے یہاں جاتریوں کے آرام اور آسایش کے لئے حویلیاں بنوادی ھیں ۔ یہاں کے پانڈوں کی آمدنی کا کیا ٹھکانا ۔ سونا ۔ چاندی ۔ بھاری بھاری کپڑے لوگ یہاں آن کر پن کرتے ھیں۔ مہنت جاتریوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ھیں ۔ دو چار پاپی ایسے بھی ھیں جو اپنے مہمانوں کی چوریاں کرا دیتے ھیں ۔ اس مقام پر گنگا کا جل نہایت شفاف اور ٹھنڈا ھے۔ اس مقام سے جو تیرتوں کا سلسلہ شروع ھوتا ھے وہ کوہ ھمالیہ تک چلا جاتا ھے۔ ھر بارہ سال کے بعد ھردوار میں کمبھہ کا میلا ھوتا ھے۔ جس میں کئی لاکھ جاتری جمع ھوتے ھیں ۔ میلوں تک گنگا کا کنارہ اور آس پاس کے گاؤں جاتریوں سے بھر جاتے ھیں ۔ بڑی رانی صاحبہ نے اپنی طرف سے بڑی دھوم دھام سے برھم بھوج اور بھنڈارہ کرایا ۔ گنگا اشنان سے فارغ

ہوکر ہردوار سے مہاراجہ بہادر روڑکی گئے جہاں سے بہ‌سواری تانگہ پیران کلیر پہونچ کر حضرت علی احمد صابر حسینی کے مزار کی زمین بوسی کی - ۱۲ - جولائی سنہ ۱۹۱۳ع کو امرتسر پہونچے - دربار صاحب میں حاضری دی - بابا اٹل کے درشن کئے اور دربار صاحب کا سلح خانہ جو ایک خاص شہرت رکھتا ہے دیکھا - دربار صاحب گولڈن ٹیمپل کے نام سے مشہور ہے- سنہ ۱۸۰۲ع میں رنجیت سنگھ نے اس سونے کے مندر کو بنوایا ہے- امرتسر میں ٹیمپرنس سوسائٹی کے ممبروں نے مہاراجہ بہادر کو ایک زبردست ایٹ ہوم دیا - مہاراجہ بہادر نے اپنی روایتی فیاضی کے مطابق دو ہزار روپیہ اس کمیٹی کو چندہ دیا - ۱۵ - جولائی سنہ ۱۹۱۳ع کو کھتریوں کی طرف سے اڈریس دیا گیا جس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے-

" اے میرے بھائیو - اگرچہ میرے جد بزرگوار راجہ چندولال بیکنٹھ باشی اسی پنجاب کی سرزمین کے تھے اور یہیں سے آصفجاہ کے ساتھ ان کے بزرگوار دکن گئے - مہاراجہ بیکنٹھ باشی نے کئی بارقصد کیا تھا کہ پھر وہ اپنے وطن مالوف کو آکر اپنے بھائیوں کے درشن کریں - لیکن مشغولی خدمات نے موقع نہیں دیا - یا یہ کہئے کہ یہ سعادت میری قسمت میں لکھی تھی جو آج کے روز مجھے حاصل ہوئی جس پر مجھے فخر اور ناز ہے-

میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ میرے بھائیوں نے جس خلوص اور جوش محبت کے ساتھ اس غریب الدیار خادم‌قوم کا خیر مقدم منایا اس کی سپاس گذاری کےلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں- چنانچہ اس محبت کا اظہار پھولوں کے ہاروں کے انبار سے ہوتا ہے - جو آپ کی جانب سے مجھے عنایت ہوئے - ایک تو آپ کی مہربانیوں کا بوجھ - دوسرے پھولوں کے ہاروں کا - یہ دونوں بوجھ میری ایک ضعیف گردن کو برداشت کرنا مشکل تھا مگر جب کہ میں نے اندازہ کیا کہ کون سا بوجھ زیادہ ہے تو فی البدیہ ہاتف نے میرے دل میں یہ شعر موزوں کردیا -

بوجھ پھولوں کا اٹھاسکتا ہوں لیکن سچ یہ ہے
میری گردن زیر بار منت احباب ہے

اے بھائیو! آپ یقین مانیں اور میرا یہ شعر میرا ترجمان دل ہے اس میں نہ خوشامد ہے نہ شاعری - آپ اس امر کو باور کریں کہ گو دنیا کی ضرورتوں کے لئے خوشامد یا مبالغہ کے ساتھ تعریف و ثناء ہمیشہ سے حصول مقاصد کا ذریعہ سمجھا گیا ہے مگر میں نے ان باتوں کو کبھی اپنا شعار نہیں گردانا اور ہمیشہ میری یہی کوشش رہی (اور آیندہ رہیگی) میں جو کچھ آپ صاحبوں کی محبت اور یگانگت کے اظہار میں اپنی زبان اور قلم سے کام لے رہا ہوں اس میں ہرگز مبالغہ نہیں ہے- اگر اس اظہار محبت میں آپ کا خلوص نہ ہوتا تو ہرگز میرا نیاز مند دل اسقدر متاثر نہ ہوتا - میرا ہمیشہ سے اس پر عمل ہے-

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
ان کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

اے میرے معزز ہم‌قوم ۔ آپ نے میرے جد بزرگوار مہاراجہ چندو لال بیکنٹھ باشی کے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے اس غریب الدیار فقیر گوشہ نشین کو یاد فرمایا ہے اگر مبالغہ اور شاعرانہ خیال نہ سمجھا جائے تو میری اس گذارش کو یقین مانیں کہ بیشک مجھے فخر ہے کہ میں ان کا نام لیوا ہوں اور اس آفتاب مجمع الصفات سے کسب ضیا کرتا ہوں مگر ۔

طالب عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلان ابن فلان چیزے نیست

بلکہ اگر مجھے اور میرے خاندان کو فخر ہے تو اس امر کا ہے کہ میرا خاندان آصفجاھی کہلاتا ہے اور آفتاب سلطنت کے پیارے چاند محبوب دکن اعلی اللہ مقامہ کا یہ خادم دست گرفتہ اور پروردہ ذرہ بے مقدار ہے ۔ مرحوم و مغفور کی خادمی میں بارہ برس کی عمر سے اڑتالیس برس کی عمر تک حاضر رہا ۔ حضرت نے اولاد سے زیادہ میری پرورش فرمائی اور میں نے بھی اپنے کو حضرت خداوند نعمت کا ملازم ھی سمجھا ۔ خدا رکھے محبوب دکن کے محبوب ہمارے حال اعلی حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ‌العالی بھی اس آبائی نمکخوار کو اپنے نمکخواروں میں شریک فرما کر پرورش فرما رہے ھیں جو میرے ان داتا ھیں ،، ۔

بڑی مہا رانی صاحبہ کو آریہ ساجسٹ گرل اسکول میں مدعو کیا گیا انہوں نے لڑکیوں کو انعام تقسیم کیا ۔ ۱۸ ۔ جولائی کو مہاراجہ بہادر لاھور پہونچے اور اسی دن وھاں کے مقدس مقامات و مزارات کی زیارت کی ۔ دوسری رات فلسفی شاعر مشرق علامہ اقبال آ کر آغا حشر کاشمیری کی تھیٹر میں لے گئے ۔

لاھور کے قیام میں مہاراجہ بہادر کی ملاقاتیں رائے بہادر رام سرن داس ۔ دین دیال شرما مشہور لکچرار سناتن دھرم ۔ پنڈت گوبند رام سکریٹری دھرم سبھا اور ڈاکٹر سر پرتول چندر چٹرجی سے رھیں ۔ لاھور کے ھندو اور مسلمانوں نے عام جلسہ کر کے مہاراجہ بہادر کا خیر مقدم کیا ۔ مہا راجہ بہادر نے پنجاب کے ساتھ اپنے خاندانی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں آپ حضرات کی بلا قید قوم و ملت کوئی خدمت کرسکتا ہوں تو اس کو میں اپنے لئے باعث فخر سمجھونگا ۔ ۲۳ ۔ جولائی کو انجمن حمایت اسلام لاھور کا ڈیپوٹیشن آپ کی خدمت میں حاضر ھوا ۔ انجمن کے مقاصد سے آپ نے اپنی دلی لگاؤ کا اظہار کیا اور اسکے متعلقہ یتیم خانے کے لئے ایک ھزار روپیہ عطا فرمایا دوسرے روز کھتری کانفرنس کی سنٹرل کمیٹی کا ڈیپوٹیشن آیا اور ایڈریس پیش کیا اس ایڈریس

سے بعض حصے نقل کئے جاتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ سہا راجہ بہادر اور انکے خاندان کی قدر انکی ذات برادری والوں میں کس درجہ تھی ۔

جناب والا ۔ جب تک آسمان پر چاند اور سورج درخشاں ہیں زمین پر راجہ ٹوڈرمل وزیر مال شہنشاہ اکبر کا نام نامی روشن و برقرار رہے گا ۔ شہنشاہ اکبر کی صلح کل اور امن پسند حکومت کا ذریعہ زیادہ تر راجہ صاحب ممدوح ہی تھے اور ہندو قوم بالعموم اور کھتری قوم بالخصوص راجہ صاحب موصوف کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی کیونکہ راجہ صاحب کی ہی تلقین و تحریص سے ہندو قوم اور اس کے مختلف افراد نے فارسی زبان کی تدریس شروع کی اور اس طرح سے سرکاری ملازمت کا راستہ اپنے لئے کشادہ کیا ۔ راجہ صاحب کے خاندان میں سے رائے مول چند صاحب حیدرآباد دکن تشریف لے گئے اور وہاں وہ نام آوری اور اقتدار حاصل کیا جو ہندوستان میں آفتاب کی طرح روشن ہے اور اسی خاندان کے نیر درخشاں جناب والا کے جدامجد راجہ چندو لعل صاحب آنجہانی کا نام نامی نہ صرف حیدرآباد دکن کی تواریخ میں ہمیشہ کےلئے یادگار رہیگا بلکہ تاریخ ہند میں قابل عزت و وقار رہیگا ۔

چنانچہ حضور والا کا خاندان جس طرح حیدرآباد دکن کے امراء میں درجہ اول کا خاندان شمار کیا جاتا ہے اسی طرح اس خاندان کی نیک نامی سخاوت اور دریا دلی شہرۂ آفاق ہے ۔

پنجاب میں حضور کی تشریف آوری سے کھتریاں پنجاب کو بے انتہا فخر حاصل ہوا ہے اور یہ فخر بالکل بجا ہے کیونکہ جس قدر قوم کھتری اس وقت تک بھارت ورش میں پائی جاتی ہے اس کا اصل مسکن بھی خطۂ پنجاب ہے ۔ پھر اس وجہ سے کہ جناب والا کے وطن قدیم ہونے کا شرف نہ صرف پنجاب کو حاصل ہے بلکہ ضلع لاہور کا موضع چوئیاں اس شرف کا خاص مستحق ہے کھتریاں لاہور فرط مسرت سے جامہ میں پھولے نہیں سماتے ۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اور یہ سلطنت انگریزی کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے کہ آج دو صدیوں کے بچھڑے ہوئے بھائی ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں اور ایک ہار کے بکھرے ہوئے موتی ازسرنو تار میں پروئے جاتے ہیں ۔ یعنی جناب والا دو صدیوں کے بعد اپنے اصل مسکن میں تشریف لائے ہیں اور آپ کے برادران آپ کو دلی مسرت سے خیر مقدم کہتے ہیں ۔

حضور والا ۔ آپ جیسے فخر قوم کا ممبران قوم میں جلوہ افروز ہونا قوم کی بہتری کی دلیل ہے اور ہم فدویان قیاس کرتے ہیں کہ اب کھتری قوم کے دن پھرنے کو ہیں اور صدیوں کا ادبار اس سے دور ہونے والا ہے ۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ حضور والا کو اپنی پیاری قوم سے دلی محبت ہے اور حضور کو قوم کی بہتری اور بہبودی کا خیال ہردم رهتا ہے چنانچہ جب کبھی کھتری کانفرنس سنٹرل کمیٹی کو جناب کے مشورہ کی ضرورت ہوئی ہے جناب نے همیشه اپنے نیک مشورہ سے اس کی امداد فرمائی ہے۔،،

اسی شام کو عام باشندگان لاهور کی طرف سے ایک خیر مقدمی جلسه تھیٹر هال میں ہوا ۔ اس هال کو نہایت عمدگی سے سجایا گیا تھا جلسه کی صدارت ڈاکٹر سر پرمول چند چٹرجی نے کی ۔ رائے بہادر سری رام ۔ ڈاکٹر اقبال ۔ اکبر عمر بیرسٹر آغا حشر کاشمیری اور سید جالب نے گرم جوشی سے تقریریں کیں ۔ ان تقریروں کا بر محل جواب مہا راجه بہادر نے دیا جسکے چند فقرے آب زر سے لکھنے کے قابل هیں ۔ فرماتے هیں ۔

"کیا پیشوایان مذاهب اور مرسلان ملت کی عزت افسر اور حکام سے بھی گئی گذری ہوئی ۔"

جب آپ اپنے دوست کی خاطر اس کے اعزا و اقارب کی عزت و تعظیم کرتے هیں تو کیا اخلاق اس امر کا مقتضی نہیں هے کہ آپ اپنے دوست کے اکابر دین و پیشوایان مذاهب کی بھی تعظیم کریں ۔،،

لاهور سے گورک شتر ہوتے ہوئے مہا راجه بہادر عازم آله باد ہوئے ۔ اس مقام کو بڑا تیرتھه هی مانا نہیں جاتا بلکه دنیا کی تاریخ میں یه بڑا پرانا مقام هے ۔ یہی وہ رزم گاہ هے جس کی زمین پر کورو اور پانڈوں نے اپنے دینوی حقوق کے لئے بڑے بڑے بہادر سورما ۔ چکر ورتی ۔ دوست عزیز و اقارب کا خون بہایا انہیں بہادروں کے کارنامے مہابھارت میں درج هیں ۔ مشہور هے کہ اس لڑائی میں دونوں فریق نے مہا راج کشن سے مدد طلب کی ۔ کشن مہا راج نے فرمایا کہ جب وہ سوتے سے اٹھیں تو جس فریق پر پہلے نظر پڑیگی وہ اس کا ساتھ دینگے جب کشن جی مہاراج پلنگ پر استراحت فرما رہے تھے تو کورو اور پانڈو دونوں بھائیوں نے انکے پلنگ کے قریب پہونچنے کی کوشش کی کورو اس خیال سے کہیں پانڈو سرهانے کھڑے هو جائیں تو انکی توهین هوگی پلنگ کے سرهانے کھڑے هوگئے ارجن اور اسکے بڑے بھائیوں نے هاتھ باندھکر مہا راج کی قدموں کی طرف کھڑا هونا هی اپنا فرض جانا ۔ جب آنکھ کھلی تو مہا راج کی نظر ان بھائیوں پر پڑھی اور انہونے اس لڑائی میں ارجن کی رتھه بانی کی اور جس فلسفه اخلاق و شجاعت اور دین کی تعلیم دی وہ بھگوت گیتا میں آج تک محفوظ هے اور آج دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں اس کا ترجمه هوا هے ۔ انگریزی میں اس کا ترجمه علحدہ علحدہ تلک مہاراج اور مسٹر بیسینٹ نے کیا هے اس مقام کی سیر علاوہ مذهبی حیثیت کے تاریخی حیثیت بھی رکھتی هے ۔

کورکشتر میں جو غزل مہاراجہ نے لکھی یہ ہے۔

آیا جو کورکشتر میں دیوانہ کسی کا	نظروں میں پھرا جلوہ حقانہ کسی کا
کہتے ہیں اسے رزمگہ کورو و پانڈو	کہتا ہے کوئی یہ کہ ہے بت خانہ کسی کا
تاریخ کوئی اس کی سناتا ہے یہ کہہ کر	مشہور جہاں میں ہے یہ افسانہ کسی کا
اشنان کا جو کنٹھہ ہے دراصل وہ کیا ہے	برھے سئے الفت سے یہ پیمانہ کسی کا
بت خانہ جو مشہور مہا دیوکا یاں ہے	دراصل یہ بت خانہ ہے کاشانہ کسی کا
کسطرح سے اشنان کی سوجھی نہیں معلوم	شیدا نہ ہوا تھا دل دیوانہ کسی کا
ہاں مظہر حق یہ بھی تو ہے شاد نہیں شک	کیا خوف اگر تو ہوا دیوانہ کسی کا

۲۷ - جولائی سنہ ۱۹۱۳ع کو مہاراجہ بہادر پانی پت پہونچے اور بو علی شاہ قلندر کی زیارت کے لئے روانہ ہوگئے - وہاں سے مخدوم صاحب کی درگاہ پر تشریف لے گئے جہاں مولانا الطاف حسین صاحب حالی سے ملاقات ہوئی - پھر فتح پور ھسوے میں حضرت نجم الدین سیان کی ملاقات کی غرض سے ٹھیرے اور یکم آگست کو اله آباد پہونچے یہاں حضرت اکبر اله آبادی سے ان کی ملاقات ہوئی اور اتفاق سے خواجہ حسن نظامی بھی مل گئے - جبل پور میں ان کی ایک آزاد منش - سالك - مجذوب اور مذھبی علوم کے ماھر درویش بابا سنت رام سے ملاقات ہوئی - ان بابا کے متعلق مہاراجہ فرماتے تھے کہ انہیں طمع زر بالکل نہ تھا - کسی سے سوال نہ کرتے جو ملتا اسے فوراً جا کر مسکینوں میں پہلے تقسیم کردیتے پھر واپس آتے - ۹ - اگست سنہ ۱۹۱۳ع کو رات کے گیارہ بجے روانہ ہو کر بخیر و عافیت ۱۳ - اگست سنہ ۱۹۱۳ع کو حیدر آباد میں ایک بجے واپس پہونچ گئے -

مہاراجہ بہادر کے لئے یہ پہلا موقع نہ تھا کہ وہ بلدہ سے باھر نکلے ہوں - وہ بمبئی - کلکتہ - اجمیر اور دیگر مقامات کی سیراس سے پہلے بھی کر چکے تھے - لیکن ان کے پہلے سفر یا تو والئی ریاست کے ایک ھمراہ رکاب امیر و پیشکار کی حیثیت سے تھے ایک وزیر ریاست کی طور پر اب جبکہ وہ ایک نوجوان تاجدار کے معزول وزیر کی حیثیت سے خود اپنی آبائی دیوڑھی میں دیکھے جاتے اور غیر تو غیر اپنے بھی آنکھ چراتے تھے ان کا یہ سفر دوسرے ہی رنگ کا تھا - یہ تو نہ تھا کہ ان کی جیب خالی ہو لیکن حکومت کا وہ پٹارہ جس میں کسی کو سرکاری بڑے بڑے عہدے نظر آئیں کسی کو اپنے اداروں کے لئے بڑے بڑے چندوں کی رقمیں اور کسی کو ماھانہ و سالانہ مناصب ان کے ساتھ نہ تھا - اور وہ توقعات جو باھر کے لوگوں کو حیدر آباد کے وزیر ریاست کے ساتھ سالار جنگ اول کے زمانے سے چلے آتے تھے ان کے ذریعہ سے پورے نہ ہوسکتے تھے - البتہ انگریزی علاقوں میں طوطا چشمی کا وہ دور دورہ نہ تھا جو دیسی ریاستوں کا خاصہ ہے۔ نہ حکومت کا وہ دباؤ تھا جو دیسی ریاستوں میں بڑے سے لیکر چھوٹے تک کی آزادی کو سلب کئے ہوئے تھا اور حیات و موت کو اپنی گردش چشم کے تابع رکھے ہوئے تھا - تقسیم بنگال کے بعد سودیشی اور بائکاٹ کی تحریک عام ہوچکی تھی - جنگ بلقان اورطرابلس نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی تھیں - سرکاری اقتدار روبزوال تھا - پڑھے لکھے

قوم پرستوں کے دل سے حکومت کا خوف رخصت ہو رہا تھا ۔ اجمیر ۔ ہردوار اور پیران ۔ کلیر ۔ کو رك شتر متھرا بندرا بن میں ان کی حیثیت ایک مالدار زائر کی تھی ۔ اور جو کچھ آؤ بھگت تھی وہ پیسے کی وجہ سے ۔ لیکن جب امرتسر اور لاھور میں انہیں قومی کارکنوں سے واسطہ پڑا اُن سے جو تبادلہ خیالات ھوا اور مہاراجہ نے جو انکے ایڈرسوں کے جواب دئے ۔ اس نے شمالی ھند میں ان کی شہرت اور وقعت اور اعزاز کو چار چاند لگادئے ۔ ان کے اخلاص و انکسار نے ان لوگوں سے اپنا احترام کرالیا جو دنیاوی عزو جاہ کی پروانہ کرتے تھے ۔ حالانکہ جس طرح وہ حیدر آبادی سیاست سے وزارت کے بعد بالکل علحدہ رھے اسی طرح ھندوستان میں بھی نہ انہوں نے حیدر آبادی سیاست پر گفتگو کی نہ وھاں کے سیاسی معاملات میں دخل دیا ۔ لیکن یہ کہنا دشوار ھے کہ جو کچھ انہوں نے وھاں دیکھا اس کا نقش اپنے قلب سے وھیں مٹا کر آئے ۔ انکے آبا و اجداد کے وطن میں ان کی خاطر خواہ آؤ بھگت ھوئی اور انہوں نے اس سفر میں خصوصا لاھور میں اپنے آپ کو ایک مسافر نہیں پایا اور نہ انہوں نے اپنے طور و طریق سے وھاں کے لوگوں کو یہ محسوس ھونے دیا کہ ان میں کوئی غیر آیا ھے ۔ ان سفروں میں جو شخصی تعارف انہوں نے پیدا کیا اسکو برابر قائم رکھا ۔ صرف خط و کتابت ھی اونھوں نے اپنے ان نئے دوستوں سے جاری نہیں رکھی بلکہ اپنی عادت کے مطابق موقع و محل پر تحفہ و تحائف بھتجیے رھے ۔ اگرچہ وہ دن بدن مقروض ھوتے گئے ۔ لیکن وزارت کے بعد انکی خیر و خیرات میں کوئی فرق نہیں آیا ۔۔ انکی موٹر کے پیچھے اوسی طرح بچوں والے راجہ کی آوازیں آتی رھیں اور انکے ھاتھ سے اسی طرح اور اتنی ھی رقم روز ان غریبوں کی طرف پھکتی رھی ۔ انکے اوقات وھی رھے البتہ اکثراور بیشتر صورتیں ایسی تھیں جو صدر اعظمی کے آنے سے پہلے انکی دیوڑھی میں نظر نہ آئیں ۔

اپنی پژمردہ طبیعت میں شگفتگی کی تازہ روح پیدا کرنے کے لئے ے ۔ جنوری سنہ ۱۹۱٦ع کو مہا راجہ بہادر نے پھر دو ماہ کا سفر کیا اور اورنگ آباد ھوتے ھوئے بمبئی اور اجمیر وغیرہ کے دیکھنے کو معہ اھل وعیال کے جمعہ اور شنبہ کی درمیانی رات میں روانہ ھو کر ناندیڑ میں کچھ دن کو سفر ملتوی کیا اور گردوارے کی جو سکھوں کی عام عبادت گاہ ھے زیارت کی ۔ قصبہ قندھار اسی ضلع کے حدود میں ھے جو سوما دیوراجہ کا پایہ تخت تھا ۔ بسانے والوں کی عظمت اور تمدنی ترقی کی شہادت دینے والا اب ایک مضبوط و مستحکم قلعہ رہ گیا ھے ۔ آبادی اور سکان رخصت ھوچکے ۔ محمد شاہ بہمنی کے زمانے میں یہ مقام بہت آباد تھا ۔ گردوارے کی تعمیر کہا جاتا ھے کہ مہا راجہ چندولعل کے زمانے میں ھوئی ۔ اس گردوارے کے خرچ و اخراجات چلانے کے لئے کچھ جاگیر بھی سرکارعالی سے ملی تھی ۔ جسکے دو گاؤں پھر ضبط کرلئے گئے تھے ۔ مہا راجہ بہادر نے اپنے زمانہ وزارت میں معروضہ گذران کر بارگاہ خداوندی سے انکی واگذاشت کا حکم حاصل کیا تھا مہا راجہ بہادر کی عادت تھی کہ وہ اپنے تفریحی سفروں میں جس تاریخی

مقام پر جاتے تو اسکی تاریخ معلوم کرنے کی بھی کوشش کرتے تھے وہاں کے لوگوں سے زبانی روایات معلوم کرتے - تاریخ کی کتابوں کو دیکھتے اور اپنے تاثرات کے تحت ایک نوٹ تیار کرتے - چنانچہ اس گردوارے کے متعلق جوکچھ مہا راجہ بہادر نے لکھا ہے وہ ایک مستند تاریخی تحقیقات کے زمرے میں آتا ہے - مہاراجہ تحریر فرماتے ہیں -

"گرو گوبند سنہ ۱۶۶۶ع میں پٹنہ عظیم آباد کے مقام پر گرو تیغ بہادر کے گھر میں پیدا ہوئے -

گرو تیغ بہادر سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اورنگ زیب کے تقرر جزیہ سے ناراضی کا اظہار کیا اور اپنی مذہبی حمایت کے لئے تلوار کو اپنا حامی قرار دیا -

یہ پر آشوب زمانہ تھا جس میں گرو گوبند سنگھ سا بہادر طبیعت شخص تیغ بہادر سے شخص کی تربیت میں پرورش پا رہا تھا -

انہی آئے دن کی چھوٹی چھوٹی شورشوں اور ہنگاموں نے اس بہادر دل میں جنگ کو کھیل بنادیا تھا -

چنانچہ ہماری آنکھیں ان واقعات میں سے جو ہمارے گرو موصوف کے بچپن سے متعلق ہیں - اس نتیجہ تک ہمیں پہنچا دیتی ہیں کہ کھیل کود کے بدلے اس بہادر بچہ کا کھیل فوجی نقل اتارنا اور آپس میں نقشہ جنگ قائم کرنا اور اپنے ساتھی بچوں پر کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے حکومت کرنا داخل ہے - گرو گوبند سنگھ کی تمام تر اولوالعزمیوں کا راز ان کھیلوں میں ہی پوشیدہ ہے اور یہیں سے ان کارناموں کی ابتدا ہوتی ہے جو ان کے زمانہ زندگی میں ان کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے -

گرو تیغ بہادر چھوٹی چھوٹی شورشوں اور مقابلوں کے بعد شاہی عاملوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور اس واقعہ سے سکھوں کی جاہل مگر بہادر قوم میں ایک عام جوش اور مخالفت پیدا ہوگئی -

چنانچہ اس واقعہ نے سکھوں کی قوم میں برق رفتار تیزی کے ساتھ فنون جنگ کا شوق پیدا کردیا اور فوراً ہی اس قوم نے سپاہیانہ فنون کی تحصیل شروع کردی -

آخرکار اس اسپرٹ نے یہاں تک زور پکڑا کہ گرو تیغ بہادر کے فرزند گرو گوبند سنگھ موصوف کو سکھوں نے اپنا سردار بنالیا - اور اس بہادر سپاہی کی ماتحتی میں شاہی افواج سے کھل کر مقابل ہوگئے - اور برابر مقابل ہوتے رہے-

سکھوں کی ابتدائی نشو و نما سے لیکر گرو گوبند سنگھ صاحب کے زمانہ تک کے حالات بالکل علحدہ نوعیت رکھتے ہیں - اور جہاں تک ان حالات سے نتیجہ بر آمد

کیا جاسکتا ہے۔ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گرو اپنے سکھوں یعنی چیلوں کو موحدانہ خیالات کی تعلیم سکھا رہے ہیں اور اخلاقی تعلیم کو اپنے معتقدین کے خیالات اور انسانی ہمدردی کو طبیعت ثانیہ بنایا جارہا ہے۔ لیکن گرو تیغ بہادر کے قتل کے بعد بلکل رنگ بدلا ہوا پایا جاتا ہے۔ اور اس خشک اور سادہ تعلیم میں جنگ اور خون ریزی کی امنگ کا رنگ نظر آرہا ہے اس خدا ترس قوم میں جو عافیت او گوشہ نشینی کا سبق سیکھ رہی تھی یکایک خون بہا طلب کرنے کا جوش پیدا کیا جارہا ہے۔

صرف اسی قدر نہیں ہوا کہ سکھوں میں خون بہاطلب کرنے کی آتش غضب مشتعل ہوگئی ہو بلکہ سکھوں کے معروف اور مشہور گروگوبند سنگھ نے اپنے طرز تعلیم کو بدلا اور مناسب وقت اجتہاد سے کام لیکر حمیت او غیرت کا جو ش پیدا کرنے کا ارادہ کیا ۔ جن کے بچپن کے کھیل اس امر کا صاف صاف پتہ دیرہے تھے کہ یہ ہونہار بچہ کسی وقت ایک اعلی درجہ کا بہادر سپاہی ثابت ہوگا جس کے ہر عمل سے ساتھ کے کھیلنے والے بچے اعلی درجہ کی اخلاقی قوت ۔ عالی نظری ۔ الوالعزمی ۔ بلند حوصلگی ۔ کو دیکھ کر خود ہی خود دبے جاتے تھے ۔ جو آگے چلکر زمانہ میں ایک یادگار انسان بنا ۔

چنانچہ جب ہم گرو گوبند سنگھ صاحب کے زمانہ کے حالات پیش نظر رکھکر دیکھتے ہیں اورسابقہ تعلیم سے مقابلہ کرتے ہیں توہم کو صاف صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے معتقدین کے قلوب میں ہر وقت جوش اور حمیت کی روح پھونک رہے ہیں ۔ اور عام اصول تعلیم کے ساتھ غیرت اور احساس کو پیدا کررہے ہیں ۔ جس کا صریحی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم جو پہلے کسی شمار اور قطار میں نہ تھی وہ ہندوستان کے متمدن اقوام میں سے شمار ہونے لگی ۔ جن میں غیرت اور حمیت ۔ شجاعت اور بہادری ۔ مثل طبیعت ثانیہ کے ہوتی ہے۔

بہر حال جب ہم اس گرو کے قلیل حالات کو اس کے نشو نما سے آج تک کے واقعات پیش نظر رکھ کہ دیکھتے ہیں تو اس امر کو فوراً ہی معلوم کرلیتے ہیں کہ اس قوم میں صرف گروگوبند سنگھ ہی کی ذات ایسی ذات ہے جس نے اپنی قوم کو ترقی کا خوشنما چہرہ دکھایا ۔ جس نے احساس اور حمیت کو کوٹ کوٹ کر قومی قالب میں ایک تازہ روح پھونک دی جس نے کاہلی اور سستی کا منحوس لباس اتارکر چستی اور مستعدی ۔ اور پوری پوری جفاکشی کا جامہ پہنا دیا ۔ جس نے ہندوستان کے اکثر حصص میں اپنی تعلیم کو پہنچایا ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغلیہ افواج سے مقابلہ اور جنگ آزمائیوں کے بعد گرو صاحب نے اپنے آپ کو گنجان اور سنسان جنگلوں میں داخل کردیا ہے اور ان بھیانک خطر ناک مناظر کے مشاہدہ سے عرفانی کیفیات کا لطف اٹھاتے ہوئے اور ہرمقام پر اپنی تعلیم کے چشمے بہاتے ہوئے سر زمین دکن میں داخل ہوگئے ہیں ۔

یہاں پہنچکر اس خدا کے ولی نے اپنی تعلیمات کے دریا سے تشنہ کامان عرفان ووجدان کی پیاس کو بھجایا ۔ اور اپنی نیک اور حمیدہ خصائل سے خدا کی مخلوق کے قلوب کو مسخر کیا ۔ اور قوم کے لئے اپنی اولاد کا بھینٹ (قربانی) دینا اپنا فریضہ سمجھا اور خود قوم پر نثار ہونے کو تیار ہوگئے ۔

آخر کار اس پاک روح نے اپنے قالب عنصری کو کاتک سدی پنچمی سنہ ۱۷۶۵ بکرمی مطابق سنہ ۱۷۰۸ع اکتالیس سال نو ماہ اٹھائیس دن کی مدت دنیا میں گذارنے کے بعد اس خاکدان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ۔ اور دنیا کی ظاہر بین نظروں نے ایک پٹھان کو ان کا قاتل بنتے ہوئے دیکھا ۔

یہ واقعہ اس سر زمین ناندیڑ پر ہی ظہور پزیر ہوا اور ہمیشہ کےلئے اس زمین کو وہ اعزاز حاصل ہوگا جو کسی ولی خدا کے وجود سے حاصل ہوسکتا ہے ۔

گرو کے چیلوں نے کثیر دولت اپنے ھادی طریقت کی یادگار بنانے میں صرف کی انہوں نے تمام عمارات کو سوائے چار دیواری کے سونے کے کلس میں چھپا دیا ھے ۔آج تک دور اور نزدیک سے سکھ صاحبان اس مقام کی زیارت کےلئے آتے ہیں اور اپنے گرو کے آستانہ کی خاک کو سرمۂ چشم بناتے ہیں ،،

اسی طرح شہر اورنگ آباد کے متعلق تحقیقات کر کے لکھا ہے ۔

،، اس شہر کو سنہ ۱۰۰۹ ھ میں ملک عنبر حبشی نے بناکر کھڑکی نام رکھا
مگر اورنگ زیب نے اپنے نام کی مناسبت سے اورنگ آباد نام رکھا ،،

ملک عنبر کا شمار بیجاپوریوں کے غلاموں میں تھا ۔ چند جرار حبشیوں کے ساتھ مرتضی نظام شاہ بحری کے یہاں فوج میں داخل ہوکر خداداد عقل و شجاعت سے مرتضی نظام شاہ کے ممالک مقبوضہ کو شہنشاہ اکبر اعظم کی قہار فوج کی طاقت و تاراج سے محفوظ رکھا اور رفتہ رفتہ حسن تدبیر اور زور تقدیر سے کل نظام شاھیہ سلطنت میں ملک عنبر کا اقتدار بڑھ گیا ۔ اوس نے یہاں تک ترقی کی کہ وزیر سلطنت ہوگیا ۔

ملک عنبر فنون سپہ گری میں فرد اور قواعد سرداری میں اپنی یکتائی کا جواب نہیں رکھتا تھا ۔ ملک کی آبادی میں اور ساری رعایا کی بہبودی میں سرگرم ۔ عدل و داد کو ہر کام پر مقدم اور ہمیشہ خود کو تقوی و صلاح کے لباس سے آراستہ رکھتا تھا ۔

ملک عنبر نے ۲۹ ۔ شعبان سنہ ۱۰۳۵ ھجری میں وفات پائی منتخب الدین زر زری زر بخش اور حضرت سید یوسف معروف بہ راجو قتال حسینی کی درگاہ کے درمیان ان کا مزار ہے ۔ عرس وغیرہ کےلئے تھوڑی زمین موضع عنبرا پور تعلقہ انبڑ (عنبر) میں تھی جو اب خالصہ ہوگئی ہے ۔

ے اپنے آباد کئے ہوئے شہر (اورنگ‌آباد) میں بہت سی یادگاریں
ء ان کے دو مسجدیں ہیں - ایک چوک کی پشت پر اور دوسری
ہے یہ دونوں کالی مسجدیں مشہور ہیں - تیسری یادگار مسجد جامع
رجے ملک عنبر نے بنوائے ہیں اور دو درجے شاہ اورنگ زیب نے
ادگار نہر ہے جو اورنگ‌آباد کے گوشہ شمال و مشرق کے پہاڑوں سے
بل شہر سے دو مقام پر تقسیم ہوگئی ہے - پانچویں یاد گار دروازہ
بھڑکل ہے اورنگ‌آباد کی عمارتوں میں رابعہ دورانی کے مقبرے کے
ہٹی یادگار کالا چبوترہ جس پر اب خونیوں کی گردنیں ماری جاتی تھیں
یکھنے کے واسطے ملک عنبر ہی نے بنوایا تھا - ملک عنبر کا گنبد
ں سے شاندار اور بلند ہے کہتے ہیں کہ اس نے اپنا گنبد اپنی حیات

باد میں جس کا پرانا نام دیوگڈھ اور فارسی تاریخوں میں دیوگیر
ں ہے - یہاں ایک قدیم مضبوط قلعہ ہے یہاں کے راجہ کی دولت مندی
سے پہلے علاؤ الدین خلجی نے سنہ ۶۹۴ ہجری - سنہ ۱۲۹۴ع
اس کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق شہنشاہ دہلی نے سنہ ۷۳۸ ہجری
از سر نو آباد کرکے دولت آباد کے نام سے دار السلطنت ہندوستان
انہ میں دہلی سے یہاں تک آٹھ سو میل کا فاصلہ تھا - تانا شاہ اسی
میں قید رہ کر راہی ملک بقا ہوئے جن کا حال آئندہ تاریخوں میں

اہ کی توجہ سے اس کو جو رونق حاصل ہوئی اس کی نسبت ابوالعباس احمد
یہ لکھا ہے -

ے بہت حصے ہیں اور ہر ایک حصے میں بہت سی مسجدیں بازار وغیرہ
صناع وہاں رہتے ہیں گویا ہر ایک حصہ بجائے خود ایک آزاد اور
ہور مغربی سیاح ابن بطوطہ نے اس کو دہلی کا ہم پلہ بیان کیا ہے
عد سلطان نے اپنا دار الخلافہ یہاں سے پھر دہلی کو منتقل کیا جو
بادی کا پیش خیمہ تھا سنہ ۸۳۹ ہجری سنہ ۱۳۳۵ع میں احمد شاہ
ں کو رونق بخشی - یہاں کی آب و ہوا ایسی عمدہ ہے کہ شاہ جہاں
ہزادگی کے زمانہ میں موسم گرما اسی جگہ بسر کیا کرتے تھے -
ہ حالت ایک گاؤں کی سی ہے جس میں ڈیڑھ دو ہزار آدمی چند کچے
-

ت آباد میں جو آثار قدیمہ ہیں ان میں سے علاؤ الدین خلجی کا
ستارہ کہتے ہیں) چنار دھن سوامی اور اہلیا بائی کا مندر ایک

بہت بڑا پختہ تالاب اور ایک عالی شان مسجد قابل دید ہے سب سے عمدہ عمارت یہاں کا قلعہ ہے جو عمودی شکل کا چھ سو فٹ بلند پہاڑ کاٹ کر بنایا ہے اس کے گرد ایک عمیق خندق بھی اسی پہاڑ کو تراش کر تیار کی ہے شاہی عمارتیں قلعہ کی چوٹی پر ہیں جن میں آمد و رفت کے واسطے عمودی پہاڑ کے اندر ہی اندر ایک وسیع راستہ سرنگ کے طور پر بنا ہوا ہے۔ مغلوں کی یادگار میں شہنشاہ اورنگ زیب کی ایک توپ ہے جس کا نام مینڈھا توپ ہے اور بنانے والے کا نام محمد حسین عرب لکھا ہے اس پر قرآن شریف کی یہ آیتیں ہیں(نصر من اللہ و فتح قریب وبشر المومنین و اللہ خیر حافظا) گودولت آباد برباد ہوگیا مگر قاضی شہاب الدین دولت آبادی میر سید محمد گیسودراز اور دیگربزرگان دین جنھوں نے یہاں کی خاک میں نشوونما پائی ہے ۔ ان کی وجہ سے دولت‌آباد کا نام‌عرصہ تک زندہ رہے گا ۔ ،،

دولت آباد سے چند میل آگے چلکر خلد آباد ہے اس سر زمین پر جہاں باطنی ولایت کے حکمرانوں نے اپنے کشف وکرامات کا جھنڈا گاڑا ہے ۔ ظاہری سلطنت اور حکومت کے تاجدار بھی انہیں کے روحانی سائے میں اپنے دامن مسکن میں لیے ہوئے اپنی جبروتی زندگی کے کار نامے دنیا کے سامنے عبرت سے بھرے ہوئے خاموش الفاظ میں پیش کر رہے ہیں ۔ اورنگ زیب عالمگیر ۔ احمد نظام شاہ ۔ برہان نظام شاہ ۔ ابوالحسن تانا شاہ ۔ نظام الملک آصفجاہ ۔ نظام الدولہ ناصرجنگ شہید سب یہیں دفن ہیں ۔

گومبدہ فیاض سے آنکھیں ہر شخص کو ملی ہیں مگر فطرت انسانی کی بوقلمونی سب کو یکساں نظر نہیں آتی ۔ تاریخیں اور مقبرے اپنے اپنے زمانے کے صناعوں اور مورخوں کے زور قلم ۔ قوت دماغ اور دست کاری کی یادگاریں ہیں ۔ جن میں ایک غیر فانی روشنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے ۔ بعض وقت واقعات کے آسمان پر مورخ کے سہانے الفاظ کی خوش آئیندہ گھٹائیں سطلع معنی کو تاریک بھی کردیتی ہیں مگر حقیقت وصداقت کی بجلیاں دمبدم چمک کر اسکے اسپ قلم کو غلو و مبالغہ کی ٹٹیاں کود کر دروغ و بندش کے گڑھے میں گرنے نہیں دیتیں ۔ مورخین نے تانا شاہ کی عمر کا حال اس طرح لکھا ہے ہے کہ ۱۴ سال طفلی میں ۱۴ سال تحصیل علم میں ۱۴ سال اپنے مرشد راجو قتال‌حسینی کی خدمت میں ۱۴ سال سلطنت میں اور ۱۴ سال اسیری میں گذرے اورنگ زیب نے قلعہ گولکنڈہ سے انکو قلعہ دولت آباد میں منتقل کردیا ۔ جہاں وہ ۱۲ ۔ ربیع الثانی‌سنہ ۱۱۱۲ ھ میں بروز پنجشنبہ اس اسیری سے نجات پانے کےلئے قید زندگانی سے چھٹکارا پاکر اپنے مرشد کے مرقد کے قریب

جو خاکسار عشق ہیں ملتے ہیں خاک میں
اہل زمیں کو چرخ چہارم سے کیا غرض

کہتا ہوا اپنے آبا و اجداد کی طرح بے نام و نشان اور بے کتبہ و تربت زمین میں چھپ گیا ۔ سلطنت قطب شاہیہ میں تانا شاہ کا کوئی حق نہ تھا اسکے مرشد کے خاندانی قبرستان

کے احاطہ میں اور اپنے مرشد کے پائیں اس کا دفن ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ جس وقت اس بیکس بے بس اسیر کی جس کا تاج و تخت محض اسکے مرشد کی باطنی کرامت کی ظاہری شکل تھی میت کو روضہ کی سر زمین پر دفن کیا گیا تھا تو کسی کو وھم و گمان بھی نہ تھا کہ چھ سال کے بعد سنہ ۱۱۱۸ھ میں عالمگیر جسکے گھرانے میں شہنشاھی پشتہا پشت سے چلی آرھی تھی احمد نگر میں فوت ھوکر یہاں آئیگا ۔ اور اس پشتینی تاجدار کے قبر پر گھاس کی چادر اور آسمان کی نیلی چھتری ۔ فاعتبرو یا اولی الابصار کا درس دنیا والوں اور اوس زیارت گاہ پر آنے والوں کو دیتی رھیگی ۔ اور روضے کی بجائے اسکانام خلد آباد پڑجائیگا ۔ اس طرح شیخ منتخب الدین کے واسطے سے جو نام پڑا ھے وہ بھی بدل جائیگا ۔ اورنگ زیب نے تو اپنے دائمی قیام کے لئے یہ مقام اس وجہ سے تجویز کیا تھا کہ دنیا کی شان و شوکت سے دور ایک گاؤں میں جہاں سنہ ۷۰۷ھ سے لیکر اسکے وقت تک حضرت منتخب الدین سے لیکر خواجہ حسین تک ۱۶ اولیائے کرام دفن ہیں ۔ وہ اپنی پرھنگام زندگی کو ختم کرکے آرام کی نیند سوئیگا ۔ مگر تقدید اس جلیل القدرھستی کو ایک ایسے مقام پر لائی تھی جسکے آگے بڑھکر سلطنت مغلیہ کی یادگار سلطنت آصفیہ کی طرف سے مسافر خانہ اور عالیشا ن گسٹ ھو س بنائے جائیں جہاں اسکی سلطنت کی آخری یادگار بہادر شاہ کو قید کرکے دیس نکال دینے والے قوم کے بڑے افسر اور تاج کے نمائندے یہاں آکر جشن منایا کریں اور مکروھات اور ممنوعات دینی کے لوازمات سے بھری ھوئی گاڑئیں اور موٹریں اس دیندار بادشاہ کی روح کو تکلیف پہونچاتی رھیں ۔،،

اپنے اس سفر میں مہا راجہ نے متھرا اور بندرابن کی بھی زیارت کی اس مقدس شہر کو مہا راجہ بہادر نے یوں مخاطب فرمایا ھے ۔

،، اے پوتر بھومی متھرا کی ۔ ھم بھی خاک کے پتلے ھیں اور تو بھی خاک ھے مگر ھم تجھے پرنام کرتے ھیں اور تیرا بوسہ لیتے ھیں اور تیری خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ھیں تیری عزت کرتے ھیں ۔ اگر چہ پاؤں سے تجھ پر چلتے ھیں مگر تجھکو سر پر ملتے ھیں اور تجھکو کیمیا جانتے ھیں ۔ کس لئے ۔ صرف اس لئے کہ تجھہ پر کرشن جیسا پرماتما کا انس ایشور سروپ چلا ھے ۔ پھرا ھے اور اپنے قدموں سے تجھ کو شرف بخشا ھے اور تو نے ان کے چرنوں کے بوسے لئے ھیں تجھ میں جو کچھ اپوترائی تھی وہ پوترائی سے بدل گئی ۔ تو خاک تھی مگر اس کیمیا گرو حدت نے اپنے قدم کیمیا اثر سے اکسیر بنادیا دھن تیرے بھا گ ۔

اے متھرا آج ھم بھی تیرے درشن کو آئے ھیں اور درشن کرکے تجھے پرنام کرتے ھیں تیری خاک کو اپنے جسم کا بھسم بناکر ملتے ھیں صرف اس لئے کہ تو کرشن بھگوان جیسے ایشور کی قدمبوسی سے مستفیض ھوچکی ھے ۔ اور اس کے فیض قدم نے تجھکو پوتر بنادیا ھے ۔ پس جو شئے پوتر ھوتی ھے وہ مجھ جیسے پاپی کے دھبہ کو جو اپوتر ھے

پوتر کردیگی - اور یه سٹی ٹھکانے لگ جائیگی - پس اس کے سوا تری اور کوئی عظمت نہیں اور نه تو اترانا که تجھ میں کوئی خاص گن ھے -''

مہا راجه بہادر کو اپنے آخری وقت تک سیر و سفر کا شوق رہا اور جب انکی طبیعت گھبرائی سیاحت کو نکل جاتے انہوں نے اپنی سیاحت کے حالات کتابوں میں لکھے ھیں اور شائع کرائے ھیں جن میں قابل الذکر سیر پنجاب - سیر و سفر - جام جہان نما - سفر شاد نگر ھیں -

باب سوم

مہاراجہ کے علمی مشاغل

اپنے ہم عصر امراء میں مہاراجہ کشن پرشاد کو یہ نمایاں خصوصیت حاصل تھی کہ وہ اپنے اوقات فرصت کو علمی تذکروں اور علمی مشاغل میں گذارتے تھے اور مختلف مضامین ادب تاریخ تصوف سیاحت پر وہ اپنی تالیفات مقالات اشعار اپنے ذاتی مصارف سے شائع کیا کرتے تھے - امراء دکن میں میر عالم اور امیر کبیر اول و دوم کے بعد مہاراجہ کی ذات عالی صفات اپنی ادبی تاریخی و عرفانی واقفیت و مشاغل کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہے- کئی سال تک سنہ ۱۳۱۶ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ یا مدار المہامی تک ماہانہ رسالہ (دبدبۂ آصفی) اور ایک شاعری کا گلدستہ (محبوب الکلام) اپنے ہی مصارف سے شائع کرتے تھے اس کے ساتھ ہی اون کے اسٹیٹ سے متعدد علماء ادیبوں شاعروں کو ماہواریں مقرر تھیں بکثرت مصنفوں اور شاعروں کو نقدی امداد بھی اون کی تالیفات کی اشاعت کے لئے کثیر مقدار میں عطاء ہوتی تھی اس کا حساب کیا جائے کہ کسقدر رقم اپنی تالیفات کی اشاعت اور دوسروں کے علمی مشاغل کے لئے دیگئی ہے تو مجموعی مقدار کئی لاکھ تک ہوجائے گی -

رقعات شاد میں متعدد افراد کے موسومہ رقعات سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ مرحوم کا حلقہ تعارف ادباء شعراء میں کسقدر وسیع تھا - آغا سید علی توسندی سنادالملک فصیح الملک داغ سے خط و کتابت رہتی تھی-فارسی شعرا گرامی عرشی- ترکی - ضیا یار جنگ اور غلام مصطفی رسا مولوی غلام محمد - محمد یار جنگ مرحوم و غیرہ ان کی بزم سخن کو اکثر و بیشتر گرماتے ان سب کا تذکرہ طوالت کی وجہ نظر انداز کیا جاتا ہے-

مہاراجہ نرندر پرشاد کے انتقال کے بعد پادری رجب علی جو پنجاب کے رہنے والے اور پنجاب ریویو کے مدیر اور دیگر تالیفات کی اشاعت سے اسوقت کی اردو دنیا میں شہرت رکھتے تھے حیدر آباد آگئے تھے ۔ اور مہاراجہ بہادر تک ان کی رسائی ہوگئی ان کا طریقہ تحریر تھا کہ ایک بات لکھتے ہوئے دوسرے امور کے تذکرہ کو اسقدر پھیلانے کہ کام مکمل ہونے نہ پاتا ۔ مہاراجہ نرندر پرشاد کی سوانح حیات کی ایک ہی جلد کی اشاعت کے بعد یہ صاحب حیدرآباد سے چلے گئے یہاں سے جانے کے بعد ان کا انتقال بھی ہو گیا ۔ پیشکار اور معین المہام فوج ہونے کے بعد مہاراجہ نے پنڈت رتن ناتھ سرشار کو جو تلاش معیشت میں حیدر آباد آگئے تھے اپنے اسٹیٹ سے متعلق کرلیا تھا اور ان کو کافی رقمی امداد ماہانہ دیا کرتے تھے مدار المہامی کے دور تک پنڈت رتن نا تھ سرشار کو ہی مہاراجہ کشن پرشاد نے اپنی تصانیف کی اشاعت کا کام سپردفرما دیا تھا ۔ اور ماہانہ دبدبۂ آصفی بھی شروح میں ان کے ہی اہتمام سے طبع و شائع ہوتا تھا گلدستہ محبوب الکلام ہیرہ لعل نشاط کے سپرد تھا جو ان کی برادری میں تھے ۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار اخبار لکھنو میں عرصہ تک کام کر چکے تھے اہل نظر کا خیال ہے کہ ان کی اردوعامۃ الناس کو پسند آتی تھی اور عوام کے مذاق اور معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے رتن ناتھ سرشار مضمون آرائی کیا کرتے تھے وہ طرز تحریر کے اس زمانے کے سخن سنج اور بلند پایہ مذاق سلیم رکھنے والوں کے چنداں پسند نہ تھا۔ ایک مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے اپنے رسالہ دکن ریویو میں مہاراجہ کشن پرشاد کی تالیفات پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ لکھا تھا اس کا ماحصل یہ ہے کہ

"پنڈت رتن ناتھ کے مذاق طبیعت کے لحاظ سے مہاراجہ بہادر کی تحریر پر بھی اثر پڑا ہے جو طرز تحریر پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ہے اس کا عکس مہاراجہ کشن پرشاد کی شاعری و نثر میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ تنقید بظاہر ایک حد تک درست نظر آتی ہے ۔"

پنڈت رتن ناتھ سرشار کے اس طرز تحریر کے نقائص کو بھی مہاراجہ کشن پرشاد سمجھتے تھے ان کے علاوہ دوسرے قابل افراد سے بھی قبل از مدار المہامی علمی و ادبی مراسلت رکھتے تھے ۔ مولوی الطاف حسین صاحب حالی مولوی علی حیدر صاحب حیدر یار جنگ طبا طبائی سے بھی ان کی خط و کتابت تھی مولوی حبیب الرحمن صاحب بیدل سہارنپوری مدرس مدرسہ دار العلوم سرکار عالی کو بھی مہاراجہ کی اسٹیٹ سے تعلق تھا اور ان سے دبدبۂ آصفی و محبوب الکلام کی ترتیب واشاعت میں کام لیا جاتا تھا جلیل حسن صاحب (فصاحت جنگ جلیل) اور اختر یار جنگ مینائی کے حیدر آباد آنے کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد نے طویل عرصہ تک ان کی سرپرستی فرمائی اور اپنے اسٹیٹ سے دونوں کو معتدبہ ماہوار دیا کرتے تھے جلیل صاحب سے شاعری میں اور اختر مینائی سے تالیفات میں مشورہ کیا جاتا تھا ۔ رسالہ دبدبۂ آصفی و محبوب الکلام بھی ان سے متعلق کیا گیا۔ مولوی عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت سے بھی ناول " بزم خیال" وغیرہ میں نظر ثانی کرائی گئی ۔ محمد عبدالجبار خاں آصفی منتظم معتمدی صرف خاص نظر ثانی و معائنہ

نظم فارسی متعلق رہی ہے مہاراجہ مرحوم کے علمی اوقات فرصت میں شاعروں ۔ ادیبوں کا مجمع ایوان شاد میں جمع ہوا کرتا تھا ۔ اردو فارسی شاعری اردو نثر تاریخ ادب اور تصوف وغیرہ کے چرچے رہا کرتے تھے اور دوسرے حکام سخن سنج وغیرہ بھی ان صحبتوں میں شاعری اور تاریخ ادب کے تذکرے چھیڑ دیا کرتے تھے ۔دبدبۂ آصفی اور محبوب الکلام کے علاوہ وقتاً فوقتاً تالیفات و مقالات مہاراجہ بھی شائع ہوتے تھے اور ان کی تعداد تقریباً سو تک پہونچی ہے یہ مطبوعات احباب و شایقین کو ھدیتاً دئے جاتے تھے مصارف طباعت میں ہزاروں کا صرفہ ہوتا تھا ۔ صدارت عظمی کے دور میں بھی مہاراجہ کشن پرشاد کی تالیفات کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا ۔ حیدر آباد میں طبع ہونے والے اخباروں اور رسالوں کے خصوصی نمبروں میں حیدر آباد کے امرأ عایدین کے حالات پر مہاراجہ نے چشم دید روشنی ڈالی ہے اور وہ نہایت درجہ دلچسپ ہیں ۔

مہاراجہ کشن پرشاد اکثر اپنے سیر و تفریح کے روزنامچے بھی لکھا کرتے تھے اور خاص کر جب کسی مقام کا سرکاری دورہ یا سیاحت ہوا نکی رپورٹیں اور سرکاری تقریریں بھی طبع ہوئی ہیں ۔ اکثر سفر نامے طبع ہوچکے ہیں مگر ان کی کافی تعداد اور خاصکر دور صدارت عظمی طبع نہ ہوسکے ۔

حیدر آباد کی تاریخ نظم و نسق امرائے ہمعصر وائسرایوں رزیڈنٹوں جلیل القدر انگریزوں والیان ریاست و معززین ہند کے حالات سے بھی بڑی واقفیت تھی اور وہ ان سب سے میل جول رکھا کرتے تھے اپنی زندگی کے حالات بخوبی ان کے حافظہ میں تھے ۔ مہاراجہ بہادر اپنے دیکھے ہوئے حالات اور مشاہیر اور علمأ اور امرأ شعرا وغیرہ کے تذکرہ کی طرف الطفات کرتے تو بہت دلچسپی اور واقفیت کا ذریعہ ہوجاتا ۔تاہم مہاراجہ کشن پرشاد نے جو کچھ لکھا ہے ان کی تعداد کئی ہزار صفحات سے متجاویز ہوتی ہے اور ان میں سے اچھے شاھکاروں کو منتخب کرتے ہوئے ایک علمی یادگار کی صورت میں محفوظ کیا جاسکتا ہے ۔

جو غزلیں سنہ ۳۸ - ۱۳۳۷ ف میں عالی جناب سر مہا راجہ کشن پرشاد یمین السلطنتہ بالقابہ کے مشاعروں کے لئے لکھی گئیں وہ ایک حدتک محفوظ ہیں اگر یہ ادبی صحبت جاری رہتی تو عجب نہیں کہ ضائع شدہ سرمایہ کی کچھ تلافی ہوجاتی مگر اس صحبت میں بعض حضرات کی سوءِ تدبیری سے کچھ ایسے لوگ شریک ہوگئے جو معاشرتی ۔ اخلاقی اور علمی تیسرے پیٹیوں سے اس ادبی انجمن میں جگہ پانے کے مستحق نہ تھے ۔ ان کے ناشایستہ اعمال اور نازیبا حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ صحبت بہت جلد درھم برھم ہوگئی اور اب کسی ایسی ادبی انجمن کے قیام کی بظاھر امید بھی نہیں کی جا سکتی ۔

در چمن از کہ مراعات ادب داری چشم
بلبلان مست صبا بے خود وگل بے پروا

مہا راجہ کی علمی ادبی زندگی کے متعلق یہ اشارہ بھی حقیقت ہے کہ ایوان شاد کی

علمی صحبتوں میں وهی افراد زیادہ تر جا پاتے تھے جو اپنی جد و جہد سے ادبی دنیا میں دخل پائے ہوئے تھے یا بڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے محوی صاحب نے اشارہ کیا ہے کہ ملک میں ایسے ادیب اور سخن سنج موجود تھے جو کسی صلہ و تمنائے تقرب کے بغیر کام کرتے تھے اور انکو مجتمع کرنے سے بہترین علمی ادبی نورتن کی محفل سجانا جو ملک میں علم و فضل و ادب کو تازہ کردے بالکل آسان تھا ۔ در آنحالیکہ سررشتہ تالیف و ترجمہ بھی جامعہ عثمانیہ کے تحت کام کر رہا تھا اور سرکاری علمی وظایف بھی کثرت سے جاری تھے سرکاری مصارف کثیرہ کے علاوہ خود مہا راجہ نے اپنی ساٹھ‌سالہ زندگی میں لاکھوں روپیہ برداشت کئے ہیں سوال یہ ہے کہ ان مصارف کو برمحل صرف کرتے ہوئے اردو یا ہندوستانی کو حقیقتاً علوم و فنون تاریخ اور معیاری ادب سے مالا مال کرنا کہاں تک ممکن و آسان تھا اور مصارف کے مقابل عملا نتایج کیا رہے ۔ لیکن یہ مہا راجہ کے بڑے سے بڑے مخالف کو بھی ماننا پڑیگا کہ انکی وجہ سے ادب اردو کو ایک معتد بہ فائدہ پہونچا ۔

مہاراجہ مرحوم کی شاعری

مہاراجہ مرحوم کی شاعری کا دفتر بہت وسعت رکھتا ہے وہ قادر الکلام شاعر تھے جب شعر کہنا شروع کرتے تو سیکڑوں اشعار منظم کرتے ہوئے چلے جاتے تھے ۔ متعدد دیوان مرتب اور شایع کرائے ہیں اور اب بھی کافی حصہ غیر طبع شدہ ہوگا انکی شاعری کا بڑا حصہ غزلیات پر پھیلا ہوا ہے جس میں وهی پرانی شاعری عشق و محبت وصال و فراق گل و بلبل کے متعلق تخیلات بھرے ہوئے ہیں ۔ ان میں کافی طور پر نازک خیالی کا بہت کچھ سواد ھاتھ آتا ہے لیکن ظاهر ہے کہ ایک هزار سال سے فارسی پھر اردو شاعری کا عشقیہ حصہ ایسا ہے جس میں سیکڑوں نہیں هزاروں شاعروں نے ایک هی راگ الاپا ہے اور اب تک بھی اسکے چرچے چلے جا رہے ہیں ایسی حالت میں جبکہ معاشی اور سیاسی اور قومی ضروریات سامنے آ گئی ہیں فطری شاعری کا شوق بھی پیدا ہوگیا ہے تو پھر بار بار دھرائی ہوئی عاشقانہ شاعری خواہ اس میں کیسی هی محنت کی جائے دنیا کےلئے چنداں جدت نہیں رکھتی ہے تا هم مہا راجہ کشن پرشاد کا یہ حصہ شاعری ایک حد تک وارداتِ قلبی و تاثرات کو بھی رکھتا ہے ۔ اور اسکی وجہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے ۔ دوسرا جزو انکی شاعر توحید و تصوف سے متعلق ہے جس میں انہوں نے زیادہ کام رباعیوں اور نعت و منقبت کے قصاید و قطعات سے لیا ہے اور یہ شاعری زیادہ تر تصوف کے حقایق اور مدح رسول کا ثنات صلعم اور توصیف حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ پر پھیلی ہوئی ہے اور کچھ حصہ ہندو ویدانت اور رشیوں کی شان میں بھی ہے اور یہ جزء شاعری چوں کہ ذاتی وجدان اور عقیدت پر لکھا گیا ہے لہذا وہ بہت کچھ اثر قلب پر پیدا کرتا ہے ۔ مہا راجہ کی شاعری کا تیسرا جزء حضرت غفران مکان اور حضرت بندگان عالی کی تعریف و توصیف میں ہے اس میں زیادہ تر قصاید ۔ رباعیات ملیں گے اس میں وہ انتہائی جذبات وفا داری کو منظوم کرتے ہیں اور اپنے دلی جذبات بھی ظاهر

کرتے ہیں - عموماً جب کبھی سواری شاہی انکی دیوڑھی میں رونق افروز ہوتی تھی تو زیادہ تر محرم کا زمانہ ہوتا تھا یا کسی جشن کے موقع پر تو دیوڑھی کا جلو خانہ رباعیات اور اشعار سے بھرا ہوا ملتا تھا - رباعیات اور اشعار کے بڑے بڑے پوسٹر جلی قلم سے خوش خط اور دیدہ زیب شکل میں لگائے جاتے تھے اور اس پر ہر شخص کی نظر پڑتی تھی اسکے مضامین اور شاعری کا زور ہر پڑھنے والے کو متاثر کردیتا تھا اور جب اتفاق سے کوئی پیچیدگی پیدا ہوتی تھی تو اس وقت مہا راجہ کشن پرشاد اپنی شاعری میں زور کلام اور عزت نفس کا بھی اظہار کرتے تھے - سال گرہ مبارک کی تقریب پر بھی اکثر قصیدوں اور رباعیوں سے اوہ اپنی نذر عقیدت گزرانا کرتے تھے شاہی خوشی کے موقع پر مثلاً شکار یا کسی شاہی سفر سے مع الخیر واپسی پر بھی وہ کچھ نہ کچھ اشعار لکھا کرتے تھے - اور بڑی بلاغت کے ساتھ لکھا کرتے تھے - مہا راجہ کی آخری نظم جو اونکے بیاض میں درج ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مدح میں ہے -

حضرت بندگان عالی کے جلوس کے موقع پر اونھوں نے جو قصیدہ لکھا ہے وہ زورقلم اور صداقت نگاری کے لحاظ سے اثر انداز ہوتا ہے -

مہا راجہ کشن پرشاد اپنے احباب بلکہ ماتحتوں اور ملازمین کی خوشی کی تقاریب میں بھی اشعار لکھا کرتے تھے اور ممکن ہوتا تو تاریخ بھی اس میں نکال دیا کرتے تھے مہا راجہ کشن پرشاد کی نکالی ہوئی تاریخیں و مبارک بادیاں بڑی دلچسپی رکھتی ہیں - مہا راجہ بہادر کے متعدد دیوان اور مجموعۂ قصاید تو طبع ہوچکے ہیں متعدد بیاضوں میں تسلسل کے ساتھ غیر مطبوعہ کلام بھی ہنوز محفوظ ہے - غیر مطبوعہ حصہ کو بھی طبع کردینا اور تمام مجموعہ شاعری میں سے خاص خاص اثر انداز نظموں اور اشعار کو جمع کرنا ایک اہم ادبی خدمت ہوسکتی ہے - اور اسکو کوئی قادر الکلام اور کہنہ مشق اور سخن سنج شاعر ہی پورا کرسکتا ہے -

مہاراجہ بہادر کی ادبی زندگی

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است - کا عمل صرف باغوں کے تختوں اور صحرا کے لالہ زاروں میں ہی نہیں ہوتا بلکہ انسانی بنائے ہوئے گل بوٹے بھی اسکے پابند ہوتے ہیں اور پرکھنے والے کی نظر میں صاف نظر آ جاتا ہے کہ اس میں رنگ و روغن بھرنے والا کس کا دل و دماغ ہے - جس طرح سے تصویر اور تحریر میں برش اور قلم کی کشش غمازی کرتی ہے اسی طرح لفظوں کی بندش صاف پتہ دے جاتی ہے شاعر ہوں یا ناثر چاہے وہ کتنے ہی ایک ہی طرز کے دلدادہ کیوں نہوں پہچان لئے جاتے ہیں - مہا راجہ بہادر نے نظم کی طرح نثر میں بھی اپنے زمانے اور سابق کے مشاہیر کے رنگ اور طرز میں خامہ فرسائی کی ہے - فارسی اور اردو کی کتابوں کے مطالعہ کی کثرت نے ان کے دل و دماغ پر پورا اثر ڈالا تھا اور وہ دونوں زبانوں پر پورا قابو پا گئے تھے اور انکے گہرے تخیل

کے اظہار کے لئے زبان کا دائرہ ان پر تنگ نہ رہا تھا ۔ انکی تحریر انکے فطری لگاؤ اور جدت طرازی کے معنی آفرینی کرتی ہے اور انکی کہنہ مشقی الفاظ سے گل و بوٹے ھی تیار نہیں کرتی بلکہ ان میں رنگ و روغن بھی بھر دیتی ہے ۔ جام سرشار اور فسانہ آزاد کی طرز پر مہاراجہ بہادر نے اس صدی کے شروع ہونے سے قبل بزم خیال ایک ناول لکھا لوگ کہتے تھے کہ یہ ناول انہوں نے پنڈت رتن ناتھ سرشار سے لکھا لیا ۔ لیکن اس خوش گپیوں کے سوالوں کی زبان کون پکڑے اور ان سے کون کہے کہ سرشار کی سیر کوھار اور شاد کے بزم خیال میں ثقافتی فرق نمایاں ہے ۔ ایک اودہ کی تہذیب کا مرقعہ ہے اور دوسرا دکن کا ۔ سرشار دکن میں کیا بلکہ خود مہا راجہ کے دربار میں رہے مگر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ دکن کی ثقافت سے سرشار ہوچکے تھے ۔ جس طرح سے ہم کسی کی خانگی زندگی کا مطالعہ کئے بغیر محض اسکی پبلک زندگی کو جانچ کر اسکا صحیح کریکٹر و مزاج نہیں معلوم کرسکتے اسی طرح ادبی دنیا میں خانگی خط و کتابت اور تصانیف و تالیف کا حال ہے ۔ تالیف و تصنیف پبلک کے لئے ہوتی ہیں اور پہلے بھی مصنف کا منشاء ھی یہ ہوتا ہے کہ ان پر سب کی نظر پڑے ۔ اس میں انسان حزم و احتیاط سے کام لیتا ہے ۔

قلم میں لاکھ روانی اور بیساختہ پن ہو مگر مضمون پر غور کیا جاتا ہے ۔ الفاظ پر نظر رہتی ہے ۔ لوگوں کو تنقید کا حق ہوتا ہے ۔ لیکن پرائیوٹ خطوط میں یہ بندشیں نہیں رہتیں ۔ اور انسان کا طرز بیان اور کردار بالکل عریاں اور بناوٹ سے پاک ہوتا ہے ظاہر ہے کہ جو رس انگور سے خود بخود ٹپکنے لگے وہ کہیں لطیف و بامزہ ہوتا ہے بہ نسبت اسکے جو انگور کو نچوڑ کر نکالا جائے ۔ مہا راجہ بہادر نے ایک نہیں سینکڑوں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں خطوط لکھے ہیں جن میں تبسم و قہقہہ بھی ہے اور متانت بھی ایک انوکھے انداز کی ہے جس پر ظرافت قربان کی جاسکتی ہے ۔ بعض موقعوں پر انہوں نے نثر میں نظم کی نقش آفرینیاں کی ہیں اور اپنے قلم سے انسانی جذبات کی تصویر کھینچی ہے ۔ انکے بعض خطوط میں رعایت لفظی کا یہ حال ہے کہ ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ خود قلم سے نکلتا ہوا چلا آرہا ہے ۔ انھوں نے اپنے گہرے اور عمیق خیالات کو سنگین اور وزنی الفاظ کی پیچدار ترکیبوں میں گم نہیں ہونے دیا اگر ہم ان کے خطوط میں سے ہر رنگ کے دو چار خطوط ھدیہ ناظرین نہ کریں تو ہم انکی ادبی زندگی کے ایک اہم پہلو کو ترک کردینے کے ملزم کہے جاسکتے ہیں اسکے علاوہ ان خطوط سے بہت سے اعتراض اور اتہام خود بخود حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔ مثلا پنڈت رتن ناتھ سرشار کو جو خطوط انہوں نے لکھے ہیں انکے مضمون سے یہ گمان ھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ خطوط خود سرشار سے لکھائے گئے ہوں لیکن ان کے طرز تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا لکھنے والا بزم خیال تصنیف کرنے سے کہیں زیادہ کی اہلیت رکھتا ہے ۔ نیز انکی شاعری پر بھی اس میں سے بعض خطوط روشنی ڈالینگے کہ جو اصلاح وہ اپنے شاگردوں کو دیتے تھے اور جو نکات بیان کرتے تھے وہ کتنے وقیع

ہوا کرتے تھے ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف شعر ہی موزوں نہیں کرلیا کرتے تھے بلکہ فن شاعری کے قواعد و ضوابط سے بھی واقف تھے - وہ اپنے ہم عمر و ہم مرتبہ امرا کو کیسے خط لکھتے تھے علماؑ اور فقراؑ کو کیسے اور باوجود اسکے کہ وہ اس گروہ کا سخت احترام کرتے تھے لیکن اپنے مرتبے کا اس سے بھی زیادہ انہیں خیال تھا - القاب کے لکھنے اور خط کے شروع کرنے میں تو انہیں ید طولےٰ حاصل تھا - مثلاً ایک حکیم صاحب کو لکھتے ہیں

درۃ التاج فرق طبابت سلامت

ایک اپنے ہم مرتبہ امیر کو لکھتے ہیں - نواب صاحب طرۂ دستار امارت سلامت
ایک جمعدار صاحب کو یوں مخاطب کیا ہے - علم میدان شجاعت . . . . . . صاحب سلامت
ایک وکیل کو یوں لکھا ہے - گل سرسبز چمنستان وکالت سلامت

نواب بہرام الدولہ بہادر سے یوں گویا ہوتے ہیں - دیباچہ دفتر اتحاد نواب بہرام الدولہ بہادر
دوسری دفعہ لکھتے ہیں - عندلیب گلشن اتحاد سلامت

ایک مولوی صاحب کے ایک خط کو یوں شروع کیا ہے - دیباچہ شریعت سرمایہ معرفت کیمیائے حکمت مولانامولوی . . . دام لطفہم

ایک پنڈت جی کو یوں مخاطب کرتے ہیں - مئے کش خمخانہ معانی پنڈت سورج بھان صاحب - مہاراجہ بہادر اپنے برابر والوں کو جس طرح لکھا کرتے تھے اس کا نمونہ پیش کرنے سے پہلے ہم ایک معروضہ کی نقل پیش کرتے ہیں جو مہاراجہ بہادر نے حضرت غفران مکان کی بارگاہ میں داخل کیا تھا - جس سے معلوم ہوسکے گا کہ امراؑ کسطرح بادشاہ وقت سے عرض معروض کیا کرتے تھے -

تنت بناز طبیان نیاز مند مباد
وجود نازکت آزردۂ گزند مباد

حضور پر نور بندگانعالی خلد اللہ ملکہ

بعز عرض اقدس حضرت پیرومرشد میرساند

دسویں شب کو خانہ زاد کشن پرشاد نے ایک خواب دیکھا کہ خلاف معمول اندھیری رات میں جبکہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا اورگھٹا ٹوپ اندھیرا چو طرف چھایا ہوا تھا بجلی کی چمک اور دامنی کی دمک سے وہ تاریکی ذرا یوں ہی سے زایل ہوکر پھر

قرص خورشید در سیاہی شد
یونس اندر دہان ماہی شد

تاریکی کی فوج نے ایسا نرغہ کیا تھا کہ ہر در ودیوار پر ظلمت کا عمل تھا - کالی کالی

جھنڈیوں کے کالے کالے پھریرے اڑ رہے تھے کہ دفعتاً

شب طلعت شہ بخواب دیدم
پیش از سحر آفتاب دیدم

آنکھ کھلی تو یہ معلوم ہوا کہ عین شب دیجور میں

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشان صبح

معتبروں کو جو خواب کی تعبیر کرتے ہیں بلا کر دریافت کرنے ہی کو تھا کہ فوراً بگل بجا اب اپنے مکان کو دیکھتا ہوں تو

بیا شہا کی صدا ہر طرف سے جاری ہے
خدیو مصر دکن کی یہ ہاں سواری ہے

ہر سمت سے یہی آواز آتی ہے۔ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا تو دیکھا کہ عالم نور ہے اور غلغلہ آمد آمد سواری حضور ہے۔

برین مژدہ گر جان فشانم رواست
کہ این مژدہ آسایش جان ماست

فوراً اس شعر کو ترجمان دل کیا ۔

نظام آئیں مرے گھر خدا کی قدرت ہے
کبھی میں انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتا ہوں

سواری مثل باد بہادری کلبہ خاکسار پر رونق افروز ہوئی ۔

نور رخ سلطان کا جو پرتو نظر آیا
حیرت تھی کہ دسویں کو مہ نو نظر آیا

وہ جو میرا پادشاہ جمجاہ ہے جو میرا مولا۔ میرا آقائے خاقان کلاہ ہے وہ جس کی طرف مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھکر میں دل و جان سے شاد ہوتا ہوں ۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

وہ جو تمام دکن کا سرمایہ ناز اور ذریعہ اعزاز ہے ۔ وہ جو سلطنت آصفی کا یادگار اور فخر و افتخار ہے۔اس سلطان سنجر فرھو شنگ فرھنگ کیقباد اورنگ نے اس ذرہ بے مقدار کو رشک خورشید بنایا ۔ اور عزت بخشی رتبہ بڑھایا ۔

کاشانہ شاد اور یہ اعزاز زہے قدر
شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا

یاخدا جب تک دنیامیں جیحوں و سیحوں و دجلہ و فرات کو روانی ہے جب تک چشمہ خورشید

خاوری نورانی ہے۔ جب تک مرغان خوش الحان دم صبح چہکتے اور گلہائے عنبر بار مہکتے ہیں میرے بادشاہ گیتی پناہ حضور میر محبوب علیخاں عمر اللہ ملکہ کو فائز بمرام اور ہر امر میں شاد و با کام رکھ ۔

آلہی تا قیام ماہ و ماہی
چلے یہ سکہ محبوب شاہی

زیادہ حد ادب

نواب صاحب والا مناقب عنایت فرمائے دوستان کرم فرمائے مخلصان دام عنایتہ مبارك خطاب سر وقار الامرائی کے ۔ سی ۔ آئی ۔ ا ی ۔ نے جس طرح زمانہ میں سربر آوردہ کیا ہے۔ اس عزت کی و ہی نسبت ذاتی ہے ۔ جوکہ سرکو خالق عالم نے جملہ جوارح اور اعضاء انسانی پر ارجمند کیا ہے ۔ خدا وند عالم کو آپکو سرکارین کی قدر دانی و قدر افزائی سے سر بلند رکھے ۔ مندرجہ ذیل خطوط ایک ہم مرتبہ امیر کو لکھا ۔

نواب صاحب مشفق و مہر بان کرم فرمائے دوستان زاد و عنایتہ
بعد تسلیم وتمنائے حصول مواصلت سراپہ مسرت نوکریز قلم اخلاص رقم ہوتا ہے کہ دو شیشیاں عطر کی ایک روح افزا دوسری چنبیلی جناب کی خدمت میں روانہ کیا ہوں ۔ یہ عطر اپنے ملکی ہیں مگر انکو لاونڈر کی وضع پر ترکیب دی گئی ہے چنانچہ بروز کونسل جناب نے رومال کو سونگھا تھا خوشبو اور پسند آئی تھی ۔

واضح ہو کہ یہ عطر بعد استعال دو منٹ کے توقف سے بو دیتا ہے اگرچہ دھنیت باقی نہیں ہے۔ مگر چونکہ عطر رنگین ہے اس لئے سفید پارچہ پر خفیف سا رنگ آتا ہے۔ یہ بالکل میرا تجربہ جدید ہے۔ یقین ہے کہ آپکی پسند خاطر ہوگا فقط

شیر نیستان امارت نواب صاحب نواب سلطان الملک بہادر
آپ نے فرمایا تھا کہ عزم صید افگنی بلجزم ہے بشرط ممکن ایک ہفتہ کی اجازت حضور بندگان عالی سے لیکر آپ کے ہمراہ لطف شکار اٹھاؤں ۔

خوش آن روز گارے کہ بے رنج و غم
نشینند آسودہ یاران بہم

شکار کی خوشی نے میری عقل پر ایسا دھاوا کیا کہ میں نے بھی چٹ سے اقرار ہی کرلیا کہ سرکار سے اجازت لیکر آپ کو اطلاع دونگا ۔ اس کی پوری مثال وہی ہوئی کہ (خوشی میں بندگی بھول گئے) بسنت کی خبر ہی نہ رہی یعنے سالگرہ مبارك کی تقریب میں فوج کی طرف سے جو جشن ہونے والا ہے اس میں مخلص کی شرکت ضرور ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہو جاوں تو ادھر غیر حاضری کے رجسٹر میں دھرا جاتا ہوں ۔

سب چوکڑیاں بھول جاوں گا - جل جلال شیر کا شکار کیا ہوگا - میرا تماشہ ہوجائیگا غالباً میرے اس عذر کو آپ عذر لنگ نہ سمجھیں گے -

انشااللہ تعالیٰ - یار باقی صحبت باقی پھر کسی موقع پر کیا مزا ہوگا کہ ادھر گرما کا موسم ہے - اور جون کا مہینہ - اور گھمسان صحرا جس میں اونچے اونچے سوکھے درخت آپ اور میں دو نالی . . ۵ - بور لئے ہوئے شیر کے ملک الموت بنے بیٹھے ہوں - ادھر ھانکا ھوا اور شیر بھپرتا ڈکارتا ہوا یہ نکلا اور وہ گولی چلی - دائیں - اور دھواں اس پار - شیر حاروں شانے چت - ادھر آپ ادھر میں - دونوں اپنے اپنے نشانے کے تعریف کے پل باندھ رہے ھوں یہاں تک چھوڑ دیتا ہوں - اب اس کا تصفیہ کہ صید کس کی بندوق سے نشانہ اجل ہوا وہ بر سر موقع دیکھا جائے گا -

اگرچہ ایک چھوٹی بات کے لئے پانچ منٹ آپ کے وقت کے ضائع ہوئے مگر شکار کا سین اس صفحہ کاغذ کے چٹیل میدان میں ایسا کھینچ کے دکھایا ہے - کہ باید و شاید اپنے میں آئے اس کو پڑھکر خوش نہ ہوتے ہوں اور لب پہ ھنسی نہ آئی ہو تو میرا ذمہ تصدیع معاف خدا حافظ زیادہ ایام شاد مانی و اتحاد قلبی مدام باد -،،

راجہ اندر کرن کو لکھتے ہیں - آپ مال والے ہیں اور ہم اللہ کے غنی بندے ہیں۔ یہاں پر ہم ایک خط جو مہاراجہ بہادر نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا چونکہ اہم ہے اس لئے ہم اس کا ضروری اقتباس درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہوسکے کہ جو الزام ان پر لگایا جاتا ہے وہ ان کے کانوں تک پہونچ چکا تھا اور اونھوں نے اس کے متعلق کیا اور کن الفاظ میں اظہار خیال کیا -

،،آپ کے رفیق شفیق نے جو کچھ آپ سے فرمایا اور اپنے زیب خط کیا بغور پڑھا - ان کا یہ حسن ظن ہے - جو میرے نام پر تبرا کرتے ہیں - خدا جانے کیوں ناحق وہ مجھکو اپنا رقیب سمجھتے ہیں - ارے صاحب اگر ان کا خیال ہے کہ کشن پرشاد جاھل ہے - پڑھا لکھا تو نہیں - تو خیر - جاھل ھی سہی - یہ کیا معنی کہ ہر وقت ہر مجلس میں ھماری شکایت اور یہ کہنا کہ جو کچھ شعر - یا نثر کہتا ہے کسی سے لکھوا کر - اکثر سرشار لکھنوی کا نام لیا جاتا ہے کہ وہ لکھ دیا کرتے ہیں - اگر یہی خیال ہے تو (بسم اللہ)

همیں میداں همیں چوگاں همیں گو

اگرچہ دو بدو ہونا یا مقابلہ کرنا کوئی متانت نہیں اور نہ میرا منصب ہے بلکہ اکثر اوقات میں یہ سمجھکر خموش رہتا ہوں -

ھنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است

گلست سعدی و در چشم دشمناں خار است

بے شک میں شاعر نہیں نثار نہیں مگر ایسا بھی نہیں کہ بغیر کسی سہارے کے

، منظور ہے تو قلم و داوات لیں کوئی مضمون یا خط یا کوئی
ے گھسیٹتا ہے ۔ اس وقت قلعی کھل جائے گی، یہ میں نے مانا
۔ انشا پردازی مجھے نہیں آتی ۔ اور نہ مجھے ابوالفضل یا
موی ہے ۔ مگر ہاں ۔ میرزا علی بابا شیرازی الاصل کا شاگرد
کو آغا شوستری طوبی نے میری تعلیم کے لئے انتخاب کیا تھا ۔
ہو ۔ مگر انشائے خلیفہ اور انشائے مادھو رام سے کم نہیں ۔
ایرانی ۔ بندش چست نہ ہوتو ہار جاؤں ۔ اگرچہ آج پندرہ
ست ابد مدت کے دفاتر کی زبان اردو ہوگئی ہے فارسی عبارت
دس بیس خط یا کچھ کم وزیادہ نہ لکھے ہونگے ۔ مگر
۔ نظم میں نہ ذوق ہوں ۔ نہ مومن نہ امیر ہوں نہ داغ
۔ نہ حافظ ہوں ۔ نہ سعدی ۔ مگر اپنے مطلب کو نظم میں
نثر لکھنے میں یا ناول نویسی میں پنڈت رتن ناتھ سرشار
نے اسوجہ سے نہیں لکھا کہ میرے ہاں موجود ہیں ۔ یا بقول
نظم و نثر لکھدیا کرتے ہیں ۔ نہیں نہیں ان سے پوچھلیاجائے
اس وقت میری اردو زبان کیسی تھی ۔ اور انکا میری نسبت
ان لوگوں میں سے نہیں ہوں ۔ مگر بھیا ۔ معمولی مکتوب نویسی
حوم کا چربا نہ اتارا تو ہار جاؤں ۔ الغرض جو کچھ میں نے
صحبت اہل علم و فضل کی رہی ہے یہ میرا کلمہ غرور کا
مندان ہوں ۔ مگر توبہ کرکے کہتا ہوں کہ اگر امرائے دولت
، مقابلہ کرے تو بندہ ہرفن میں اپنی استعداد تھوڑی بہت
پھر خانہ زاد تلمیذ حضرت آصف ہوں ۔

ں کو یہ دعوی ہے نہیں ہمسا سخنور
تے ہیں کہ ہے شاد کا انداز بیاں اور ،،

ہی کہ اگر ان کو کوئی تحفہ بھیجا جاوے تو وہ اس کے جواب
۔ چونکہ ایسے خطوط میں اکثر اس شئے کی تعریف ہوتی تھی
ت بھی رکھتے ہیں اور یہاں پیش کئے جاتے ہیں ۔

ماں دوست در حق من بے نہایت است
ے زبان کدام یکے را بیان کنم

جادو بیانی کرم فرمائے بندہ نواب افتخار الملک بہادر دام لطفہم
پہونچا ۔بندہ شیرینی کام ہوا ۔ بخدا چاشنی محبت تازہ اور
بے اندازہ پائی ۔ جناب کی ان نوازشوں کو کوزہ ہائے نبات کہوں
میران ہوں کہ کیا کہوں ۔ نے شکرستان قند نبات کہوں تو

می زیبد ۔ آپ کی شیریں زبانی کیا کم تھی ۔ مگر اس عنایت سے اور قند مکرر کا مزا پایا اس کی تعریف کرنے سے میرے لب بند ہوئے جاتے ہیں ۔ مزے میں خودشیریں ہے مگر مصری کو بھی مات کیا ۔ قند سے تشبیہہ دینا چرب زبانی ہے۔ کوزہ نبات کی مثال شیریں گفتاری ہے۔ معجون کہوں تو تلخ نہیں ۔ حلوائے بے دود لکھوں تو وہ ذوق نہیں سچ تو یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں ۔ مگر ہاں کسی شکر لب کے شکرپارہ کا قوام ہے۔ اس کی چاشنی سے ذائقہ شکر لبان کاشمیر کی شہادت خاص و عام ہے۔ اس ذائقہ محبت کے لئے کوهکن نے شیریں پر اپنی جان شیریں گنوائی ۔ مگر شاد کو شیر یں لبان شکر خا کے بوسے کا مزاآیا اور زلیخائے مصر کے ذوق محبت کا مذاق حاصل ہوا ۔ بہر حال آپ نے میرا منہہ میٹھا کیا خدا وند تعالی آپ کو بھی بایں چاشنی قند اتحاد شیریں کام رکھے ۔

عسل کے جتنے عدد ہوتے ہیں اتنے ہی سال
شادو خرم رهو تم اور رهو شیریں کام

(۲) مہر بان دو قرص تمبا کو کے پہونچے ۔ فی الفور چلم بھروائی ۔ دو ایک کش لئے لکھنو کے تمبا کو کا مزا آ گیا ۔ جی توچاہا کہ حلوائےبےد ود کیطرح ڈکار جاؤں۔ مگر تمبا کو برائے کشید نست ۔ نہ برائے خوردن سیاہ ایسا کہ سہو شان برق دم کے خال مشکیں سے تشبیہ دوں تو می زیبد بوئے خوش نافہ تتار کو شرماتی ہے۔ دھواں کاکل معشوقاں نوشاد کے گھونگر کو بڑھا دیتا ہے۔ یہ تحفہ آپ کے حسن عقیدت پر دال ہے۔

اس عقیدت کا دم میں بھرتا ہوں
شکر یہ ارمغاں کا کرتا ہوں

(۳) مہر بان دوستان سلامت ۔ تلوار پہونچی ۔ میں تو ارمغاں سمجھا تھا ۔ مگر خط کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ابھی مول نہیں لی گئی ۔ صرف میرے امتحان اور پسند کے لئے بھیجی ہے اس قدر دانی کا شکریہ ۔ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ پرکھوں ۔ مگر حضرت عباس کی قسم عمدہ عباسی ہے جو ہر وار قوت بازوے سپہ سالار اس کی شان ہے۔ فتح و ظفر اس کا دم بھرتے ہیں۔ تعریف تو یہ ہے کہ دشمن بھی جان دیتے ہیں اور اس پر مرتے ہیں۔ اور یہ ان کے خون کی پیاسی واہ ری عباسی ۔ آبداری میں گوهر آبدار لو لوے شاہوار جس کے نخل هستی میں آب رسانی کی اس کا چمن سوکھ کر کانٹا هو گیا ۔ گویا خزاں کے جھونکوں سے نیست و نابود تو کیا ویران و تباہ هوگیا ۔ باڑہ ہے کہ سمندر کی دھار ہے ۔ خم ابرو سے کم نہیں ۔قبضہ بھی عمدہ ہاتھ آیا اچھے پر قبضہ پایا ۔ تیغی شاهی کام ہے شاہوں کے قبضہ قدرت میں رہنے کا سہام ہے ۔ اللہ مبارک کرے ۔

(۴) آئینہ دلکشا جس کو مرآۃ جہاں نما کہئے تو می زیبد ۔ صفائی میں صوفیوں کے قلب سے مصفا تر ۔ آب و تاب میں گوهر آبدار سے بڑھ کر جام جم اس کے روبرو خجل آئینہ سکندر دیکھکر حیران و منفعل باطن میں مثل ارباب صفا ظاهر میں ارباب وفارخسارسہ

جنبیاں کہوں یا ماہ تاباں ۔ شیشہ کہوں تو در دو کدورت نہیں ۔ عکس رخ یار کہوں تو برعکس ہوتا ہے۔ شمع جمال مہ رویاں لکھوں قلم اشک بہاتا ہے ۔ حیران ہوں کہ کیا لکھوں ششدر ہوں کہ کیا تعریف کروں ۔ مولانا بالعلم و الفضل اولا ۔دس خوشے انگور کے پہونچے۔ بندہ کامنہہ میٹھا ہوا ۔ اس کی شیرنی سے بوسۂ بنت العنب کا مزا آتا تھا۔ اور دخت زرکا ذائقہ پاتا تھا ۔کیا عرض کروں یہ وہ میوہ ہے جس کے گل و گلچیں و صیاد و گل وبلبل سب باغ جہاں میں رہتے ہیں ،، اس کی تاک میں ایسے فریفتہ اوروالہ و شیفتہ کہ مستی عشق میں مستانہ وار جھومتے ہوئے پھرتے ہیں ۔ اس کے مارے ہوئے کی کیفیت پوچھئے زاہد بھی اگر اس کی زیارت کرے تو مرید پیر مغاں ہوجائے اور اس کے شربت کو شرابا طہورا سمجھکر ڈکار جاے۔،،

یہاں ہم ان خطوں کا کچھ حصہ پیش کرتے ہیں جن سے مہاراجہ بہادر کی اصلاح دینے کے طریقے کا پتہ چلتا ہے ایک صاحب کو تحریر فرماتے ہیں ۔
تمہاری غزل کا یہ شعر میں نے کاٹ دیا ۔

زلف مشکیں ہے یا خطا ہے یہ
سچ کہو کونسی بلا ہے یہ

زلف کے لئے خطا صحیح مگر خطا کو بلا کہنا یعنے چہ

سچ اگر پوچھئے تو زلفوں کو
مشک کہنا میری خطا ہے یہ

اس کی ردیف کا آخری لفظ یہ کانوں کو اچھا نہیں معلوم ہوتا اور سچ اور جھوٹ سے بھی کوئی سروکار نہیں میں نے شعر کو یوں بدل دیا ۔

عنبریں زلف یار کو میں نے
مشک باندھا میری خطا ہے یہ

ذیل کے شعر کو ۔

خون ہاتھوں کو مل کے کہتے ہیں
کیسی اچھی بھلی حنا ہے یہ

یوں کردیا ہے۔

خون ہاتھوں میں مل کے عاشق کا
کہتے ہیں کیا اچھی حنا ہے یہ

خون ہاتھوں کو نہیں ملا جاتا ۔ ہاتھوں میں ملا جاتا ہے۔
ایک شاگرد کو لکھتے ہیں کہ =

. . . . بہت سے مسودے میرے ایک نمبر کے صندوق میں ہوئے ہیں . . . . مشہ
تو یہ ہے کہ نہ میں شاعر ہوں نہ استاد کامل۔زبر دستی لوگ اصلاح سخن کے لئے ۃ
کرتے ہیں ۔ احباب کی خاطر شکنی بھی مجھے منظور نہیں . . . . خدا کاروبارسرکاری
فرصت پاؤں تو ضرور چھوٹے میاں کی غزل دیکھ کر روانہ کردونگا ۔

ایک دوسرے صاحب کو لکھا ہے۔

. . . . چونکہ ابھی آپ کی ابتدائے مشق ہے لہذا اشعار میں زیادہ اصلاح ہ
مقام تعجب نہیں ۔ . . . . بھیا ابتدائے مشق میں کل غزل بیکار اور ترمیم کے لا
ہوتی ہے۔ بہر حال آپ کی غزل کو میں نے فکر کے ساتھ دیکھا ۔
اپنے ایک شاگرد کو لکھتے ہیں ۔
نشاط صاحب ۔

تم لکھتے ہو کہ یہاں یہ بحث آج کل ہورہی ہے کہ (آئی) کے گیارہ عدد لیز
اکیس ۔ میرے خیال میں دونوں صحیح ہیں ۔ گیارہ بھی لیے سکتے ہیں اور ۲۱
میں تم کو ایک گر بتادیتا ہوں ۔ اس کو ذہن نشین کرلو ۔ ہمزہ کا کوئی عدد فن تا
میں نہیں لیا جاتا ۔ لیکن جب (یا) پر ہمزہ ہو جیسے (پائی) (آئی) (بھائی) تو اس ہمزہ کی
کی دو (یا) ہو گئیں ۔ جب دو ہوئیں تو خواہ مخواہ بیس عدد لئے جائیں گے مگر بع
شعرا نے دس ہی عدد لئے ہیں ۔ لہذا اب ہم کو اختیار ہے کہ چاہے دس عدد
چاہے بیس جیسا موقع ہو ۔

اسیر لکھنوی جس کی استادی کا ادنی ثبوت یہ ہے کہ امیر مینائی لکھنوی
مسلم الثبوت استاد ان کا شاگرد ہے ریاض خیر آبادی اور رتن ناتھ سرشار لکھنوی بھی ا
کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں ۔ ع ۔

دعاے خلق دوا ہو گئی شفا پائی

اس میں (پائی) کے ۲۳ عدد لئے ہیں اور ان کے شاگرد رشید سرشار دام کیفیتہ کسی
شوالے کی تاریخ بنا یوں کہتے ہیں ۔ ع ۔

سرشار سال لکھو ہے خانہ خدائی

(خدائی) کی یا کے بیس عدد لئے ہیں ۔ شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی کا مادہ ت
سنو ۔ ع ۔

ہمایوں و مسعود شد کد خدائی

بعض استادوں نے دس عدد بھی لئے ہیں ۔ جیسے ہمارے جہاں استاد نواب فصیح ال
بہادر حضرت داغ دھلوی کا مادہ تاریخ ۔ع ۔

شان و شوکت جاہ و اقبال اب یہ آئی

اس میں دس عدد لئے ہیں۔

فن تاریخ دل لگی اور تاریخ گوئی کوئی بازی طفلان نہیں ہے کسی نے کیا خوب لطیفہ کہا ہے۔ تاریخ برنہ آید تاریخ بر نہ آید۔

مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ بعض شاعر لفظ آئینہ کے (٦٦) عدد بتاتے ہیں اور بعض (٦٧) اب آپ کیا فتوی دیتے ہیں۔ میں نے لکھا دونوں برسر حق ہیں اس معنے کر کے کہ لفظ آئینہ اگر تقطیع میں (آ۔ ای۔ نا) رہے تو ٦٧ لیں گے۔ اور اگر آئینہ بروزن فعلن ہے تو ٦٦ لیں گے۔ تم بھی یاد رکھو۔ کسی جانگلو شاعر نے اپنے آقا کو خوشامد میں لکھا ہے۔

تمہارا شہ سے بڑھکر مرتبہ ہے

معاذاللہ۔ شاعری بھی گھامڑ اور ان کے آقا بھی۔ اس میں ایک ذرا سی باریکی ہے۔ تمہارا شہ (مفاعیلن) سے بڑھکر مر (مفاعلن) بنا ہے (فعولن) مر کا لفظ بددعا ہے یہ تو وھی۔ ع۔

اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

والی مثل ہوئی۔ کسی بادشاہ کی شان میں ایک شاعر نے قصیدہ لکھا تھا۔ سردربار ایک اور شاعر نے جو اس شاعر قصیدہ لکھنے والے کا جانی دشمن تھا موقع پاکر عرض کیا کہ حضور اس کی تقطیع فرمائیں۔

اے تاج دو (مستفعلن) لت برسرت (مستفعلن) لت برسرت سنکر بادشاہ غضب میں آیا اور بیچارے شاعر کو دربار سے نکلوادیا۔ خدا کی پناہ ذرا سی بات میں عمربھر کی فرماں برداری ملیامیل ہوگئی۔

اب کاروبار سرکاری کا وقت ہے خدا حافظ۔،،

مندرجہ بالا خطوط کے اقتباس سے معلوم ہوگا کہ باوجود اس عزت و احترام اور عقیدت کے جو مہاراجہ بہادر کو علماء اور فقرائے سے تھی انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ وہ بھی ان کی شان میں ایسی بات لکھیں جو ان کے مرتبہ کے مطابق نہ ہو چنانچہ ایک مولانا کو لکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر طرز عبارت سے آپ کی شان معلوم نہیں ہوتی آپ نے لکھا ہے کہ میری تلون مزاجی حدتواتر کو پہونچی ہے۔۔۔۔۔ مگر مولانا بندہ حیران ہے کہ آپ متوکل ہوکر متلون کیوں ہوگئے آپ مسند فقر کے بیٹھنے والے اور ہم دنیادار سگ دنیا۔۔۔۔۔۔ آپ کی زبان ہم کہاں سے لائیں کیا یہ ناچیز کجا جناب والا۔۔۔۔۔ جیسا کہ میرا تلون حدتواتر سے بڑھ گیا ان کی طبیعت کا مقیاس بھی حداعتدال سے متجاوز ہوگیا ہے بےادبی معاف۔۔۔۔۔ پھر انہیں مولانا کو لکھا ہے۔

خیر تاہم میں اپنے مہذب طریقہ پر تلون مزاجی یا بقول آپ کے تلوین کا دھبا نہیں لگانا چاہتا اور یہ بھی ناگوار خاطر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے توسن خامہ کو صفحہ قرطاس پر جو سرپٹ دوڑایا ہے اوس کو نہ روکوں اور سکندری کھانے دوں۔

ایک شاہ صاحب کولکھتے ہیں۔

مخدوم و مکرم معظم جناب شاہ صاحب قبلہ

۔۔۔۔ عرضہ کہ جناب کا عنایت نامہ پہونچا بندہ مشکور ہوا مکتوب سے ظاہر تھا کہ بندے کا خط بھی جناب کو نہیں پہونچا۔جائے حیرت اور موجب استعجاب ہے۔۔۔۔۔۔۔ یہ نیاز نامہ بذریعہ گھنگرو بخوف درنگ و سارق روانہ کرتا ہوں۔ برابر جناب کی خدمت میں پہونچکر مشرف اور گذشتہ و حال کی کیفیت سے مفصلا آگہئی کردے۔ بندے زادے اور بندے زادیاں سب خیریت سے ہیں مدام دعائے خیر کا امیدوار ہوں۔،،

دو چار نمونے ظریفانہ رنگ کے بھی پیش کئے جاتے ہیں ایک دوست کو لکھتے ہیں کیا اس تحریر سے رنجیدہ ہوگئے ۔کیا اس فقرے کو پڑھکر دلگیر ہوتے جاتے ہیں ذرا میری صورت تو دیکھئے آ ہو ہو ہو

وہ لب پر آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

ہاں صاحب اےلو ہم تو بھول ہی گئے تھے ۔ یہ حقہ اور چلم حاضر ہے لکھنو کا ذرا تمبا کو تو دیجئے ایک دم اڑائیں گے ہائے ہم نے لکھنو نہیں دیکھا بس اتنا ہی سنا کئے ۔

حقانی صاحب کو لکھتے ہیں۔ راسخ الاعتقاد

میرے دوست حقانی زندہ باش کل میں جب جلسے سے واپس ہوا بہت دیر تک آپ کا ذکر کرتا رہا ۔ آپ کی ہنسانے والی باتیں مجھے گدگدا کر ہنساتی ہیں ۔ اور میں بے اختیار لوٹن کبوتر ہوا جاتا ہوں ۔ افوہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے ۔

اے وقت تو خوش کہ وقت ماخوش کردی

ہاں صاحب ذرا ادھر سنئے تو سہی اور کان دھر کر سنئے (مطلع خورشید) آپ کے پاس بھیجتا ہوں ۔ چپ چاپ نظرے خوش گذرے بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک دیکھ جاؤ۔ مگر بھیا کہیں اعتراض نہ جڑ دینا ۔ مجھے خود ہنسی آتی ہے کہ میں ٹوٹے پھوٹے قصہ کو ناول کہکر ناول نویسوں کے زمرہ میں گویا لہو مل کے شہیدوں میں داخل ہوتا ہوں یا یوں کہوں ۔کہ اس فن ناول نویسی کو عیب لگا تا ہوں الغرض جو کچھ ہو ۔ مگر کچھ بک تو دیا ہے ہاں یہ بھی یاد رہے کہ (زبان) پر نکتہ چینی نہو ۔ میں حیدرآبادی ہوں اور آپ بھی حیدرآبادی ہیں ۔ مگر آپ گرگ باراں دیدہ ۔ اور میں طفل نو بمکتب رسیدہ ۔ الغرض کہیں غلطی نظر آئے تو دیکھئے آنکھ بند کرکے اس غلطی کو بذریعہ پارسل روانہ نمایند ۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی جگہ شعر بھی موزوں ہوئے ہیں ۔ اگرچہ بقول غالب۔ع۔

کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

مگر آصف کا غلام اور شاگرد کہلاتا ہوں ۔ اپنی خوش قسمتی پر مجھے کیوں نہ ناز ہو ۔ جس قدر ناز کروں سی زیبد ۔ اور جیسا کچھ فخر سمجھوں می شاید ۔

گو شاعری سے مجھکو سرو کار کچھ نہیں
پر فخر کیا یہ کم ہے کہ شاگرد شاہ ہوں

شب کو حضرت داغ کے مصرع پر جو رنڈی ادائے دلربایانہ سے گا کر وجد میں لائی تھی چند شعر واہی تباہی کہدئے ہیں ۔ وہ بھی بھیجتا ہوں ۔ سچ سچ انصافاً کہئے ایسے استاد کے مقابلہ میں ہمارے شعر اگر شعر نہیں تو شیر صورت تو ہیں ۔

ہاں میاں پھر کہو ۔ تو ۔ کیا مطلع تھا ۔ افوہ ابتک مزا باقی ہے ۔

چوٹ کہانا دل حزیں نہ کہیں
درد رہ جائیگا کہیں نہ کہیں

واہ حضرت داغ ۔ واہ آخر استاد ہیں ۔ واللہ دوسرے مصرع نے غضب ڈھا دیا ۔ میاں جسکو درد نہو وہ کیا جانے چوٹ کا مزا بقول شخصے ۔ شیخ کیا جانے صابون کا بھاو ۔ واللہ غضب کا مطلع ہے ۔ بہت میں نے مغز خراشی کی پھر ملیں گے خدا حافظ ۔

حضرت نشاط سلمہ اللہ تعالی ۔ مبارک ۔ مبارک ۔ مبارک ۔ مبارک ۔ ڈیڑھ ہاتھ کی مبارکبادی میری طرف سے قبول ہو ۔ اخاہ اب تو پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں ۔ لیجئے نشان تو بڑھا خدا خدا کرکے فرط شادی سے ٹوپیاں اچھل رہی ہیں ۔ اب اسکے بعد ہیر الال کے فرزند جواہرلال کی سواری کڑم وھم کے ساتھ جلوہ افگن ہو گی ۔ حضرات ڈنیچ ڈنکے پر گھن گرج چوٹ لگائیں گے ۔

ہر طرف سے بدھائیونکی بوچھار ہو گی ۔ مبارکبادی کے خطوں سے ڈاک خانہ مبارک کی باچھیں کھل جائینگی ۔ ڈاکئے سب ہشاش بشاش ۔ منہ میٹھا کرنے کی فکر میں کل پہونچانیکا خط دو منٹ میں باد صبا رفتار کی طرح لاکر پہونچائینگے ۔ جواب دیتے دیتے منشی کے نبھتر بگڑ جائینگے شکریہ ادا کرتے کرتے آپ کا ہاتھ تھک جائیگا مگر یاروں کو بھی سوجھیگی کہ جلسہ لیں ۔

ساقی ہو مے ہو باغ ہو گردش میں جام ہو
گلرو بغل میں اور زمانہ بکام ہو

کہیں تھاپ پڑرہی ہے ۔ کوئی نشہ میں سرشار ۔ وحشت بنا ہوا ۔ باغ کی روشوں پر نازنیان گلبدن چہل پہل کرتی ہونگی ۔ اور ادھر باریک باریک پھوار پڑتی ہو گی ۔ اور کوئی

خوش گلو ملہار میں کہتی ہوگی (آئیو بدرا کارے کارے) اور حضرت شاد مدظلہ پیچوان لگائے ہوئے رندان بے آشام کا ٹھاٹھہ دیکھ دیکھ کر پھولوں نہیں سمائینگے ۔ زاھدان خشک کی گت بنائی جا رہی ھے ۔ واللہ عجب لطف ہوگا ۔ کیوں بھلا نشاط یہ سماں پڑھکر خوش تو ضرور ہوئے ہونگے کہ شاد صاحب نے بھی گلشن قرطاس پر کیا سین کھینچکر دکھایا ۔ کہ اگر بہزاد مانی ہوتے تو وہ بھی اپنا قلم توڑ دیتے ۔ خیر اللہ وہ دن جلد لاتا ھے ۔ مگر بھیا اب یہ خوشی کیا کم ھے ۔ جھٹ پٹ جلسہ کا دن مقرر ہو جائے ۔ اور ہماری دعوت ہو ۔ کھانے مزے مزے کے پکیں ۔ رشک حوران بھشتی طلب کی جائیں اور یہ مطلع پہلے گایا جائے ۔

ساقیا برخیز و دردہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را

مصرع :— در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

بہت جلد دھوم دھام کی تیاریاں شروع ہو جائیں ۔ اور دعوتی رقعے داخل ہو جائیں ورنہ پھر بری ہوگی ۔ دو مہینے کی تنخواہ صرف نذرانہ داخل کرنا پڑیگا ۔ جلسہ کا طالب حبیب لبیب سلمہ اللہ تعالی ۔

قلم اور سیف دونوں کے دھنی ہیں
انہیں دو نعمتوں سے ہم غنی ہیں

اس وقت چین اور جاپان کی لڑائی کے مزے اڑا رہا تھا ۔ کہ آپ کا شقہ اتحاد آمیز پہونچا ۔ بغور پڑھا ۔ عجب اتفاق کی بات ھے کہ جس اخبار میں چین اور جاپان کے کار ھائے نمایاں کا حال دیکھ رہا ہوں اسی اخبار کے آپ بھی طالب ہیں ۔ بواپسی جواب اخبار روانہ کرتا ہوں دیکھئے ۔ اور بغور دیکھئے ۔ میں تو جاپان کی بہادری اور اسکی عقلی ترقی اور جیالے پن کا عاشق ہوں ۔ کہاں چین ۔ کہاں جاپان ۔ بقول شخصے ریگستان میں ۔ رائی کا دانہ ۔ مگر واہ رے مائی کے پوت کیا کیا حملے کئے ۔ اور دشمن کو کہاں کہاں زک دی ھے ۔ دشمن نے منہ چڑھتے ہی منہ کی کھائی ۔ جنگ بھی کیا مزے کی چیز ھے ۔ لڑائی کے نام پر میرا خون رگ و پے میں تیزی کے ساتھ دوڑتا ھے ۔ نہونا تعجب ۔ اور باعث نفرین ھے کیونکہ ہماری قوم کی قوم سپاہ ۔ تلوار کے دھنی ۔ ہم ہی لوگ کہلاتے ہیں ۔ ہمارا لوھا سبھوں نے مانا ھے ۔ راجپوت ہم ہی کہلاتے ہیں ۔ راجپوت یعنی راجہ کے پتر ۔ سورج بنسی ۔ چندر بنسی سورج بنسی راجہ رامچندر ہیں ہم راجہ رامچندر کے بنسی سے ہیں ۔ اب یہ راجپوت کسی گروہ کا نام ہوگیا ھے ۔ جنھوں نے اپنا مسلک ہی جدا قرار دیا ھے ۔ خدا کی قدرت کے قربان جائے ۔ اسکی بھی کیا سرفرازی ھے کہ جرار و کرار فوج کی خدمت عنایت فرمائی ۔ وزیر فوج کی عزت سے سربلند کیا ۔ سچ ھے ۔ کہ خدا شکر خورے کو شکر دیتا ھے ۔ اور موذی کو ٹکر ۔ ہم نرے اجڈ سپاہی ہی

نہور - ہمارا سشیر قلم - سیف میدان فتح کا علم - رگ وپے
ں جہاں کوئی فوج آراستہ و پیراستہ دیکھی - یا کسی جنگ
ھے - خدا کا شکر ھے کہ ایسے بادشاہ ذیجاہ کے ظل عاطفت
رح چین ھی چین ھے -

ب کبھی آپ کا جی نہیں باھر جانے اور یاران طریقت کے
ھتا ھے تو آپ بیماری کا عذر لنگ پیش کرتے ھیں اور
کچھ نہ سکے کبھی تو ثقبیہ عنبیہ کے اندرونی طبقات کے
ا ھے - کبھی قلب کی حرکت ثانی کمزور ھو جاتی ھے -
سے آپ کہسار کشمیر کے گھوڑے پنجاتے ھیں اور کبھی
ئج کے مینار سے مقابلہ کرتے ھیں - مگر واہ رے میں -
جھ سے نہیں چل سکتا -

رنگے کہ خواھی جامہ می پوش
انداز قدرت را می شنا سم

، آپ کا الگ تھلگ رھنا خالی از علت نہیں - کوئی سبب

رائے نچتن شبنم کریختہ کا شو

ی یا اوٹی کامنڈ یا نینی تال یا مہا بلیشر - یا دار جلنگ
کہ وھاں آپ تبدل آب و ھوا کے لئے گئے - مطلب سعدی

، خوب می شنا سم پیران پارسارا

ب میں میں نے جو رقعہ بھیجا تھا اسکی عبارت کیسی تھی
لوں کے مقابل اور خصوص سرشار کے مقابل کوئی نثر نہیں
.و گے کہ نہیں کہ ھم حیدرآبادی بھی کچھ لکھ لیتے ھیں
ںمدہ ہینری نثر میں کھینچکے دکھلائی تھی - در حقیقت
کا سماں ضرور بندہ گیا ھوگا - اور سے و ھی خانہ ساقی و جانا نہ
ئی - مگر اب تو اس بڑھاپے میں یہ اویچ کی جو سوجھتی ھے
عند الملاقات -،،

ں انمول اصول و مقالات قلمبند کئے تھے اور بعض کو خوش خط
طرح رکھتے تھے کہ لوگوں کی اس پر نظر پڑتی رھے - تربیت
ڑ ھے - اس جگہ اون کا نقل کرنا فائدے سے خالی نہوگا -

۱ ۔ خدا ۔ شانتی کا سمندر ھے ۔
۲ ۔ خودی ۔ سے خدا کا پتا ملتا ھے ۔
۳ ۔ عشق ۔ آگ ھے غیر حق کو جلانے والی ۔
۴ ۔ خدا کی طلب ۔ مستغنی کرتی ھے ۔
۵ ۔ انانیت حقیقی ۔ بیخودی کا پیمانہ ھے ۔
۶ ۔ بیخودی ۔ خواب شیرین ھے ۔
۷ ۔ محبت ۔ عشق کی چنگاری ھے ۔
۸ ۔ عبودیت ۔ معراج حقیقی کا زینہ ھے ۔
۹ ۔ عاشق ۔ پروانہ ھے حسن کا ۔
۱۰ ۔ تبسم ۔ غنچہ نیم باز ھے ۔
۱۱ ۔ ھنسی ۔ برق کی تصویر ھے ۔
۱۲ ۔ خوشی ۔ پیش خیمہ ھے غم کا ۔
۱۳ ۔ غم ۔ ابتداء ھے خوشی کی ۔
۱۴ ۔ غصہ ۔ شمشیر برھنہ ھے ۔
۱۵ ۔ موت ۔ بیخودی کا سمندر ھے ۔
۱۶ ۔ حیات ۔ موت کا پیغامبر ھے ۔
۱۷ ۔ دل ۔ امانت الہی ھے ۔
۱۸ ۔ تعصب ۔ رھزن ایمان ھے ۔
۱۹ ۔ ریاست ۔ غرور کا خزانہ ھے ۔
۲۰ ۔ حکومت ۔ تکبر کا تاج ھے ۔
۲۱ ۔ دولت ۔ مشکل کشا ھے ۔
۲۲ ۔ سخاوت ۔ کیمیا ھے دین اور دنیا کی ۔
۲۳ ۔ بخل ۔ چور ھے عزت و ایمان کا ۔
۲۴ ۔ حلال کی روزی ۔ مال غنیمت ھے ۔
۲۵ ۔ جھوٹ کہنا ۔ بے اعتباری کا تخم بونا ھے ۔
۲۶ ۔ تہیدستی ۔ بھیک کا ٹھیکرا ھے ۔
۲۷ ۔ جوانی کی موت ۔ حسرت بھری نیند ھے ۔
۲۸ ۔ بچپن کی موت ۔ پہلی منزل کا مسافر ھے ۔
۲۹ ۔ شاعر ۔ تخیلات کا پتلا ھے ۔

۳۰ - شاعری جذبات کا خزانہ ہے -

۳۱ - شعر - جذبات کی اولاد ہے -

۳۲ - حسد - درندہ ہے -

۳۳ - حرص - دام ہے جو ہوا پر بچھا ہوا ہے -

۳۴ - آرزو - امید وار ہے -

۳۵ - ایمان - مشعل طریقت و شریعت -

۳۶ - پیغمبر - کلید عقل کل ہے -

باب چہارم

شوق کی چیزیں

مغلیہ ثقافت میں تعمیر عمارات کا شوق لازمہ دولت و امارت تھا اور اس کا اثر حیدرآباد میں بھی موجود تھا قطب شاہی دور کے بعد ایران کی طرز تعمیر محلات شاہی اور پبلک عمارات میں مساجد و مقابر دارالشفا تالاب۔ حوض ذرایع آبرسانی باغات وغیرہ کا سلسلہ ایک صدی تک معدوم ہوگیا مگر جب امن و عافیت شاہان آصفیہ کے حکمرانی میں قایم ہوگئے تو پھر تعمیر عمارات کی طرف بھی التفات شروع ہوا پنچ محلہ پرانی حویلی دیگر ایوانات شاہی و ایوانات شاہی کے ساتھ میر عالم۔ مہا راجہ چندو لال شمس الامرا نے اور دیگر امرا نے بھی اپنے اپنے ایوان قصور باغات سلسلہ آبرسانی کے سلسلے اوس وقت کی مروجہ طرز تعمیر کے مطابق تعمیر کرائے اور آج بھی اگر اونکی سیر کی جائے تو محو حیرت بنا دیتے ہیں اور ان سب کی طرز تعمیر و ضروریات آسائش اور اس زمانہ کی ثقافت تہذیب پر ایک قلم کار روشنی ڈالکر بہترین مرقع بناسکتا ہے۔

مہا راجہ چندو لال کو بھی عمارات کا شوق اونکے اجداد سے وراثتاً منتقل ہوا تھا اونکی شہری دیوڑھی کا طویل سلسلہ تقریباً ایک میل کی مسافت میں پھیلا ہوا ہے باہر سے حقیقی اندازہ نہیں ہوسکتا ہے مگر جب اندر سے اوسکی پوری سیر کرلی جائے تو اوسکی وسعت رفعت عظمت مذاق سلیم خیال آسائش محو حیرت بنادیتے ہیں شہر کی دیوڑھی سے قطع نظر چندو لال کی بارہ دری و دیگر باغات و عمارات جو مختص تفریح و سیر کے کام میں آتے ہیں جداگانہ ہیں شہر کی دیوڑھی کے قدیم حالات کا تذکرہ خود مہا راجہ بہادر نے کیا ہے جس کا تذکرہ انکی خود نوشتہ سوانح میں موجود ہے مہا راجہ چندو لال کی بارہ دری یا راج باغ انتہائی وسعت اور باغات تفریح و آسائش کے گوناگوں نظاروں سے دل فریب جنت نگاہ بنی ہوئی تھی اوس میں عیش و نشاط کے خوب ہی خوب

لطف اٹھائے گئے بالاخر کسی واقعہ رنج افزا کی وجہ وہ داغ فراق حسرت کی شمع خموش هو کر رہ گئی۔

مہا راجہ نرندر پرشاد اپنے درویشانہ قناعت پسند طبیعت کی وجہ سے سابقہ عمارات کی ترمیم و نگہداشت پر قانع تھے مہا راجہ نے سرفرازی خدمات جلیلہ موروثی و جاگیر کے بعد وقتاً فوقتاً قدیم کہنہ اور قابل انہدام عمارات کی بجائے حسب مناسب اپنے ذوق سلیم سے بہترین اور اچھے عمارات شہر کے عالیشان قصر تعمیر کرائے اسکے علاوہ گرین گیٹ کوہ مولا علی ۔ الوال ۔ شاد نگر میں اور بالاخر جوبلی هل پر اپنے عمارتی ذوق کو نمایان کیا اور وهاں کی کوٹھیاں اپنی سادگی اور هر چہ گیرد مختصر گیرد کے باوجود اپنے تعمیر کے ذوق جمالیات و فرحت و سکون کے تلاش کے جذبہ کو نمایان کرتے هیں ۔ اس عنوان کے آغاز میں فن تعمیر حیدرآباد پر سلسلہ تالیف مدون کرنے کے متعلق جو اشارہ کیا گیا اوس سے قطع نظر آج بھی اس کا امکان ھے کہ کوئی فن تعمیر و فنون لطیفہ کا غواص مغلیہ ثقافت تمدن و تہذیب میں ذوق تعمیر عمارات میں آرام و سکون و خوش سلیقگی و خوش گزرانی نزاکت تناسب کے لئے ملحوظ رکھے جاتے تھے کتابی صورت میں سلسلہ عمارات کو جو تقریباً ڈیڑہ سو سال میں مہاراجہ چندو لال سے لے کر مہا راجہ کشن پرشاد تک وسعت پاتا رها ھے دیکھ کر اور باریکیوں کو سمجھکر مدون کرے اور یہ کتاب مملکت آصفیہ کے فن تعمیر کی نزاکتوں اور مرکوزات کو واضح کرنے میں بجائے خود دلچسپ هوگی اور اس طرح ملک کے تمدن و تہذیب کی جو کسی زمانہ میں بلند پایہ تھے اور جس کو مغربی تمدن محو کرتا جا رها ھے یاد آوری کا اچھا ذریعہ مہیا هوسکتا ھے۔

دوسری شوق کی چیزیں اور نوادرات

اسلحہ | پیشتر اسلحہ کا شوق امرا تو درکنار عوام الناس تک میں پھیلا هوا تھا امرا عموماً فوجی خدمات کے حامل هوتے تھے اس لئے هر امیر گھرانہ میں اسلحہ کا عظیم ذخیرہ جمع رهتا تھا اور امرا میں آب دار و جواهر دار اسلحہ پر باهم مفاخرت هوا کرتی تھی دھونڈ دھونڈ کر اور گران معاوضہ دیکر بہترین اسلحہ جمع کئے جاتے تھے مہا راجہ کشن پرشاد کھتری خاندان اور نسلاً بعد نسل سپاهی زادہ هونے پر همیشہ فخر و ناز سے تذکرہ کیا کرتے تھے اور پشت ها پشت سے اچھے اسلحہ اونکے اسلاف نے جمع کئے تھے اور خود وہ بھی اوس میں اضافہ کرتے رهے ۔ اور جب آتشین اسلحہ فرنگ کا رواج هونے لگا تو رائفل و ریوالور کو بھی مہا راجہ نے شوق و تلاش سے جمع کیا رقعات شاد میں افسر الملک مرحوم کے موسومہ خطوط میں اون سے فراهمی کا مطالبہ هوا ھے۔ مہا راجہ مرحوم شمشیر و سنان تیر اندازی اور رائفل ریو الور کے استعمال میں بڑے دھنی تھے اور اوس کا جو تذکرہ اونہوں نے کیا ھے درج کردیا گیا ھے ۔

حضرت غفران مکان نے ایک مرتبہ پانچ تلواریں مرحمت فرمائی تھیں اوس کے شکر گزار ہونے کا تذکرہ اونکے معروضات ومنظومات میں موجود ھے ۔

۔ شکار کو بھی نوجوانی میں بہت جاتے تھے خدمات سرکاری کی مصروفیت بعد میں شکار سے بڑی حد تک مانع ہو گئی۔

مہاراجہ بہادر اپنے دیگر نوادرات کی طرح اپنے اسلحہ کے ذخائر سے بھی احباب وغیرہ کو تحفہ دیا کرتے تھے اور اسلحہ کا مجموعہ بھی " خیال خاطر احباب چاھئے ہر دم " بہت حد تک نذر احباب ہوگیا تا ہم اب بھی اونکی دیوڑھی میں عمدہ نایاب اسلحہ سے خالی نہو گی ۔

قیمتی لباس | پرانی ثقافت اور امارت کا لازمہ نفیس و قیمتی لباس بھی ھیں ھمہ قسم زرین ریشمی سوتی پارچے جامہ دار شال دو شالے جس میں ھندوستانی اپنی صنعت کاری کے کمالات نمایاں کرتے تھے اور جو پایدار بھی ہوتے تھے ہر امیر کی دیوڑھی میں بڑی افراط سے موجود رہتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اونکی خرید و فروخت بھی ہر زمانہ میں جاری رہتی تھی ۔ مہا راجہ کشن پرشاد کے پاس بھی نوادرات اور لباس کا بھی کافی ذخیرہ موجود تھا اور پھر نئے مغربی دور کے وجہ لباس کا فیشن بدلتا چلا گیا پیجامہ کی ایجاد سے شروانی کوٹ پتلون کو جگہ ملنے لگی تو اوسکے لحاظ سے اون کا توشکخانہ طرز جدید سے معمور ہوتا گیا ۔

اپنے بڑے اور چھوٹے ملازمین کے ساتھ وہ بڑی فیاضی کے ساتھ لباس کی عطا میں بھی وہ کم نہ تھے ۔

عموماً وہ سادہ لباس کے عادی ہوتے چلے گئے تا ہم اونکے توشک خانہ میں بہترین نواد رات بھی موجود تھے اور انکی صنعتی نزاکتوں سے بھی وہ بخوبی واقف تھے ۔

فرش و فرنیچر قالین | حیدرآبادی مغلیہ ثقافت میں ہر امیر کی دیوڑھی و افر فرش ۔ قالین ۔ شیشہ ۔ آلات ۔ ظروف برنجی اور پرانی چینی کے برتن و آلات آھنی سے معمور رھتی تھی ۔ اوس دور کی تہذیب ضروریات و فیشن کو اب دنیا فراموش کرتی جاتی ھے مگر اونکی تفصیل بھی اسلاف کے تمدن و تہذیب سلیقہ کی خبر دیسکتی ھے ۔

مہا راجہ مرحوم کی دیوڑھی بھی اونکے اجداد کے جمع کئے ہوئے وافر ذخایر سے معمور تھی امتداد مدت سے وہ خالی ہوتے چلے گئے کبھی زاید سامان کو نکالنے کے لئے ہراج بھی ہو ئے کبھی متعلقین و متوسلین کو عطا بھی ہوے کبھی احباب یا انگریز دوستوں کو بھی تحفتاً دی گئیں ۔

جب مغربی فرنیچر نے جگہ بنالی تو حسب ضرورت اون کی بھی ایوان و قصور مہاراجہ میں جگہ قائم ہوتی چلی گئی مگر مہا راجہ مرحوم کومغربی فیشن میں انتہائی انہاک نہ تھا اور اپنی فطری داد و دھش کے غیر محدود ضرورتوں کے مقابل وہ فرنیچر میں روپیہ صرف بھی نہ کرسکتے تھے ۔

جواھرات | مہا راجہ چندو لال اور دوسرے اسلاف کے جمع کردہ جواھرات مہا راجہ نریدر پرشاد کے زمانہ میں ھی تقسیم ھوگئے اور بہت تھوڑا حصہ مہا راجہ کشن پرشاد کو ملا تھا اپنی دادودھش فیاضیوں سے مہا راجہ قیمتی جواھرات کی خریدی کی طرف چنداں ملتفت نہ تھے جوکچھ باقی تھا محلات اولاد اور خاصکر لڑکیوں کو دیدیا تھااوراونکی شادی کےمواقع پر حسب ضرورت جدید خریداری بھی ھوجاتی تھی ۔

فوٹو | مہا راجہ کو اپنی اولاد نیز سرکاری تقریبوں کی فوٹو اتروانے کا بڑا کاشوق تھامختلف لباسوں میں ھمیشہ اپنے فوٹو اتروانےتھے سرکاری تقریبوں اورواقعات زندگی کو فوٹو سے محفوظ کرنے میں کثیر صرفہ برداشت کیا ھے اور عموماً اپنے احباب دیسی و انگریز احباب کو تصاویر دیا کرتے تھے اورا گرچہ ان کی دیوڑھی میں دوسرے نوادرات و اشیاء شوق بھی وہ زیادہ تعداد میں باقی نہیں رہے ھیں تا ھم اب بھی وہ تاریخ و ثقافت کی متلاشی کےلئے بڑی دلچسپی رکھتے ھیں حیدرآباد کے مشہور ومعروف فوٹوگرافر راجہ دین دیال کے تصویر خانہ میں حیدرآباد کے عہد حضرت غفران مکان و ما بعد کی تاریخ فوٹو کے ذریعہ محفوظ رکھی گئی ھے ۔ اس کتاب میں خاص اور اھم تصاویر اور مرقعات وغیرہ کو دلچسپی کےلئے شامل کردیا گیا ھے ۔

مونوگرام | مہا راجہ مرحوم کو اپنے مونوگرام کندہ کرانے کا بھی بڑا شوق رھا ھے متعدد مونوگرام وہ تیارکراتے اور اپنے مکاتبات میں اوسکو یکے بعد دیگرے استعمال کرتے تھے جب کوئی جدید مونوگرام تیار ھوتا تو عرصہ تک وہ استعمال ھوتا ۔ اسکی تیاری میں بھی ذوق خطاطی وکمال فن ملحوظ رکھا جاتا ۔

کرسمس کارڈ | کرسمس کے مواقع پر اپنے انگریز دوستوں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہ ھوتا اور اونکے ساتھ دیسی احباب کو بھی کرسمس کارڈ تقسیم ھوتے اور اوس کی تیاری میں بھی سنجیدگی کو ملحوظ رکھا جاتا تھا ۔ عید اور تہواروں میں بعض وقت تہنیت و تبریک کے پیامات کا تبادلہ بھی ھوتا ۔

دیگر اشیائے شوق | مہا راجہ کو فونٹن پن کا بھی بڑا شوق تھا اور خاص خاص وضع کے فونٹن پن جو اونکے خوشنویسی اور ذاتی قلم کےلئے مناسب ھوتے فرمایش سےمعتدبہ تعداد میں تیارکراتے تھے اور جیسا کہ اونکی عادت تھی اس کے بھی تحفے اپنے دوستوں اور ماتحتوں کو عنایت ھوا کرتے ۔

جیبی گھڑیوں کی خریدی کا بھی شوق تھا اور وہ بھی عموماً بطور تحفہ کثیر طور پر تقسیم ہوتے رہتے تھے -

تیاری عطریات خمیرہ تمباکو ادویات یونانی - کشتہ سازی پکوان کا بھی شوق مہا راجہ مرحوم کو ذوق سلیم کے ساتھ تھا اور اوس میں بڑی مہارت اونکو حاصل تھی اور شوقیہ اوسکی تیاری میں فرصت کے اوقات میں خیال آنے پر مشغول ہو جاتے اوسکی توضیح خود مہا راجہ نے فرمائی ہے جو اپنی جگہ درج ہے -

ٹھیٹر اور سینما | ابتدائی دور میں مہا راجہ کو ٹھیٹر وغیرہ سے چنداں دلچسپی نہ تھی حیدرآباد میں کبھی کبھی بیرون ملک سے سرکش یا ناٹک کی کمپنیاں آتیں اور چند دن اپنے تماشے بتلا کر رخصت ہو جاتیں - مہا راجہ آنجہانی اس میں کبھی کبھی شریک ہو کر دیکھ لیا کرتے مدار المہامی سے سبکدوشی کے بعد ملک میں ٹھیٹر سرکس سینما کا زیادہ رواج ہونے لگا اور مہا راجہ اس کو زیادہ دیکھنے لگے خاص کر سینما سے زیادہ دلچسپی صدارت عظمی میں ہوگئی تھی اور چونکہ اپنے محلات کے انتقال سے وہ رنجور رہتے تھے غم غلط کرنے سینما میں وہ شریک ہوا کرتے -

عموماً امارت و دولت کے لوازمہ میں رنگین زندگی بھی آ جاتی ہے اور

گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی

کے مشہور مقولہ کے لحاظ سے رنگیں زندگی کو سنجیدگی اعتدال کی حالت پر رکھا جائے تو وہ عین حکمت و دانش ہو جاتی ہے اوس کے برخلاف افراط اعمال انسان کو ہوا و ہوس کے معائب میں مبتلا کر دیتا ہے -

مہا راجہ کشن پرشاد کو وافر دولت حاصل تھی اور ۲۶ سالہ عمر سے ہی مشاغل دولت اور رنگین زندگی میں ان کے لئے کوئی بزرگ مانع و مزاحم نہ تھے اور ہر قسم کے ترغیبات انکے سامنے تھیں باوجود اس کے اونھوں نے خود کو دائرہ اعتدال سے آگے بڑھانے میں ہمیشہ احترازکیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں میں سنجیدہ اور باوقار نظر آتے ہیں - رنگین زندگی کے متعلق یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ مذاق سلیم میں اسکی ایک حد رکھدی گئی ہے اور پھر سوسائیٹی کا رواج اہل و عیال سب سے بڑھکر مذہب و ملت بھی انسان کے سامنے قیود اور پابندیاں مقرر کردیتی ہے اسکو نگاہ میں رکھا جائے تو وہ قابل تحسین زندگی رہتی ہے بعض افراد کو داعیہ نفس سے اعتدال سے آگے بڑھنے کی ترغیب و تحریص پیدا ہو جاتی ہے ان میں بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو عیب کو عیب سمجھتے ہوئے بھی علانیہ اور خلوت میں فرق عمل رکھتے ہیں اور ایسی صورتوں میں جب کہ انسان اپنی غلطیوں کو غلطیاں سمجھ کر چھپاتا ہے اوسکی پبلک زندگی متاثر نہیں ہوتی ہے -

محتسب را درون خانہ چہ کار

کا اصول مرعی رکھا جاتا ہے یہ نقطہ نظر مہا راجہ کی رنگین زندگی پر منطبق ہوتا ہے اور اس کے لحاظ سے ان کی رنگین زندگی کا کچھ تذکرہ کردیا جاتا ہے کہ ایک آزاد سوانح زندگی کی تحریر میں صواب و خطا دونوں پر نظر رکھنا سوانح نگار کا فریضہ سمجھا گیا ہے رنگین زندگی کا ایک اہم جز رقص و سرود سمجھا جاتا ہے اور اسکو فنون لطیفہ میں داخل سمجھا گیا ہے ہندوستان ہی نہیں مشرق و مغرب میں فنون لطیفہ اور رنگین زندگی کا معیار بالکلیہ متفاوت رہا ہے ۔ مغرب کی موجودہ زندگی میں رقص و سرود لازمہ امارت ہے اور عموماً شوقیہ طور پر تقریباً ہر فرد اس میں دلچسپی رکھتا ہے تھیٹر اور میوزک ھال میں فنی طور پر کمال فن کو ظاہر کیا جاتا ہے اس سے قطع نظر ہر گھر میں رقص و سرود کی مہارت کا مظاہرہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے ۔ عموماً دعوتوں کا لازمہ رقص اور سرود کی دلچسپی سے ظاہر کیا جاتا ہے ہندوستان میں اب مغرب کی تقلید کا رواج بڑھتا چلا جا رہا ہے مگر سابقہ تہذیب اور ثقافت میں اور خاص کر مغلیہ ثقافت میں امرا اور اہل دولت موسیقی اور رقص کے رموز و نکات کو فنی طور پر جانتے تھے اس کا عملی کام طوائفوں اور قوالوں پر چھوڑ دیا گیا تھا ۔ تقریبات میں محافل رقص و سرود کم از کم اہل دولت اور امارت کے پاس عیب نہ تھے یہی ثقافت اور تہذیب مہا راجہ کشن پرشاد کی نوجوانی میں تھی اور انتقال تک بھی چلی جا رہی تھی مہا راجہ کشن پرشاد بذاتہ رقص و سرود کی نزاکتوں کو بخوبی جانتے تھے اور اس کا تذکرہ اپنی سوانح زندگی و تالیفات میں کیا ہے اور رواج امارت کی بدولت عام تقریبات میں ہمنشین احباب خاص کی دعوتوں میں جس کے مہا راجہ فیاضی کے ساتھ عادی تھے ۔ طوائفوں۔ قوالوں ۔ گوئیوں کو بھی بلایا جاتا تھا جس قدر بڑی تقریب اور بڑی دعوت ہوتی تھی اسی قدر زیادہ ارباب نشاط کا مجمع یا محفل نشاط کی وسعت ہوتی تھی ۔ مہا راجہ اپنی دعوتوں اور احباب کے ساتھ سنجیدگی اور ذوق سلیم کے ساتھ اوسکو سنا اور دیکھا کرتے تھے سنجیدگی کے ساتھ ہی داد کمال دیا کرتے ۔ محفل خاص چھوٹی اور مخصوص احباب ہی اس میں شریک رہتے تو طوائفین کے ساتھ موقع محل کے لحاظ سے گفتگو اور سنجیدہ مذاق بھی جاری رہتا اس سے آگے بڑھنے اور دائرہ اعتدال سے علانیہ طور پر باہر باتیں مہا راجہ کی محفلوں میں راہ نہ پاتی تھیں ۔ اگر چہ ان کے ہمعصر امرا اسکو ملحوظ نہ رکھتے تھے ۔ رقص اور سرود میں انہاک اور حسن کی تلاش اور اس میں آنکھ بند کرکے اپنی دولت کو لٹا دینا یہ مہا راجہ کے پاس نظر نہ آتا تھا ان کے مصارف زندگی میں شرفا اور غربا کی حاجت روائی میں بے محابا جو صرفہ ہوا کرتا تھا وہ محافل نشاط اور رنگین کے مصارف سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا ۔

ہندوستان میں روساء اور امرا جس طرح رنگین زندگی کی تلاش میں اپنے نام اور عزت کو خیر باد کردیتے ہیں اور لاکھوں روپیہ لٹا دیتے ہیں اوس سے مہا راجہ قطعاً دورھی رہے اور اون کی زندگی اعتدال اور تہذیب سے آگے کبھی نہ بڑھتی تھی ۔

کتب خانہ | مہا راجہ مرحوم کے ۸ پشتوں سے علم و ہنر کی سرپرستی کتابوں کا شوق چلا آرہا ہے - مہا راجہ چندو لال نے اس کو اپنے مرتبہ عالیہ کی وجہ بڑی ترقی دی - اس زمانہ میں کتابیں قلمی ہوتی تھیں ان کا کاغذ انکی جلدین اس زمانہ کے فنون لطیفہ کے لحاظ سے امرا کے پاس دیدہ زیب ہوا کرتی تھیں - بیاضوں کا رکھنا بھی اس زمانہ کے مشاغل علمی میں تھا جن میں طب - تاریخ حالات خاندان تصوف کے نکات قلمبند ہوتے تھے - کلیات شادان وغیرہ سے واضح ہوسکتا ہے کہ کس قدرسرپرستی مہاراجہ چندو لال علم و فن کی فرماتے تھے اورکس طرح شعرا ادبا علما انکی خدمت میں اپنی تالیفات گزر انتے تھے - نیز اچھی کتابیں گراں بہا قیمت و انعامات سے جمع کرنا اس وقت کے امرا کاطرز زندگی تھا سہا راجہ نرندر پرشاد اور مہا راجہ کشن پرشاد نے بھی شایع کئے تھے وہ بھی کتابوں کو کافی معاوضہ سے لیا کرتے اور چونکہ طباعت بھی رائج ہوچکی تھی اس لئے انکو بھی جمع کیا گیا -

به هر طور مہا راجہ بہادر کے پاس وسیع قلمی و مطبوعہ کتب خانہ تھا مہا راجہ بہادر وقتاً فوقتاً نئی طبع شدہ کتابوں کو جمع فرماتے اخبار ماہ نامے بھی معتدبہ تعداد میں انکے پاس آیا کرتے - اور جہاں تک فرصت ملتی مطالعہ بھی کیا کرتے انکے پاس قلمی کتابوں بیاضوں اور نظم ونسق کے نوشتوں کا بہت بڑا مجموعہ جو آیندہ نسلوں سے جمع ہوا موجود تھا چنانچہ دیوان سنجر کی طباعت کے پیش لفظ میں اپنے کتب خانہ کے نواد رات اور خود اپنے ذوق تلاش و جمع کتب کا اشارہ بھی کیا ہے -

اب اونکے کتب خانہ کو معاینہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اونکے ہی دورکی جمع کی ہوئی مطبوعہ کتابیں اگر چہ وہ بھی کافی تعداد میں ہیں مگر کتب خانہ کی روح یعنی قلمی کتابیں بیاضیں اور خوش نویسی کے نوادرات اس میں باقی نہیں ہیں- معلوم ہوا ہے کہ مختلف افراد نے مطالعہ کے نام سے حاصل کیا اور واپس نہیں کیا بھر طور اب کتب خانہ نواد رات سے بڑی حدتک خالی ہے تا ہم خود دفتر پیشکاری بھی جو دفتر دیوانی و مال میں ضم ہوگیا ہے اس میں کافی ذخیرہ نظم و نسق تاریخ مہاراجہ کی تحریروں احکام مکاتبات کا موجود ہے - اگر اسکی تنظیم کی جائے تو اب بھی دلچسپی کا مرکز ہوسکتا ہے - اور اسی سے سلسلہ تاریخ ہند اور دکن کی تدوین میں حصہ لیا جاسکتا ہے -

مرقعات و فنون لطیفہ | مغلیہ ثقافت کا ایک اہم جز مرقعات کی بطور فنون لطیفہ سر پرستی ہی رہا ہے اور خاندان مہا راجہ چندو لال بھی نسلا بعد نسل اس کا قدر دان رہا ہے شاعری ادب تاریخ کی مشہور کتابوں کو انتہائی کمال فن سے تحریر کرانا - کاغذ و روشنائی میں پائیداری اور اسکے حاشیوں پر طلائی کام و جدول گل بوٹے اور خوش خطی لازمات سے تھے بعض میں بہترین تصاویر بھی رہتی تھیں اسکے علاوہ مرقعات میں بھی ذوق لطافت نمایاں کیا جاتا - اعلی ترین خطاطوں کے موزوں اشعار و فقرات لکھائے جاتے اور

اس کی پشت پر قصاید کی بھی قلمکاری ہوتی یہ یا توکتابی صورت میں بطور البم رکھے جاتے یا دیواروں پر آویزاں کرائے جاتے ایسے نوادرات مہا راجہ چندو لال مہا راجہ نرندر پرشاد و مہا راجہ کشن پرشاد نے اونکے پیش کرنے والوں کو گراں بہا معاوضہ عطا کرکے جمع کرتے رہے - اور اونکے پاس کے ذخائر انکے ہم عصر امرأ کے ذخائر سے بڑھکر نہ تھے توکم بھی نہ تھے - یہ نوادر بھی بڑی حدتک تحفہ ہدایہ کی یا مستعار لینے اور واپس نہ دینے کی بدولت خاندان میں زیادہ موجود نہ رہے ہیں -

قدیم تصاویر قلمی کا بھی خاندانی شغف رہا ہے اور وہ مہا راجہ کشن پرشاد مرحوم کے پاس کثرت سے تھے محرم الحرام یا کسی اور وقت جلو خانہ کی آرائش بندی کے وقت یہ تصاویر جلو خانہ کے جنوبی حصہ میں آویزاں کئے جاتے تھے اور خلقت بڑی دلچسپی و بصیرت سے مصروف نظارہ ہوتی - یہ قدیم نگار خانہ بھی قلمی کتابوں مرقعات کی طرح اب اس حالت میں جو پچاس سال قبل تک تھی نہ رہا ہے تا ہم جوہری کی دوکان جل بھی جائے توکچھ نہ کچھ جواہرات مل جاتے ہیں یہ مثال مہاراجہ مرحوم کے کتب خانہ اور نگارخانہ پر بھی صادق آتی ہے -

---

باب پنجم

پبلک لائف

سہا راجہ کی نوجوانی میں حیدرآباد میں پبلک لائف قومی تحریکات اور رفاہ عام کے امور میں پبلک حصہ محدود تھا اور خصوصیت کے ساتھ امرا اس سے دور رہا کرتے تھے سیاسی تحریکات اور فرقہ واری تحریکات جو ہندوستان میں شروع ہو گئی تھیں ان سے حیدرآباد میں امرا کا طبقہ علحدہ ہی رہتا تھا مگر بتدریج زمانہ کے اثرات سے برطانوی ہند کی ہر تحریک یہاں بھی پہونچنے لگی سہا راجہ کشن پرشاد اور ان کے نانا ابتداء میں اس سے دور رہتے مطالعہ اخبارات اور کتب جاری تھا اور باہمی گفتگو جب ہندوستان کی قومی زندگی اور پبلک معاملات کی حدتک درمیان میں آجاتی تھی تو پھر اس پر گفتگو و مباحث ہو جاتے۔

سہا راجہ مرحوم نے اپنی زندگی میں پبلک لائف میں پہلا قدم رکھاوہ والنٹیر کور حیدرآباد میں شرکت کرنا تھا اسکی تفصیل آگے بیان کردی گی ہے۔

سہا راجہ نرندر پرشاد کے انتقال کے بعد حیدرآباد میں صدر کھتری سبھا کی تحریک سامنے آئی تھی اور ان میں سہا راجہ بہادر نے حصہ لیا تھا اور انہوں نے اپنے سوانح زندگی میں اس کا جو تذکرہ اپنے قلم سے کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

''میری قوم کے لوگ جو یہاں حیدرآباد میں متوطن ہیں ان میں سے بعض خوانده نوجوان احباب کھتریوں نے یہ خواهش ظاہر کی کہ جس طرح ہندوستان میں ہر ایک قوم انجمنیں سبھائیں قائم کر رہی ہے اور اپنی قوم کی تعلیم و تہذیب اور تمدن کی اصلاح کےلئے بیڑا اٹھایا ہے میں بھی یہاں ایک انجمن قائم کروں اگرچہ میں جانتا

تھا کہ قوم کی عام جہالت اس کامیابی کی مانع ہوگی ۔ تاہم میں نے ایک سبھا صدر کھتری سبھا کے نام سے قائم کی ۔ اور اپنے صرف زرکثیر سے ایک مدرسہ خاص کھتریوں کی اولاد کی تعلیم کےلئے بتاریخ ٦ - ربیع الثانی م ١٠ - ڈسمبر بتقریب سالگرہ ہمایوں حضرت ظل سبحانی بمصداق :—

چہ خوش بود کہ برآید یک کرشمہ دو کار

مقرر کیا اور اس کا نام مدرسہ محبوبیہ مقرر کیا مگر بے ہوا کے بھی کہیں پتنگ اڑتا ہے آخر تھوڑے زمانہ کے بعد وہی ہوا کہ لوگوں کی کم توجہی اور آپس کے نفاق اور جہالت کے باعث اس کو فروغ نہونے پایا ،، ۔

برطانوی ہند کی قومی تحریک کے سربرآوردہ افراد حیدرآباد میں بھی آتے اور اون سے مہا راجہ حالات کو معلوم کرتے اور شخصی طور پر جوکچھ ممکن ہوسکتا تھا تعاون فرماتے مگر خود اس میں عملی شرکت پسند نہ فرماتے تھے ۔ حیدرآباد میں جو پبلک جلسے وغیرہ ہوا کرتے اس سے بھی کنارہ کش ہی رہتے آریہ سماج وغیرہ کی تحریکوں سے بھی جو بہت عرصہ سے حیدرآباد میں شروع ہوگئیں تھیں دور ہی رہے البتہ ہندو مسلمان جو بھی اکابر قوم حیدرآباد میں آتے ان سے تبادلہ خیالات حالات ملک پر ہوا کرتے سرکاری طور پر انگریزوں کے اثر سے جو پبلک تحریکیں ہوتیں ان کےلئے چندہ وغیرہ دیتے اور اپنی بساط کے موافق مالی حصہ لیا کرتے ۔ ذاتی طور پر جو گفتگو پبلک معاملات میں انگریز یا اکابر ملک سے ہوا کرتی اس میں سنجیدگی سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ۔

چونکہ مہا راجہ مرحوم کے ذاتی مصارف اور داد و دھش کا سلسلہ خود ان کو زیر بار رکھے ہوئے تھا اس لئے پبلک تحریکوں میں زیادہ رقمی امداد نہ دے سکتے تھے اور سرکاری مدراس کے مقابل علحدہ علحدہ مدرسوں وغیرہ کے قیام کو اس زمانہ میں غیر ضروری ہی سمجھتے تھے ۔

پیشکار اور وزیر فوج ہو جانے کے بعد اپنی دیوڑھی میں یونانی دوا خانہ اپنے ذاتی صرفہ سے نہ صرف اپنے ملازمین و متعلقین بلکہ قرب و جوار کے رہنے والوں کےلئے بھی عام کردیا تھا اور اس میں علاج و معالجہ ہوتا اور دوائیں مفت تقسیم ہوا کرتیں بعد میں ڈاکٹری معالجہ اور تقسیم ادویات کا انتظام دیوڑھی میں اسٹیٹ کے صرفہ سے رکھا گیا تھا اسی زمانہ میں برطانوی ہند سے قومی تحریکات میں شرکت کےلئے استدعا ہوتی حیدرآبادی حالات اور یہاں کی ثقافت کی وجہ اس میں شرکت کا موقع نہ رہتا تھا ۔ ملکہ وکٹوریہ کے انتقال کے بعد ان کی یادگاری یتیم خانہ کے قیام کےلئے جو مجلس حضرت غفران مکان کے حکم سے قایم ہوئی تھی اوس میں مہا راجہ آنجہانی بھی رکن قرار دئے گئے تھے اور دور مدار المہامی اور بعد مدار المہامی ان کا تعلق اس یادگاری یتیم خانہ سے اور اسکی مجلس انتظامی سے قائم رہا ۔

مدار المہام ہو جانے کے بعد رزیڈنسی کی تحریک سے یا خود ملک کے حالات کے لحاظ سے رفاہ عام کی مختلف تحریکیں سامنے آئیں اس میں مناسب رقمی تعاون کیا جاتا ۔

طغیانی رود موسی کے بعد اسکی ریلیف کمیٹیوں کو مہا راجہ آنجہانی نے قائم کیا تھا اور اس میں اپنی صدارت سے پوری جدوجہد کی کہ طغیانی کے مصائب کو جہاں تک ممکن ہو جلد دور کیا جائے اور اسی کے ضمن میں بیت المعذورین اور بیت المجذومین کے متعلق بھی ان کی توجہ منعطف رہی اور یہ کہا جاسکتا ھے کہ مہا راجہ مرحوم نے طغیانی رود موسی کے ضمن میں سرکاری طور پر رعایا کے مصائب کو مجموعی طور پر دور کرنے اور سرکاری انتظامات کو مختلف سررشتوں کے اشتراک سے انجام دینے کی ایک بہترین مثال قائم کی پھر طاعون جب حیدرآباد میں شائع ہوا تو اس وقت بھی اسی کے نقش قدم پر مجتمع طور پر کمیٹیاں حکام سرکاری و پبلک کے اشتراک سے کام کرنے لگیں ۔

مدار المہامی کے زمانہ میں بھی طغیانی رود موسی کے بعد مہا راجہ نے طبقہ امرا میں اجتماعیت پیدا کرنے کی جدوجہد کی نوبل کلب انہوں نے قائم کرائی اور اس میں امرا اور جاگیرداروں کو شریک کرایا اور یہ کلب فتح میدان کے سامنے قائم ہوئی اب جہاں مدرسہ عالیہ کا بورڈنگ ھے ۔ اکثر مہا راجہ کلب میں آتے کلب کے تفریحی مشاغل سے قطع نظر اس پر بھی غور و خوض ہونے لگا کہ ملک کے رفاہ عام کے امور میں اور خود جاگیر داروں کی صلاح و فلاح میں سب مل کر حصہ لیا کریں چند دن اس کا کام جاری رہا پھر مرجھا گیا ۔

مدار المہامی سے سبکدوشی کے بعد مہا راجہ ایک حد تک آزاد ہوگئے تھے اور اس زمانہ میں ہندوستان کے سیر و سفر کا بھی انکو موقع ملا اور انہوں نے قومی تحریکات میں اب زیادہ حصہ لینا شروع کردیا ۔ سیاحت ہندوستان کے وقت بعض اداروں کی جانب سے ان کی خدمت میں سپاس نامہ گذرانے جاتے اور ان اداروں میں ان کو تشریف فرمانے کی دعوت دی جاتی اور اس میں مہا راجہ شامل ہوتے اور جوابات دیتے اوس کا تفصیلی تذکرہ سفر ناموں میں فرمایا ھے ۔ بعض رسالوں میں اور اخباروں کو قومی مباحث و تاریخی حالات ملک کے متعلق مضامین روانہ کرتے اور جو مضامین لکھے ھیں ان کو کتابی شکل میں شائع فرمایا ھے ۔ چوں کہ ہندوستان میں پبلک جدوجہد ہر قسم کی فروغ پارھی تھی فرقہ واریت بھی ناگواری دکھا رہی تھی مہا راجہ آنجہانی اپنی تقریروں اور مضامین میں اتحاد قومیت پر زور دیا کرتے ۔ مسلم و ہندو بانیان مذاھب و اکابر ین قوم کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے اور ملک و قوم کو سابق کے حالات پر توجہ دلاتے ہوئے قومی اتحاد کی جانب متوجہ کرتے رھتے ۔ حیدرآباد کی بھی بعض پبلک تحریکات میں تعاون سے کام کیا ھے پبلک جلسوں اور کانفرنسوں میں بھی شرکت کی ۔ صدر اعظم ہو جانے کے بعد پبلک تحریکات ملک میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کی تحریک امداد باھمی میں مہا راجہ کا بہت بڑا حصہ رہا ھے ۔ مختلف سرکاری

جلسوں میں وہ شامل رہتے اور امداد باہمی کی تحریک کو فروغ دینے کے لئے بڑی حدتک متوجہ کرتے یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ حیدرآباد میں اتحاد باہمی کی تحریک کو جو تقویت ہوئی وہ سہا راجہ آنجہانی کی سرپرستی کی بدولت ہوئی - اور اضلاع کا دورہ کرتے ہوئے بھی پبلک تقریرین فرماتے اور جو تحریک اچھی ہوتی اوس کے لئے بہترین صلاح و مشورت دیا کرتے بہر حال زمانہ صدارت عظمی میں سہا راجہ نے اوسی طرح پبلک تحریکوں کی سرپرستی کی جیسے کہ برٹش انڈیا میں گورنر صوبہ وغیرہ دلچسپی لیا کرتے ہیں اور یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ حیدرآباد کی پبلک لائف امور رفاہ عامہ کی تقویت میں سہا راجہ نے زمانہ صدارت عظمی میں بہت کچھ کام کیا ہے طبقہ امرا کو بھی اونہوں نے مجتمع کرنے میں اور مجلس جا گیر داران کو قوی بنانے میں تا امکان تعاون کیا مگر چونکہ سہا راجہ کی حکمت عملی یا پالیسی یہی تھی کہ ذمہ دار صدرالمہاموں اور افسران اعلی کی آرا سے اختلاف نہ کیا جائے اس لئے وہ حکومتی پالیسی میں جو جا گیر داروں اور امرائے عظام کو پابند کرنے اور اون کے حقوق کو کمتر کرنے کی ہو رہی تھی اوس میں تغیر پیدا نہ کرسکے اور قسمت کا لکھا پورا ہو کر ہی رہتا ہے -

صدارت عظمی کے زمانہ میں نسوانی تحریکات میں بھی جو ملک کی عورتوں کو معاشرتی سختیوں سے آزاد کرنے اور آزادی دلانے اور صنف نازک کو قومی جدوجہد میں حصہ لینے کے لئے ہو رہی تھی اوس میں بھی تقویت سہا راجہ آنجہانی کی سرپرستی کی وجہ سے حاصل ہوئی اپنی نوجوانی میں وہ سوسائیٹی کے قدیم رواج کو عورتوں کے متعلق پسند کرتے تھے - مغلیہ ثقافت صنف نازک کو جن بندشوں میں پابند رکھی ہوئی تھی اوسکو سہا راجہ بھی پسند کرتے تھے مگر اب اس دور میں اون کے خیالات میں حالات زمانہ سے انقلاب ہوگیا تھا اب وہ آزادی نسواں اور اون کی تعلیم اون کی سوشیل حالت میں اصلاح اور پردہ کے تشدد کو کم کردینا اور عورتوں کی اعلی تعلیم ان سب کو وہ پسند کرنے لگے تھے -

صدارت عظمی کے متعلق انگریز اعلی حکام و عائدین جو حیدرآباد میں مامور ہوئے یا حیدرآباد کی سیر کو آتے اون سے سیاسی معاملات اور ہندوستان کے مستقبل پر بھی گفتگو آتی خط و کتابت بھی ہوتی سہاراجہ کی رائے اعتدال کو ملحوظ رکھنے کی طرف مائل تھی -

---

باب ششم

مشاہیر سے تعلقات اور خط و کتابت

مہا راجہ کشن پرشاد ادبی اور قومی معلومات میں مراسلت و مکاتبت حیدرآباد اور بیرون حیدرآباد بھی جن دوستوں اور متعارفین سے فرماتے تھے اس کا بڑا حلقہ تھا ان میں سے بعض وقتیہ اور بعض سے ہمیشہ خط و کتابت رہا کرتی تھی مہا راجہ کشن پرشاد کی دیوڑھی میں ان کے شخصی کاغذات میں باہمی خط و کتابت کے کیثر ذخایر موجود ہیں ۔ رقعات شاد سنہ ۱۳۱۷ف میں شائع ہوا ہے ایک دوسرا اڈیشن پھر شائع ہوا اس میں مہا راجہ کشن پرشاد آنجہانی کے شخصی مکتوبات کا انتخاب سنہ ۱۳۱۵ھ تک کا ایک حدتک شامل ہے مگر جوابات مکتوب الیہم شامل نہیں ہیں اوس کے بعد چالیس پینتالیس سال تک مکتوبات کا سلسلہ سال بہ سال بڑھتا ہی چلا گیا خصوصاً مدار المہامی سے سبکدوشی کے بعد اور وہ زیادہ ترکسی اہل حاجت کی حاجت روائی پر مبنی ہوتا تھا تاہم اوسکو چھوڑ کر بھی دوستانہ تعلقات اور معاشرتی ۔ ادبی ۔ سیاسی حالات ملک پر مکاتبت کثرت سے موجود ہے ۔

اس کا پورا پورا انتخاب تلاش محنت اور وقت کا طالب ہے تا ہم کچھ نہ کچھ انتخاب باہمی مکاتبت کے متعلق کر دینا اس تذکرہ کے لئے لازمی چیز ہے اور اسکو ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

اقبال | اقبال سے مہا راجہ کشن پرشاد کے انتہائی دوستانہ تعلقات ہوگئے تھے مہا راجہ اور اقبال کے باہمی مکتوبات کو ڈاکٹر غلام محی الدین صاحب زور نے بڑے اہتمام کے ساتھ اسٹیٹ مہا راجہ کشن پرشاد کی سرپرستی سے شائع کردیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے بجائے خود اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ کسقدر مخلصانہ تعلقات دونوں

کے درمیان بلا کسی تعصب مذہب قائم تھے - اور کس طرح دونوں ایک دوسرے کے فن و کمال کے معترف تھے -

نواب عماد الملک | نواب عماد الملک سے سہا راجہ کشن پرشاد کے روابط تقریباً ۴۰ - ۵۰ سال کے عرصہ تک انتہائی اخلاص اور ارتباط کے ساتھ قائم رہے ملاقات بھی ہوئی اور خط و کتابت بھی نواب عماد الملک کی اپنے زمانے کے بہترین عربی و انگریزی کے ادیبوں میں سے تھے اور انھیں نواب سالار جنگ اول کے زمانے سے اپنے آخر وقت تک رئیس کی قربت اور پرانے امرائے عظام کی صحبت حاصل رہی انکے طرز تحریر اور طریقہ مکاتبت اور اس کے ساتھ سہا راجہ آنجہانی کی ادبیت دونوں کی بلند اخلاقی بلند نظری اور حیدرآباد ہندوستان کے ان دو جلیل القدر اکابرین کے مخلصانہ تعلقات جذبہ قومیت و ثقافت مشترکہ کا اظہار کرتے ہیں - مکتوبات اقبال و شاد کی طرح یہ مکتوبات بھی اپنے اندر گوناگون دلچسپیاں رکھتے ہیں -

مائی ڈیر نواب عماد الملک بہادر ۲۶ - صفر سنہ ۱۳۳۴ھ

محبت نامہ مجھے ملا بجائے اسکے کہ یاد آوری کا شکریہ ادا کروں آپکی اس مخلصانہ عنایت کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں آپ نے اپنی نیکدلی اور فطرتی ہمدردی سے مجھے بھی ابنائے جنس کی ہمدردی کا اہل سمجھا اور اس کار خیر میں شریک کرکے داخل حسنات کیا جو میرے خیال میں نہ تھا - میں نہایت خوشی بلکہ آپ کے شکریہ کے ساتھ سو روپیہ کلدار آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں - مزید محبت بہ ہمیں نمط مستدام باد

راک لینڈ سیف آباد حیدرآباد دکن ۱۷ - جنوری سنہ ۱۹۱۶ع

عالی جناب سہا راجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ ابدت مبالہم و بورکت ابالہم ولیلہم

جناب عالی کے عنایتی سو روپیہ کی رسید ملفوف ہے - رسید کے ساتھ جو خط بندہ کے نام آیا ہے اس میں نہایت مشکوریت اور احسا نمندی جناب عالی کی درج ہے - اس سو روپیہ سے ایک مہینہ کے عرصہ تک سو آدمیوں کی جانیں بچ جائینگی -

یہاں کسی اور کے پاس انکی اپیل بھیجنا محض بے سود ہے - کوئی کچھ دینے والا نظر نہیں آتا اور ہم جیسے لوگوں سے دو دو چار چار روپیہ جمع کرنا بڑے دقت کا کام ہے جسکی نہ بندہ کو فرصت ہے اور نہ طاقت - خداوند عالم ان بیچاروں پر رحم کرے جو ہزارہا کی تعداد میں فاقے کررہے ہیں اور فاقوں سے مر رہے ہیں - زیادہ کیا عرض کیا جائے فقط

بندہ

سید حسین بلگرامی عماد الملک

راک لینڈ سیف آباد حیدرآباد دکن

عالی جناب مہا راجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنتہ بہادر ابدت معالیہ و بورکت امالیۃ و لہلیہ ۔

جناب عالی کے الطاف نامہ نے نہایت مشرف و خوش وقت فرمایا ۔ جن کلمات عنایت و محبت آمیز سے جناب عالی نے بندہ کو یاد فرمایا ہےوہ محض جناب عالی کے دیرینہ التفات و عنایت کی دلیل ہیں ورنہ کہاں یہ ناچیز اورکہاں یہ صفات مگر اس میں شک نہیں کہ جناب عالی کے ارشاد کا بندہ بھی ہم زبان ہے کہ دنیا میں فقط ایک ہی رویہ ھی جو آدمی کو منزل مقصود تک پہونچا سکتا ہے اور وہ بقول جناب ان دو جملوں میں مخزون ہے - (To do good to be good)

اگر اس پر عمل ہوسکے تو کیا کہنا ہے ۔

جناب عالی نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ حضرت ۔ خداوند نعمت نے غریب پیارےلعل شاکر کے حق میں کسقدر فیاضی فرمائی ہے ۔ بندہ نے ڈرتے ڈرتے پانسو حالی کی سفارش کی تھی مگر دست فیض ظل اللہ سے ہزار روپیہ کلدار عنایت ہوئے ۔ اسی طرح سے ایک مرتبہ ایک بڑے عالم و فاضل شخص کی جو خود مع اہل و عیال فاقہ پر فاقہ کر رہے تھے اور جس کا دار مدار اس قلیل اعانت پر جو مجھ جیسے مفلس قلاچ لوگ پہونچا سکتے تھےبندہ نے پچیس‌تیس‌روپیہ ماہوار از مد خیرات‌ومبرات‌کی سفارش کرنے کی جرأت‌کی تھی مگر حضرت خداوند نعمت نے مراحم خسروانہ سے پچاس روپیہ ماہوار مقرر فرمادی ۔ اس قسم کے اور بھی واقعات گزر چکے ہیں ۔ در اصل خداوند عالم و عالمان نے ہمارے بادشاہ کے دل میں (To do good) کا اصول مخزون و مکنون فرما دیا ہے ۔ خدا انکو سلامت رکھے اور عمر طویل عنایت فرمائے ۔ مجھے مدت سے واقفیت ہے کہ جناب عالی میں بھی وہی مادہ ہے اور یہی وجہ ہےکہ ہمیشہ قرض دار رہے اور رہیں گے ۔ مگر ضرور بالضرور اس کا اجر پاکر رہیں گے ۔ زیادہ کیا عرض کیا جائے ۔ فقط

آپکا قدیم بہی خواہ

سید حسین بلگرامی عماد الملک

تاج محل پیالیس ہوٹل بمبئی ۱۴ ۔ صفر سنہ ۱۳۳۰ ھ

عالی جناب مہا راجہ بہادر یمن السلطنتہ ابدت معالیہم و بورکت ابالیہم و بہالیہم

تمبا کو عنایتی جناب عالی پہونچا ۔ نہایت مشکور ہوا ۔ انشا اللہ تعالےٰ بعد استعمال کے عرض کرونگا ۔ جناب والا ہمیشہ اس غریب ناکس کو اپنا دلی دوست اور بہی خواہ سمجھتے ہیں ۔ اور تکیہ ہمیشہ اپنے پرور دگار پر رکھیں ۔ لوگوں کو بوجہ امید ھی اوس سے ۔ باقی ہوس ۔ فقط

بندہ درگاہ

سید حسین بلگرامی

۲۴ - ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ

جناب من شاد نواز

تسلیم - آپکا محبت نامہ پہونچا اسکے ساتھ جس خاتون کا خط منسلک تھا اس کو بغور دیکھا اس میں شک نہیں کہ کوئی مذهب والے کیوں اور کوئی قوم والے کیوں نہوں قدرتی نیکیاں ودیعت ہوئی هیں اور وہ ان نیکیوں کی بدولت زندہ جاوید اس دنیا میں اپنا نام چھوڑ جاتے هیں اس کا اعتراف بلا کسی ملت و مذهب کے تعصب کے ماننا پڑتا هے اس نیک خاتون کے اعلی خیالات اور انکی وہ دلی همدردی جو بنی آدم کے ساتھ هے اور جسکے خط کے هر هر لفظ سے بوئے محبت اور یگانگت کا اظہار هوتا هے وہ قابل قدر هے - انکے جو اصول فطرتی همیشه سے هیں اور وہ باقی رهیں گے - ممکن نہیں کہ دوسروں میں وہ سب خوبیاں یکجا جمع هوسکیں -

یہ فقیر حقیر آپکے نوازشات اور دلی خلوص کا همیشه سے ممنون هے اور انشاء اللہ تعالی خدا توفیق دے کہ میں اپنی زندگی تک اس تشکرو امتنان کو نباہ سکوں -

بمبئی میں میرے دو بچے ایک لڑکا اور ایک پوتا نمونیہ سے سخت علیل هوگئے تھے جسکے باعث مجھے چندے وهاں قیام کرنا پڑا فضل الہی شامل حال تھا کہ دونوں صحت پائے فوراً انکو لے کرورنگل پهونچا - میرے آنے کے قبل میری دو لڑکیاں اور انکے شوهر تارا چند - میر خورشید علی یہاں روانہ کردئے گئے تھے - میرخورشید علی کی بیوی یعنے میری دوسری لڑکی کی ورنگل پهونچتے هی زچگی هوئی - لڑکا هوا - پرسوں میری چوتھی بیوی کو ایک لڑکی هوئی یہ بھی سب بفضلہ خیریت سے هیں -

اعلی حضرت کا پھر قصد بمبئی جانے کا معلوم هوتا هے - شاید مجھے بھی پھر جانا هوگا - یقین هے کہ آپ بھی ضرور تشریف لائینگے - انشاء اللہ وهاں آپ سے ملاقات کی مسرت حاصل کرونگا حال میں بندے نے ایک فارسی غزل لکھی تھی جسکی نقل منسلک هذا هے - بنظر اصلاح دیکھیں - یقین هے کہ جناب اور مسز عماد الملک بہادر خیریت سے هونگے - براہ کرم مسز عماد الملک بہادر کو میرا سلام پهونچا دیا جائے -

نقل غزل

دلا تا چند حرص دین و دنیا شرم وار آخر — بشو یکسو هوائے این وان ازسر برار آخر
صبا آورد پیغامی وصال آن نگار آخر — اشارت بابشارتها رسیداز کوئے یار آخر
بینوش وهم بنوشان ساغری کان پرزمی باشد — کہ وقت فرصت و روز بہار آید بکار آخر
بذات او فنا شواز بقائے خویشتن بگذر — بجز این رہ نخواهدشد وصال آن نگار آخر
بہ پیچ سنبل باغ جهان سرگشتگی تاکی — بہ عجلت گیر از همت سر زلف نگار آخر
بملک عشق چوں منصور الحق کارفرما شد — بجوش آید انا الحق گفت وهم آمد بدار آخر
رسیدی بردر مقصد نشستی بر سر مسند — دعائے صبحگاهی شاد می آئید بکار آخر

راک لینڈ سیف آباد حیدرآباد دکن ۲۳ ۔ جنوری سنہ ۱۹۱۲ ع

عالی جناب مہا راجہ سر کشن پرشاد بہادر و عزت معالکہم و بورکت اعالیکہم ولیالکہم

جناب والا کے مرحمت نامہ نے مشرف کیا ۔ غزل واقعی نہایت پر مغز ہے ۔ خدا کرے مقطع کا شعر فال نیک ثابت ہو ۔

جناب والا نے مس ٹریلائی کی نسبت جو ستایشی الفاظ تحریر فرمائے ہیں سب درست و بجا ہیں ۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت شاذ و نادر ملتے ہیں ۔ ان میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اعلی درجہ کے اخلاق صفات کے ساتھ عالی خاندان ۔ صاحب علم ۔ ہوشیار ۔ صاحب عقل ہیں ۔ مسز عماد الملک کے قدیم دوست ہیں اور مجھ غریب سے بھی بہت محبت رکھتی ہیں ۔

ان کا ایک خط آخری میل میں آیا تھا اور اسکے ساتھ ایک کاغذ جناب والا کے ملاحظہ کےلئے ملفوف تھا اسکو اس فراغت نامہ کے ساتھ ملفوف کرتا ہوں ۔

جتنے دل خوش کن خانگی واقعات کا آپنے ذکر فرمایا ہے ان پر میں مبارکباد عرض کرتا ہوں ۔ شکر کا مقام ہے کہ خدا کا فضل شامل حال اور نہ فقط مریضوں کو صحت کامل حاصل ہو گئی بلکہ خاندان والا میں لائق شکر ایز دی اضافہ ہوا ۔

اعلی حضرت خلد اللہ ملکہ کی بمبئی یا مدراس یا الوال تشریف لےجانے کی مختلف خبریں مدت سے مشہور ہیں مگر ابھی یقینی طور پر ارادہ اقدس و اعلی کسی کو معلوم نہیں ہوا ۔ جناب والا کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی کا قصد مسلم ہو گیا ہے ۔ اگر سواری مبارک بمبئی تہنیت افروز ہوئی اور بندہ کو بھی حکم ملا تو ضرور حاضر ہوگا ۔

مسز عماد الملک آداب تسلیم عرض کرتی ہیں ۔ یہاں بہمہ وجوہ خیریت ہے طاعون کم ہو رہا ہے ۔ سردی گھٹ رہی ہے ۔ کل اور آج صبح کے وقت تھرماسیٹر(۶۲) درجہ پر تھا دو چار روز قبل (۵۴) اور (۵۶) کی نوبت تھی ۔ اسکے مقابلے سے اب کسی قدر موسم گرم ہے مگر ابھی اور حرارت بڑھے گی اور اسی حساب سے طاعون بھی گھٹتا جائیگا ۔

زیادہ ایام دولت و شادمانی بکام باد

بندہ درگاہ

سید حسین بلگرامی عماد الملک

جناب من شاد نواز۔ تسلیم ۲۳ - جنوری سنه ۱۹۱۷ ع

وصول محبت نامه موجب مسرت ہوا ۔ غزل کی داد کا شکریه ۔ بالخصوص مقطع کی نسبت جو دعائیه جمله آپکے قلم سے نکلا ہے آپ کا حسن ظن ہے ۔ مگر بنده تو اب اس مسند کی خواہش میں ہے جس مسند کو زوال نہیں ۔

بندگان عالی خلد الله ملکه کی سواری مبارک آج شام کو تہنیت فرمائے بمبئی ہو گی۔ سامان وغیره کی اسپیشیل پرسوں ہی روانه ہوچکی ہے ۔

میرے لئے بھی فرمان ہوا ہے که غره ماه فروری تک حاضر بمبئی ہوں ۔ چونکه گزشته موقع پر مکان دلخواه دستیاب نہونے سے انواع اقسام کے مصائب کا سامنا ہواتھا اس وجه سے میں نے اکثر احباب کو ٹیلیگراف دے رکھے ہیں اور اپنے مہتمم کارخانه جات کو بھی کل روانه بمبئی کرچکا ہوں ۔ ڈبوں وغیره کا انتظام کرکے پا بر کاب ہوں اگر آج یا کل میں حسب خواہش مکان کے انتظام کی اطلاع آگئی تو انشا الله تعالے شنبه کو ورنه اور ایک دو روز بعد روانه ہونگا ۔

خدا کرے که آپکی بھی جلد یاد ہو اور میں آپ سے ملکر مسرت حاصل کروں ۔ بلده میں اس مرض ملعون کی کمی کے آثار سنکر سجده شکر ادا کیا ۔ شافی مطلق و قادر برحق اپنے فضل کرم سے جلد نجات کلی عطا فرمائے ۔ حکیم میر احمدعلی صاحب کے ساتھ دو کاغذ میں نے بھیجے ہیں ۔ ایک تو آپ کے خط کے ساتھ کا منسلکه ہے جسکو واپس کرنے کےلئے لکھا تھا ۔ دوسرا سکرٹری صاحب کا خط آپ کے دیکھنے کےلئے روانه کیا ہے ۔ آپ نے مجھے خواه مخواه ''کوئین ،، کے شکریه کا مستحق بنایا ۔ آپ کے دلی عنایت کا شکریه الفاظ سے کسطرح ادا ہوسکے گا دل سے دعائے دیتا ہوں ۔

صد و سی سال تو زنده بمانی
بصد عیش و عزت همه‌شاد مانی

نواب عماد الملک بہادر حیدرآباد از مقام قاضی پیٹھ

۷ - ربیع الثانی سنه ۱۳۳۵ هجری

جناب من شاد نواز۔

آج مولوی محمد علی صاحب صوبه دار ورنگل سے خبر وحشت اثر انتقال پر ملال آپکے نور نظر لخت جگر سید محمد ہاشم بلگرامی کی مسموع ہوئی جو میرے قدیم رفیق شفیق اور اسکول فیلو تھے ۔ بمجرد استماع شاد کے داغ کھائے ہوئے دل ناشاد پر جو کچھ اثر پڑا اسکے اظہار کےلئے الفاظ کا میسر آنا ایک طرح کا مبالغه ہے چه جائیکه آپ کے قلبی اثرات کا اندازه ۔ وه تو سوائے علام الغیوب کے کوئی کر نہیں سکتا ۔

اگرچه اس داغ کے لئے کسی وقت کسی زمانہ کی تخصیص اور قید نہیں تاہم ایک نوجوان ہو نہار لائق فائق اولاد کا صدمہ مفارقت وہ بھی اس سن و سال میں اللہ آپ کو دیرگاہ رکھے - بیساختہ میر انیس مرحوم کا قول یاد دلا تا ہے -

کیونکر نبھے جہان میں پیرو جوان کا ساتھ

پیر و جون کا ساتھ ہے تیر و کمان کا ساتھ

اس میں شک نہیں کہ انہیں غیر اختیاری حوادث کا نام زمانہ ہے اور زمانہ خود حادث ہے یہاں پر آنے والے کو جانا اس طرح لازمی ہے جس طرح ہوا کے جھونکوں کو دریا کی موجون کا غیر منقطع سلسلہ کہ یکے ہمیں و دیگر ےھمیں آید -

کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

بقا بجز ذات باری کے کس کو ہوسکتی ہے - اور جس میں حواس ظاہری سے محسوس ہوتی ہیں وہ مثل ایک امانت کے ہیں کہ جب اسکی میعاد پوری ہو جاتی ہے انسان اس سے دائمی مفارقت پر مجبور ہو جاتا ہے - اور سوائے صبر کے کوئی چارہ کار نہیں رھتا لیکن یہ صبر بھی اختیاری نہیں بلکہ صبر دینی بھی وھی حقیقی قوت اور وھی کاملہ قدرت ہے جو اس مفارقت پر مجبور کرتی ہے - اور پھر اس جدائی کے جگر سوز شعلون کو خود ھی آب رحمت کے چھینٹوں سے ٹھنڈا کر دیتی ہے -

ہم اسکے سوا کیا کرسکتے ہیں کہ اس خالق برحق و قادر مطلق کی بارگاہ لم یزال میں جانے والے کےلئے دعائے مغفرت اور باقیات الصالحات کے حق میں دعائے صبر جمیل مانگیں - اور ہر مصیبت کا استقلال کے ساتھ سامنا کرکے اذا اصابتھم مصیبہ فقالوانا للہ وانا الیہ راجعون پر عمل پیرار ہیں - اللہ بس باقی ھوس - از عالم اوھام کراغراض است اینجا نفی تغافل و اغماض است نا چند کشودہ ایم برین ساز مجبور چون جو ہر کارما ھمیں اغراض است

راک لینڈ سیف آباد   ۳ - فبروری سنہ ۱۹۱۷ع

حیدرآباد دکن

عالی جناب مہا راجہ بہادر ابدت معالیکم و بورکت ایامکم ولیا لیکم

جناب والا کا تار اور اسکے دوسرے روز مرحمت نامہ مشکین ختنامہ نے شرف ورود فرمایا - جن محبت و عنایت کے الفاظ میں جناب والا نے اس آفت رسیدہ کی تشفی فرمائی ہے وہ فی الواقع ایسے ہیں کہ ان سے خود بہ خود تسلی ہوتی ہے اور صبر و تحمل کو تقویت ملتی ہے -

میرے فرزند دلبند مرحوم سے جناب والا تو خوب واقف تھے - یہاں سارا شہر اوس کی وفات کا افسوس کرتا ہے - علاوہ اعلی علمی لیاقت کے شرافت و انسانیت کہ سارے صفات اس لڑکے میں موجود تھے فقط ایک نقص یہ تھا کہ ابتدا سے صحت کی

حالت خراب تھی اور باوجود اسکے خود کبھی اوس کے اصلاح کے طرف پوری طور سے متوجہ نہیں ہوا -

جناب والا بمبئی کب تک تشریف لیجائینگے - شاید وہان مکان کا بندوبست اس وقت تک نہیں ہوا -

یہان تو آج صبح سے لگا تار بارش ہو رہی ہے - کل بھی کچھ بارش ہوئی اور چہارشنبہ کے روز بھی - آب و ہوا یہان کی آج کل کچھ ٹھیک نہیں ہے - گو طاعون میں پرسون تک کمی تھی مگر عجب نہین کہ پھر زیادتی ہو جائے -

خدا سے امید ہے کہ جناب والا معہ متعلقین مع الخیر ہونگے - زیادہ کیا عرض کیا جائے - ایام شادمانی کام باد فقط

بندہ درگاہ

سید حسین بلگرامی عماد الملک

راک لینڈ سیف آباد حیدرآباد دکن

عالی جناب معلے القاب مہا راجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ ابدت‌معالیہ و یورکت امالیہ ولیا لیہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۷ - اپریل نے بہت بہت سرفراز کیا - چونکہ عنایت نامہ انگریزی میں تحریر ہوا تھا بندہ نے بھی اس کا جواب انگریزی میں لکھا ہے اور وہ اب اسکے ساتھ پیش ہوتا ہے -

جناب والا کوئی دن ایسا نہیں گزر تا کہ جناب کی یاد دل میں جاگزین نہ ہوتی ہو - سخت حسرت و افسوس ہوتا ہے کہ ایک مدت مدید سے جناب کی ملاقات سے مشرف نہیں ہوا - پاون کے درد نے بندہ کو اسقدر مجبور کر رکھا ہے کہ خود حاضر نہیں ہوسکتا -

جناب والا خوب جانتے ہیں کہ جسقدر وسیع و عمیق تعلق میرے دل کو جناب والا کے ساتھ ہے وہ کسی اور کے ساتھ نہیں -

بندہ کی بینائی اسقدر ضعیف ہوگئی ہے اگر اس عریضہ کے پڑھنے میں کوئی تکلیف ہو مجھے معاف فرمائینگے - زیادہ کیا عرض کیا جائے بجز دعا و نیاز -

بندہ درگاہ

عماد الملک

سید حسین بلگرامی

۳ - خور داد سنه ۱۳۳۰ ف

۲۱ - شوال سنہ ۱۳۴۴ ھ

جناب سن شاد نواز کرم فرما زاد لطفکم

جناب کا نامہ کرم مع دو کتب کے پہونچا - ممنون کیا - آپ نے اپنی قدیم مہربانیوں اور تعلقات کے لحاظ سے فقیر شاد کے متعلق حسن ظن رکھا ھے یہ آپ کے بزرگانہ اشفاق کی دلیل فقیر شاد آپ کو کیا بلحاظ سن و سال اور آپ کے خصایل حمیدہ اور مرتبہ تلمذ و نیاز مندی کے نہ صرف کرم فرما سمجھتا ھے بلکہ اپنا واجب العزت بزرگ سمجھتا ھے اس پچاس سال کے عرصے میں حیدرآباد میں جو انقلابات ہوئے اسکے اثرات بد سے محفوظ رھنا یہ آپ کی دانشمندی اور محتاط طبیعت کا نتیجہ ھے -

افسوس ھے کہ آپ کی بصارت میں کچھ نقص پیدا ھو گیا ھے اور پاون نے بھی معذور کردیا ھے یہ سب کچھ کبر سنی کا تقاضہ ھے - خداوند عالم جل شانہ کی جو مشیت ھو اس پر صابر اور شاکر رھنا ھی ھمارے لئے سعادت کا موجب ھے - اللہ تعالے آپ کو صحت و عافیت سے رکھے آپ کا وجود مغتنمات روزگار سے ھے -

فقیر کا بھی بہت جی چاھتا ھے کہ گاھے ماھے جناب کے فیض صحبت سے مستفیض ہوں مگر بار خاطر ہونے کا خیال ھر وقت سد راہ ھوتا ھے - اگر میری حاضری مخل اوقات نہیں سمجھی جاتی تو مہینے میں کم از کم ایک زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ آکر صرف آپ کی مزاج پرسی کیا کروں - یہ آپ کی مرضی پر منحصر ھے -

۴ - ذی حجہ سنہ ۱۳۴۰ ھ ۲۳ - شہریور سنہ ۱۳۳۱ ف - ۲۹ - جولائی سنہ ۱۹۲۲ ع

در دل ز تمنائے ملاقات تو شور یست

شوقت چہ نمک داد مذاق ادیم آہ

شاد نواز

محبت نامہ رقمرئہ ۱۸ - جولائی سنہ ۱۹۲۲ ع وصول ھوا باوجود اسکے کہ آپکے پانوں کے درد سے آپکی معذوری آپ کے قلم کی رفتار سے ظاھر ھے فقیر شاد اس کے یاد آوری سے شاد کام ھوا - حقیقت میں پانوں کا درد بہت تکلیف دہ درد ھوتا ھے تمام اعضائے و جوارح اس کی اذیت سے متاثر ھوتے ھیں چلنا پھرنا دشوار ھوتا ھے پھر اس پر ضعیفی - عناصر میں اعتدال نہیں قوئے مضمحل - خدائے بزرگ و برتر بصحت و عافیت بہت دن تک آپ کو زندہ و شاد کام رکھے -

تنت بہ ناز طبیبان نیاز مند مباد

وجود نازکت آردہ گزند مباد

سلامت ھمہ آفاق در سلامت تست - بھیچ عارضہ شخص تو درد مند مباد طبیعت متعلق رھیگی جب تک نوید عافیت و صحت سے شاد شاد کام نہو گا -

اقوال (حضرت علی علیہ السلام کے ترجمہ کو آپ کا پسند کرنا فقیروں کے لئے باعث نازش ہے کلمات طیبات اور ماہ کامل میں صرف ترجمہ ہے اصل قول حضرت کا نہیں ہے ۔ فقیر نے حضرت کے اشعار اور اصل اقوال اور کچھ کتابوں سے جمع کئے ہیں جنکو اردو میں ترجمہ کرکے نظم کررہا ہے انشا اللہ تعالے بعد تکمیل اور قبل طبع آپ کے معائنہ کےلئے بھجونگا ۔ وہ اشعار اور اقوال اور ان کا ترجمہ غالباً آپ پسندفرمائینگے ۔فقط

۱۰ ۔ نومبر سنہ ۱۹۲۱ع

عالی جناب معلے القاب مہا راجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ

جناب عالی کے مرحمت نامہ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں اور اسکے ساتھ متعدد تصنیفات کا عنایت ہونا اس احسان و نوازش کو زیادہ تر باعث فخر و مباہات بنا دیتی ہیں ۔ اس بندہ نا چیز کی حالت ایسی خراب ہے کہ ابھی تک نشست و برخواست دشوار ہے ۔ لکھنا پڑھنا بھی آسان نہیں ہے ۔ دیکھئے کب اس آفت سے نجات ملتی ہے۔ خط لکھنا اسقدر دشوار ہے کہ جناب والا کے عنایات کا خصوصا لذیذ عمدہ شیرنی اور تمباکو کا شکریہ ادا نہوسکا ۔ امید کہ معاف فرمایا جائیگا ۔

اس عریضہ میں اگر کچھ غلطی ہو یاصاف پڑھا نہ جائے تو وہ بھی قابل معافی ہے بندہ مجبور ہے کیا کرے ۔ فقط

ایام شاد ما نے بکام باد

بندہ درگاہ

عماد الملک

راک لینڈ سیف آباد حیدرآباد دکن ۲۱ ۔ فروری سنہ ۱۹۲۲ع

عالی جناب معلے القاب مہا راجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ ادب معالیہ و بورکت امالیہ ولیالیہ

مرحمت نامہ مشکین نامہ مع قطعہ تاریخ عروسی نے شرف ورود فرمایا ۔ شکریہ عنایات بے غایات قبول ہو ۔ قطعہ تاریخ نہایت فصیح و بلیغ ہے ۔ جناب والا توکہنہ مشق ہیں ۔ جناب والا کے قلم سے نظم یا نثر جو کچھ حوالہ کاغذ ہوتا ہے وہ عمدہ ہوتا ہے ۔

بندہ کا حال بدستور ہے ۔ پاوں میں سخت درد ہے کبھی کم ہو جاتا ہے کبھی زیادہ ۔ آجکل زیادہ درد ہے کوئی علاج فائدہ مند نہیں ہوتا ایک مرتبہ کچھ

تمباکو عنایت هوا تھا اس کا شکریہ ادا کرنا فرو گزاشت ہوگیا تھا ۔ تمباکو نہایت اچھا تھا ۔ یہاں اب خالص خوشگوار تمباکو ناپید ھے ۔

سایہ جناب عالی کم مباد

بندہ درگاہ

عماد الملک

راک لینڈ سیف آباد حیدرآباد ۱۸ - جولائی سنہ ۱۹۲۲ع

عالی جناب معلے القاب مہا راجہ سرکسشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ ابدت معالیہ و بورکت امالیہ و لیالیہ

عنایت نامہ مشکین ختامہ نے مشرف کیا اورکتاب کے دو نسخہ بھی پہونچے ۔ کلیات طبیات کا ترجمہ کسقدر عمدہ اور لاجواب ھے ۔ مسس عماد الملک اور بندہ حقیر جناب والا کے از حد ممنون و مشکور ھیں ۔

بندہ درگاہ پاون کے درد سے اسقدر معذور ھے کہ کہیں جانا نہیں ھوسکتا بلاسخت اذیت و تکلیف کے اس وقت تک کوئی دوا کارگر نہ ھوئی اور نہ ھوتی ھے اگر چہ ھر قسم کا علاج کیا ۔ کرسی پر بیٹھے ھوئے یا پلنگ پر لیٹے ھوئے دن کٹتا نہیں ۔ مہینوں سے اعلی حضرت خداوند نعمت کو سلام کرنے کی یا نذرگزارنے کی بھی نوبت نہیں آتی اور یہ شرف حاصل نہیں ھوا ۔ خیر مرضی مولا ازھمہ اولی سوائے صبر کے کیا چارہ ھے ۔

کلیات طبیات جناب امیر علیہ اسلام کثرت سے دستیاب ھوسکتے ھیں اگر جناب والا چند اور کے کلیات کو اس کتاب میں شامل کرکے دو بارہ طبع فرمادین تو ملک پر بڑا احسان ھوگا ۔ ایک صاحب نے حال میں چند کلیات طبیات کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کرکے چھپوایا ھے شاید ملاحظہ سے گذرا ھوگا ۔ مگر اوس کو جناب والا کے ترجمہ سے کوئی نسبت نہیں ھے ۔ زیادہ کیا عرض کیاجائے بجز ایں کہ سایہ جناب عالی کم مباد ۔

بندہ درگاہ

عماد الملک سید حسین بلگرامی

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی سے بھی مہا راجہ کا ارتباط تھا اور ان کے " حیات سعدی " اور " یادگار غالب " کا مطالعہ کرنے کے بعد مہا راجہ جب کہ وہ پیشکاراور وزیرفوج بھی تھے خود سبقت کرتے ھوئے جو خط لکھا ھے اسکی نقل کی جاتی ھے ۔

خال رخسار فضل و کمال خواجہ الطاف حسین صاحب حالی ۔

یہ ظاہر ہے کہ آپ سے مجھکو تعارف نہیں ۔ میں اور آپ روشناس نہیں ۔ اس بے تعارفی میں بے تکلفی ۔ یعنے چہ ۔ مگر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ۔ کان دھر کر سنئے میں نے آپکی تصنیفات سے دو کتابیں دیکھیں ایک حیات سعدی ۔(بارک اللہ) دوسری ۔ یادگار غالب (سبحان اللہ) ۔

مجھ میں نہ اسقدر استعداد ہے نہ قابلیت کہ آپکی تعریف کروں ۔ مگر یہ ضرور کہونگا کہ یہ دونوں کتابیں انمول ہیں ۔ اور آپ کا دم مغتنمات میں سے ہے ۔ خدا چشم حوادث سے بچائے ۔

میں نہ عالم ہوں نہ فاضل ۔ نہ ادیب اور نہ شاعروں میں میرا شمار ہے ۔ ایک بندہ خدا ہوں ۔ اور حضرت ظل سبحانی حضور شاہ دکن

زبان پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لئے

کا ایک ادنی جان نثار اور نمکخوار ۔

جسے شاد کہتے ہیں سب خاص و عام
وہ ہے خانہ زاد حضور نظام

ہاں اس میں شک نہیں کہ اہل کمال کے فیض صحبت سے کچھ شدبد جاننے لگا ہوں اگر یہ کہوں تو مجھی زیبد ۔

جمال همنشین در من اثر کرد
وگرنه من همان خاکم که هستم

آپ نے یادگار غالب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ (راقم کو مرزا کے کلام کے ساتھ جو تعلق آج تک برابر چلا آتا ہے اسکو چاہو اس معتقدانہ جوش عقیدت کا نتیجہ سمجھو ۔ جو انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے ۔ اور چاہو اس عقیدت کا ثمرہ خیال کرو جو نہایت زبردست شہادتوں سے حاصل ہوا ہے) میں آپ کے اخیر فقرہ سے بالکل متفق ہوں ۔ متقد مین میں (حضرت سعدی علیہ الرحمہ) اور متاخرین میں مرزا غالب مرحوم ان دونوں کے دلچسپ اور بیش بہا کلام کا والہ و شیدا ہوں ۔

اب سنئے کہ جس حالت میں آپ کو اور مجھے (غالب مرحوم) کے کلام کے ساتھ ایک دلی تعلق اور اسی دلی تعلق کی بدولت آپ کے دلچسپ تالیفات و تصنیفات نے مجھے اس بیگانگی میں بے تکلف کردیا تو یہ ذریعہ تعارف پیدا کرنے کے لئے بالکل کافی ہے ۔ کاش ابھی غالب مرحوم نہ مرتے ۔ یا انکی حیات میں میں ذی شعور ہوتا ۔

زندہ جو کبھیں ہوتے ابھی حضرت غالب
اے شاد ترے دل کی تمنا بھی بر آتی

خدا بخشے اگر مرحوم زندہ ہوتے تو میں اپنا حرز جان کرتا - ع

کجا بود مرکب کجا تا ختم

بات یہ ہے کہ جسقدر مرحوم کے تصانیف مطبوعہ کے نام آپ نے یاد گار غالب میں لکھے ہیں وہ سب مع اپنے کل تصانیف کے ذریعہ (ویلو ے ایبل پارسل) روانہ کیجئے اور جسقدر مکتوب وغیرہ مرحوم کے جیسا کہ آپ نے (یاد گار میں ذکر کیا ہے) طبع ہوتے جائیں وقتاً فوقتاً بھیجدیا کیجئے -

کیا کوئی کتاب خانہ ایسا ہے جہاں سے وقتاً فوقتاً آپ کے ذریعہ سے بغرض مطالعہ یا خریداری طلب کرسکتا ہوں - ضرور لکھئے - میری کج مج زبانی اور ٹوٹی پھوٹی اردو پر اعتراض نہ کیجئے گا والسلام فقط

شاد عفی عنہ

اس کا جواب اور بعد کے مکتوبات نہ ملسکے -

حضرت غفران مکان کی جوبلی کے موقع پر حالی صاحب کو سرکاری مہمان کے طور پر حیدرآباد طلب کیا گیا تھا نظام کلب میں مقیم ہوئے تھے - مہا راجہ کشن پرشاد اور حالی صاحب سے متعدد ملاقاتیں رہیں ایک پبلک جلسہ بھی مرزا فیاض علی خان صاحب کی کوٹھی پر مہا راجہ مرحوم کی صدارت سے منعقد ہوا تھا اوس میں اردو کے قومی اور نامور شاعر نے اپنی مشہور نظم (چپ کی داد) اپنے ہی زبان سے سنائی تھی مہا راجہ اور تمام اہل جلسہ پر سکوت کا عالم طاری تھا - نظم کے اختتام پر مہا راجہ نے تقریر کی اس نظم کا اور حالی صاحب کے کمال کی بہت کچھ تعریف و تحسین و توصیف کی تھی اور اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ اس نظم کو طلبا کے تعلیمی کورس میں شامل کرنا چاہئے -

مدار المہامی سے سبکدوشی کے بعد مہا راجہ نے جو سفر شمالی ہند کا کیا اوس کے ضمن میں ایک مرتبہ وہ پانی پت کو جہاں خواجہ بوعلی قلندر رح کا مزار اور مولانا حالی کی سکونت تھی گئے تھے حالی صاحب سے مہا راجہ کی ملاقاتیں رہیں اس کا تذکرہ مہا راجہ نے اپنے سفر نامہ میں کیا ہے -

فصیح الملک داغ فصیح الملک سے مہا راجہ کے دوستانہ تعلقات زمانہ قیام حیدرآباد میں رہے ایک مکتوب مہا راجہ رقعات شاد سے نقل کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ کس اصول پر خط و کتابت جاری تھی -

جناب من نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ دھلوی سلمہ اللہ تعالی

تسلیم ۔ نامہ شفقت اس طرح آیا جیسے باد نور دی چمن میں ۔ لفظ (آئے) کی نسبت آپ نے جو بحث کی وہ بالکل ٹھیک ہے ۔ اس کا کیا جواب دوں ۔ سوال لاجواب ہے ۔ چونکہ اب تو مادے تیار ہوچکے ۔ اور بعض اساتذہ کی مثالیں موجود بھی ہیں لہذا فی الحال رعایت فرمائیے ۔ آئندہ سے آپکی تقلید کی جائیگی ۔ اور (آئے) کے ۱۲عدد لونگا ۔ اور یہی صحیح ہے ۔ کالسکہ دودی سفر کےلئے تو ازبس موزوں ۔ حضر کے لئے (حضور پر نور حضرت بندگانعالی مدظلہ العالی کے ہمراہ رکاب ظفر انتساب اس سے بڑھکر روضہ رضوان اور باغ ارم میں لطف نہیں ۔ حق تعالی پیر و مرشد کو مع شاہزادہ جمحشم ۔ ہمیشہ مظفر و منصور رکھے ۔

خدا سے دعا ہے ہمارے حضور
سلامت رہیں پاس ہوں یا کہ دور

اگرموقع ملے تو شاہزادہ والا دودمان کی خدمت اقدس میں عرض کردیجئے کہ آپ کا جان نثار خانہ زاد شاد آداب و قدمبوسی عرض کرتا ہے اور یہ دعا دیتا ہے کہ آپ زیر ظل عاطفت حضرت ظل‌سبحانی مدظلہ العالی سلامت اور شاد ماں رہیں ظلکم ممدود و بحق ملک الودود ۔

امیر مینائی | امیر مینائی مرحوم سے اس وقت سے خط و کتابت تھی جب وہ رامپور میں مقیم تھے ان کے موسومہ دو خط شامل کئے جاتے ہیں کہ ان کی حیدرآباد میں غریب الوطنی میں انتقال ہونے پر ان کے فرزند نواب اختر یار جنگ مینائی کو جو تعزیت نامہ لکھا ہے وہ شامل کیا جاتا ہے ۔

سرمائہ نازاسیر منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی سلمہ اللہ القدیر

خیابان آفرینیش چوٹ کھائے ہوئے دلوں کےلئے نشتر ہے اور نشتر کا لطف وہی جانتے ہیں جو جانتے ہیں ۔ اور اسکو خضر راہ معرفت وہی پہچانتے ہیں ہیں جو پہچانتے ہیں ۔

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجاست
نہ ہر کہ سر تبرا شد قلندری داند

مصرعہ پسندیدہ ۔ لولاک لما خلقت الافلاک کی تفسیر ہے بین السطور کہکشاں تو ایک بیت شگرف بدر منیر ہے بے غائیلہ ریب ۔ آپ یادگار اسیرو مصحفی ہیں ۔ آپ کے کلام کا نور فوق النظر ہے ۔ تو جادو بیانی کا حسن برشتہ وگلو سوز فوق السماء ہے۔ ما شاء اللہ اصناف سخن پر آپ قادر ہیں یہ کیا کم کمال ہے تعریف میں یہ شعر کافی ہے ۔

اہل ہنر کی شاد ہو تعریف کس طرح
موتی کلام ہے تو وہ بحر کمال ہیں

شاد عفی عنہ

یکہ تاز عرصہ سخن منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی سلامت

آپکی علالت مزاج نے اس میں شک نہیں کہ آپکے دوستوں اور جوہر شناسوں کے دلوں کو پژمردہ کردیا تھا ۔ بارے شکر آلہی کہ پنڈت سرشار صاحب نے یہ مژدہ طرب انگیز سنایا کہ اب آپکے چاروں عناصر میں اعتدال ہے علالت رو بصحت ہو رہی ہے مگر ضعف باقی ہے ۔ خدا نے چاہا تو شفا جلد حاصل ہو جائیگی ۔ ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

آپکے حیدرآباد آنے کے قبل ہی میری آنکھوں کو انتظار اور کانوں کو اشتیاق تھا کہ آپ کو دیکھوں اور آپ کا کلام سنوں ۔ انشاء اللہ تعالے اب وہ وقت قریب آ جاتا ہے ۔ اللہ تعالے آپ کو شفائے عاجلہ عطا فرمائے ۔

کما قال الشاد

قطعہ

یہ علالت خدا کی ہے حکمت | ہے زکوۃ بدن یہ بیماری
ویسے بیمار کے لئے صحت | رنج کے بعد جس طرح ہے خوشی

شاد عفی عنہ

مہربان منشی لطیف احمد صاحب اختر مینائی

آپکے والد بزرگوار امیر احمد صاحب مینائی جنکو پرسوں تک سلمہ اللہ تعالے لکھا کرتے تھے آج خدا بخشے مرحوم لکھے جاتے ہیں ۔ انکی بے وقت اور غریب الوطنی کی موت نے ایک عالم کو ناشاد کردیا ۔ اس میں شک نہیں کہ اس جامعیت کا مقدس سچے مسلمان اور استاد کا ہمیشہ کےلئے آنکھوں سے اوجھل ہونا قیامت کا سامنا ہے ۔ مجھے مرحوم کی وفات نے بہت صدمہ پہونچایا ۔ افسوس ہے کہ صورت بھی نہیں دیکھنے پائی ۔

جینے والوں کو انکی ملاقات اور دیکھنے کا جو اشتیاق تھا اس پر اندازہ ہوسکتا ہے کہ مرنے والے کے آرزو سند دل پر کیا کچھ محشر بپا ہوا ہوگا ۔ مگر ہر بشر کو مجبوری ہے ۔

نیست در گلشن اسباب جہاں رنگ ثبات * ہمہ از دیدہ ہمچو نظر می گذرد
چوں نفس خانہ بر سنیم نداریم آرام * عمر آسودگی ما بسفر می گذرد
سوائے اسکے کہ انسان افسوس کرے اور کیا ہوسکتا ہے ۔

آپکے دل پر جو صدمہ گذرا اس کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا ۔ مگر در حقیقت صبر کرنا گویا اپنے اوپر جبر کرنا ہے ۔

اللہ کی مشیت میں بشر کی کیا قدرت چل سکتی ہے اس لئے مجبوری ہے اور مجبوری

ھی کا نام صبر ہے ۔ یہ سفر سب کو در پیش ہے۔ اللہ تعالے آپکو اور مرحوم کے باقیات صالحات کو صبر عطا کرے ۔ ان اللہ مع الصابرین فقط

شاد عفی عنہ

پنڈت رتن ناتھ سرشار | پنڈت رتن ناتھ سرشار مہا راجہ کی سرکار میں سال ھائے سال متوسل رہے اور مہا راجہ آنجہانی کی تالیفات اور شاعری میں ان کا اثر بھی نظر آتا ہے ان کا موسومہ ایک خط بھی بطور نمونہ اس کتاب میں شامل کیا جاتا ہے ۔

سرشار ذی وقار پنڈت رتن ناتھ صاحب

مجھے آپکی اس رائے سے کہ طرز کا لفظ مونث ہے ضرور اختلاف ھوتا اور میں تعجب کرتا کہ اتنا بڑا طبیعت دار آدمی اور طرز کی جمع طرزیں لکھے ۔ سنا تو یوں ھی ہے ۔ کہ انکی روش ۔ انکا رنگ ۔ آپکا طرز۔ آپکا رویہ ۔ مگر جب آپ نے اپنے استاد گرامایہ تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خان اسیر لکھنوی ۔ اور جہاں استاد فصیح الملک بہادر داغ دھلوی اور منشی امیر احمد صاحب مینائی لکھنوی کی مثالیں دین کہ وہ طرز کو مونث باندھتے ھیں تو پھر آپ گنجائش اعتراض یعنے چہ ۔ لیکن پنڈت جی اچھی طرز کہنا کانوں کو اچھا نہیں معلوم ھوتا ۔ اور اسکے تو آپ قائل ھیں کہ اھل لکھنو آجکل طرز کو بالا تفاق مذکر بولتے ھیں ھاں صاحب خوب یاد آیا ۔ آپ نے بند جو بطرز مراثی تصنیف کئے ھیں مجھے روضہ شریف میں دکھائے تھے ان میں سے ٹیپ کا شعر مجھے یاد ہے آپ کہتے ھیں ۔

ھو سب کو عشق میر سے کلام نفیس کا
ھر شعر میں ھو طرز دبیر و انیس کا

بندگی ۔ پنڈت جی ۔ اب کہئیے آپ نے طرز کو مذکر باندھا ہے یا نہیں ۔ اور آپ اس کو کیا کیجئیے ۔ پبلک کا میلان طبع ھی آجکل یہ ہے ۔ اگر برانہ ما نو تو ایک بات کہوں۔ میں نے ایک ٹیپ کے مصرع ثانی میں ایک لفظ بدلدیا آپ نے لکھا ہے ۔

ھر شعر میں ھو طرز دبیر و انیس کا

میں نے یوں بدل دیا ۔

ھر شعر میں ھو رنگ دبیر و انیس کا

میرا خدا اور میں کہ یہ بطریق اصلاح نہیں ہے ۔ ایک بات ذھن میں آئی لکھدی اس وقت ایک شعر یاد آیا ۔ کان دھر کر سنئیے ۔

آلہی نرم گرداں از کرم دلہاے خوباں را
وگرنہ عشق را ناپید کن یا عشق بازاں را

بارک اللہ ۔ اس کا لطف روکھے پھیکے آدمیوں کو نہ آئیگا ۔ ھائے اس کا لطف کوئی چوٹ کھائے ہوئے دلوں سے پوچھئے ۔ خدا نے کس عاشق تن کا شعر ہے ۔ تشنہ دھلوی کا بھی ایک شعر یاد آیا ۔ اللہ میاں کی طرف مخاطب ہوکر کہتے ہیں ۔

تشنہ
کیوں بتوں کو حسن بخشا تھا جو ہم بھولے تجھے
منصفی اے داور روز قیامت چاہئے

اب مطب میں جاتا ہوں ۔ خدا حافظ فقط

شاد عفی عنہ

مکاتبات امرأ وحکام وغیرہ مہا راجہ آنجہانی کس طرح اپنے ہمعصر امرا اور حکام سے تعلق رکھتے تھے اوس کے اظہار کے لئے بطور نمونہ چند مکتوبات مہا راجہ کو نقل کیا جاتا ہے ۔

(۱) نواب وقار الامرأ نواب وقار الامرا مرحوم مدار المہام وقت تھے اون کی مدار المہامی میں مہا راجہ وزیر فوج اور پیشکار تھے اگرچہ بعد میں باھمی رنجش پیدا ہوگئی تھی اون کے موسومہ دو مکتوبات یہاں درج کئے جاتے ہیں ۔

ایک میں اون کو کے ۔ سی ۔ آئی کے خطاب پر مبارک باد دی ہے اور دوسرے میں ملاقات کےلئے وقت معین کر رہے تھے ان دونوں خطوط سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم ثقافت اور تہذیب میں کس طرح ایک دوسرے کا احترام کیا جاتا تھا اورشخصی رنجش اور نا گواری نظر انداز ہو جاتی تھی ۔

نواب صاحب والا مناقب عنایت فرمائے دوستان کرم فرمائے مخلصان نواب سروقار الامرا بہادر دلم عنایتہ مبارک خطاب سر وقار الامرائی ۔ کے ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ نے جس طرح زمانہ میں سربرآوردہ کیا ہے اس عزت کی وھی نسبت ذاتی ہے جو کہ سر کو جملہ جوارح انسانی سے ہے ۔ خداوند عالم آپ کو سرکاربن کی قدر دانی و قدر افزائی سے بلند رکھے ۔فقط

شاد عفی عنہ

نواب صاحب والا مناقب عنایت فرمائے دوستان کرم فرمائے مخلصان نواب سروقار الامرأ بہادر دام عنایتہ

بعد تسلیم و تمنائے حصول مواصلت نوکر یز قلم ہوتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ پہونچا ۔ تشریف آوری کی خبر سے مسرور کیا میری ھمت متقاضی نہیں ہوتی کہ آپ کو تکلیف دوں ۔ مگر آپ اس دلی اتحاد سے تشریف فرما ہونا چاہتے ہیں تو مجھے صرف اسقدر کہنا کافی ہے ۔

خوشا وقتے وخرم روز گارے
کہ یارے بر خور داز وصل یارے

زحمت نہو تو جمعہ کے روز دس بجے صبح کے یا چار بجے شام کے تشریف لائیے جو منظور ہو۔

شاد عفی عنہ

نواب صاحب والا مناقب کرم فرمائے دوستان نواب شمس الملک بہادر زاد الطافہ و عنایتہ

جناب کا نامہ الطاف پہونچا ۔ اس مکتوب کی عبارت کی نیرنگی نے عجب لطف دکھایا خصوص آپ کے اس فقرے نے (میں آپ کا احسان مند ہوں کہ کئی دفعہ میرے مطالب آپ سے حل ہوئے لیکن مجھکو اب تک اسکے معاوضہ تک کا موقع دستیاب نہوا) میں حیران ہوں کہ اس مطلب کو کیا سمجھوں ۔ اگر سچ کہوں تو سچ یہ ہے کہ مجھ سے کوئی خدمت آپ کی نہوسکی اور نہ ایسے مواقع در پیش آئے جیسا آپ لکھتے ہیں ۔ اور آپ کے قول کو جھوٹ بھی نہیں کہہ سکتا ۔ مگر ہاں یہ بھی ایک شاعرانہ بلند پروازی ہے ۔ نہ مجھ سے آپ کی کوئی خدمت ہوسکتی ہے اور نہ مجھے کسی معاوضہ کی ارزو ہے ۔ مگر ہاں ہمیشہ سے یہی خیال ہے اور اب بھی اسی امر کا متمنی ہوں کہ اگر ہوسکے تو سچی اور دلی محبت کو نباہ دیجئے ۔ فقط

شاد عفی عنہ

نواب صاحب مشفق و مہربان نواب خان خانان بہادر دام لطفہ

باصغائے مژدہ صحت و اصلاح اختلاف عناصر و اعتدال مزاج و ھاج روح کو بالیدگی ہوئی ۔ باور کیجئے (اور نہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں) کہ یہ مژدہ آسائش جان ہے ۔ اور باعث تازگی روح رواں ۔

سعدی — برین مژدہ گر جان فشانم رو است
که این مژده آسائش جان است

جناب من ۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ دوست کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اسکے مختلف اعضائے ایک عضو میں جہاں کچھ تکلیف پہونچی تو پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ ۔ ع

سعدی — وگر عضو ھارا نماند قرار

دلی دوست کی بھی یہی حالت ہے ۔ بارے شکر خدا ۔ کہ آب ۔ آتش ۔ خاک ۔ باد ۔ کی بے اعتدالیوں اور انکے با ہم مختلف مزاجوں کی مخالفت کے دور ہونے سے سب کلفتیں دور ہوگئیں اور دفع قضبہ کے لئے جو جو حکمتیں سوجھیں اور کی گئیں وہ سب موثر ہوئیں ۔ حکیم مطلق اور شافی برحق ہمیشہ باعتدال عناصر آپ کو توانا اور تندرست رکھے ۔

ہے دعا شاد کی صبح و مسا * کہ رہو تا بہ حشر خرم و شاد
ہیں عدد جتنے لفظ صحت کے * تم جیو اتنے سال با دل شاد

نواب صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے دوستان نواب افتخار الملک بہادر زاد لطیفہ

مولوی محمد عبد الجبار خان صاحب آصفی نے جنکو گلدستہ علوم و فنون کہنا مبالغہ نہوگا - بجواب سہ نثر ظہوری ایک کتاب جس کا نام محبوب الکلام ہے تصنیف کی ہے اس سے انکی دستگاہ سخن کا اندازہ ہوسکتا ہے - اور وہ کتاب خاص کر مدح مبارک اور امرائے دولت آصفیہ کے اوصاف حمیدہ میں ہے - مصنف مع کتاب خدمت شریف میں حاضر ہوتے ہیں - وہ صرف اس امر کے امید وار ہیں کہ بالمشافہ وہ اس کتاب کو پیش کریں - اور آپکی قدر دانی کا تحریری صلہ پائیں - چونکہ یہ خواہش بھی انکی ذاتی تصنیف سے کم نہیں - لہذا یہاں یہ کہنا بے موقع نہوگا کہ -

تصنیف را منصف نیکو کند بیان

آپ قدردان سخن ہیں - اس لئے میں نے انکی درخواست آپ تک پہونچانا علم و سخن کے ساتھ احسان کرنا خیال کیا - زیادہ ایام شاد مانی بکام باد فقط

شاد عفی عنہ

مہربان من میجر افسر الدولہ بہادر

میرے پہلے خط نے گلبرگہ میں ضرور آپ سے ملاقات کی ہوگی - مگر عدیم الفرصتی نے آپ کو جواب دینے سے مجبور کیا - بہر حال نامہ بر کی زبانی آپکی خیرو عافیت معلوم ہوئی دل شاد ہوا -

خداوند تعالی سے امید ہے کہ حضرت ظل سبحانی مدظلہم العالی مع شاہزادہ بلند اقبال چشمش مرساد - با صحت و عافیت - مظفر و منصور مراجعت فرمائے بلدہ ہوکر اپنی پیاری رعایا اورجان نثاروں کا دل شاد فرمائیں گے -

اگر پروگرام شائع ہو تو ضرور مجھے ایک بھیجئے - روزانہ کاروبار سرکاری متعلقہ مدار المہامی میں صبح کے نو بجے سے شام کے پانچ بجے تک مصروف رہتا ہوں - پانچ بجے ذرا ہوا خوری سے دل و دماغ کو تازی ہوا دیتا ہوں - آٹھ بجے شب کے ڈنر اڑا کر ٹرانسوال کے میدان جنگ میں بویرون کی لڑائی کا سین - اور انکی عالی حوصلگی دیکھتا ہوا بیٹھا رہتا ہوں - واہ رے بویر - جان پر کھیل تو رہے ہیں - مگر انجام میں انکے خرمن ہستی پر خدا جانے کونسی بجلی کڑ کڑا کر گریگی کہ بارود کی طرح اڑجائینگے صفحہ زمین پر بویروں کا کوئی نشان بھی دکھائے تو - ع

بہ خالی بویران بخشم ٹرنسوال و بخارا را

گیارا بجے میدان جنگ سے واپس ہوکر اپنے بڈ روم میں سو جاتا ہوں پانچ بجے صبح تک بمصداق (فلک پر قدرت کی بو قلمونی کی سیر کرتا)

رهتا هوں - ادهر پانچ بجے کہ بندہ رحمت کی طرح زمین پر نازل هو جاتا ہے آنکھ کھلی تو کیا تھا - ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

پھر اپنی دنیا ہے وهی هم هیں - اورسرکاری کاروبار -

ف ۲ - شاهزاده بلند اقبال کی خدمت اقدس میں عرض کیجئے کہ خانہ زاد شاد آستانہ عالی کو بوسہ دیکر دعا کرتا ہے کہ زیر ظل عاطفت ظل سبحانی ظالکم ممد و بحق ملک الودود - حضرت داغ اور حضرت دل - داور الملک بہادر اور مولوی احمد حسین صاحب کو میرا سلام پہونچا دیجئے - ٹیپو خان بہادر کی باتیں یاد آتی هیں تو دل لوٹ جاتا ہے - خیریت سے هیں -

عثمان یار جنگ بہادر کو سلام کہئے - فقط

با فتح و نصرت جنگ باد

علم میدان فیروزی میجر افسر الدولہ بہادر آپ کے اس وقت دو خط پہونچے جن میں کل کے میرے رقعہ کا ایک جواب تھا دوسرا وہ خط تھا جن میں آپ نے اپنے محاربہ چین میں جانے کی کیفیت لکھی تھی - سپاهی کے لئے جنگ میں جانا معراج ہے - فورا مجھے خیال هوا کہ میں آپ کے اس خبر کی تفاول لوں - فی البدیہ ایک فقرہ تاریخی یاد آیا جسکو الہام غیبی اور فال نیک اور بشارت تازہ کہنا چاهئے - اس فقرہ کو میں نے اپنے خط کا عنوان اس لئے کیا کہ اس مبارک مبتدا کی خبر ہے -

انشاءالله تعالے فتح و فیروزی هو گی - خداوند عالم آپ کو حضرت پیر و مرشد حضور پرنور مدظلہ العالی کی نعلینوں کے تصدق میں فتحمند لائے -

افسوس ہے کہ همیں ایسے موقعوں میں شریک رهنا تو درکنار دیکھنا بھی نصیب نہیں هوتا - ع

بسلامت روی و باز آئی

شاد عفی عنہ

مہربان مولوی احمد حسین صاحب

الحمد لله خیریت سے هیں - عشرہ شریف شہر میں مہمان هیں - انکی مہمان داریاں بڑی دهوم دهام سے هورهی هیں - حضرات امامیہ پنجتنی نے غم حسنین میں قیامت بپا کردی ہے - یہ سب کچھ ہے مگر بقول حضرت شاد غلام و تلمیذ حضرت آصف - رباعی

اگرچہ ماہ محرم کا جملہ سامان ہے شاد * مگر قدوم شہنشہ کا دل میں ارمان ہے

حضور آئیں تو پھر شاد هو بڑی هی بہار * کہ انکے دم سے دکن غیرت گلستان ہے

شاد عفی عنہ

مہربان مولوی سید علی صاحب بلگرامی

آپ کے اعتراض کے قربان ۔ اگر اعتراض صحیح ہوتا تو میں شکریہ کے ساتھ تسلیم کرلیتا ۔ اور یہ سمجھ تا کہ خطا و نسیان ترکیب انسانی ہے اور بے عیب ذات خدا بلکہ آپ کے اعتراض کے بعد گھر آتے ہی میں نے اس مصرع کو (سکہ زد از فضل یزدان نزد من) یوں بدل دیا ۔ ع

سکہ زد فخر سلاطین زمن

لیکن آغا شوستری نے کہ عالم اجل اور مشہور فاضل اکمل ہیں یزدان زمن کو جائز رکھا ۔ اور فضل رب عرشی اس شعر پر پھڑک اٹھے ۔ اور یہ دونوں مستند عالم ہیں ۔ ایک ایرانی الاصل ۔ دوسرا محقق فرسی ۔ والسلام ۔ فقط

شاد عفی عنہ

مہربان مولوی محمد عزیز مرزا صاحب

ترکاریوں کی ہری ڈالی پہونچی ۔ یہ ترکاریاں ہیں یا کوئی سبز پوش سبز تیہ گلگون کسی پھلے پھولے درخت کی ڈالی پر جھولا جھولتی اور محبت کے پینگ بڑھا رہی ہے ۔ یا الہی یہ کس باغ رشک فردوس کی ترکاریاں ہیں کہ فردوسی بھی اگر آئے تو گل چینی کرے اور جھولیاں بھر بھر کر لے جائے

کیا نخل مراد کی ثمر باری ہے * رونق بر میز کی یہ ترکاری ہے

شاد عفی عنہ

باب هفتم

مہاراجہ کا مذہب اور ان کی رواداری

مہاراجہ کشن پرشاد کا مذہب اونکی رواداری اورمشترکہ ثقافت

مہا راجہ کشن پرشاد ہندو خاندان میں ہندو والدین سے پیدا ہوئے اور ہمیشہ اپنے ہندو ہونے اور کھتری رہنے کا تحریراً و زبانی بار بار اظہار کیا ہے ۔ آخری وصیت نامہ میں بھی اپنے ہندو اور کھتری ہونے کا اعادہ کیا ہے اور اون کی موت کے بعد اون کی نعش کی ہندو طریقہ سے ہی تحریق عمل میں آئی مگر اون کے تحریرات اور زندگی کا طریقہ عمل یہ واضع کرتا ہے کہ وہ مذہب کے متعلق اسی نتیجہ پر پھونچے تھے جس پر سری کرشن جی رام چندر جی کبیر داس ۔ گرونانک ۔ راجہ رام موھن رائے اکابران اور گاندھی جی پھونچے تھے ۔ حیدرآباد کی ہندو مسلم ثقافت میں اون کی پرورش ہوئی اور اسی میں اون کی تمام زندگی بسر ہوئی تھی اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام سے اور بزرگان اسلام سے بھی اون کو عقیدت انتہائی درجہ تھی وہ مسلمانوں کے ساتھ اونکی مذہبی صحبتوں میں شامل ہوتے رھتے اور مشایخین کے پاس جاتے اور درگاھوں میں نذر و نیاز چڑھاتے خود اپنی دیوڑھی میں مجالس قوالی وغیرہ منعقد کراتے اور فقرا کو دعوتیں دیا کرتے اور مسلمان درویش ۔ علماؑ اون کے مہمان بھی ہو کر آتے ۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح اور بزرگان اسلام کی شان میں اون کے اشعار اور منقبت وغیرہ کثرت سے موجود ھیں اور شائع بھی ہوئے ھیں اون کا ایک مشہور مصرعہ اون کے جذبات کا صحیح ترجمان ہے کہ ” مومن بھی نہیں ھوں تو میں کافر بھی نہیں ھوں“ مسلمان بزرگان کرام سے جو دعائیں وغیرہ منقول ھیں اون کا ایک مجموعہ بھی شائع کرایا ہے صحابہ کرام کے متعلق بھی اون کے مضامین وغیرہ موجود ھیں ۔ بابا گرونانک کے متعلق بھی وہ اچھے خیالات رکھتے ھیں ۔ اور یہ صاف نظر آتا ہے کہ اپنے وسیع مشرب

مطالعہ اور پھیلے ہوئے حلقہ ملاقات سے وہ وید کے بنیادی عقیدہ کے ساتھ مورتی پوجاوں کو رسمی چیز سمجھتے تھے - اگرچہ اونہوں نے ھندوں کے مقامات متبرک کی بھی سیر کی ھے اور وھاں بھی اپنی عقیدت اور احترام کا اظہار کیا ھے اور خود بھی سالانہ الوال میں مندر بالا جی کی رتھ کشی اہتمام اور دھوم دھام سے منعقد کراتے اور غیر مذھب کے افراد کو بھی جاترا کے دن مدعو کرتے دیگر مندروں اور مہنتوں کے لئے جو اونکی اسٹیٹ میں تھے رسوم و معمولات وغیرہ مقرر تھے اور رواج کی پابندی سے برھمنوں سادھوں وغیرہ کی خاطر مدارات بھی وسعت سے کی جاتی تھی - مگر یہ نظر آتا ھے کہ بتدریج وہ مورتی کی پوجا سے ھٹتے چلے گئے تھے اسکو ظاھری اور رسمی چیز سمجھنے لگے تھے ان کے خاندان میں بزرگوں کے وقت سے مسلمان عورتوں سے بھی ازدواج کا طریقہ جاری تھا اسکے ساتھ ھی یہ بھی اصول رکھا گیا تھا کہ محلات سے اون کی اولاد ھو جائے تو مذھب کے متعلق رواداری کی جائے وہ جس مذھب پر ھیں اون کی اولاد بھی اون کے اصل مذھب پر چلتی رھے مہا راجہ کشن پرشاد بھی اس آبائی اور خاندانی رواج پر چلتے رھے -

ابتدائی زندگی میں وہ ھندو قومیت کے اصول پر کھانے اور دیگر امور متعلق رواج بہ مذھب سے عمل پیرا تھے - اور ھندو باورچیوں کے پکوان پر انحصار تھا اس کا تذکرہ خود اونہوں نے اعلی حضرت غفران مکان کی معیت میں جو سفر اورنگ آباد کیا تھا اس میں لکھا ھے اصلاح معاشرت اور چھوت چھات کو کم کرنے کی جو تحریک ھندوں میں سارے ھندوستان میں پھیل گئی اوس پر ھندوں میں ذات والوں کے ساتھ کھانے میں مہا راجہ کشن پرشاد بھی متاثر ھوتے چلے گئے ابتدا میں سرکاری ڈنر وغیرہ تک میں کھانے میں بڑے محتاط تھے اور میوہ وغیرہ پر اکتفا کرتے تھے مگر پھر بتدریج (اور اسکے متعلق مہا راجہ بیکانیر سے اون کا خود نوشتہ مکالمہ کسی حصہ کتاب میں نظر آئے گا) وہ مل جلکر کھانا کھانے میں کوئی ھرج نہ سمجھتے تھے برھمن کے ھی پکائے ھوئے کو لازمی نہ سمجھتے تھے -

ابتدائی زندگی میں پردہ کے رواج پر بھی شدت سے عمل پیرا تھے بدلتے ھوئے حالات نے اون کو بھی اصلاح معاشرت پر آمادہ کیا اور اون کے خاندان میں پردہ کی وہ شدت نہ رھی تھی جو پہلے تھی -

عموما مہا راجہ کشن پرشاد خاص مذھبی تھواروں وغیرہ کو چھوڑ کر ٹیکہ وغیرہ اپنی پیشانی پر نہ لگاتے تھے لباس وغیرہ کے لحاظ سے بھی وہ حیدرآباد کی مشترکہ ثقافت پر ھی عمل پیرا تھے اور اون کے محلات میں بھی لباس اور طرز معاشرت میں ملک کی مشترکہ ثقافت اور قومیت ھی ھمیشہ پیش نظر رھی - میل جول اور ارتباط میں مسلمان ھندو سب یکساں ھی تھے - ان کے محل میں اور میل جول میں ظاھری طور پر ھندو مسلمان کا فرق مشکل سے ھی محسوس ھوسکتا تھا - مندروں کی خدمت کے ساتھ مسجدیں بھی انہوں نے تعمیر کرائیں اور مسلمان درویشوں اور مشائخوں کی قوالیوں میں شریک

ہوتے درگاہوں میں جاتے پھولوں کی چادریں چڑھاتے نذر و نیاز کرتے اور ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے کہ ملک کی مشترکہ تہذیب اور ہندو مسلم ثقافت ملک میں ہمیشہ باقی رہے ۔ اور اس میں تعصب نہ کیا جائے۔

سلطنت آصفیہ ہی نہیں پونا کے پیشوائی راج اور انکے متوسل والیان ریاست سندھیا ۔ ہلکر ۔ گائیکواڑ ۔ بھونسلہ وغیرہ نیز راجپوتانہ بندھیل کھنڈ سب جگہ جہاں راج یا ریاست تھی والیان ریاست کے پاس بھی ہندوستان کی متحدہ اور مشترکہ معاشرت ۔ ثقافت تہذیب نظر آتی ہے۔ مغربی معاشرت سےسابقہ ہونےسے قبل مغلیہ ثقافت اور معاشرت ہی سب کے پاس رائج تھی پونا کے پیشوائی راج میں بھی ہجری ماہ اور سنہ اور سال کا رواج نظر آتا ہے ۔ فارسی بھی بڑی حدتک دربار کی زبان بنی ہوئی تھی جہاں دسہرہ اور ہولی بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے وہاں عیدین اور محرم میں بھی احترام اور مسلم رعایا کے ساتھ دلجوئی بھی ساتھ ساتھ نظر آتی ہے ۔ ہندو مہا تماؤں ۔ سادھوں کے ساتھ مسلمان فقرا پیران طریقت کا احترام اون سے استمداد اور دعا کی استدعا ہوتی تھی ۔ ملک بلکہ سارے ہندوستان کے اس مشترکہ قومی ثقافت کا وجود حیدرآباد اور مملکت آصفیہ میں ہمیشہ نظر آیا ہے ۔ مہا راجہ کشن پرشاد اپنے بزرگوں کے طرح اپنے خاندان کے ساتھ اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ دسہرہ ۔ ہولی کے وقت اونکی دیوڑھی میں چہل پہل رہتی تھی رقص سرود کے جلسے دوستوں کی دعوت ہوتی جس میں ہندون کے ساتھ مسلمان بھی مدعو ہوتے تو مسلمانوں کے عیدین کے موقع پر مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو ماتحتین ۔ متوسلین آتے نذر گزر انتے اور خوشی و انبساط سے مہا راجہ اونکو عطر و پان دیتے ۔ محفل نشاط کی بھی پروازی رہا کرتی ۔ محرم الحرام میں عزا داری کو ملحوظ رکھا جاتا ۔

درویشی و تصوف | مہا راجہ کشن پرشاد آنجہانی کی زندگی کا ایک خاص جز اون کا درویشانہ مشرب فقیروں مجذوبوں سادھوں سے عقیدت اور اشغال عرفان تصوف یا ویدانیت بھی ہے ہندوں کے مذہب کے ساتھ ویدانیت عملا تصوف قدیم سے چلا آرہا ہے ۔ کئی ہزار سال سے دنیا کے ہر حصہ میں ایک طرف توحید کی تبلیغ ہوئی ہے تو دوسری طرف فلسفہ ” ہمہ اوست ،، کے خیالات سے ۔ مورتی پوجن بھی رائج ہوتی چلی گئی ۔ یا انسانوں کو الوہیت میں شامل کیا گیا ہندوں کی وید مقدس بھی توحید سے معمور ہے پھرفلسفہ ” ہمہ اوست ،، کی بدولت بت کو بٹھاکے سامنے یاد خدا کروں،، کا تصور عوام کا عقیدہ بن گیا ۔ ہندوستان مسلمانوں کے آنے سے قبل مورتی پوجا کا مرکز بنا ہوا تھا مسلمان جب ہندوستان میں پہونچ گئے اور یہاں اونھوں نے مستقل توطن اختیار کرلیا تو اون کا عقیدہ توحید ہندوں میں بھی عمیق اثر پیدا کرنے لگا اور ایسے مفکر اون میں بھی پیدا ہونے لگے جو خدا واحد کی عظمت کا اعتراف کرتے اوسی کو اصل اصول مذہب قرار دیتے ہوئے مورتی پوجا کو یکسوئی خیالات کا ذریعہ سمجھتے رہے ۔ کبیر داس ۔ باباگرونانک شمال میں اور جنوب میں سری راما نجا چاری اور سری شنکرا چاری بھی عقیدہ توحید کو

اھمیت کے ساتھ ظاھر کرتے رھے - دکن میں بیجا نگر راج میں '' ھری ھر '' نےتوحید کو بڑی اھمیت دی تھی - مسلمان عارفین اپنی سادگی اور عرفان کی بدولت اپنی عظیم ترین اثر اور نقش صرف مسلمانوں میں نہیں بلکہ ھندوں میں بھی پیدا کرتے رھے اور عام‌طورپر ھندوں اور مسلمان عارفین کے ساتھ بھی خوش اعتقادی بڑھتی گئی - اکبر اعظم نے ھندوستان میں مشترکہ قومیت کے تصور کو بڑی تقویت دی اور اس کا اثر ھندو امرا وزرائ سپاہ سالاروں‌اور فوج پر بھی‌ھوا جو اکبر اعظم‌کی خدمت گزاری کر رھےتھے- اونھوں نےمشترکہ قومیت‌اور ثقافت کو اختیار کرلیاجوھندوستان میں عام طور پر پیدا ھوگئی‌تھی

مہا راجہ کشن پرشاد کے مورث اعلی راجہ ٹوڈرمل اکبر اعظم کے دیوان‌مالگزاری کےساتھ سپاہ سالاری بھی رکھتے تھے - وہ راسخ الا عتقاد ھندو تھے مگر بے تعصبی کے ساتھ مشترکہ قومیت اور مغلیہ ثقافت کو اختیار کرچکے تھے یا راجہ ٹوڈر مل کا وراثتی اثر اون کی اولاد میں بھی آیا اور جہاں وہ راسخ الاعتقادی کے ساتھ ھندو مذھب پر ثابت قدم تھے وھاں بے تعصبی کے ساتھ عقیدہ توحید کےاصل اصول کے بھی معترف تھے حالات زمانہ نے جس طرح بعد میں مغربی طرز معاشرت اور رسم و رواج ھندوستان میں ھر طرف مروج کیااوسی طرح اکبر اعظم کےبعد سے مغلیہ طرز معاشرت اور رسم و رواج وغیرہ مروج ھوگئے مسلم اور ھندو میل جول کی بدولت ایک طرف مسلمان فرمان روا ھندوں کے مندروں اور مٹھوں اور مقتدایان مذاھب کےلئے سرکاری طور پر جاگیرات اور اراضیات معاشیں عطا کرتے تھےاور ھندوں کے تہواروں اور تقریبوں میں سرکاری سرپرستی بھی ھوا کرتی اور اون کی نذر عقیدت قبول ھوتی اور مبارکبادیاں دی جاتیں اور اسی طرح ھندو بھی جہاں معاشرت وضع قطع تمدن - تہذیب - ثقافت میں ھم‌رنگ بن گئے تھے اور مسلمانوں کی عیدوں میں بادشاہ اور حکام سلطنت کے پاس نذر و تہنیت پیش کرنا اختیار کرچکے تھے اور مسلم پیران طریقت اور علمائ کرام کا بھی احترام کرتے تھے مہا راجہ چندو لال جب فرمانروایان آصفی کے دربار میں پیشکاری اور مدارالمہامی تک فائز ھوگئے تو بے تعصبی سے مسلمانوں کے ساتھ گھل مل گئے اونھوں نے جہاں اپنے ھندو دھرم کو ھر وقت یاد رکھا تو مسلم بزرگوں کےساتھ بھی عقیدت اور احترام کو بھی ملحوظ رکھا تھا اون کی تفصیلات خود اون کے ھی الفاظ میں مہا راجہ کشن پرشاد کےقلم سے آچکے ھیں - مہا راجہ نرندر پرشاد بھی اوسی جادہ پر رھے اور پھر مہا راجہ کشن پرشاد بھی اپنے بزرگوں کی روش پر ھی چلتے رھے اور اپنے اسلاف کی طرح‌عظیم فراوان دولت کے ساتھ درویشی کو بھی اپنا شعار بنائے رکھا - صحبت اھل اللہ اور مطالعہ کتب کی بدولت وہ مذاھب کی اصل حقیقت اور لب لباب اعتقاد تک جیسا کہ روشن خیال اکابر ھنود کا اصول رھا اور جس کے سلسلہ میں گاندھی جی کا نام لیا جاسکتا ھے پہونچ گئے تھے - درویشی اور فقیری کو پسند کرنے کے ساتھ بے تعصبی بھی اون کے عقائد اور عمل کا لازمہ ھوگئی تھی - ھر قسم کے ذرائع آرام و آسائش کے باوجود اپنی

پرائیوٹ لائف میں انتہائی سادگی کو پسند کرتے تھے اور پھر مسلمان فقیروں اور ہندو سادھوں سے یکساں اون کو عقیدت تھی اون کے عالیشان ایوان و قصور میں بسلمان درویشوں اور مشائخین مہمان رہتے یا دعوتوں میں مدعو کئے جاتے تو دوسری طرف ہندو سادھوں اور مہنت بھی اون کے پاس آتے اور اون کی میزبانی کرتے ہوئے اون کے عقائد اور خیالات سے استفادہ کیا ہے اس مشترکہ عمل کی وجہ وہ بعض اوقات پبلک طور پر هدف اعتراض بھی بن جاتے تھے اور اوس کے متعلق اونھوں نے اپنی تالیفات میں اپنے اس عمل کی بار بار وضاحت کی ہے ۔ اسی طرح گاندھی جی نے حالیہ ادوار میں مذاهب کی بنیاد عقیدہ وحدت رکھتے مذاهب کا احترام کرنے اور ساتھ ھی هندو مذهب پر راسخ الاعتقادی سے قایم رھنے کے عمل کو پھیلایا ہے وھی تخیل پہلے بھی صدیوں سے کام کر رھا ہے وقتاً فوقتاً ھندوں میں اسی عقیدہ کی تبلیغ کرتے ہوئے هندوستان کی قومی وحدت کو ترقی دینے کی کوشش کی گئی ہے ۔

حیدرآباد میں سلطنت آصفیہ کے زمانہ میں جس قدر بھی امرا یا والیان سمستان کے گھرانے رہے ھیں اون سب میں انتہائی راسخ الاعتقادی هندو دھرم کے ساتھ رھی ہے تو مسلم ثقافت کے ساتھ بھی بے تعصبی اور مسلم درویشوں اور فقیروں کے ساتھ احترام بھی ملحوظ رکھا گیا ہے ۔ محل اور دیوڑھیوں میں مسلم اور ھندو دونوں کے پاس یکساں سامان آرائش اور یکساں طرز معاشرت نظر آتی ہے اور میل جول میں مسلمان ھندوں کے درمیان کوئی فرق نہ ھوتا تھا ۔ مہا راجہ نے جذبات شاد کے نام سے ایک کتاب لکھی اور شائع کی ہے اس میں اپنے احترام درویشی و عقاید کا لب لباب لکھا ہے اور اون درویشوں سادھوں کا ذکر کیا ہے جن سے انکو عقیدت تھی یا ملاقات کا سابقہ ھوا ہے اوس کا خلاصہ علحدہ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کل امر مرھون باوقا تھا

یہ امر مسلمہ ہے کہ انسان کے ارادوں میں ایک حدتک کامیابی ضرور ھوتی ہے ۔ خواہ سعی سے یا بلا سعی کے لیکن اس کے لئے وقت درکار ہے ۔ اس مسئلے میں لوگوں کی مختلف رائیں ھیں ۔ اور جتنی زبانیں ھیں اتنی ھی باتیں ھیں کہ سعی کرنے سے انسان جلد فائیز المرام ھو جاتا ہے یا بخلاف اسکے توکل انسان کو کامیابی کے رتبہ معراج کو پہونچاتا ہے ۔ ھم کو تجربہ بتلاتا ہے کہ سعی کرنے سے بعض اوقات بعض ارادوں میں فوراً ھی کامیابی نہیں ھوتی ۔ اور بدوں سعی کے اکثر ایسا ھوا ہے کہ ادھر خیال آیا اور منہ مانگی مراد پائی ۔ تا ھم سعی کرنے کا پہلو اسباب دنیوی کے لحاظ سے زبردست ھونا چاھئے ۔ اور اسکے ساتھ ھی مشیت پر پورا بھروسہ کرنا اور اسکے فضل کا امیدوار رھنا سعادت مندی اور ایمان کی دلیل ہے ۔

مجھے ایک مدت سے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا عرس دیکھنے کی تمنا ایسی تھی جس طرح اب تک حضرت قبلہ و کعبہ خواجہ معین الدین چشتی سنجری کے عرس میں شرکت کی تمنا میرے دل میں بصورت مکین دل متمکن ہے - اگر چہ دربار اجمیر شریف میں ایک بار حاضر ہو کر دین و دنیا کے سر تاج کی آستان بوسی کا شرف حاصل کر چکا ہوں - لیکن وہ زمانہ عرس کا نہ تھا - حضرت خواجہ اجمیر غریب نواز کی محبت یا عقیدت جو کچھ کہا جائے ایک عرصہ دراز سے بہار گلشن کی طرح میرے دل و دماغ اور دین و ایمان کو تازگی بخش رہی ہے -

بعض احباب کا خیال

غلط فہمی سے بعض احباب کا یہ خیال ہے کہ میں اپنا عشق یا محبت جو خواجہ اجمیر یا اور بزرگان دین و اسلام و اکابر امت محمدی کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں اور اپنے کو صوفی المذہب سمجھتا ہوں - اور سوحد کہتا ہوں - یہ بھی کوئی پولیٹیکل چال اور خاص مصالحت ہے اس پر بخدا ہنسی آتی ہے -

چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اگر چہ غلط فہمی کا کوئی نتیجہ دل خواہ نہیں نکلتا - اور جن کا ایسا خیال ہے وہ بجائے خود ہے - لیکن میں خوش اس لئے ہوتا ہوں کہ الحمد اللہ محسود ہوں نہ کہ حاسد - ہر چند مجھے ان چند اوراق میں جن میں بالکل پریویٹ سفر گلبرگہ اور وہاں کے حالات کا ذکر کرنا مقصود ہے - جس طرح روضہ شریف وغیرہ کے واقعات قلمبند ہو کر طبع اور شائع ہو چکے ہیں - لیکن چونکہ میں جیسا کہ اکثر ایسے موقعوں میں شریک ہوا کیا اسی طرح اب کے جس عرس میں میں شریک ہوا تھا - اتفاق سے اب کی دفعہ بعض کے نزدیک خاص مذہبی فعل سمجھا گیا جو بعض خاص طبیعتوں میں میرے مذہب کے متعلق دلچسپی لی جاتی ہے اور ان کے لئے شغل کی حد تک پہونچ گیا ہے بقول

چھیڑ خوبان سے چلی جائے اسد

اس لئے اس غلط فہمی کے رفع کرنے کے واسطے مجھے کچھ اپنے دلی خیالات مختصر زندگی کے حالات اور اصلی واقعات کے اظہار کی ضرورت ہوئی -

مذہب کیا ہے -

اول تو یہ دیکھنا چاہئے کہ مذہب کیا ہے -

مذہب اس شاہ راہ کا نام ہے جو مخصوص ہو راہروان عابدان ایزدی کی روش کے ساتھ اور نیز اس مضبوط اور مستحکم خیال کا نام ہے جو ارکان عبادت الہی سے خصوصیت رکھتا ہو اور عالم طفولیت میں قوم کے والدین اپنی اولاد کو دینی احکام اور طریقوں کو گوش گزار کر کے ذہن نشین کرتے جاتے ہوں - اور اپنی قوم کے مروجہ

کتب دینی پڑھا کر اور طریقه عبادت سکھلا کر اس هو نہار لڑکے کو پابند مذهب کرتے هوں - ظاهر هے که طفولیت کی زمین میں جس تخم کی کاشت هوگی اسی کا ثمره هاته آئےگا - خصوصاً طفلی کی تعلیم اور گفت و شنید کے ساته مذهبی کتابوں کا مطالعه اورتعلیم اور هم مذهب ابنائے جنس کی سوسائیٹی سونے پر سہاگے کا کام دیتی هے - جس طرح خیال کو انسان کے اکثر امور میں دخل هے - چنانچه کسی مذهب والے کا دوسرے گروه میں شریک هونا اور اسی مذهب کا سمجها نا - یه بین ثبوت هے انتقال خیال کا که ایک طرف سے پهر کر دوسری طرف رجوع هوکر اسی کے قوانین مذهبی کا اپنے کو پابند کر دیتا هے جہاں اس پر ٹک گیا وهی اس کا مذهب هوگیا خواه کسی گروه کے نزدیک اچها هویا برا هو مذهب کے متعلق ایک فلا سفر کا قول هے که -

یعنے نیک کام کرنا اور نیکی سے رهنا - یه ایک جامع اور مبسوط اور مدلل قول هے - جسکو عاقل و دل کہنا چاهئے - مگر افسوس هے که مذهب کو لوگوں نے نہایت هی محدود کردیا - جب تک استقلال اور عشق - اطمینان قلب - روحانی سرور - نور معرفت اور وحدت پرستی اور یکسوئی نہو مذهب کا وجود بالکل ایک اس پتلے کے مانند هےجس کو بت کہنا چاهئے- بانیان مذهب نے اصولا مذهب کو نہایت وسیع پیمانے پر رکھا لیکن پیروان ادیان یا مذهب نے غلط فہمی یا جہالت سے اسکو محدود کردیا هے مذهب خود ایک مدعا هے - مدعائے اصلی کا مدعا اصلی ذات خدا سے منسوب هےمگر باسماء و صفات و باهمه و بے همه یقین کر کے ایمان لانا چاهئے -

مذهب کی اعلی ترین صفت اور صورت یه هے که انسان میں عملا و علماً تمام نیکیاں پیدا هو جائیں اور خوبیوں کے ساته موصوف هوکر اپنی خودی کو اس طرح مٹائے که خود هی باقی نه رهے -

مذهب کسی پولیٹیکل مصلحت یا اغراض دنیوی کی غرض سے اختیار نہیں کیا جاتا - اگر ان دو میں سے کسی ایک کے ساته حصول مذهب جائز سمجها گیا هو تو مذهب نہیں رهتا -

بالخصوص پکے خیال والے بقول کسی کے جہاں پاره پکا هوا اکسیر هوا - هرگز نہیں بدل سکتے - دیکهو نا منصور نے حق کہا اور دار پر کهنچا - مگر حق کہنے سے باز نه رها - اسی طرح کوئی بشر هو جب اسکے خیال کی یکسوئی هو جاتی هے وهی اس کا مذهب هو جاتا هے - خصوصاً صوفی اور موحد کا مذهب تو خوف ورجا کا مذهب نہیں هے - بلکه وه اپنی - دهن اور خیال کا ایسا پکا هے جسکی شان میں یه قطعه موزوں هوسکتا هے -

موحد چه در پائے ریزی زرش * چه شمشیر هندی نہی بر سرش
امید و هراسش نباشد زکس * همین است فرمان توحید و بس

پس بلحاظ تذکرہ مافوق اگر دیکھا جائے تو میری عقیدہ
ساتھ غرضانہ نہیں ہے اور نہ میرے مذھب کو تقیہ کی ضرورت ۔
کہ میں قوم کا سپاھی النسل یعنی (کھتری) ھوں جسکو بزباز
یا (کھتری) کہتے ھیں (شستر) سنسکرت میں ھتیارکو کہتے
بندکو ۔ مگربقاعدہ نحو سنسکرت (کھہ) (   ) کا بدل ھوسکتا ۔
کے لفظ کھتری کہا جانے لگا ۔ لیکن میرا مذھب بالکل اور قط
عالم طفولیت سے جب سے کہ میں نے ھوش سنبھالا اور تسمیہ ۔
میں اھل اسلام کے استادون اور اتالیقون کے تفویض کیا گیا ۔ چ
کی غرض سے استادوں کے نام درج کرتا ھوں ۔

اول میر لطف علی صاحب ۔ انکو تعلق خاندانی میرے جد ا
کے زمانے سے تھا ۔ سید غالب ان کے دادا تھے جو میرے جد ا
کے استاد تھے سید غالب کے فرزند سید علی صاحب راجہ دھراج
اور راجہ نرندر منسبہ سہا راجہ چندو لال کے استاد تھے ۔ سید
ایک میر لطف علی صاحب دوسرے میر پرورش علی صاحب
دیگرے میرے معلم رہ چکے ھیں ۔ دونوں بھائی اھل سنت والجماع
صاحب عالم و فاضل ھونے کے علاوہ صاحب قال و حال اور ا
محقق اور عارف باللہ تھے ۔ ان کی شفقت اور سہربانی میرے نگینہ
سعی تعلیم اور فیض باطنی کی امداد نے مجھے فی الجملہ صاحب ا
امر کا اعتراف ھے کہ انہیں کی دلی توجہ خلوص اور محبہ
ھے کہ بحمد اللہ میں لکھے پڑھوں میں شمار کیا جاتا ھوں ۔ افسو
میں نے ان کی شاگردی کی ۔ اور انکے افاضہ ظاھری اور دعائے باطن

سنہ ۱۲۹۰ ھجری مطابق سنہ ۱۸۷۳ع میں حضرت موصو
بعد انکے بھائی میر پرورش علی صاحب مدرسہ عالیہ میں جو اب
موسوم ھے داخل ھونے کے قبل تک پڑھاتے رھے ۔ حضرت میر
وصال کے بعد میرے جد مہا راجہ نرندر مرحوم کو جنھوں نے ع
تینوں زبانوں کو اھل زبان سے حاصل فرمایا تھا اور ملک دکہ
ان کے مثل کوئی امیر علم و فضل میں دستگاہ نہیں رکھتا تھا ۔
ھوئی ۔ اس لئے کہ سوا میرے اور کوئی فرزند ذکور سے نہ تھا ۔ ا
تسلیم فرمایا تھا ۔ اور انکی دلی خواھش یہی تھی کہ میں علم و
ترقی کروں ۔ معلم فارسی کی تلاش و فکر تھی ۔ اسی زمانہ میں آغاسید
بہ طوبی نے علم ادب میں آفتاب ادب کیا یعنی خدائے ادب مانے ج
شیرازی کے لئے جو اس وقت نو وارد تھے میرے جد سے سفارش

معلم قرار دیئے گئے - وہ بھی علم و فضل کی کان کے ایک پارہ الماس تھے ۔

عربی

تعلیم عربی کےلئے مولوی سید خلیل عراقی مقرر ہوئے عالم و فاضل ہونے کےعلاوہ علم حقائق کے محقق اور اس علم میں کئی آسمان اوپر چڑھے ہوئے تھے - پکے صوفی اور موحد تھے - سنہ ۱۲۸۶ھ میں یہ وارد بلدہ ہوئے - ڈاکٹر محمد اشرف جو ہمارےفیملی ڈاکٹر تھے اور خاندان شمس الامرا سے بھی ان کا تعلق تھا انکی سفارش سے میرے جد امجد نے میری تعلیم کےلئے مولوی صاحب موصوف کو مقرر فرمایا - عربی کی استعداد جو فی الجملہ ہے انہیں کی تعلیم کا نتیجہ فیض ہے - خمخانہ علم حقائق کا جرعہ نوش اسی پیر مغان میخانہ الست کے فیض صحبت سے ہوا - سید صاحب موصوف علم جفرکے دائیرے میں بے مثل تھے - اس دائیرہ دنیا سے نا پائیدار میں کوئی جفار ہوا بھی ہوتو شاید ایسا ھی ہوا ہوگا - مگر افسوس ہے کہ اس علم میں میں نے سید صاحب موصوف سے استفادہ نہیں کیا -

میر عظمت علی صاحب جو اہل سنت و الجماعت سے تھے - فن تیر اندازی کی تعلیم کےلئے مقرر کئے گئے -

بنوٹ کی تعلیم کےلئے مراد شاہ مرحوم کے فرزند مقرر ہوئے ان کی وفات کے بعد محمد شہاب الدین - الغرض میری اس طول بیانی کا نتیجہ یہ ہےکہ نہ صرف میرے معلم ھی مسلم تھے بلکہ استادوں کے علاوہ میرے اتالیق اور ملازم وغیرہ اکثر اہل اسلام سے تھے -

اگرچہ استادوں میں ہندو بھی دو تین تھے جو میرے معلم رہے - ایک بچولال تمکین جو ابتدا میں "صرف خطاطی اور اس کے بعد چند دنوں تک فارسی شاعری میں اصلاح دیتے رہے - اور نرسہواں چاری بنگلور کے رہنے والے صرف انگریزی درس دیا کرتے تھے - البتہ درگا پرشاد نامی زنار دار قنوجی کو خاص سنسکرت کی تعلیم کے ساتھ آبائی مذہبی تعلیم کےلئے میرے والد نے مقرر فرمایا تھا مگر افسوس ہے کہ میں نے اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لی - میرا طبعی رحجان - عربی اور فارسی کی جانب تھا - جسکے تخم کی کاشت پہلے ھی سے ہوچکی تھی - بہر حال کمسنی سے اسی سوسائیٹی سے استفادہ کرتا رہا - میرے دل و دماغ کی زمین میں اسلام کے تخم کی کاشت ہوتی رہی ہے - اور نشست و برخاست کے اداب وغیرہ بھی اسلامی دربار کی طرز معاشرت کی طرح سکھلائے گئے اور درسی کتابوں میں عربی صرف و نحوکی کتابوں تک ھی تعلیم محدود نہیں رہی بلکہ حدیث اور فقہ اور مسائل شرعی اور تلاوت قرآن وغیرہ کو بھی میرے جد مرحوم نے ایک طرح سے لازمی اور ضروری فرمادیا تھا لیکن چنداں اس میں عبور حاصل نہیں کیا - چونکہ میرے جد مرحوم مہا راجہ نرندر خود بھی ابواب متذکرہ

میں ید طولی رکھتے تھے - اور ان کا یہ خیال تھا کہ خدا رکھے یہ ایک جلیل القدر اسلامی ریاست ہے - ہندوستان میں یہاں کےلئے ان ابواب سے واقفیت اور ان علوم سے بہرہ ور ہونا بلحاظ پولیٹیکل مصالح اور انتظام تمدن کے بہت ضروری ہے اور علاوہ ان سب باتوں کے میری ولادت ۱۸ - شعبان المعظم سنه ۱۲۸۰ هجری م ۲۸ - جنوری سنه ۱۸۶۴ع کو اپنے جد مہا راجه نرندر ہی کے گھر ہوئی تھی - اور انہیں کے دامن عاطفت میں پرورش پائی - اور ہوش سنھالا - اور جوان ہوا - جو بذات خود بڑے عالم و فاضل ہونے کے علاوہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے سچے دل سے مطیع اسلام اور بڑے صوفی المذہب اور محقق اور عارف باللہ تھے - مشرب صلح کل تھا سلطان علی شاہ قدس سرہ سے ارادت تھی -

حضرت ظل سبحانی کا فیض صحبت

کمسنی سے حضرت خداوند نعمت ظل سبحانی مدظله کے مبارک قدموں میں حاضر رہنے کی عزت حاصل ہے اور حضرت کے نصائح گران بہا سے گوش و دل بچپن سے متمتع ہوتے رہے - دین و دنیا کے آئین اسی دربار گہر بار سے زیادہ حاصل ہوئے آئین شاہی کا آئینہ بردار اسی با فیض صحبت سے ہوا -

پس کیا ممکن تھا کہ طبیعت جو ہیولی ہوتی ہے اور جو صورت چاہئے پکڑجاتی ہے - عالم طفولیت سے اسلامی سوسائیٹی اور حاضر باش دربار گہر بار شاہی ہوتے ہوئے مطیع اسلام نہ ہوتا - اور اسی مذہب کے فقرا - سالک - مجاذیب - وغیرہ کی صحبت میں ہی شباب کی بہار دیکھ کر صوفی نہ بنتا - اور ہر مذہب کے پیشوا اور انبیا - اور پیغمبر اور اکابر اور اولیا - اورکتب آسمانی کو حق نہ جانتا - اور انکے حق ہونے کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب نہ کرتا - ان سب اسباب کے علاوہ مجھے فقرا کے گروہ سے جن میں بہت سے سالک جو اکثر قلندر اور آزاد مشرب تھے اور بیشتر مجاذیب سے به نسبت علمائے ظاہر اور مشائیخین - اور پنڈت - اور شاستر یوں کے زیادہ تر انس اور محبت رہی اور ہے (اور انشاءاللہ تعالے رہیگی) یہ محبت بلا قید ملت و مذہب تھی اور ہے - لیکن اکثر طریقہ اسلام کے آزاد منش اور قلندر مشرب اور سالکان راہ حقیقت سے زیادہ ارتباط رہا - اور کمسنی کے زمانے سے گروہ فقرا کے ساتھ ایک طرح کی دلی محبت اور عقیدت تھی - اور جو وقت نوشت و خواند کے بعد گزرتا تھا اکثر ان کی صحبت با فیض میں گزرتا تھا -

اگر چه ابتدا میں تلون مزاجی کی بدولت بلحاظ اقتضائے سن میرے بچپن دل پر مختلف گروہ اور فرقوں کے مسخر کرنے والے اثرات تھے اور یکے بعد دیگرے میرے رگ و پے میں سرایت کر چلے تھے اور ایک دوسرے کی مذہبی مقناطیسی قوت اپنے خوشی کے جذبات سے مجھے اپنی اپنی طرف کھینچ رہی تھی لیکن سالک مسالک طریقت اور حقیقت شناسان معرفت - اور توحید پرستان رب العزت کی بافیض صحبت نے مجھے سوائے وحدت پرستی کے کسی خاص گروہ یا فرقے کا قیدی مذہب نہیں بنایا بلکہ وید درشن اذکار و

اشغال ۔ اور مختلف مجاھدات چشتیہ اور ذوق و شوق نے سماع کی طرف مائل کیا اور رفتہ رفتہ یہی ذوق سماع فقرائے چشت کے دربار میں کشاں کشاں لے گیا ۔ اور ان کے فیض صحبت سے مستفیض کیا ۔ آخر اس خاندان فیض نشان کے بانی یعنی قبلہ وکعبہ خواجہ معین الدین اجمیری کا دل و جان سے بندہ بے درم ھوں ۔

اور جس طرح وراثتاً دنیوی ملک اور املاک میرے جد کی مجھے ملی ۔ کیا ایسے باخدا اور مہربان شفیق جد بزرگوار اور ایسے ھمہ داں آفتاب کے زیر سایہ پرورش پاکر میں ان موروثی حسنات کو حاصل نہ کرتا ۔

شکر ھے کہ پروردگار عالم جل شانہ نے اپنے فضل وکرم سے جیسا کہ مجھے دنیوی حقوق میں ان کا وارث قرار دیا ویساھی دینی امور میں بھی انکا پیرو کیا ۔ اور دولت عرفان سے سرفراز فرمایا ۔ بہر حال میں سچے دل سے صوفیوں کے مذھب کا پیرو ھوں اور کوشش کرتا ھوں کہ خدا مجھے میرے ارادے میں کامیاب کرے اور میں اس مبارک بے لوث اور بے تعصب صلح کل مشرب کے طریقہ کا رھرو بن کر منزل مقصود کو پہونچ جاوں اور اسکو اپنا ماٹو بناؤں

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

حصہ چہارم

ضمیمہ جات

حصہ چہارم ضمیمہ اول

مہاراجہ بہادر کا دور صدارت عظمی

تقاریر و جوابات ایڈریس

بادشاہ ہو یا چھوٹا بڑا جاگیر دار سب جاگیر داری نظام کی بساط کے چھوٹے بڑے مہرے ہیں ۔ غلام‌شہر یار جب اپنے آقاکی مسند شاہی‌سےجبین رگڑکر بارگاہ سلطانی سے باہر نکلتا ہے تو خواجہ رعیت خودکو تصورکرتا ہوا اپنے سے کم مرتبہ والوں سے کہیں اس سے زیادہ نیاز مندی ۔ بیچارگی اور کفش برداری کے توقعات رکھتا ہے اور انکو پوراکراکر ہی چین پاتا ہے ۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ جہاں جاگیر دارانہ نظام چلا آرہا ہے وہاں کے جاگیر داروں کا یہی طرز عمل رہا ہے ۔ دولت ۔ ثروت اور حکومت کا نشہ جاگیر دار اورعام انسانوں کے درمیان ایک سد سکندری کھڑی کردیتا ہے ۔ جاگیر دار یہ سمجھتا ہے کہ جو خون عوام کی رگوں میں دوڑ رہا رہے وہ اسکے خون سے کہیں کم درجہ اورکہیں کم قیمت ہے وہ اپنی نسل کے نیلے خون (بلیو بلڈ) پر فخرکرتا ہے مگر جو دنیا کی بوقلمونی سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ کس رنگ کی آمیزش سرخ رنگ کو بلیو بنا دیتی ہے ۔ دنیاوی وجاہت کی سیڑھی کے ڈنڈے انہیں انسانیت کے مسطح مقام پر قدم رکھنے نہیں دیتے ۔ یہ غرور و نخوت کا جذبہ آج سے نہیں عہد عتیق سے چلا آرہا ہے ۔ اور حضرت عیسی کو کہنا پڑاکہ جتنی‌آسانی سے اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل سکتا ہے ایک امیر اتنی آسانی سے جنت کے دروازے سے گذرکر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ۔ ثروت اور نکبت کے اس دلخراش فرق کے خلاف کرشن جی نے بھی عملی قدم اٹھایا تھا مہا بھارت میں ایک مندر کے پجاریوں‌کی راجہ پرستی اس طرح سے دکھائی گئی ہے کہ بھگوان کے درشن کو ایک راجہ آنےوالے

تھے ۔ جو درشن کا وقت تھا راجہ اس وقت کو لہو و لعب میں گذار بیٹھے۔ مگر پجاری مندر کھولے ہوئے بیٹھے رہے ۔ دوسرے وقت ایسا ہوا کہ ایک غریب بھگوان کے عشق و عقیدت میں ڈوبا ہوا دور سے درشن کو آیا اس وقت پجاری دروازے بند کر رہا تھا ۔ اسکی منت و سماجت ایک نہ سنی اور قفل ڈالکر چلتا ہوا ۔ یہ غریب مگر عقیدت کا پکا چوکھٹ پر ہی سر رگڑنے لگا ۔ یکا یک قفل کھل کر گر پڑا دروازہ آپ سے آپ کھل گیا اور سری کرشن مہا راج نمو دار ہو کر اس غریب کو اٹھا کر مندر کے اندر لے گئے ۔ بھگوان کا متوالا پھر تو سب کی آنکھوں پر چڑھ گیا ۔ مصنوعی خلوص و محبت کے شیش محل ہر زمانے میں چکنا چور ہوتے چلے آئے ہیں۔ دنیا کو سمجھنے اور پرکھنے والے لوگ ہمیشہ جاہ و چشم والوں سے دور ہی بھاگا کئے ۔ دنیا پرست اور خود غرض مطلب کے یار البتہ انکی بڑائی کے ڈھول بجاتے رہے ہیں ۔ انکی بھی انکے ساتھ وابستگی محض حلوہ مانڈے کی حد تک رہتی ہے ۔ جوں ہی انہیں تھالی میں بھات پریسے جانے کی امید نہیں رہتی کھسک جاتے ہیں ۔

حیدرآباد میں بھی یہی دستور تھا کہ متوسط درجے کے لوگوں سے بڑے جاگیردار برابری کا برتاؤ کرنا انکے برابر بیٹھکر کھانا پینا اپنی کسر شان سمجھتے تھے ۔ لیکن جب کسی کو خواہ علم و فضل کی بدولت یا دربار کا مسخرا بن کر قربت شاہی نصیب ہو جاتی تو پھر اسکے اپنا نے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے ۔ جب تک یہ فرق ہندوستانی ہندوستانی کے درمیان رہا اور انعام و اکرام کی بھر مار ستار عیوبی کرتی رہی اتنا ناگوار نہ تھا اور یہ کج خلقی امیر کی پشتینی درباری و خاندانی تہذیب کی بقا کے لئے ضروری سمجھی جا کر برداشت کرلی جاتی تھی ۔ لیکن جب ملک میں انگریزوں کا دور دورہ ہوا اور وہ تاجر اور ملازم سرکار بلکہ بعض صورتوں میں ملازم خانگی کی حیثیت سے ان کی دیوڑھیوں میں پہونچنے لگے اور یہ درباری قیود صرف کالے آدمی کی حدتک رہگئے جو علم و فضل و سرکاری ملازمت میں بھی ان سے اونچا درجہ رکھتے تھے تو یہ فرق غیور طبیعتوں پر بہت زیادہ کھلنے لگا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور کے امراء و جاگیر دار صاحب کردار اور خوش رویہ اصحاب کی صحبت سے محروم ہوگئے اور خود غرضوں اور بد مستوں کی صحبت اپنا اثر دکھانے لگی چنانچہ آج ایک متنفس بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس جاگیر داری تہذیب و تمدن پر چار آنسو بھی بہائے ۔

مہا راجہ بہادر کے ننھیال لاکھ جاگیر دار اور امیر سہی لیکن کبھی اونہوں نے اس خیال کو اپنے دل سے دور نہیں کیا اور نہ وہ کبھی اس کا اظہار کرتے ہوئے ھچکچائے کہ انکے والد ماجد سررشتہ دار نظم جمیعت تھے ۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو سپاھی نژاد کہا اور کبھی انہوں نے اپنے دوستوں کے پرائیوٹ خطوط میں اپنے کو یمین السلطنتہ نہیں لکھا ۔ انکی طفلی جوانی اور بڑھاپے میں جب بھی زمانے نے انکے ساتھ ناسازگاری کی انہوں نے مصائب کا سپاھیانہ مقابلہ کیا ۔ اسی سوانح میں ایک مقام پر اس کا ذکر

آچکا ہے کہ جب اہل غرض رشتے داروں نے مہا راجہ نرندر پرشاد کے کان مہا راجہ کے خلاف بھردئے اور انہوں نے اپنے مربی کو اپنی طرف سے کھچا ہوا اور انکے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو مہا راجہ نے صاف عرض کردیا کہ وہ خود کنارہ کش ہوئے جاتے ہیں اور انہیں امارت و پیشکاری و جاگیرات کی ذرا بھی ہوس نہیں - انہیں وجوہ سے ان میں .وہ عیوب نہ تھےجو امیروں کی طبیعت کا فطری جزوہوتے ہیں- ان کا جوہر ذاتی انکی امارت کی شان میں ہمہ جذبات انکساری و محبت و خلوص نمایاں رہا - وزارت کے جانے کے بعد وہ گوشہ نشین نہیں ہوئے - وہ برابر آتے جاتے رہے اور خود سرکاری تقاریب میں حضور نظام اونہیں یاد فرماتے رہے لیکن بعض امیروں کے تیور دیکھکر اور بعضوں کومنھ چراتے دیکھکر وہ ایسےلوگوں سے خود ھی کھنچ گئے تا آنکہ صدارت عظمی کے زمانے میں وہ ھم جلیس خود ھی انکی طرف بڑھنے لگے - سنہ۱۹۱۳ع کے سفر سے واپسی کے بعد وہ بھی انہیں امراء و ملازمین سرکار وغیرہ سے ملے جو انکی طرف بڑھے - گوانکی طبیعت مکدر ہوئی مگر انکے اوقات میں فرق نہیں آیا - انہوں نے متوسط درجہ کے لوگوں میں وزارت کے زمانہ ھی سے آنا جانا شروع کردیا تھا اور قرابتیں بھی کیں تھیں - اگرچہ وہ اپنی لڑکیوں کو مدار المہامی کے زمانے میں بڑے سے بڑے جاگیر دار کے یہاں بیاہ سکتے تھے لیکن انہوں نے چونکہ ذات برادری کی تفریق اور چھوٹے بڑے کا دنیاوی امتیاز مٹادیا تھا اور وہ اس درجہ بندی کو انسانیت کا دشمن سمجھتے تھے اس پر عمل کرکے دکھلادیا اونہوں نے عادات وکردارکو ثروت و جاہ پر مقدم رکھا اور متوسط درجے میں سمدھیانہ پیدا کرکے اپنے قول اور فعل میں یکسانیت پیدا کردی - انہوں نے خود کو سبک کئے بغیر اور اپنی وجاهت کو ٹھیس لگے بغیر اپنے سے کم رتبہ لوگوں کو سر آنکھوں پر بیٹھایا اور اس انکسار سے ملے کہ وہ دل جو دولت و حکومت کی دھوپ چھاؤں سے پوری طور پر واقف تھے اونکے گرویدہ ھوگئے اور سنگ در پر سر نیاز رکھنا عارنہ سمجھا - حیدرآباد اور حیدرآباد کے باھر اب جن لوگوں نے انکی قدر و منزلت کی وہ ان کے ذاتی اخلاق وکردار کی وجہ سے تھی اس لئے مہا راجہ کو بھی اس میں وہ مسرت ملی جو سلامی کی توپوں اور جھوٹی عقیدت کے قصیدوں میں نہیں ملتی -

صبح کے وقت وہ اپنے بیڑے کی اب بھی سلامی لیتے رہے - روشن چوکی مقررہ وقت پر بجتی رہی اور آنے والے آتے رہے - شعر و شاعری - ادب - ویدانت اور تصوف کا سلسلہ جاری رہا - انکے اس دربار کے حاضر باشوں میں سے اگر کوئی نہ آتا تو اسکی خیریت دریافت کرتے - خاص تعلقات کی حالت میں خود اسکے یہاں جاتے - شادی بیاہ میں شرکت کرنا دوسرے امراء کی طرح کسر شان نہ سمجھتے اور یہ نہ دیکھتے کہ اس کا درجہ سوسائٹی میں کیا ہے ایسے موقعوں پر کوئی نہ کوئی قیمتی تحفہ ضرور بھیجتے- جن احباب کی مالی حالت سقیم ہوتی اسکی اعانت کسی نہ کسی طرح سے ضرور کرتے - انہیں اہل غرض اور سائل کی ھٹ اور رد پر کبھی غصہ نہ آتا البتہ اپنے خانگی ملازم

پر سارا غصہ اتار لیتے اور یہ اس کےلئے بخشش و انعام کا پیش خیمہ ہوتا ۔ اپنے خاص احباب کے ساتھ وہ شطرنج ۔ گنجفہ اور تاش کھیلتے ۔ آخری وقت میں برج بھی کھیلنے لگے تھے ۔ تہواروں کو خاص طور سے مناتے اور اپنے احباب کے ساتھ ہولی خاص اہتمام کے ساتھ کھیلتے ایسے موقعوں پر ارباب نشاط بھی ہوتیں ۔ خوب رنگ رلیاں رہیں مگر فحشیات جو دوسری جگہ ہولی کا جزو بن گئیں ہیں انکے یہاں نہ ہوتیں اور ایسے موقعوں پر بھی آداب و لحاظ کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جاتا ۔ وہ اپنے شاہ خرچیوں کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے لیکن کبھی ان کا ہاتھ نہ رکتا ۔ ایک چیز جو سوائےان کے کسی دوسرے صاحب جاہ میں نظر نہیں آئی وہ یہ تھی کہ اگر کسی کم مرتبہ والے سے انکے تعلقات دوستانہ ہو جائیں تو اسکے ساتھ جب اور جہاں وہ ملتے خصوصیت کا برتاؤ کرتے اور اس سے بڑی سے بڑی محفل میں آنکھ نہ چراتے اور خود اسکی طرف ذی وجاہت لوگوں کو چھوڑ کر بڑھتے ۔ انکی اس وضعداری نے انکو وہ مرتبہ عوام میں دیدیا جو حکومت و جاہ کے ساتھ ختم نہیں ہوا اور وہ جب صدارت عظمی سے علحدہ ہوئے تو پبلک نے ہر موقع پر صدر اعظم سے زیادہ ان کا احترام کیا ۔ سنیما ہو یا تھیٹر ۔ سرکاری تقریب ہو یا سرکاری جلوس جب ان کا سامنا ہوتا چھوٹے بڑے سب کی گردنیں جھک جاتیں ۔

دنیا کے گرداب دور و تسلسل میں دوسری چیزوں کی طرح جو گردش کھاتی رہتی ہیں کبھی سامنے آتی ہیں کبھی غائب ہو جاتی ہیں انسان بھی ایک تصویر گرداں ہے جو ماضی و حال و مستقبل کے پردوں پر بہت کم ایک ہی رنگ میں نظر آتی ہے ۔

ہمیشہ گلشن عالم کا ایک حال نہیں
وہ کون سبزہ روش ہے جو پائمال نہیں

ماضی کی کشمکش سے چھٹ کر اسیر حال کو اپنے مستقبل کی بالکل خبر نہیں ہوتی وہ نہیں جانتا کہ مستقبل نادیدہ کی پہاڑی کے پیچھے اقبال کا آفتاب درخشاں ہے یامہجوری اور افسردگی کی بلائیں ۔ دو چار ہی خدا کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو تاسف ماضی- فکر امروز اور اندیشہ فردا سے بے نیاز ہوتے ہیں ۔ عمر رفتہ خوشی میں گذری ہو یا غم میں انکے حال میں بےکیفی اور بیرنگی پیدا نہیں کرتی ۔ شام غربت کا ھولناک تخیل ہو یا عیش کی راتوں کی خوش کن آرزو ان دونوں پر انکی دلکی رائیں بند ہوتی ہیں ۔ جہاں ہوں جس حال میں ہوں وہ مگن رہتے ہیں ۔

منعم بد شت و کوہ بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

انکا سرور مستغنی جام و سبو ہوتا ہے انکا نفس مطمئنہ شام غربت کو صبح عید بنائے رکھتا ہے ۔ وزارت سے مستغنی ہوکر مہا راجہ بہادر کے قدم کسی اور ہی طرف بڑھتے

چلے جا رہے تھے - جو روش انہوں نے اختیار کی تھی اس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کے روبزوال حشمت و جاہ سے ناتا توڑتے ہوئے وہ فقر و قناعت کی لازوال دولت کے حصول میں اپنا تن من دھن لٹائے چلے جا رہے تھے - تصرفات روحانی کے زینے طے کرکے وہ بھگتی اور شانتی کے بام پر پہونچنے والے ہی تھے کہ دنیا انکے پیروں سے پھر لپٹ گئی - جس ہیجانی دور میں انہوں نے اپنی جوانی میں صدر المہامی کا جائزہ لیا تھا اس سے زیادہ پر آشوب اور بیچین زمانے میں اونہیں اپنے ضعیف کاندھوں پر صدارت عظمی کا بار اٹھانا پڑا - تقاضائے عمر نے انکے کاندھوں کو جس قدر ضعیف بنادیا تھا - تغیر و انقلاب کے مدو جزر نے جسکا انہوں نے چشم بینا سے مطالعہ کیا تھا انکے دل ودماغ کو اسی قدر اس نئے ماحول سے عہدہ برا ہونے کا اہل بنادیا - کسی کو وہم وگمان بھی نہ تھا کہ حکومت کی تنظیم نو کی گاڑی جو علی امام ایسے ذی علم - تجربہ کار - قانون دان - ماہر سیاست کے ہاتوں ہی تھی جب ایسے خوفناک مقام پر پہونچیگی کہ ایک طرف خندق اور دوسری طرف دلدل تو اسکی باگ کشن پرشاد کے ھاتھ میں دیجائیگی - دنیا جانتی ہے کہ جوانتشار سر وقار الامرا کے زمانہ وزارت میں تھا اس میں اوراس انتشار میں جو انکے فرزند نواب ولی الدولہ کے زمانے میں رونما ہوا زمین آسمان کا فرق تھا - اس وقت رعایا بے حس متوسط طبقہ خوشحال اور امراء مالا مال تھے - صرف حکومت کی گتھیاں الجھتی چلی جا رہی تھیں - چند حکام اعلی میں رسہ کشی تھی اور بادشاہ اور وزیر کے تعلقات ہم آھنگ نہ تھے - جس کا عوام سے کوئی تعلق نہ تھا - نہ ھندو مسلمان کا کوئی سوال تھا اور نہ پڑھے لکھے عوام میں سیاسی بیداری پیدا ہو چلی تھی - لیکن اس زمانے میں مودت اور عقیدت کی چولیں ڈھیلی پڑگئی تھیں - یک جہتی کا شیرازہ بکھر چکا تھا - رواداری کی زنجیروں کی کڑیاں کھلنا شروع ہوگئی تھیں - جو دو سخاکی حکایتیں ہی حکا یتیں رہ گئی تھیں اور دولت ادھر ادھر سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو رہی تھی - سہا راجہ بہادر کے برسر اقتدار آنے سے ایک خاص گروہ کو چھوڑ کر ہر طرف مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور زبان خلق کی آواز تھی کہ

بھارت کے سب بجاری سیوا کرینگے اسکی
جس رتھہ کی باگ ہوگی دست سری کشن میں

ریاست اور ریاست کے باھر سے تہنیت اور مبارک باد کے پیغام آنا شروع ہوگئے مشرق کے فلسفی شاعر اقبال نے یہ قطعہ روانہ کیا

صدر اعظم گشت شاد نکتہ سنج - ناوک او دشمنان راسینہ شست
سال این معنی سروش غیب داں - جان سلطاں سر کشن پرشاد گفت

یہ کہنا مشکل ہے کہ سہا راجہ بہادر اس لگی آگ کے بجھانے میں کامیاب ہوگئے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ انہوں نے اس آگ کو قابو میں کرلیا اور شعلے بھڑکنے نہ پائے جو انکے بعد خوب بھڑکے -

ہر ملک میں خواہ وہ روس کی طرح وسیع ہو یا البانیہ کی طرح چھوٹا حکومت کے نظم و نسق کی ذمہ داری وہاں کی حکومت کے صدر یا وزیر اعظم پر رہتی ہے ۔ حکومت کی پالیسی کار پردازوں کی شخصیت کی جانچ جسکو فرنچ میں (Personnel) کہتے ہیں ۔ اور طریق کار کا وہ کلیتاً ذمہ دار ہوتا ہے ۔ مقررہ پالیسی کے تحت اسکو اس امر پر نگاہ رکھنا پڑتی ہے کہ نظم و نسق کا کام بخوش اسلوبی سر انجام پارہا ہے ۔ فرائض کی ادائیگی بخوبی ہو رہی ہے اور جو نتیجہ نکل رہا ہے وہ توقعات کے مطابق ہے ۔ ہر چیز صحیح راستے پر جا رہی ہے اگر کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو وہ نقصان رساں نہیں ۔ وزیر کی سرگرمیاں پالیسی کے تعین اور جہاں تک پرسنیل کا تعلق ہے انکے چناؤ تعیناتی ھدایت اور رہنمائی کی حد تک عملی ہوتی ہیں ۔ کسی خدمت کی انجام دہی کے لئے ایسے انسان کو جو دیوتاؤں کی کہانیوں کا مکمل انسان ہو ملنا ممکن نہیں ۔ جب مکمل شخصیت ہی کا دنیا میں فقدان ہے تو مکمل تعیناتی بھی نامکمل رہے گی البتہ نا مکمل شخص کو ہوشیاری سے چنااور کام پر لگاناکہ کارکردگی میں فرق نہ آئے ایک سمجھدار صدر کا کام ہے ۔ ایسے چناؤ کے موقع پر خاص فنی مہارت وصلاحیت تجربہ ۔ ادراک ۔ وجدان ۔ ذہانت اور سیرت و خصلت پر نظر ڈالنا صدر کا کام ہے اسکی حیثیت ایک انجینیر کی ہے معمار کی نہیں ۔ مگر جہاں پرسنیل اور پالیسی ہی میں صدر کے اختیارات دکھاوے کے ہوں حکومت کی کامیابی اور ناکامیابی کا ذمہ دار صدر کوقرار دینا حقائق سے آنکھیں بند کرلینا ہے ۔ سر علی امام کو باب حکومت کے صدر المہاموں کے چناؤ میں آزادانہ اختیار نہ دیا گیا تھا ۔ یہی نہیں بلکہ وہ اپنے مخالف کو ہٹا تک نہ سکتے تھے ۔ چنانچہ جب ایسا موقع آیا تو انہیں خود صدارت عظمی سے ہٹنا اپنی خود داری قائم رکھنے کے لئے ضروری ہوگیا ۔ اور انہیں قبل از وقت سبک دوش ہوجانا پڑا ۔ جب انہوں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کیا تو وہ سمجھتے تھے کہ ریاست اور رئیس کے لئے جو خدمات اونہوں نے کی ہیں وہ اور انکا اثر جو انگریزی سرکار میں ہے ان کا پلہ بھاری رکھیگا ۔ جنگ اول کے زمانے میں وہ وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے وہ وائسرائے کی کونسل کے وائس پریذنٹ تک ہوگئے تھے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ انکے حیدرآباد آنے میں وائسرائے کا کہاں تک اثر اور زور پڑا تھا لیکن وہ اس امر کو بھول گئے کہ جس راستے پر حیدرآباد کو وہ لئے جارہے ہیں اور اقتدار اعلی کے خوف کو جس طرح وہ آہستہ آہستہ نکالکر بڑٹش رزیڈنٹ کے وقار کو صدمہ پہونچا رہے ہیں وہ انگریزی سلطنت کے افسروں کو پسند نہیں ۔ ریاست کو اسلامی سلطنت بنانے کے منصوبے ۔ سربرآوردہ مسلمان ۔ زمیندار و تجار کو حیدرآباد کی ریاست میں زمین لیکر اور کار خانے بناکر رئیس وقت کا وقار بڑھانے کی ترکیبیں موپلا کو بسانے کی اسکیمیں اور برار کی واپسی کے مطالبے کی تیاریاں سب گورنمنٹ آف انڈیا دیکھ رہی تھی اور موقع کی تلاش میں تھی کہ اپنے یار وفادار اور ہزهائینسوں میں ہز اگزالٹڈ هائینس بنائے ہوئے ذی مرتبہ دوست کے دل و دماغ سے برتری کا

خیال نکالدے۔ چنانچہ انہیں پرنس آف ویلز کی آمد کے وقت ایسے موقعے مل گئے اور انہوں نے حضور نظام کو پریڈ کے موقع پر پرنس آف ویلز کے ساتھ گھوڑے پر آنے کو مجبور کرنا شروع کیا لیکن علی امام اس موقع پر ترکیب چل گئے ۔ دوسرا موقع پھر ڈنرکی شرکت میں آتے وقت پرنس آف ویلز کی موٹر کودوسرے پورٹیکو میں نہر جانیکاموقع مل گیاجس کا بقول شخصے بات کا بتنگڑ بنایا گیا اور نوبت وائسرائے اور نمائندے تاج کے پاس جاکر اس معاملے کے صاف کرنے کی پہونچی ۔ بجائے اسکے کہ علی امام کا دماغ انہیں حکمت عملی اور موقع شناسی کی طرف لیجاکر فارن آفس کے اعتراض کو مٹوادیتا انکی سیادت کا خون انہیں اپنے آبا و اجداد کی راہ پر لے گیا کہ جسکے ہوگئے اسکے ہوگئے وہ اس فتنہ کی شر سے حضور نظام کو بچالے گئے ۔ لیکن اس وقت تک جو انگریز ان پر سیاسی معاملات میں اعتماد کرتے تھے وہ اٹھہ گیا ۔ اور اسکے بعد سے وہ برٹش گورنمنٹ کی ڈھپ کے آدمی نہ سمجھے جانے لگے ۔ جس وقت انہوں نے اس اصول کے تحت کہ انتظامی حکومت کے صدر کو اختیار ھے کہ وہ کیبنٹ میں سے اپنے مخالف پالیسی رکھنے والے وزیر کو ھٹا دے حضور نظام کی بارگاہ میں اصرار کیا تو وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ راج ھٹ والوں کو نہیں دیکھتی اور یہ کہ گورنمنٹ آف انڈیا گھریلو معاملات میں مداخلت کرسکتی وہ خود ھی حضور نظام کو سمجھا چکے ھیں ۔ چنانچہ حضور نظام نے وھی کیا جو راج پاٹ کا مالک کرتا چلا آیا ھے ۔ اور علی امام کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ اب وہ اپنے حریف کے ساتھ انصرام سلطنت کے مشورے کرتے ۔ سر علی کے بعد صدارت عظمی صرف نام ھی نام کی رہ گئی ۔ اور ولی الدولہ میں اتنی ھمت بھی نہ رھی کہ جو پندرہ روزہ ایٹ ھوم صدر اعظم کی طرف سے ھوا کرتا تھا اس تک کو جاری رکھتے خصوصا تقررات کے معاملے میں دستور بیکار سا ھوگیا تھا ۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے انگریزوں کے تقررات چوٹی کی خدمات پر کرالئیے اگر مہا راجہ کا معاملہ نہ ھوتا اور جو عزت اور وقعت انکی ھندوستان میں اور انگریزی حکومت میں تھی اس سے کم و جاھت کا صدر ھوتا تو صدر اعظمی پر بھی انگریز ھی دکھائی دیتا ۔

مہا راجہ بہادر اگر دنیا دیکھے ھوئے نہ ھوتے اور سب کو ملا کر لے چلنے کی قوت ان میں نہ ھوتی توگیارہ سال تک انکی صدارت کا چلنا محال تھا ۔ مہا راجہ بہادرکی خوش قسمتی ھویا اتفاق یا انکی پر کھ انکو معتمد باب حکومت اور کوتوال ایسا ملا جوان کی نیکی ناسی کے دل سے خواستگار رھے اور فتنہ طرازیوں کو روکتے رھے

مہا راجہ بہادر میں اس زمانے میں بھی باوجودیکہ انکی خانگی اور پبلک زندگی دونوں طبقہ امراء کی مخصوص طرز کی نہیں رھی تھی ۔ بادشاہ کی ذات تک ان میں جاگیر دارانہ استبدادیت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اور " بادشاہ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ھوتی " پر انکا ایمان تھا ۔ حالانکہ بادشاہ نے ایسے معاملات سے اپنا راست تعلق خاطر پیدا کرلیا تھا ۔ جن سے علحدہ رھنا ھی بادشاھت کے احترام و منزلت کے لئے

لابدی و اٹل ہے ۔ انہوں نے زندگی بھر اسی کی کوشش کی کہ امراء و جاگیر داروں کی اندرونی گفتگو اور عوام کی عام و خاص صحبتوں میں کبھی رئیس وقت کے احکام معرض بحث نہ بنیں اور یہ دور نیرنگی بھی ذات شاہانہ کی حدتک عقیدت کے رنگ میں رنگا رہے ۔ اس ایک صنف حکومت کو چھوڑ کر باقی سب امور میں انہوں نے اپنے کردار اور افعال سے اپنے آپ کو ایک نئے دور کا صاحب تدبیر عوامی وزیر ثابت کر دکھایا ۔ انکی فہم و فراست معاملہ فہمی اور وقت کی نباضی کی جھلک ان تقاریر میں صاف نمایاں ہیں جو انہوں نے اس زمانے میں سپاسناموں کے جواب میں یا دوسرے موقعوں پر کیں ۔ طبقہ جاگیر داران کی تہنیتی تقریر کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہ ان نامور اسلاف کے کار نامے میری نظر کے سامنے آرہے ہیں جنہوں نے اس باغ اس چمن اس گلشن ریاست کے بوٹے بوٹے کو اپنے خون سے سینچا تھا اور جنہوں نے اس ریاست کی پر عظمت و شان کی سر بفلک عمارت کا گارا اپنے خون سے تیار کیا تھا فرمایا کہ ” اب ضرورت ہے کہ آپ کا طبقہ بھی زمانہ اور ملک کی ضروریات سے واقف ہو کر وہ قابلیت اور اہلیت پیدا کرے جو اس زمانے کے طریقہ حکمرانی کے مطابق ہو۔ قوموں کا نام انکے بہترین اخلاف کے ذریعہ باقی رہ سکتا ہے ۔ دنیا میں صرف وہی قوم زندہ سمجھی جانے کی مستحق ہے جو اچھے اخلاف پیدا کرسکتی ہے اگر آپ کو اپنے اسلاف کا نام و نشان قائم رکھنا مد نظر ہے تو اپنی اولاد کو موجودہ زمانے کے حالات کے مطابق بنایئے ۔ یہ زمانہ پدر من سلطان بود کی قدر کرنے والا نہیں اور یاد رکھئے کہ ملک کی خدمت میں آپ کی عظمت کا راز مضمر ہے اگر آپ نے ملک کی خدمت کے قابل اپنے آپ کو نہیں بنایا تو آپ کے اسلاف کی اور آپ کی عظمت کا قصہ رہ جائے گا ۔ “ مہا راجہ بہادر نے یہ تقریر ۹ ۔ فروردی سنہ ۱۳۳۶ف میں کی تھی ۔ ۲۰ ۔ خورداد سنہ ۱۳۳۷ف جاگیر داران اور زمینداران کے ایڈریس کے جواب میں پند و نصائح کرتے ہوئے مہا راجہ بہادر نے فرمایا

” مجھکو اندیشہ ہے کہ جاگیر داران کا طبقہ ایک بڑے خطرے میں ہے ۔“

جاگیرات کی اصلاح حال کی طرف عدم توجہی اور کار پردازوں پر انتظام کا انحصار رعایا سے اجنبیت اور محض وصول مالگزاری کی دوستی کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ لائیگی ۔ اور اب بھی برے نتائج کچھ کم رونما نہیں ہیں کہ جن کا جاگیر داروں کو سامنا کرنا پڑرہا ہے ۔

اور آج سنہ ۱۳۵۸ف ختم پر ہے ۔ اس بائیس برس کے عرصہ میں جاگیر دار اگر ان تدابیر کو عملی صورت پہناتے جو مہا راجہ بہادر نے اس دن بتلائی تھیں تو یہ طبقہ بہت کچھ کرلیتا اور یہ روز بد دیکھنا نصیب نہوتا اور اپنی جاگیروں میں انہیں اپنا جان اور مال خطرے میں نظر نہ آتا ۔ مہا راجہ بہادر کو ہمیشہ طلباء سے دلچسپی رہی ہے ۔ تعلیم کے متعلق انکا نظریہ کسقدر وسیع تھا اور تعلیم و تربیت کے صحیح اصولوں سے

وہ کہاں تک واقف تھے اور انکی تعلیمی جدوجہد کیا رہی ہے اس کا اظہار ہمیشہ ہوتا رہا ہے ۔ انہوں نے مختلف درسگاہوں اور عثمانیہ یونیورسٹی کے کانوکیشن میں جن خیالات کا اظہار کیا اور تعلیم ۔ طرز تعلیم اور زبان کے معاملے میں جو خیالات ظاہر کئے وہ دور حاضر کے کسی ماہر فن تعلیم کی تنقید میں غیر مفید نہیں اترسکتے ۔ اور اگر ان کے بعض تجویزوں پر عمل کیا جاتا تو زبان اور تعلیم کی جو آگے چل کر مخالفت ہوئی ہرگز نہوتی ۔ چادرگھاٹ ھائی اسکول کے طلبہ و اساتذہ کو جلسہ تقسیم انعامات کے موقع پر مخاطب کرتے ہوئے ۲۴ ۔ فروردی سنہ ۱۳۳۶ف کو فرمایا ۔ ”میں طلبہ و اساتذہ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ صرف درسی نصاب کی تکمیل اور کھیل کود میں شہرت حاصل کرنے کو اپنا نصب العین قرار نہ دیں بلکہ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ جسمانی۔ ذہنی ۔ اخلاقی اور روحانی نشو و نما ۔ تعلیم کا مقصد حقیقی ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے نظام تعلیم ایسا ہونا چاہئے کہ ابتداھی سے ہر طالب علم کی انفرادی کمزوری اس کی ذہنی خصوصیات اور رجحانات ارباب تعلیم و تربیت کے مدنظر رہیں ۔ ایسی تعلیم کے لئے جیسی کچھ سہولتیں درکار ہیں وہ بالفعل ہمارے ملک کے نظام تعلیم میں خاطر خواہ موجود نہیں ہیں اور ان کا فراہم کرنا بھی بعض وجوہ سے نہایت دشوارگذار تعلیمی اور انتظامی مراحل کوطے کرنا ہے ۔ پھر بھی اہالیان تعلیم اور اساتذہ اپنی اجتماعی کوشش اور دلچسپی سے وہ ماحول پیدا کرسکتے ہیں جو تعلیمی اغراض کے مقصد حقیقی کا اصل پیش خیمہ بن سکے ۔“ اپنے جامعہ عثمانیہ کے خطبہ میں جو ۲۶ ۔ دے سنہ ۱۳۳۷ف کو دیا گیا مہا راجہ نے فرمایا ۔

” تعلیم کے مقاصد کو پورا کرنے والے عاملین دو ہیں ایک فطرت دوسرے تربیت ۔ فطرت سے مراد طالب علم کا وہ جو ہر قابل ہے جو قدرتی اسباب کی بناء پر اس میں موجود ہے ۔ اسکے ابھارنے یا سنوارنے کا نام تربیت ہے ۔ کسی قوم اور ملت کی ذہنی اور اخلاقی تربیت اس وقت تک نا ممکن ہے جب تک کہ ارباب تعلیم طلباء کی قومی خصوصیات و روایات اور انفرادی مذاق و رجحان اور دوسری فطری قابلیتوں کو مد نظر رکھکر انکی زبان میں تعلیم نہ دیں ۔ ماہرین تعلیم کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ بجائے غیر زبان کے وطنی زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دینا قومی ترقی کا پہلا زینہ ہے اعلی تعلیم کے مقاصد صرف اسی وقت پورے ہوسکتے ہیں جب ادبی ماحول اور اعلی مذاق کی ایک ایسی فضاء پیدا کی جائے جو علمی جد و جہد ۔ تحقیق ۔ تصنیف وتالیف کے حق میں روح پرور ہو ۔ بیشک جہاں ایسی فضاء ہے وہاں اعلی تعلیم کے مقاصد صرف معاشی سود مندی کے معیار پر نہیں جانچے جاتے ۔ مگر ہمارے ملک میں موجودہ اقتصادی حالات کے نظر کرتے ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو ذہنی نشوونما (کلچر) کے ساتھ معاشی اور اقتصادی پہلو کو بھی نظر انداز نہ کرے ۔“

ہم نے اکثر تعلیم یافتہ اصحاب کو جو اپنی ڈگریوں کو گنا کر اپنی ذات سے قوم کی بڑی بڑی توقعات وابسطہ سمجھا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ صاحب کیا کریں

ملازم سرکار ہیں اور سرکار کی پالیسی پر چلنا پڑتا ہے کہتے سنا ہے لیکن مہا راجہ بہادر میں یہ بات نہ تھی وہ جب موقع ہو تو صاف صاف کہنے میں اور وہ بھی منظر عام پر کہنے میں دریغ نہ کرتے تھے - چنانچہ مدرسہ نورتن و دیالہ گلبرگہ کے سپاسنامے میں سرکاری اور قومی درسگاہوں کا فرق اس طرح ظاہر کیا -

'' قومی مدرسے اور سرکاری مدرسے میں اسیقدر فرق ہے کہ قومی مدرسے کے طلباء کو ایثار اور خدمت ملک کے سیکھنے کا بیشتر موقع ملتا ہے اور انکے سامنے سرکاری احکام کی تعمیل اور مزدوری کے طریقہ پر تعلیم دینے کی مثال سے زیادہ روشن مثال ملک کی سود اور بہبود کی خاطر دل گذاری کے ساتھ بلا معاوضہ یا قلیل معاوضے کے ساتھ تعلیمی خدمات کی انجام دہی رہتی ہے اور یہ وہ امتیاز ہے جو قومی مدرسوں کے فارغ التحصیلوں کو زیادہ کامیاب بناتا ہے '' -

اورنگ آباد کالج کے پرنسپل اور معلمین سے انہوں نے فرمایا کہ '' آپکی قومی حمیت اور جذبات انسانی میں ایسی قوت حاصل رہے کہ وہ محض علم و ہنر کی ترقی آپس کے اتفاق اور معاشی فارغ الحالی کے اسباب کے حاصل کرنے میں آپ کی پوری مدد کرے جو خاص ضروریات ملک کے لئے ایک ہی وجہ نجات ہے ''

اس کالج کے طلباء سے مخاطبت کرتے ہوئے مہا راجہ بہادر نے ۲۸ - اسفندار سنہ ۳۰ف کو جبکہ مدرسوں کے بائیکاٹ کی تحریک اور طلباء کے مظاہرے ہندوستانی سیاسی سرگرمیوں کا جزو تھے - فرمایا -

'' عزیز بچو - تم اپنی درسگاہ میں جس طرح ذہنی تعلیم کے لئے جدوجہد کر رہے ہو اسی طرح جسمانی تعلیم میں بھی ترقی کرنیکی کوشش کرو - اور یاد رکھو کہ جب تک کہ تم اپنی تعلیم کو ختم نہ کرو اورایک ذمہ دار حیثیت اختیار نہ کرلو اس وقت تک خارج تعلیم خیالات کو اپنے دماغ میں نہ آنے دو - فرض شناسی کا تقاضا ہے کہ ہر فرد اپنے مفوضہ کام میں دل و جان سے منہمک رہے ''-

آج انیس برس کے بعد یہی نصیحت انڈین یونین کے وزیر اعظم ہر مقام پر طلباء کو کر رہے ہیں - طیلسانین کی بیروزگاری کا آج ہر طرف رونا ہے اور مادری زبان کا سوال - مہا راجہ بہادر نے عثمانیہ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے سنہ ۱۳۳۱ف میں فرمایا تھا -

'' مجھکو یہ ضرورت بھی محسوس ہو رہی ہے کہ میں یہ بھی معلوم کروں کہ اس کلیہ کے جو متعلمین اپنی تعلیم ختم کرچکے ہیں کن مشاغل میں مصروف ہیں اور کسطرح روزگار پیدا کر رہے ہیں - رجسٹرار جامعہ عثمانیہ محولہ مواد کے فراہم کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں تو ایسا مواد جامعہ کی تعلیمی سود مندی ظاہر کرنے اور انکی سیرت گری اور معاشی افادات کے دلچسپ نتائج کو معلوم کرنے اور مختلف شعبہ جات

کے باھمی تقابل و توازن میں مدد دے گا جامعہ میں مختلف شعبہ جات میں بزم قائم کرنے میں جو دلچسپی لی گئی قابل قدر ہے ۔ تلنگی اور کنڑی کی بزم بھی قائم ہوسکیں تو بہتر ہے ۔ ''عثمانیہ میڈیکل کالج کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس درسگاہ کی عملی سود مندی کے اعتماد اور ایقان پر یہ امید رکھتا ہوں کہ اسکی ایسی توسیع عنقریب ممکن ہوگی کہ یہاں کے کامیاب اطباء اضلاع کے ہر گاؤں اور قصبے میں اصول حفظ صحت کی پابندی کی تعلیم اور خلائق کی خدمت میں عملی حصہ لینگے ۔ دیہات میں جدید فنی واقفیت کے اطباء کی کمی دیہاتیوں کے حق میں ایسا حرمان ہے کہ جسکو مستقبل قریب میں ملک کے ہونہار قومی جذبات رکھنے والے اطباء اپنی قومی خدمات سے بہرہ مندی کے ساتھ مبدل کرسکتے ہیں '' ۔

کانفرنس طیلسانین عثمانیہ میں انہوں نے کہا کہ '' یہ کانفرنس کامیاب سمجھی جائیگی اگر اس نے طیلسانوں کو دائرہ ملازمت سرکاری کے علاوہ زراعت اور تجارت کے ذریعہ کسب معاش پر مائل کردیا اور خدمت ملک کی خاطر شب و روز کی محنت کے معمولی جوہر کو نظر میں رکھکر اعتدال اور صحت کے ساتھ ملک کی خدمت کا ذوق پیدا کردیا ''۔

بورڈنگ لائف کے متعلق انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ '' اقامتی جامعہ میں اساتذہ اور طلباء کی باہم بود و باش اساتذہ کی ذمہ داریوں کو بہت بڑھا دیتی ہے۔ یہ یک جائی اساتذہ کے اخلاق ۔ آداب ۔ اوقات ۔ عادات و اطوار ۔ کردار اور گفتار ۔ سنجیدگی ۔ خوش دلی ۔ غرض ہر بری اور بھلی ادا کا متعلمین کے حق میں موثر طور پر قریبی تعلق پیدا کرتی ہے ۔ اور یہ انتظام اس وقت کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ متعلمین اعلی سیرت اور شخصیت کے نصب العین کو حاصل کرنے کےلئے معلمین کے ساتھ ھمکار ہوکر اول اس احاطہ میں پھر اسکے باھر خود کو با وصف شہری بنائیں ''۔

مہا راجہ بہادر نے ۱۸ ۔ دی سنہ ۱۳۴۶ف مطابق ۲۲ ۔ نومبر سنہ ۱۹۳۶ع جو تقریر کی اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں ۔

''گذشتہ دس سال سے تقسیم انعامات کے جلسہ میں شرکت سال بسال میری مسرتوں کو زیادہ اور میری توقعات کو جو اس جامعہ سے وابستہ رھی ھیں افزوں کرتی رھی ہے ۔ دس سال قبل توپ کے سانچہ اور حیدرگوڑہ کے قرب و جوار میں جامعہ کا انتظام مضمحل اور منتشر تھا اور آج اس منور و مصفا مقام پر جامعہ کی حیات صحت بخشی ۔ ھنر پروری ۔ اجتماعی زندگی ۔ جسمانی ترقی ۔ سیرت گری ۔ امداد باھمی ۔ مالک کی جان نثاری ملک کی خدمت گذاری ۔ رواداری کی علمی روح اور عملی قوت کی طلبا کے حق میں قابل قدر نفس نوازی کر رھی ہے اس صورت حال کو میں ملک کےلئے فال نیک اور طلباء کےلئے سال خیر خیال کرتا ہوں ۔ مجھے امید ہے کہ تعلیم کی نئی تنظیم کے

ساتھ اس جامعہ کے فارغ التحصیل علم و عمل اور حصول معاش میں کامیاب رہینگے اور تعلیم یافتہ اشخاص کی بے روزگاری کا مسئلہ بوجوہ احسن طے ہوسکیگا ،،۔

،، اس جامعہ کی تعلیمی ترقی اور طلباء کی تعداد میں اضافہ معاشی پیچیدگیاں پیدا کرنے کا امکان رکھتا ہے ۔ جامعہ کی تعلیمی ترقی ۔ علمی معیار کی بلندی ۔ مضامین کے تنوع اور سیرت گری کی کامیابی میں مضمر ہے ۔ اہل ملک میں اعلی تعلیم کا شوق اور سرکار کی جانب سے اس شوق کی حوصلہ افزائی جامعہ کے اس اعلی پیمانہ پر قیام کی بین دلیل ہے ۔ لیکن ایک بہمہ صفات متصف فارغ التحصیل بعد فراغ تعلیم بے روزگاری سے دو بدو ہو تو اس کی حسرتوں اور ملک کی مشکلوں کا کیا علاج ہوسکتا ہے ۔ اس کا علاج خدا کے فضل اور ظل اللہ کے اقبال سے یوں آسان ہے کہ طلباء جامعہ فکر معاش کے ضمن میں ملازمت سرکاری کو اپنا نصب العین نہ قرار دیں بلکہ تجارت ۔ صنعت و حرفت اور زراعت کے خیال کو حتی الامکان اپنے پیش نظر رکھیں اور اسی خیال کے پیش رفت میں اپنی تعلیم کو مرکوز کریں ۔

مجھے توقع ہے کہ اس جامعہ میں معاشیات زراعت ۔ معاشیات امداد باھمی ۔علم زراعت اور علم تجارت کے ایسے موثر اور مناسب انتظامات ہو جائینگے کہ اس سے جامعہ کے علمبر داران علم و ہنر ممالک محروسہ حیدرآباد و برار میں معاش کےلئے بڑی وسعتیں پائیں گے ۔

،، دو باتیں میں خاص طور پر طلباء کے ذہن نشین کرنا چاھتا ہوں ۔ ایک یہ کہ انگریزی ۔ عربی ۔ فارسی یا جیسا کہ بعض طلباء کو فرانسیسی اور المانی زبانوں میں مہارت حاصل ہورھی ہے جس حد تک بھی علمی شائستگی کے مفید ہو اس ملک کی ضروریات کے لحاظ سے ناکافی ہے اگر ہر طالب علم اس ملک کے رائجہ دیہی زبانوں سے کم از کم ایک زبان سے پورا واقف نہو ۔ میں چاھتا ہوں کہ ہر طالب علم اپنے لئے تلنگی ۔ کنڑی ۔ مرھٹی سے کوئی ایک زبان لازمی طور پر سیکھے کہ سرکاری ملازمت ۔ تجارت زراعت غرض ہر پیشہ کےلئے مفید اور ملکی زبان کا جاننا ہر کاروبار کی کامیابی کا ضامن ہے دوسرے یہ کہ طلباء کی اقامتی اور اجتماعی زندگی نے بڑی فرصت پیدا کردی ہے کہ اپنے ذوق کو سلیم طبیعتوں کو حلیم اور اپنے نفسوں کو کریم بنانے میں خاص اہتمام کریں ۔ مغربی طرز و ادا کو دخیل کئے بغیر یہاں کے طلباء مشرقی سیرت و کردار کے ضرب المثل نمونے بن جائیں ۔

حیاجرات ۔ پاکیزہ خیالی ۔ صاف گوئی اپنا شعار بناؤ اور اپنی خوشی کو دوسروں کی خوشحالی پر منحصر رکھو ۔ کامیاب رھوگے ۔

تملق ۔ خود غرضی ۔ خوشامد پسندی ۔ نخوت ۔ تعصب ۔ جھوٹی شہرت طلبی سے احتراز کرو سرخرو رھوگے ۔ ،،

وکلاء نانڈیڑ کے اڈریس کے جواب میں انہوں نے مندرجہ ذیل فقرات بھی کہے کہ
'' ملک کی ترقی میں جو حق و حصہ آپ کو سوسائٹی اور اسٹیٹ میں حاصل ہے اسکے اخلاص عمل کے ساتھ ریاست کے غیر متزلزل وفاداری اور محبت کی کمال ہمدردی کے پہلو بہ پہلو تکمیل ۔ ملک کےلئے مفید اور ثمرہ بخش نتائج پیدا کرسکتی ہے ۔ مثل ایک طبیب کے ایک وکیل بھی مذہبی تفریقات سے ایک سچے فرزند وطن کی طرح بالاتر ہے ۔ ہر بے بس کی حمایت میں آپکی کوششیں آپکی ہمت اور خلوص سے یقیناً مشکور ہونگی ۔ . . . . . . میری دلی خواہش ہے کہ دیہات میں پنچایت ۔ قصبات میں میونیسپالٹیاں اور مجالس لوکلفنڈ کی بہتر تشکیل ہو اور یہ اپنے وقت پر قریب میں ہو رہیں گی۔

جلسہ انجمن انسداد بیرحمی برجانوران کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ :۔

''حقیقت یہ ہے کہ انسان سے جانوروں کے ساتھ بے رحمی کو منسوب کرنا ایک ایسی قبیح اور مکروہ نسبت ہے جس سے انسان کی شان گھٹ جاتی ہے ۔ اور وہ ایک وحشی اور غیر متمدن نظر آتا ہے ۔ اس ننگ انسانی کو دور کرنا اور بے بس جانوروں کو آرام پہنچانے کی ہر ممکنہ کوشش ضروری ہے بد نصیبی سے دنیا کے اور ممالک اور ہندوستان کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی روز مرہ کے مشاہدات میں جانوروں پر سختی اور بے رحمی کی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس تنظیم کے بانیوں نے انسداد بیرحمی بر جانوران کا نام اختیار کیا ۔ ورنہ فضلیت اور شرف انسانی کے لحاظ سے انجمن بہبودی جانوران کا لقب زیادہ سزا وار تھا ہندوستانیوں کے حسیات اس عمل سے متعلق خصوصیت کے ساتھ نہایت لطیف اور شریفانہ ہیں جن کا داخلہ قول اور فعل سے جا بجا ملتا ہے ۔ آپ کو معلوم ہے کہ شہر میں فاتحہ اور نیاز کی جاتی ہے تو عموماً دوستوں کی ضیافت ہوتی ہے ۔ لیکن دیہات میں چیونٹیوں کو شکر کھلائی جاتی ہے چیونٹیوں کے پاس و لحاظ کا جب ایسا احساس ہو کہ بقول شاعر

چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

تو پھر ان جانوروں کی ہمدردی اور سیوا جو انسان کے مسخر اور اسکی خدمت میں سب مصروف ہیں اخلاقی فرض انسانی نہیں تو کیا ہے ''۔

آجکل دنیا جس رخ پر چلی جارہی ہے اس میں انجمن ہائے امداد باہمی کا اہم مقام ہے اور وہ اشتراکیت کی بڑی سیڑھی ہے جو تمدن ۔ اخلاق ۔ سیاست ہر شعبہ زندگی پر اثر انداز ہے ۔ سہا راجہ بہادر کو اس تحریک سے ایک دلی لگاؤ تھا ۔ انہوں نے یکم مئی سنہ ۱۹۲۸ ع کو جن خیالات کا اظہار کیا وہ اس تحریک سے انکی دلچسپی کا اور اس امر کا کہ وقت کی ضرورتوں اور آنے والے زمانے سے وہ کسقدر واقف ہیں اظہار کرتے ہیں ۔ انہوں نے فرمایا ۔

عزیز شرکائے امداد باھمی -

آپ کی ان مساعی اور ترقیوں کا حال سن کر مجھکو خوشی ھوئی جو آپ نے ترقی تحریک امداد باھمی کی کامیابی کی خاطر کی ھیں - خوش نصیب ھیں وہ خادمان قوم جن کو اس تحریک کی خدمت گذاری کا انہاک حاصل ھے - اس تحریک کے فوائد اھالیان سررشتہ نے آپ کے ذھن نشین کئے ھونگے اور خود آپ نے ذاتی مطالعہ اور فکر سے اسکی بےشمار خوبیوں پر عبور حاصل کیا ھوگا کہ آپ اس میں دلچسپی لے رھے ھیں -

یہ تحریک ھمارے ملک کےلئے جسقدر موزوں اور ضروری ھے اسکی مثال شائدھی کسی ملک میں مل سکے -

اس تحریک کے اخلاقیات میں یہ بیان کیا جاتا ھےکہ بانیان تحریک کےنزدیک اس کا مذھب یہ رھا ھےکہ امداد باھمی کا مقصود اصلی دنیا کے ھر مرد و زن کی خوشحالی کی خاطر بلا تفریق مذھب و ملت و رنگ ان تھک مسلسل کوشش ھے -

ایسے اعلی اصول انسانیت کے تحت یقین ھےکہ ملک کی جملہ معاشی اور ساجی ضرورتیں کامیاب ھوکر رھینگی -

اگر آپ قدر کریں تو یہ بڑی با قوت جمہوریت آپ کو حاصل ھوئی ھےکہ جسکی بدولت اجتماعی ضرورتوں اور انفرادی سود و بہبود کےلئے ترقی ھنر میں - تعلیم و دولت میں - دیہات کے نظم و نسق میں - بہتر زراعت اور مرفہ الحالی میں حتی کہ فصل خصومات کی مدد سے امن و امان کے قائم کرنے میں بھی کامیاب ھوسکتے ھیں - جس کے عملی تجربے دنیا میں کم نہیں ھیں ،،

بحیثیت صدر جلسہ سوشیل سرویس اسوسی ایشن مہا راجہ بہادر نے ۲۲ - نومبر سنہ ۱۹۲۹ع فرمایا کہ -

،، سوشیل اصلاحات کے درخشان مستقبل کو حاصل کرنا مشکل نہوگا جس کا حاصل کرنا ملک کی ترقی اور تمدن کےلئے ضروری ھے - عام اس سےکہ منزل کو پہنچنے میں قدامت پسندی تقدیر بر ایمان تدبیر سےکراھیت کی سد راہ بلندیاں سستی - غفلت اور اوھام پرستی کی عملی و ذھنی پستیاں کیسی ھی حائل کیوں نہوں اخلاقی قوت کے دباؤ سے مسلسل کام کرنا اور کامیابی حاصل کرنا لازم ھے - معاشرتی اصلاحات کی تحریکات بالکل غیر سرکاری سمجھی جاتی ھیں - اس لئے اس موقع پر میرے خیال کو سرکاری نہیں بلکہ ایک شہری کی حیثیت میں دیکھا جائے -

معاشرتی صدر تنظیم میں یہ امر خاص طور پر ذھن نشین کرنے کی ضرورت ھےکہ ایسی تنظیم فرقہ واری نہو بلکہ ملک والوں کی ایک عام تحریک ھو جسکے رو براہ کرنے میں ذیلی منتظمین مدد دیں - ملک کی عام ضرورت سے متعلق فرقہ واری جدوجہد جب

تک کہ ایک صدر تنظیم کی تابع نہو ثمرہ بخش نہیں ہوسکتی۔ ہمارے ملک کے حالات کے لحاظ سے جب کبھی کوئی معاشرتی یا سماجی تحریک کی ابتدا کی جائے گو اس کی پہلی سوچ بچار دار السلطنت میں ہو۔ یہ یاد رکھناچاہئیے کہ اس کا لازم و قریبی لگاؤ دیہاتیوں سے ہے اور اس امر کو ذہن نشین رکھکر نظام العمل کو ترتیب دیا جائے۔،،

مہا راجہ بہادر نے تعلقداروں کے فرائض کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ آج بھی اتنا ہی مفید اور ضروری ہے جتنا کہ آج سے اکیس سال پہلے تھا اور ہم اسے یہاں نقل کرنا ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے بھی ضروری خیال کرتے ہیں ۔

،، ضلع میں تعلقدار کی حیثیت سرکار کے ایک نائب کی ہے۔ سرکار اور رعایا و برایا کی نظروں میں وہ حق و انصاف کی حفاظت انسداد جرائم اور قیام امن عامہ کا ذمہ دار ہے ۔ گو بطور مقدم سررشتہ مال ہی کا کام تعلقدار کے تفویض ہے ۔ مگر وہ اپنے ضلع میں ہر شعبہ کے نظم و نسق کے بہتر انتظام کا نگران سمجھا گیا ہے ۔ تعلقدار نہ صرف ناظم پولیس ضلع ۔ ناظم امور مذہبی ۔ ناظم محبس ۔ میر مجلس لوکلفنڈ ہے بلکہ دیگر سر رشتہ جات مثل تعلیمات ۔ حفظ صحت ۔ طبابت ۔ امداد باہمی۔تعمیرات۔ ترقیات عامہ ۔ جنگلات اور آبکاری کے کاموں پر بھی تعلقدار کو نگرانی اور انتظام کا اقتدار حاصل ہے ۔

حکومت کی ان گران قدر ذمہ داریوں کا صحیح احساس اور صحیح خدمت اسی وقت ممکن ہے جبکہ تعلقدار کو ہر سررشتہ کے کام سے تفصیلی واقفیت ہو اور ہر سررشتہ کے مقصد کو بہ خاطر رعایا پورا کرنے کی ہمدردانہ کوشش میں وہ پیہم مصروف رہے ۔

ہر ضلع سے متعلق ایک مستقل اسکیم کا جو دیہاتی ضروریات سے شروع کرتے ہوئے عام ضلع کی ضروریات پر حاوی ہو مکمل رکھنا لازمی ہے کہ ہر تعلقدار کی ایک نئی پالیسی اور نیا رجحان اکثر محنت اور زر کو رائیگان کردیتی ہے جس کی بیسیوں مثالیں آپ کی نظروں میں ہونگی ۔ تعلقداروں کو تعمیری تجاویز کے بر سرکار لانے میں ایسی ہی دلچسپی لینی چاہئیے جیسی کہ دفتری کام کی انجام دہی میں ضروری ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ ذمہ دار عاملانہ خدمت کا حامل خدمت کے کسی پہلو سے بھی غافل نہو ۔ نہ یہ صحیح ہوسکتا ہے کہ کوئی بارہ مہینے بلا مقصد مستعدی کے ساتھ دورہ کرے نہ یہ صحیح ہے کہ کوئی تعلقدار ایک اہلکار کی طرح محض دفتری کام میں گتھا رہے ۔

تعلقدار کا ایک اہم ترین فریضہ یہ بھی ہے کہ سرکار کے دئے ہوئے اقتدارات کی مدد سے انسانی حسیات اور دیانت کے ساتھ اس امر کی نگرانی اور کوشش کرے کہ بلا لحاظ درجہ ہر عہدہ دار ایک افسر دیہی سے لیکر بڑے عہدہ دار تک جو ان کے ضلع میں ہیں حق و انصاف کے راستہ میں سختی کے ساتھ متدین رہے ۔ مجھکو ان ناعاقبت اندیش عہدہ داروں سے بحث نہیں ہے جن کا مقصد حیات بد دیانتی اور رشوت

ھو - اور جن کے نفس پر خود ان کو اپنا اعتبار باقی نہ رہا ھو بلکہ ھر سچے محب وطن خیر خواہ سرکار خادم ملک تعلقدار سے میری یہ توقع ھے کہ ان کی دیانت نہ صرف ان کی حدتک محدود رھے بلکہ ان کا یہ فرض عین ھونا چاھئے کہ ایک پٹواری - ایک کانسٹیبل ایک گرداور - ایک پیشکار - ایک تحصیلدار - ایک چوکیدار - ایک داروغہ ایک امین غرض ھر سررشتہ کے ھر عہدہ دار کی دیانت پر وہ نگرانی رکھے - او بصیغہ راز بد دیانتوں کی طرز روش کی نسبت افسران سررشتہ کو متوجہ کرتا رھے - ایسا نہ کرنا ضلع کی ذمہ دارانہ خدمت کی انجام دھی سے غفلت اور اسکی نا اھلی کے برابر ھے - غرض میرے نزدیک ھر تعلقدار مفوضہ ضلع کے ھر عہدہ دار کی بد دیانتی کا ذاتی طور پر خود ذمہ دار ھے -

وہ زمانہ گذر چکا کہ جب تعلقدار جمعبندی کا ٹھکانہ پوچھتے ھوئے دورہ کرتے تھے - اب ضرورت اس کی ھے کہ تعلقدار ھر انتظامی معاملہ میں گہری واقفیت رکھتا ھو سماجی اور سیاسی تحریک سے باخبر ھو اور بہترین طریقہ نظم و نسق سے اسکو پوری آگاھی ھو - اس علم وقوف کو ترقی دینے کےلئے تعلقداروں کو پیہم کوشش کرنی چاھئے یہ ایسی ضرورت ھے کہ اس کی تکمیل محض سررشتہ مال کے معمولی امتحان کی کامیابی سے نہیں ھوسکتی بلکہ اس کے لئے ایک وسیع مطالعہ اور مشاھدہ کی ضرورت ھے - ممکن ھے کہ گورنمنٹ عنقریب اس تدبیر پر بھی غور کرے کہ جملہ اول تعلقداروں کے عام معلومات اور تجارب کا اندازہ کرے - جس سے یہ معلوم ھو کہ ان کے عام معلومات واقفیت طریقہ ھائے نظم ونسق - تحریکات معاشی و سیاسی - اور ملک کے شعبہ جات صنعتی و زراعتی میں تعلقدار صاحبان کا مبلغ علم کیا ھے -

اس موقع پر مجھکو ھدایات دینا مقصود نہیں ھے کہ لوکلفنڈ کا مصرف اولاد یہات میں کیا جائے یا مزارعین کے بچوں کی تعلیم کےلئے کوشش کی جائے یا دیہات میں امداد باھمی کے بنک قائم کرکے مزارعین کی مالی حالت کو سنبھالا جائے - مجھکو صرف یہ بتلا دینا ھے کہ واقفیت - صداقت - عدالت - دیانت - رعایا کی بہی خواھی اور سرکار کی وفا شعاری کو ملحوظ رکھتے ھوئے رواداری کے ساتھ بلا تعصب ملت و مذھب وہ سب کچھ کریں جس سے رعایا پھلے پھولے ملک کا عام انتظام لایق عزت ھو اور نیک نامی دیگر اقطاع ملک میں باعث شہرت و تقلید ھو -

آپ کی ھر سعی حسنہ کے مشکور ھونے کا میں متمنی ھوں تا بحد اقتدار حاصلہ امداد کا وعدہ کرتا ھوں اور اس کانفرنس کی ھر اچھی تحریک کو کامیاب دیکھنے کا منتظر رھونگا - ‘‘

مہا راجہ بہادر کا خطبہ صدارت جو انہوں نے آیور ویدک و یونانی طبی کانفرنس کے اجلاس ھفتم میں دیا - فن طب کے لحاظ سے خاصی اھمیت رکھتا ھے اور ناظرین کےلئے دلچسپی سے خالی نہوگا -

محترم اطباء و وید صاحبان معزز حضرات !

" ارباب کانفرنس کا شکر گذار ہوں جنھوں نے مجھے اس کرسی پر بیٹھنے کی اجازت عنایت فرمائی جو حکما وطن کے واسطے مخصوص رہنی چاہئے تھی - اسکی وجہ غالباً یہ ہو کہ میں نے بھی طب کا درس زمانہ طالب علمی میں حکیم مظفر الدین صاحب مزاج مرحوم سے لیا ہے اور اپنی دیوڑھی کے متصل ایک مکان میں جو آج تک دوا خانہ کے مکان کے نام سے موسوم ہے مرحوم حکیم صاحب کے ساتھ بیٹھ کر باضابطہ مطب بھی کیا ہے - عنفوان شباب میں مجھے اس فن سے دلچسپی رہی ہے - چنانچہ کچھ اناٹومی آنجہانی ڈاکٹر اگھور ناتھہ سے بھی پڑھی اور فزیشن میں اپنے فیملی طبیب ڈاکٹر محمد حسین مرحوم کے نسخوں کو جو وہ وقتاً فوقتاً میری فیملی کے مریضوں کے واسطے لکھتے تھے - جمع کرکے بعض اوقات ضرورت کے وقت اون سے کام بھی لیا -

آیور ویدک میں لوکا باپو وید سے جو اس فن میں بے بدل شخص تھے دوا سازی میں کشتہ جات وغیرہ بنانے کی ترکیب سیکھی چنانچہ اب بھی میرے پاس میرے ہاتھ کے بنائے ہوئے کشتہ جات طلا خالص فولاد اور ابرک ایک ہزار آنچ کے کشتے موجود ہیں - میرا خیال تھا کہ ان فنون میں ایک حدتک کوشش کرکے کمال حاصل کروں لیکن زمانہ کی مصروفیتوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ میں اس سلسلہ کو جاری رکھ سکتا - اب صرف اتنی مہارت رہ گئی ہے کہ آپ حضرات کی عدم موجودگی اور وہ بھی عالم اضطراب میں نبض کی بردہ پوش حرکتیں انگلیوں کے سہارے سے ٹٹول لیتا اور کبھی کبھی ضرورت کے وقت نسخہ بھی لکھ لیتا ہوں -

جس فن کے نمایندوں کی صدارت کی مسرت مجھے حاصل ہو رہی ہے اسکے آغاز سے ہماری کتابیں اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح ہم انسانوں کی تخلیق کے معصومانہ واقعات سے تاریخ ساکت ہے - باوجود اس کم مایگی کے عقل کی رسائی یہ فتوی دیتی ہے کہ امراض کی بھی پیدا وار انسانی تخلیق کے ساتھ ھی ساتھ ہوئی ہے اور اسی وقت سے انسانی عقول نے اسکے دفعیہ کی تدابیر سوچنی شروع کی ہیں اسی بناء پر ہندوؤں کا نظریہ یہ ہے -

آغاز آفرینش میں مہا راجہ اندر جی نے مہارشی بھار دوج کو چکتسا سکھائے تھے - ان سے دوسرے رشیوں نے سیکھا اور کتابیں پتوں پر لکھہ کر محفوظ کیں - چنانچہ علم ویدک میں چرک کی تالیف چرک شاستر نہایت مستند مانی جاتی ہے -

قدیم یونان اور مصر میں بھی اسی قسم کی روایتیں مشہور تھیں ان ملکوں میں بھی اسکے دو دیوتا لے سپے اس اور اسی رس مانے جاتے تھے - طب یونانی سے صدیوں قبل آیور ویدک نے ہندوستانیوں کے امراض کو دو رکیا ہے اور اپنی تیر بہدف دواؤں

اور کامیاب طریقہ علاج سے انکو تندرستی کے گہوارہ میں سلایا ہے - جن لوگوں کو ہندوستان کی قدیم تاریخ پر عبور ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ آیور ویدک نے قدیم ہندؤں کی تہذیب اور تمدن کے زمانہ میں کیا کیا کار نمایاں کئے ہیں - جسکا اعتراف آج دنیا کے ممتاز فضلاٴ کو ہے پروفیسر ولسن نے اعتراف کیا ہے کہ قدیم ہندؤں نے علم طب اور جراحی میں اسقدر مہارت حاصل کی تھی - جسقدر دوسری اقوام نے نہیں کی - انکا علم تشخیص عمدہ ہے اور ان کا میٹریا مڈیکا وسیع ہے سر ولیم ہنٹر لکھتے ہیں -

ہندوستانی طب میں اس علم کی جملہ باتیں بیان کی گئی ہیں - انکے علم دواسازی میں ادویات تیار کرنے کے دانشمندانہ طریقے بتلائے گئے ہیں اور ادویات کے استعمال اور ترتیب کے متعلق بہت سی ہدایات دی گئی ہیں -

بودھوں کے زمانہ میں اس علم نے بڑی ترقی کی - اسکی بڑی بڑی درسگاہیں قایم کی گئیں اور عوام کے فائدہ کے واسطے شفا خانے بھی قایم ہوئے - چرک ششرت واگ بھٹ یہ اس فن کی مشہور کتابیں ہیں - جسکا عربی میں ترجمہ ہوچکا ہے تاریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندو سرجری (جراحی) سے بھی نا واقف نہ تھے - ان کے آلات جراحی کے متعلق ایک مغربی فاضل لکھتا ہے کہ ہندؤں کے پاس آلات جراحی نہایت تیز تھے - یہاں تک کہ اس سے ایک بال بھی چیرا جاسکتا تھا - وہ اعضا جسم کو نہایت کامیابی کے ساتھ بریدہ کرتے تھے - مقطوع اعضاٴ سے جو خون نکلتا تھا اسکو روکتے تھے - امراض رحم - فتق - ناسور - بواسیر کا آپریشن بھی کرتے تھے - شکستہ ہڈی کو باقاعدہ جوڑتے تھے - الغرض قدیم ہندؤں کا یہ فن کیا بلحاظ اصول اور کیا بلحاظ ادویہ اور کیا بلحاظ عمل اس زمانہ میں نہایت مکمل تھا اور اس دور تہذیب کا برابر ساتھ دے رہا تھا لارڈ امپتھل گورنر مدراس نے ایک دفعہ کہا تھا -

ہندوستان کے لوگوں کو کرنل کنگ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کیونکہ انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ جس زمانہ میں یورپ تاریکی اور جہالت میں مبتلا تھا اوس وقت ہندوستانی حفظ ماتقدم - امراض اور دفع امراض سے واقف تھے -

ان ترقیوں پر اگر وید صاحبان ناز کریں تو بجا ہے - مگر یہ ماضی کا ذکر ہے خدا کرے کہ حال بھی ارتقا کے سامان پیدا کرسکتے اور حاملان فن اپنے موجودہ اضمحلال کو دور کریں -

عہد اسلام میں جہاں اور علوم و فنون خلافت کے گہوارے میں پلے اور بڑھے وہاں فن طب بھی اس سے محروم نہ رہ سکا - اگر آپ مسلمانوں کے علمی نشو و نما کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جب یہ فتوحات کے بعد سستانے لگے تو ان کی دماغی ضرورتیں ادھر ادھر منتشر ہوئیں انہوں نے فلسفہ بھی پڑھا اور دوسرے نظری علوم بھی اور لگے ہاتھوں عملی فنون کو بھی یونانیوں سے مستعار لے لیا -

چونکہ فن طب بھی منجملہ ان فنون کے تھا جس کے موجد مسلمانوں کی رائے میں یونانی تھے اور جن کی شاگردی میں مسلمانوں کا یہ دور ترقی کر رہا تھا (گو کہ اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے آیور ویدک سے بھی بہت کچھ سیکھا اور اس فن کی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں - قابل ویدوں کو دربار خلافت میں باریابی اور رسائی کی عزت ملی) اس لئے دنیائے طب نے افلاطون کو خلاق مان لیا اور ارسطو کو پیغمبر شیخ الرئیس کی امامت پر بلا اختلاف سر تسلیم خم کردیا گیا - اسی امام سے یورپ کو بھی تلمذ ہے -

مسلمانوں نے جب اس میدان میں قدم رکھا تو اس میں اپنی طرف سے بھی اپنے ممالک کی آب و ہوا طرز معاشرت اور عام مقامی ضرورتوں کے لحاظ سے اضافہ کرلیا - اور اس کو یہاں تک اپنا بنایا کہ طب یونانی اور اسلامی دو مترادف جملے ہو گئے -

اس میں ذرا شک نہیں کہ طب عربی زیادہ تر وھی ہے جو طب یونانی ہے عربوں نے اتنا کیا کہ دوسرے ممالک کی آب و ہوا - طبائع - عادات اور قومی مذاق کے لحاظ سے اس میں کچھ تبدیلیاں کرلیں اور بعض اہم اضافے بھی کئے - فن تشریح ابدان اور ترکیب اجسام حیوانات میں ترقی کی - اصل ترقی جو انہوں نے کی وہ فن دوا سازی اور استعمال ادویات کی ہے - چونکہ ان کے تعلقات اہل ہند اور دوسرے مشرقی قوموں کے ساتھ قایم ہوچکے تھے - اس لئے ان کو بعض نئی بیش قیمت دوائیں ایسی دستیاب ہوگئیں جو آج تک اپنے نادر خواص کے لحاظ سے رائج اور مستعمل ہیں - قرابادین کے سب سے پہلے ترتیب دینے والے وھی ہیں اور انہی نے سب سے پہلے عطاری اور دوا سازی کے کار خانے قایم کئے بہت سی دواؤں کے نام اور بہت سی طبی مرکبات جو آج کل مستعمل ہیں وہ سب انہی کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہیں - بلکہ زمانہ حال کا فن دوا سازی سب عربوں کا ھی ایجاد کیا ہوا ہے -

مشہور ہے کہ فن جراحی میں عرب یونانیوں سے سبقت نہ لیجاسکے ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو مگر جب حکیم ابوالقاسم زہراوی اندلسی کی کتاب التصریف (جس کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوچکا ہے) یورپ میں شائع ہوئی تو صدیوں یورپ نے اسی کو مشعل راہ بنایا اور اسکو ایک مجتہدانہ تصنیف سمجھہ کر مستفید ہوتے رہے اسی لئے اہل یورپ نے مسلمانوں کے طبی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور اس وقت کیا ہے جب انکے اسلاف کا کفن بھی میلانہ ہونے پایا تھا وہ جانتے تھے کہ ان کے دماغی سرمایہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور آئندہ ہماری بنیادیں اسی مسالہ سے استوار ہوں گی ہماری بے حسی اور غفلت سے یورپ نے فائدہ اٹھایا اور فن جراحی میں وہ دستگاہ حاصل کرلی جو مسلمانوں اور ہندوں کو حاصل کرنی چاہئے تھی ہندوستان کے دیہات میں جراحی کا فن آج بھی زندہ ہے مگر اسی ابتدائی حالت میں بلکہ اس سے بدرجہا کم اتنہا تک اس کو کون پہنچائے اور اپنی کھوئی ہوئی ودیعت کو کون واپس لائے اس پر ارباب فن ھی غور فرماسکتے ہیں -

زمانہ جاہلیت میں یہ عام عقیدہ تھا کہ بیماریاں خدا کے غضب سے آتی ہیں یا جنات اور بھوتوں کی برہمی سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے یہ عقیدت مند بیمار اپنا علاج بھی گنڈے اور تعویز سے کراتے تھے ہندوستان میں چیچک کو آج تک سیتلا دیوی کا قہر مانا جاتا ہے اور چھوت چھات اسی دیوی کے احترام کی وجہ سے کی جاتی ہے اور اب تک قدیم گھرانوں میں قدیم خیالات رکھنے والے چیچک کا علاج پوجا پاٹ سے جس سے دیوی کی شانتی ہو کیا کرتے ہیں ۔ ان عقائد کو کون دور کرسکتا ہے اور کون سمجھا سکتا ہے کہ چیچک کا مرض نہایت قدیم ہےاور دھنو نتری مہا راج کو معلوم تھا کہ چیچک کا علاج گائے کے تھن میں ہے ۔

چوتھی صدی ہجری میں حکیم ذکریارازی نے کتاب "الجدری و الحصبہ" تصنیف کرکے ان توہمات کو باطل کردیا دنیا کو جگادیا اور چیچک کے مریضوں کو زندہ کردیا اسی کتاب کے متعلق انسائیکلو پیڈیا کے مصنفین لکھتے ہیں ۔

چیچک کے ابتدائی وجود کی سب سے معتبر شہادت اس بیان میں موجود ہے جو نوین صدی کے ایک عرب طبیب رازی نے لکھا جس نے اس کا طریقہ علاج بتلایا اور اور اس کے لئے ہدایتیں کیں ۔

رازی کی اس کتاب کو بیروت کے ایک مسیحی نے سنہ ۱۸۷۲ع میں نہایت اہتمام سے چھپوا کر مسلمانوں کی غفلت اور بے حسی پر ایک تازیانہ لگایا اگر حکیم زکریا چیچک کے مرض پر حکیمانہ نظر نہ ڈالتا اور اس کی حقیقت اس کے انتقال اور تعدی کے اسباب نہ معلوم کرتا تو آج یورپ اس کی تصنیف کی کیوں قدر کرتا ۔ رازی چیچک کی حقیقت اور علاج کا تنہا موجد نہ تھا بلکہ اس نے نشہ آور اشیاء کی عرق کشی کرکے اسپرٹ تیار کرنے کا طریقہ انکشاف کیا ۔ گندھک اور چونا بھی اسی حکیم کے انکشاف میں کہا جا تا ہے ۔ زمانہ سلف میں اطبائے کے واسطے یہ لازمی تھا کہ مختلف علوم و فنون کے ساتھ علم طب اور تشریح کو بھی حاصل کریں چنانچہ وہ تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے واسطے دور دراز مقامات کے سفر کیا کرتے تھے اور مختلف علوم وفنون کے ساتھ طب اور تشریح میں بھی ایسی دستگاہ حاصل کرلیتے تھے کہ دنیا ان کا لوہا مانے بغیر نہ رہتی تھی اسحاق بن حسین کو کون نہیں جانتا اس کی تصانیف از منہ وسطی میں دروس طبیہ کی بنیاد ہوچکی ہیں ابن بیطار کو کون نہیں پہچانتا جس کی کتاب "جامع مفردات الا دویہ الاغذیۃ" کے متعلق ایک جرمنی مستشرق لکھتا ہے ۔" دیوسقوریدس کے عہد سے یورپ کی بیداری تک اس کتاب کے مشابہ کوئی کتاب نہیں پائی گئی ۔"

تدابیر تطویل حیات بھی ایک قدیم کتاب کا نام کتابوں میں نظر سے گزرا ہے جس کو بعض بقراط کی تصنیف کہتے ہیں اور بعض جالینوس کی کسی کی بھی ہو مگر اس کا مطالعہ حکما کے لئے ضروری ہے کیونکہ دنیا میں کون ایسا ہے جو طول حیات

کا آرزو مند نہ ہو ممکن ہے کہ ڈاکٹر فارونوف نے اس کے مطالعہ سے موجودہ دنیا میں هل چل پیدا کردی ہو - افسوس ہے کہ ہماری دیسی طب اس تحقیقات سے لاپروا ہے اور اپنی زندگی کو یہ کہہ کر زندگی میں شمار کراتی ہے کہ پدرم حکیم بود -

جن چند حکماٴ سلف کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ سب علم کے سرمایہ دار تھے علم ان کے لئے خلق ہوا تھا اور یہ علم کے لئے - اب ہماری کورانہ تقلید پر فہمیدہ قومیں زیر لب مسکراتی ہیں جس کو ہم تحسین و آفرین کی صدائے باز گشت سمجھتے ہیں -

موجودہ زمانہ میں جو اطباٴ اور وید پیدا ہو رہے ہیں اور جن سے آئندہ نسلوں کی توقعات وابستہ ہیں با ستثنا ٴ چند وہ مقررہ درسیات تو پڑھ لیتے ہیں اور رٹ رٹا کر سند بھی حاصل کرلیتے ہیں مگر ان سے کوئی ماہر فن اگر فنی سوال کر بیٹھے تو وہ یقیناً بغلیں جھانکنے لگیں کیونکہ انہوں نے نہ تشریح میں کوئی کمال پیدا کیا ہے نہ طب ابدان میں دستگاہ بہم پہنچائی ہے نہ مرض کی تشخیص سے کماحقہ واقف ہوتے ہیں نہ قارورہ کے جراثیم قدرتی عینک سے ان کو نظر آتے ہیں نہ نبض کی پیچیں حرکات نے باطنی خرابیوں کا پتہ دیا ہے اور نہ انسانی مشین کے ان پرزوں کا تاریک حجرے میں انہوں نے مطالعہ کیا ہے - جس کی قدرتی صناعیوں پرعقول حیران و ششدر رہ جاتی ہیں -

مغربی ہواوں نے جس طرح ہماری صنعتوں کو دست بریدہ کردیا تجارتوں کو ہم سے چھین لیا سنسکرت اور عربی کے علوم کو ہم سے ترک کرادیا اسی طرح ہندو اور مسلمان اطباٴ کے دماغی اجتہاد سے ہم اپنے اعمال کی بدولت محروم ہوگئے پچھلے اسباق محو ہو ہو کر بھولے ہوئے افسانے رہ گئے - آہ یاد ایام طلباٴ کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ طوطوں کی طرح رٹ کر سند تو حاصل کرسکتے ہیں - جس سے نوکریاں بھی مل جائیں گی - اور پیٹ کی بے چینی بھی دور ہو جائیگی - مگر یہ ہیئت فن کو فروغ دینے کی بجائے فنا کے درواز تک پہنچا کے رہیگی - ہمارے ہندوستان نے بڑے بڑے اطباٴ اور وید پیدا کئے تھے جنہوں نے خلق خدا کی ایسی بے غرضانہ خدمات کی تھیں کہ جنکے چرچے آج بھی زبانوں پر ہیں اور رہتی دنیا تک رہیں گے - خدا غریق رحمت کرے مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب کو جن کی حاذقانہ نظروں نے اطباٴ اور ویدوں کی کمزوریوں کو محسوس کر لیا تھا - اور اپنی تنہا کوشش سے طبیہ کالج اور طبی کانفرنس کی بنیاد ڈال کر دیسی فنون طب کو زندہ رکھنے کی تدبیریں بتا گئے تھے - سنتا ہوں کہ کالج پروان چڑھ رہا ہے اور اس میں یونانی آیور وید ک ایلو پیتھک اور سرجری کی مخلوط تعلیم ہوتی ہے - کانفرنس کے جلسے بھی ہر سال مختلف شہروں میں ہوتے ہیں اور ہماری گورنمنٹ کی طرف سے بھی تقریباً ہر سال آپ کے معتمد کو بھی سرکاری نمائیندہ بنا کے بھیجا جاتا ہے -

آل انڈیا طبی کانفرنس جس میں وید اور طبیب صاحبان دوش بدوش کام کر رہے ہیں مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس کانفرنس کی کوششوں اور لگا تار تحریکوں سے دیسی فنون طب کے حاملوں میں ترقی کرنے کا ولولہ اور جوش پیدا ہو چلا ہے اور

وہ اب اپنے فن کو ترقی دینے کی کوشش میں کروٹ لے رہے ہیں ۔ جس کا ابتدائی نتیجہ برطانوی ہند کے مختلف صوبوں میں ظاہر ہو رہا ہے اور خود صوبوں کی گورنمنٹیں بھی ان شریف فنون کی سرپرستی کرتی نظر آرہی ہیں چنانچہ مختلف صوبوں میں گورنمنٹ کی طرف سے طبی کالجوں کا قیام اور لوکل سلف گورنمنٹوں کی طرف سے مینو سپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں وید اور اطباء کا تقرر اس کا قوی شاھد ہے ۔

حضرات میں جانتا ہوں کہ آل انڈیا طبی کانفرنس سے متاثر ہو کر حکیم ہری گوبند صاحب نے جو ہمارے شہر کے ایک نامور قابل وید تھے نظام آیور ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کی بنیاد ڈالی جس کا دائرہ عمل دولت آصفیہ تک محدود ہے ۔ ابتدائے قیام کانفرنس سے مجھے اس کے ساتھ دلچسپی رہی ہے اور میں نے اس کانفرنس کی مدد کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا ہے آج اگر حکیم ہری گوبند صاحب زندہ ہوتے تو وہ جس قدر جوش سے میرے اس بیان کی تائید کرتے اس کو آپ خوب سمجھ سکتے ہیں ۔ البتہ ان کے بعض خواهشات کی تکمیل کےلئے زمانہ نے مہلت نہ دی اور وہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے ۔ اس کانفرنس کے چند جلسے بھی ہوئے چند روز زور شور بھی رہا ۔ لیکن نہ معلوم اس کے بعد کیا جمود چھا گیا کہ اب تک ملک کو اس کے عملی کام کا کوئی پتہ نہیں چلا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ حاملان طب کی غفلت اور ان کی آپس کی نا اتفاقی ہے اور کم توجھی جو ایسے مفید کام کو سرسبز اور شاداب نہیں ہونے دیتی ۔ حضرات وید صاحبان ہوں یا طبیب صاحبان دونوں سے میں کہتا ہوں کہ اب غفلت کا وقت نہیں ہے نا اتفاقی کو دور کیجئے اٹھئے اوراپنی اس کانفرنس کو اپنی متفقہ کوششوں اور نیک مشوروں سے کامیاب بنایئے ۔ خصوصاً جبکہ حکیم دکن آصفجاہ سابع خلد الله ملک کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر موجود ہے ۔ خدا اس کو صدویں سال قائم رکھے جو یونانی طب کا مسیحا ہے اور جو اپنے مشرقی خیالات کے اعتبار سے اور مشرقی بادشاہ ہونے کی حیثیت سے بو علی سینا کے حکیمانہ اجتہاد بر سر تسلیم خم کرنے والا ہے ۔

آپ حضرات سے میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایسے زرین مواقع بار بار نہیں ملا کرتے اس کو اپنے ہاتھوں سے جانے نہ دیجئے اور اپنی زندگی کو اس فن کےلئے وقف کر دیجئے تاکہ غیروں نے آپ کے مقابلہ میں جو دوکانیں لگا رکھی ہیں ان سے آپ کی قدامت شرمندہ نہ ہونے پائے ۔ ہندوستان کیا بلکہ دنیا میں سرکار آصفیہ ہی وہ واحد حکومت ہے جس نے ابتدا ہی میں دیسی فنون طب کی سر برستی فرمائی اور اسکے واسطے ایک علحدہ سررشتہ بنایا بلدہ میں اس کے دوا خانے اور تمام اضلاع میں گرانٹ یاب اطباء ملا کر ایک سو سے زائد (ہر ضلع اور تحصیل میں) دوا خانے کھولے ۔ جس پر سرکارعالی دو لاکھ ستر ہزار تیس روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے اور آئندہ بھی اس سررشتہ کے ارتقاء کا ساتھ دے گی ۔ جسکے آثار حضور پرنور خلد الله ملکہ کے فرمان مبارک سے ظاہر ہوچکے ہیں اور اسی فرمان و اجب الاذعان کی بناء پر ناف بلدہ میں ایک

عظیم الشان عمارت صدر شفا خانہ نظامیہ کی زیر تعمیر کیا بلکہ قریب تکمیل ہے اور عنقریب عظیم الشان یونانی شفا خانہ کی حیثیت میں دنیا میں اپنا ثانی نہ ہوگی۔

اطباء اور وید صاحبان ۔

اس وقت کو غنیمت سمجھئے اور جو کچھ کرنا ہو پہلی فرصت میں کرلیجئے اپنے ہی ملک کی آب و ہوا کی مناسبت سے اپنے ملک کے دفینوں سے آبحیات نکالئے اپنے ہی پہاڑوں کے نشیب و فراز پر طبی جواھرات کی تلاش کیجئے اور اپنے ہی گھنے جنگلوں سے جڑی بوٹیوں کے خواص معلوم کیجئے ۔ اپنے ہی ملک کے کانٹوں میں الجھئے اور اپنے ہی باغوں کے پھولوں سے دماغ کو فرحت پہنچائے ۔ اسلاف نے جو اکنشافات کئے تھے ۔ وہ گھرونکی چار دیواری میں محدود رہ کر اور صرف طبی کتابوں کی ورق گردانی کرکے نہیں کئے تھے ۔ یوروپین قوموں کو دیکھ لیجئے جو تحقیق اور تلاش میں جانیں ضائع کرتی رہتی ہیں مگر ان کا عزم صمیم اور قوت ارادی ان قربانیوں کو خاطر میں نہیں لاتی اپنے مقصد کو پیش نظر رکھتی ہے بیداری ہو یا خواب اسی دھن میں لگی رہتی ہے تو ان کا بول بالا ہے ۔ ابن بطوطہ نے سفر کے مصائب کیوں برداشت کئے تھے ۔" بیرونی " نے ہندوستان کی بادیہ پیمائی کیوں کی تھی اور اپنے ہم وطنوں سے کیوں منھ موڑا تھا اس لئے کہ جدید معلومات سے دماغ کا خزانہ خالی نہ رہے شمالی ہند کو چھوڑئے جنوبی ہند میں سر زمین دکن ایسی ایسی غیر معلوم اشیاء کی خزانہ دار ہے جس کے فوائد کسی بھیل گونڈ سے جا کر پوچھئے کسی جاھل تلنگے یا مرھٹے سے دریافت کیجئے کیا ہماری پستی اس کی بھی اجازت نہ دے گی کہ ہم اپنے ہی ملک کا چکر لگائیں اور اپنے مقبوضہ خزانوں سے وہ دولت نکال لائیں جو ہمارا فطری حق ہے اور جس سے ابناء ملک کی زندگی کا تعلق ہے ۔

محترم حکماء و وید صاحبان ۔

آپ کا یہ پیشہ عبادت ہے جس کو اگر صحیح طریقہ اور دلسوزی سے کیا جائے تو دین دنیا دونوں کی راحتیں نصیب ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کیجئے اور ملک اور مالک کے سچے خادم بنئے ۔

حضرات ۔

آخر میں آپ کا پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہ آپ نے ان عظیم الشان فنون کی نمائندہ جماعت کی صدارت کے لئے اپنی محبت سے اس فقیر کا انتخاب فرمایا اپنے آقائے ولی نعمت سلطان العلوم حضور پرنور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کی دوام دولت و اقبال کی دعاء کرتا ہوں آپ آمین کہئے "

نمائش ماکیان کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے اونہوں نے کہا کہ " فلاحت و باغبانی مرغیوں کی پرورش اور ان کی تجارت کے فنون صرف شہری دلچسپی اور شہریوں

کے شوق و ذوق تک محدود نہیں ہیں بلکہ معاشی اعتبار سے ایک زرعی ملک کے باشندوں کے حق میں بیش بہا طور پر نفع بخش ہوسکتے ہیں ۔

آسٹریلیا جہاں اجناس کی پیدائش میں ممتاز ہے میووں کی پیدائش اور تجارت میں بھی مالی ذرائع کی تو فیر کے باعث اپنی آپ نظیر ہے ۔کتنے متمدن زرعی ممالک ایسے ہیں جو مرغی اور انڈے کی تجارت سے مالا مال ہیں ۔ اس لحاظ سے شہر کے شوقین اور فارغ البال اصحاب کی تفریح اور مذاق سے متجاوز زرعی آبادی کے معاشی مفاد کی خاطر اس نمائش کی دل سے قدر کرتا ہوں ۔

میں یہ باور کرنے کےلئے تیار نہیں ہوں کہ ہمارے ملک میں باغبانی ایک مشکل کام ہے ۔ اگر مشکل ہے تو اس لئے کہ اس ہنر کے جاننے والے مفقود ہوتے جا رہے ہیں ۔ جس کے لئے ذی استطاعت افراد کی اس جانب بے توجہی ذمہ دار ہے ۔ آج سے تیس برس قبل حدود شہر سے باہر ہر سمت میں کوسوں تک امراء و اعزہ کے بے شمار عالیشان باغ نظر آتے تھے ۔ انواع و اقسام کے میووں اور ترکاریوں کی افراط تھی ۔افسوس کہ وہی خیاباں آج محض خیالی تصویر ہو گئے ہیں ۔

قدرت کی بہترین لذتیں اور نعمتیں میوؤں میں موجود ہیں ۔ ان سے متمتع ہونے کے اسباب پیدا کرنا ہر اچھے مذاق والے کےلئے دلچسپی سے خالی نہیں ہے ۔ ہر میوہ عام اس سے کہ وہ کیسا ہی عام ہو(جیسے بیر ۔ موز ۔ سیتا پھل اور آم ہیں) فنی واقفیت کی مدد سے حیرت انگیز ترقی کرسکتا ہے ۔ جنس کی نوعیت میں ترقی اور توفیر ۔ زبان کی لذت اور دولت کی ترقی دونوں کو بہرہ ور کرسکتا ہے ۔

میوہ کی کاشت میں ترقی اسی وقت مبارک ہوسکتی ہے جب شہر کے خوش باشوں کے ساتھ دیہات کے زبوں حال میوہ کی لذت سے لطف اندوز اور میوہ کی غذائیت سے بقدر ضرورت مستفید ہونے کا موقعہ پاسکیں ۔ مقاصد نمائش کو کامیاب بنانے کے ساتھ ساتھ ہمکو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس ملک کے لاکھوں افراد ایسے بھی ہیں جو اپنی بے بضاعتی قدامت پسندی اور جہالت کے باعث میوہ کی لذت سے نہ صرف محروم بلکہ اس کی صورت سے بھی قطعاً نا آشنا ہیں مجھکو بھروسہ ہے کہ سررشتہ زراعت اپنی کوششوں کے سلسلہ میں ہر کاشتکار کو اپنی کھیتی کے ساتھ ممکن العمل میوہ کی کاشت اور مرغیوں کی پرورش کی تعلیم و تبلیغ کو خاص طور پر اہمیت دے گا کہ مزارعین کے لئے ایک ایسے ذیلی پیشہ کا انتظام ہو جائے کہ وہ بیکاری کے زمانہ کو بہتر صرف کریں ۔ اور عارضی بیکاری سے جو کاہلی پیدا ہو جاتی ہے اس سے نفع کے ساتھ محفوظ رہیں ۔

ضمیمہ دوم

تحریکات و هدایات نظم و نسق

جب تک کہ اس ذهنی ماحول کو نہ سمجھ لیا جائے جس سے کہ وہ متعلق ہے ریاست کا کوئی نظریہ بھی ہو خواہ وہ جمہوری ہو یا اشتراکی ڈکٹیٹر شپ ہو یا شہنشاهی سمجھ میں نہیں آسکتا چہ جائیکہ ایسی ریاستیں جہاں ہر آزادی کی سانس اپنے پیچھے جکڑ بندیوں کا ایک انوکھا پس منظر رکھتی ہے جہاں کا فرماں روا اسکے حدود ریاست میں اپنی رعایا کی حدتک خود مختار ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ تاج کے نمائندے اور اسکے آوردوں کی نظر میں نہ کھٹکتا ہو۔ لوگ ریاست کے متعلق جو خیالات رکھتے ہیں اس سے انہیں جو امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور جو خدمات اسکے ذمہ تصور کئے جاتے ہیں وہ سب ان تجربات کا ماحصل ہوتی ہیں جس میں انسان کی ساری کی ساری زندگی ڈوبی ہوتی ہے۔ ہر ایک نے اپنے زمانے کے سردو گرم کو اور اپنے وقتوں کی ذهنی اور فکری قصے کہانیوں کو عالمگیر حقیقتیں جانا اور وقتی ضروریات کو اٹل قانون فطرت تصور کرکے اس پر سماج کی جس عمارت کو تعمیر کرنا چاہا اور اسے آنے والی نسلوں اور ساری انسانیت کے لئے مستحکم چین بسیرا تصور کیا۔ کاش وہ هستیاں سوت کے پروان نہ چڑھتیں اور دیکھ سکتیں کہ وقت کے بدلتے ہی دس بیس سال کے اندرهی اندر انکے بنائے ہوئے محل انسانیت کو سہارا اور آسرا دینے سے کس طرح معذور ثابت ہوئے۔ همیں کسی ایسے سماج کا پتہ نہیں چلتا جس میں کہ اس سماج کا کوئی فردمکمل طور پر اپنے خیالات کے سانچے میں سماج کی روایات کو ڈھال سکا ہو۔ روسو نے کہا تھا کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے لیکن ہر جگہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ یہ کہاوت آج سے سو سال پہلے کی بات ہے۔ سائینس ہو یا ادب انسانی دل و دماغ نے جو ترقی اس صدی میں کی ہے اس نے روسو کی دنیا سے ہماری دنیا کو بالکل بدل دیا ہے۔ ریاست کا تصور بھی اسکے ساتھ ساتھ ہی بدلا ہے۔ اور انسان اپنی حدتک گفتار اور کردار میں آزاد سمجھا جانے لگا ہے۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کیا بلکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی انگریزی سامراج نے دیسی ریاستوں میں آزاد خیالی اسی حدتک آنے دی جسقدر اس نے ان سامراجی اڈوں میں اسکو مناسب سمجھا اور جاگیر دارانہ حکومت میں اسی قدر تغیر کی اجازت دی جسکو اس نے اپنے سامراجیت کے قیام کا ضامن سمجھا۔ جب

یہ صورت حال ہے تو ظاہر ہے کہ ریاست کے وزیر کی خواہ وہ استبدادیت کی لکیر کا فقیر ہو یا حریت پسند انتظامی اور حکومتی جدوجہد اسی دائرے کے اندر ہی اندر رہے گی جس کے باہر جانے کی اسکو اجازت نہیں سیاست کو تو جانے دیجئے وہ صنعت و حرفت کو وہیں تک فروغ دے سکتا ہے جہاں تک کہ گورنمنٹ آف انڈیا مناسب سمجھتی ہے۔ دیسی ریاستوں کے وزیر اپنے ہمسایہ برٹش انڈیا میں رہنے والے حریت پسندوں کے ہدف ملامت بنے رہے ہیں ۔ لیکن جب انہیں فریب خوردۂ رنگ چمن نخلبندان قوم کو ایگزیکیٹیو کونسلوں اور پھر وزارتوں پر برٹش انڈیا میں لیا گیا تو انہوں نے کون کون سے تیر مارلئے ۔ کرنا وہی پڑا جو وائسرائے یا گورنروں نے چاہا ۔

انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۳۰ع کے تحت جو صوبے کانگریسی وزراء یا مسلم لیگیوں کے ہاتھ میں آئے ان وزیروں کے کار ناموں کا مقابلہ اگر مہا راجہ بہادر کے گیارہ سالہ دور صدارت عظمی سے کیا جاوے تو مہا راجہ بہادر کا پلہ ہلکا نہ رہے گا ۔ حالانکہ جس ماحول میں مہا راجہ بہادر کو کام کرنا پڑا وہ ہر طرح سے ان صوبوں کے ماحول سے دشوار تر تھا ۔ مہا راجہ بہادر نے عام جلسوں میں جو تقریرین یا جوابی تقریریں کیں ان کا کچھ اقتباس گزشتہ صفحات میں دیا گیا ہے انکے اس زمانے کے مضامین اور تقریریں سب منظر عام پر آچکی ہیں ۔ سماج کے ہر شعبہ زندگی پر انہوں نے اظہار خیال کیا ہے ۔ تقریروں کے پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ نہ وہ نقائص پر تنقید کرنے میں جھجکے اور نہ عوام کی رہنمائی اور ملک کی فلاح کی تدبیریں بتلانے میں کبھی رکے انکی تقریروں میں وہی آزاد خیالی اور بیباکی ہے جو ایک سچے خادم وطن میں ہونا چاہئے ۔ یہ مہا راجہ بہادر کی وہ خدمات ہیں جو عوام کے سامنے پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعہ آچکی ہیں ۔ اب ہم انکی ان خدمات پر نظر ڈالتے ہیں جس کا بالواسطہ تعلق حکومت سے ہے اور جو راز سرکاری کے قید و بندش میں اب نہیں آتیں ۔ اس سے زیادہ مسرت آمیز اچنبا عوام کے لئے کیا ہوسکتا ہے کہ مہا راجہ بہادر زمانہ صدارت عظمی میں کھادی کے پرچار سے دلچسپی ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ خود بھی سوت کاتتے تھے اور اچھا سوت کات لیتے تھے ۔ ہم یہاں پر وہ خط نقل کرتے ہیں جو اس سلسلے میں مہا تما گاندھی نے ان کو لکھا تھا ۔

SATYAGRAHASHRAM
SABARMATI
B.B. & C.I. RY.
Dated 7th June, 1928.

DEAR FRIEND,

It gave me great joy to hear from the lips of Babu Rup Narayan of the great interest you have been taking in the khadi movement and of the fact that you had already commenced spinning yourself. I commend to your attention the

manner in which the khadi movement is being handled by the Mysore State. I have no doubt that if it is properly taken up it will be a blessing to the poor agriculturists in the Nizam's Dominions.

Babu Rup Narayan tells me that I am to expect a sample of your yarn and your eldest son's. I am looking forward to the receipt of the samples. And if you will permit me, they will go to our Museum where samples of yarn spun by distinguished persons are collected.

Yours sincerely,
(SD.) M. K. GANDHI.

H.E. MAHARAJA SIR KISHEN PERSHAD,
YAMIN-US-SALTANATH,
CITY PALACE,
Hyderabad-Deccan.

مہاتما جی کے اس خط کو انہوں نے جس حکم کے ساتھ صدر ناظم و معتمد صاحب صنعت و حرفت کے پاس بھیجا وہ حسب ذیل ہے ۔

صدر ناظم و معتمد صاحب صنعت و حرفت ۔

کیا انجمن ہائے امداد باہمی کے توسط سے ممالک محروسہ سرکار عالی کے مزارعین کو بوقت فرصت ایک ذیلی پیشہ یعنی چرخہ سے سوت کاتنے اور پارچہ بافی میں مصروف رکھنے سے مزارعین کی معاش میں قابل لحاظ اضافہ ہوسکتا ہے ؟ یہ ایک سوال ہے جو کچھ دنوں سے میرے ذہن میں ہے ۔ اور مدرسہ صنعت و حرفت اورنگ آباد کے معائنہ کے بعد سے جہاں مجھکو سوت کاتنے اور پارچہ بافی کے دیکھنے کا موقع ملا اس خیال میں تقویت ہوئی ۔

مسٹر گاندھی کا ایک مکتوب جو میرے نام وصول ہوا ہے اسکی نقل بھی آپکی اطلاع کےلئے بھیجتا ہوں ۔ میسور میں جس انتظام کے کئے جانے کا ذکر ہے اسکی نسبت مہربانی سے بعد دریافت مجھکو تفصیلی معلومات بہم پہنچائے اور اپنی رائے سے بھی مطلع فرمائے کہ اس میدان عمل میں کیا مناسب تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے ۔

بیدر کی معاشی ابتری اہل حرفہ کی اولاد کی بے ہنری اور عام افلاس کو دیکھ کر انہوں نے صدر المہام صاحب صنعت و حرفت کو توجہ دلائی کہ ۔

” بیدر کے تاریخی انقلاب کا بیدر کی آبادی پر ایسا گہرا اثر پایا گیا کہ بیدر کی (۱۳۰۰۰) ہزار کی آبادی میں بہت بڑی تعداد فقراء مساکین و گداگروں کی ہے ۔ جس کثرت میں اطفال گداگروں کی تعداد بیدر میں دیکھی گئی اسکی مثال شاید ہی کہیں

نظر آئے ۔ اس معاشی ابتری کو صنعتی تعلیم کے ذریعہ سے سنبھالنے اور بعد فراغ تعلیم صنعت کے کاروبار میں مشغول کرنے کی فکر گورنمنٹ کی ذمہ داری میں داخل ہے ۔ اسکے علاوہ مسکین بیواؤں اور عورتوں کی کثرت بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کسی شہری آبادی کے اغلب حصہ اطفال و نسوان کا طلب معاش میں کوچہ بکوچہ گداگری میں مصروف ہونا زوال اور ادبار کی بین دلیل ہے ۔ جسکی موثر روک تھام بر وقت نہو تو بیشمار اخلاقی خرابیاں رونما ہونگی ۔ مدرسہ فوقانیہ بیدر میں ایک محدود پیمانہ پر بیدری صنعت کی تعلیم طلبا کو دیجاتی ہے جس پیمانہ پر کہ کلاس قائم ہے اور جو صرفہ کہ صنعتی تعلیم پر برداشت کیا جاتا ہے وہ بہت کچھ قابل توسیع ہے ۔ موجودہ تعلیم جس اندازہ پر دیجاتی ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ صرف ایسے طلبا مدرسہ میں شریک ہوتے ہیں جنکے اولیا میں بچوں کو مدرسہ بھیجنے کی استطاعت ہو اور پھر اس تعلیم کے متعلق اس امر کا یقین نہیں ہے کہ ہر طالب علم پوری صنعت کو سیکھ کر اوس کو اپنا ذریعہ معاش بنائے نہ اوس کے لئے کوئی ایسے انتظام و اسباب موجود ہیں جن سے وہ اپنی سیکھی ہوئی صنعت کو کام میں لانے کے لئے باسانی سرمایہ حاصل کرسکے اور نہ کوئی ایسا کارخانہ موجود ہے جہاں وہ شریک ہوکر اپنی محنت کا پھل پائے ۔ موجودہ حالت میں بالفرض طلبا کثرت سے شریک بھی ہوں تعلیم کے لئے خام مال فراہمی کے واسطے جس قدر روپیہ صرف کرنے کی ضرورت ہو اوس کو مدرسہ غالباً بہم نہیں پہنچا سکتا نہ فی الوقت مدرسہ سے یہ انتظام ممکن ہے کہ صنعتی تعلیم کی ترغیب کے لئے طلبا کو دو دو تین تین روپیہ ماہوار وظیفہ دے سکے ۔ ان مشکلوں کو آسان کرنے کے واسطے بادی النظر میں ضروری تجاویز غور طلب ہیں جن پر تفصیل کے ساتھ ایک ایسی کمیٹی میں غور کرنا مناسب ہوگا جس میں ناظم صنعت و حرفت ناظم تعلیمات ناظم سررشتہ امداد باہمی معتمد فینانس اور صدر ناظم صاحب صنعت و حرفت بھی شریک ہوں ۔ یہ کمیٹی اس امر پر غور کرے کہ آیا بیدر میں ایک ایسا کارخانہ پارچہ بافی و صنعت بیدری کا قائم ہوسکتا ہے جس میں اعلی پیمانہ پر پارچہ و صنعت بیدری کی تعلیم پانے کے بعد طالبان معاش کھپ سکیں اور مجوزہ کارخانہ بیوہ عورتوں کی پرورش کا بھی ایک ذریعہ بن سکے ۔ بیدر کی موجودہ حالت کی سنبھال ایسی حالت میں ممکن ہے جبکہ سررشتہ صنعت و حرفت تعلیمات ۔ اور امداد باہمی خاص طور پر رقمی اعانت کے ساتھ کام کرنے کے لئے متحد ہو جائیں حقیقی حالات پر عبور آسان ہوگا جبکہ عہدہ داران مذکور خود بیدر کے حالت کا مشاہدہ کریں اور اس پر بھی غور کریں کہ بیدر کی موجودہ امداد باہمی کی انجمنیں کس حدتک اس مقصد کے حاصل کرنے میں شریک ہونے کی اہلیت رکھتی ہیں ۔ اس خصوص میں عملی تجاویز کے معلوم کرنے کا مجھکو انتظار رہے گا فقط ۱۴ ۔ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ ہجری ،، انہوں نے صدر المہام صاحب تعلیمات کو پارچہ بافی کے متعلق لکھا ۔

معزز صدر المہام بہادر تعلیمات ۔

” مدرسہ صنعت و حرفت اورنگ آباد کے معائنہ میں مجھکو پارچہ بافی دیکھنے کا

موقع ملا سرکار کی منظوری سے جو معلم اور متعلم اس مدرسہ سے سابرمتی آشرم احمدآباد بھجوائے گئے تھے اونکی واپسی پر پارچہ بافی کا انتظام محدود پیمانہ پر ہوا ہے اوسکے دیکھنے سے بھی تشفی ہوئی مگر پارچہ بافی کے ساتھ سوت کے کاتنے کا انتظام جس پیمانہ پر ہونا چاہئے تھا وہ نظر نہیں آیا اگرکچھ اشخاص سوت کاتنے ہوئے دکھائی بھی دئے تو غالباً اون کا مدرسہ سے تعلق نہیں تھا اور نمائش کےلئے وہ طلب ہوئے تھے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آب و ہوا کی نا موافقت کی وجہ سے جو طلباء احمدآباد گئے تھے تعلیم کی تکمیل نہ کرسکے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس کام کی تکمیل کےلئے ایک معلم سال بھر کےلئے مقرر کیا جائے جو طالب علموں کو سوت کے کاتنے کی تعلیم دے اور ایسا معلم اگر ہوسکے تو سابرمتی آشرم یا کسی اور مناسب مقام سے طلب کیا جائے جو اس فن میں مہارت تامہ رکھتا ہو - اس خصوص میں ناظم صاحب تعلیمات سے مشورہ کرکے ضروری کارروائی فرمائی جائے تاکہ جو روپیہ اور وقت پارچہ بافی اور سوت کے کاتنے کی تعلیم کی غرض سے طلباء کو احمد آباد بھجوانے پر صرف ہوا ہے وہ رائیگاں نہ جائے فقط ۷ - صفر سنہ ۱۳۴۷ ھجری -،،

جن اصحاب کو ریاست حیدرآباد کے نظم و نسق سے دلچسپی رہی ہے ان سے یہ نکتہ پوشیدہ نہیں کہ قانونچہ مبارک اور تنظیم باب حکومت میں جہاں تک اختیارات شاہی کا تعلق ہے کوئی فرق نہیں - البتہ مرحوم نظام سوائے شاذو نادر صورتوں کے یا اہم سیاسی امور کے جن کا تعلق راست نمائندہ تاج سے تھا نہ عام طور سے تقررات میں دخل دیتے تھے نہ انصرام کار میں - ریاست کا سیاہ سفید کلیتاً مدار المہام کے ہاتھ میں تھا - اس زمانے میں بھی مہا راجہ بہادر کی یہ کوشش رہی کہ کینبٹ کونسل کے وزراء یا معین المہامان کو شریک کار بنایا جاوے تاکہ ان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور مدار المہام کی رائے کو انکے مشوروں سے اور تقویت پہو نچے لیکن سر کیسن واکر نے اسکی سخت مخالفت کی چونکہ شورے اور مشورے کے مہا راجہ بہادر اسی وقت سے قائل تھے اس لئے انکو اس نئی طرز حکومت کے خیر مقدم میں ذرا بھی تکلف نہیں ہوا بلکہ انہوں نے اس نئی تنظیم کو جولیت و لعل میں پڑ گئی تھی پھر سے قوت دینے کی اور اس پر چلنے اور چلانے کی پوری کوشش کی - خوش قسمتی سے جس نوجوان کو مہا راجہ بہادر نے اپنا معتمد بنایا اور دفتر باب حکومت اسکے حوالے کیا وہ بنفسہ متین - معاملہ فہم و پابند ضابطہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہی نام و نمود - اقتدار طلبی - اورشخصی حکومت کے خواہشات سے جو دو سروں کے اقتدار میں رخنہ اندازیاں کریں پاک تھا اور نہ وہ یہ چاہتا تھا کہ دوسروں کو طاق پر بٹھاکر من مانے کام مہا راجہ بہادر سے کراتا رہے - اس لئے شروع زمانے ہی میں اس نے مہا راجہ بہادر کی توجہ ان امور کی طرف دلائی جو کارگردگی کی خامیوں کا باعث بنے ہوئے تھے - اور دفتری ہڑبونگ کو جو ابتداء سے اس دفتر میں چلی آرہی تھی بند کرنے میں اپنا دن رات ایک کردیا اور بڑی حدتک اس امر میں کامیاب ہوگئے کہ کسی کارروائی کا اس دفتر سے پتہ نہ چلے

تا آنکہ دفترھائے متعلقہ کو احکام اجرا نہ ہو جائیں چنانچہ پہلی تحریک مہاراجہ بہادر نے یہ کی ۔

(ترمیم تنظیم باب حکومت)

”جہاں تک میں نے اس عرصہ میں تنظیم باب حکومت اور کارروائی قیا بین صدر المہامان اور اپنے پر غور کیا کسی قدر پیچیدگیاں واقع ہونے کا اندیشہ پاتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانسٹیٹیوشن پر عمل پورے اور صحیح طور سے نہیں ہو رہا ہے ۔ لہذا مناسب ہوگا کہ ایک کمیٹی قواعد تنظیم باب حکومت پر غور کرنے کے لئے مقرر کی جائے تاکہ غلطیاں جو غلط فہمی سے ہوئیں یا ہونے کا اندیشہ ہے وہ رفع ہو جائیں اور امور تشنہ کی توضیح ہو تاکہ صدر آعظم اور معزز صدر المہاموں کو ہر طرح سے اطمینان ہو اور معزز صدر المہامان ضابطے کی پوری پابندی فرمائیں ۔ اراکین کمیٹی یہ ہوں ۔ نواب حیدر نواز جنگ بہادر ۔ نواب لطف الدولہ بہادر ۔ نواب نظامت جنگ بہادر“

۱۹ ۔ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۰ ہجری ۔

جو امور کہ کونسل میں تصفیہ شدنی ہوں یا غور کے لئے کونسل میں پیش کئے جائیں اوسکے متعلق باجلاس کونسل طے کرایا :۔

ذیلی قواعد تحت دفعہ (۳۳) دستور العمل باب حکومت منظورہ عالی جناب صدر اعظم بہادر باجلاس کونسل منعقدہ بتاریخ ۱۱ ۔ شہریور سنہ ۱۳۳۶ف م ۱۸ ۔ محرم سنہ ۱۳۴۶ ہجری ۔

۱ ۔ دفعہ (۳۳) کے فقرہ (۱) کی پابندی جو خلاصہ مثل کے پیش کرنے سے متعلق ہے عموماً نہیں ہوتی ہے آئندہ سے پابندی کے ساتھ معتمد متعلقہ مقدمہ کا ایسا خلاصہ مرتب کریں جو جملہ کارروائی پر حاوی ہو جس میں وہ امور جو کونسل میں تصفیہ طلب ہوں واضح طور پر دکھائے جائیں گے اگر کسی کارروائی کے ضمن میں ایک سے زیادہ گزارشات پیش ہوچکی ہوں تو خلاصہ صرف آخری گزارش کی حد تک محدود نہ رہے ضروری واقعات اور امور تصفیہ طلب صاف اور واضح طور پر درج کئے جائیں لیکن بغیر طوالت کے معتمد آراء مقدمہ کو اسی سلسلہ سے سنائیں گے جس سلسلہ سے دوران گشت میں وہ قلمبند کی گئی ہیں ۔

۲ ۔ جب تک معتمد خلاصہ مقدمہ اور جملہ اراکین کے آراء سنانہ چکیں کوئی معزز رکن کوئی استفسار یا تقریر نہیں فرمائیں گے ۔

۳ ۔ حسب فقرہ (۲) دفعہ مذکور صدر المہام صیغہ ان امور کی نسبت جو باب حکومت کے فیصلہ یا رائے کے واسطے پیش ہوئے ہیں ۔ خیالات مناسب موثر فیصلہ افتتاح کارروائی کے لئے ظاہر فرمائیں گے ۔ صدر المہام صیغہ کے اظہار خیال کے بعد ہر معزز رکن نسلسلہ سینیارٹی اپنے خیالات ظاہر فرمائیں گے ۔ اس طرح خیالات ظاہر ہونے کے بعد صدر المہام صیغہ اپنی آخری رائے ظاہر فرمائیں گے ۔

۴ - جملہ اراکین دوران گشت مقدمہ میں اپنے آراء قلمبند فرماویں اور باب حکومت میں بحث کرنے کےلئے ملتوی نہ رکھیں کیونکہ ایسا عمل غیر ضروری مباحث وتضیع اوقات کا باعث ہے - کسی معزز رکن کا کسی مقدمہ میں اس وقت تک اظہار رائے سے احتراز فرمانا جائز ہے جبتک وہ اپنے شرکاء کی تحریری رائیں یا سینیر اراکین کی تقریریں نہ سن لیں لیکن ان کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ اپنی رائے قائم کرنے یا دیگرمعزز ارکان کی رائے کے متاثر کرنے کےلئے باب حکومت میں عام مباحثہ کی اجازت ملے گی -

۵ - اظہار آراء کےدوران میں اگر کسی رکن کی کسی تقریر یا جزو تقریر سے متعلق کسی رکن نے کوئی تنقید یا استفسار کیا ہو تو وہ رکن جنکی تقریر سے متعلق کوئی سوال کیا گیا یا تنقید کی گئی ہو بہ اجازت صدر آعظم اس سوال یا تنقید کا ضروری اور مختصر جواب دے سکیں گے قبل اسکے کہ صدر المہام صیغہ اپنے خیالات آخری کوظاہر فرمائیں اسکے بعد حسب منشاء فقرہ (۳) دفعہ (۳۳) و دفعہ (۳۰۱) دستور العمل باب حکومت صدر آعظم تصفیہ فرمائینگے -

۶ - کسی رکن کو بلا اجازت صدر مکرر تقریر کا حق نہ ہوگا -

۷ - امثلہ کے دوران گشت میں اگر کوئی امر مبہم یا سوال طلب نظر آئے تو معزز اراکین سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ایسے توضیح طلب امور پرچہ رائے میں درج فرماویں تاکہ معتمد کو ہر رکن کی رائے سناتے وقت ایسے استفسار کا جواب دینے میں آسانی ہو اور معتمد کو یہ معلوم ہو جائے کہ کون رکن کیا سوال کرنے والے ہیں تاکہ وہ تیار ہو جائیں -

۸ - جب مقدمہ کے متعلق اراکین میں مباحثہ ہو رہا ہو تو معتمد متعلقہ اس میں دخل نہیں دیں گے - اگر معتمد متعلقہ باب حکومت کو کسی خاص امر پر توجہ دلانا چاہیں تو اس اطلاع یا توضیح کو اپنے صدر المہام کے گوشگزار کردین جس کا باب حکومت کی توجہ میں لانا معتمد کی دانست میں ضروری ہو - فقط

شرحدستخط

سید محمد مہدی

معتمد پیشی عالی جناب صدر آعظم بہادر

چونکہ خلعت و تواضع اس سرکار کا پرانا طریقہ چلا آرہا تھا اور نئے ضوابط کے تحت اس میں وہ سہولت نہ رہی تھی اس لئے یہ تحریک کی گئی کہ :-

پیشگاہ خسروی سے اسبارےمیں حکم حاصل کرنا مناسب ہےاس لئے کہ صدرآعظم کے اقتدارات میں مستحق مہماں ہوں یا مستحق مسافر ہوں تو ان کےلئے اس ریاست کے دستور اور عادت کے موافق سلوک مناسب کا موقع نہیں رہتا یا مد خیرات و مبرات کے نصف رقم موازنہ کو استعمال کرنے کا صدر آعظم کو اختیار حاصل رہے یا مناسب گنجائش

زائد از موازنہ اس مد کے تحت بڑھائی جائے ۔ دفتر باب حکومت سے اس خصوص میں مسودہ عرضداشت مرتب ہوکر بتوسط کونسل پیش ہو ۔ ۲۰ ۔ جمادی سنہ ۱۳۴۶ھ صدر نظماً اور تعلقداران اضلاع وغیرہ میں جو نئی تبدیلیاں ہوئی تھیں انکے نقائیص کو دیکھا اور صدر المہام مال کو لکھا کہ ۔

تحریک نسبت اقتدارات صدر نظماً تعلقداران اضلاع وغیرہ ۔

خدمت صدر المہام صاحب مال ۔

حسب ذیل (۸) امور جو بضمن دورہ عالم پور اول تعلقدار صاحب رائچور سے مجھکو معلوم ہوئے آپ کی توجہ میں لائے جاتے ہیں ان امور سے متعلق معتمد صاحب مال کو ضروری کارروائی کرنے کی ھدایت دیجائے ۔ اور آپ کی رائے سے مطلع کیا جائے۔ جن اہم امور سے متعلق ترمیم آپ کے خیال میں ضروری ہو اوس کے نسبت کونسل سے تصفیہ ہونے کے بعد اعلی حضرت کی منظوری بھی حاصل کی جاسکتی ہے ۔

۱ ۔ اول تعلقدار صاحبین کو اپنے ماتحتین عہدہ داروں کی رخصت اتفاق دینے کا اختیار نہیں ہے سابق میں اختیارات دئے گئے تھے ۔ صدر نظامت کے قیام سے اٹھالئے گئے۔ لیکن ہمیشہ ضلع سے استفادہ کی منظوری بامید منظوری دیجاتی ہے ۔ صدر نظامت نے اس کو روا رکھا ہے یہ اس کا ثبوت ہے کہ ضلع کو اختیارات حسب سابق ملنا چاہئے ۔ اس کے سوا کام چل نہیں سکتا ۔

۲ ۔ ابھی حال میں صدر نظامت سے گشتی ہوئی ہے کہ اول تعلقدار ضلع کسی ایسے اهلکار کا تبادلہ بلا منظوری صدر نظامت نہ کرے جو پانچ سال سے زیادہ اپنے مقام پر نہ گزرے ہوں یہ حکم اول تعلقداری کی پرسٹیج پر اثر ڈالنے والا ہے ۔ اورنالائق اهلکاروں کو پیروی کا اور بیکار پڑے رہنے کا موقعہ ملتا ہے ۔

۳ ۔ ڈویژن افیسر صاحب کے کسی حکم کا مرافعہ اول تعلقدار نہیں سن سکتا خواہ وہ نمبری ہو یا انتظامی ۔ مثلا ڈویژن افسر نے لوکلفنڈ کے باغ کی ایک مالن کو سوقوف کردیا یا اپنے اهلکار تحصیل پر جرمانہ کیا یا بحالت تبادلہ ۔ یا اپنے ڈویژن کے حدود میں کوئی انتظامی حکم دیا خواہ جائز ہو یا نا جائز ۔ مگر تعلقدار ضلع کسی نہج سے نہ اس کی تنسیخ کرسکتا ہے اور نہ ترمیم اور اوس کا مرافعہ صدر نظامت کے سوائے اور کہیں نہیں ہوسکتا ۔ یا مثلا جمعبندی کی تشخیص ہے تعلقدار ضلع ڈویژن افسر کے کسی حکم کا مرافعہ نہیں سن سکتا ۔ صدر نظامت سے سماعت ہوسکتی ہے ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ تعلقداروں کوکام کم ہوگیا ۔ صدر نظامتوں کا کام زیادہ ہوگیا یا بہ الفاظ دیگر سولہ تعلقداریوں سے اس قدر اہم اورکثیر کام لیا جاکر

(۳) صدر نظامتوں پر ڈال دیا ہے جس کی انجام دہی خواہ صدر ناظم کتنا ہی کیوں لائق نہ ہو اس قدر فاصلہ سے بہت مشکل ہے ۔

اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اکثر لوگ مرافعہ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ صدر نظامت بہت دور دور ڈویژن افسر کی استبدادیت پر بجز صبر کے اور کوئی چارہ کار اختیار نہیں کرسکتے۔

اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ مرافعہ کا ایک درجہ کم ہوگیا ہے اس کی ضرورت بلحاظ انصاف رسانی بہت تھی اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ صدر ناظم مال پر براہ راست انتظام اضلاع کی ذمہ داری عائد ہوگئی ہے اور تعلقداران اضلاع کی ذمہ داری بہت کم ہوگئی ہے جو انتظام ممالک کے خلاف ہے عملا اب یہ صورت ہوگئی ہے کہ ہر حکم ابتدائی کا مرافعہ صدر نظامت میں ہوا کرتا ہے خواہ وہ قواعد سابقہ کی رو سے قابل مرافعہ ہو یا نہ ہو۔

۴ ۔ تعلقدار ضلع کے انتظامی معاملات و احکام میں صدر نظامت سے مداخلت ہوتی رہے گی اور تعلقداروں کو صدر نظامت کا اثر لے کر بہت کچھ اپنی ذمہ داری سے نجات مل سکتی ہے۔

۵ ۔ دیگر محکمہ جات کے عہدہ داروں سے اور سررشتہ مال سے کواپریشن جیسا کہ چاہئے نہیں ہے ۔ کہا جاتا ہے تمام دیگر سررشتہ جات کے عہدہ دار بہ منزل ہاتھ پیر کے ہیں مگر اکثر اوقات یہ ہاتھ پیر مفلوج نظر آتے ہیں اور اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ترقی اضلاع میں روکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں کمی واقع ہوتی ہے ۔ ایک پالیسی پر کوئی نہیں چل سکتا ۔

۶ ۔ سررشتہ مال میں ہر ایک امر کے متعلق پالیسی ایک ہونا چاہئے جیسا کہ علاقہ عظمت مدار میں ہے ۔ یہاں پر عہدہ دار اپنی نئی پالیسی رکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بجائے سرکار کی پالیسی کے شخصی پالیسی ہوگئی ہے ۔ اس پالیسی سے مراد جز یات کی پالیسی نہیں ہے بلکہ کلیات کی پالیسی ہے اگر ہر جگہ پالیسی کی یکسانیت رہے تو ملک ترقی کریگا اور ایک ہی شاراہ پر ترقی کرے گا۔

۷ ۔ صادر کے ڈپو کی سخت شکایت کئی جگہ ہے ۔ خراب مال آتا ہے ۔ اور قیمت زیادہ دینی پڑتی ہے ۔ اس انتظام سے کسی قسم کی کفائیت بھی نہیں ہوئی حتی کہ موازنہ منظورہ کی رقم ایک بڑی حدتک اخراجات آمد رفت اشیاء ہی میں صرف ہوجاتی ہے ۔

۸ ۔ تحصیلات میں فرش و فرنیچر کی کمی ہے خاص توجہ کی ضرورت ہے ۔

ف ۲ ۔ اسی ضمن میں ایک اور واقعہ بھی میرے مشاہدہ میں آیا جس سے عملا یہ ظاہر ہوا کہ دیہات کی نادار رعایا کے لئے اپنے حصول حق کی پیروی میں کسقدر غیر معمولی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ ایک عورت بھوانما نامی جو عالمپور سے سات میل کے فاصلہ پر رہتی ہے اسکو اپنے مقدمہ کی پیروی میں جو صدر ناظم مال کے اجلاس پر زیر تصفیہ ہے جانے کی ضرورت تھی ۔ یہی عورت جب بلدہ میں میرے پاس رجوع ہوئی تو اسکی حالت زار کو دیکھ کر میں نے یہ حکم دیا تھا کہ صدر ناظم صاحب مال سمت

مرہٹواڑی اس کے مقدمہ کی سماعت رائچور میں کریں ۔ مگر ایسی تجویز ہر مقدمہ میں ممکن نہ ہوگی کہ جس سے رعایا کی شکایت بعد مسافت سے متعلق دور ہوسکے ۔ غالباً آپ نے بھی اس عورت کو بار ہا دیکھا ہے ۔ اس واقعہ کے یہاں ذکر کرنے سے صرف اس قدر مقصود ہے کہ آیا مستقر ہائے صدر نظما کے امتناعی فاصلوں کے مد نظر سمت کرناٹک کے لئے ایک صدر نظامت کا قیام سہولت کار کا باعث نہ ہوگا ۔

ف ۳ ۔ اقتدارات صدر نظما و تعلقداران سے متعلق ایک درخواست وکلا محبوب نگر نے بھی پیش کی ہے جو اس کے ساتھ روانہ کی جاتی ہے ۔ ۲۳- ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ ۔

مہا راجہ بہادر کو عوام کے ساتھ جو دلچسپی تھی اور انکی صحت سہولت حمل ونقل اور انکے ذرائع آمدنی بڑھانے میں جو کچھ وہ کرنا چاہتے اور کرسکے اس کا اظہار ذیل کی تحریکات سے ہوگا جو وقتاً فوقتاً انہوں نے کی اور اس بات کا بھی پتہ چلے گا کہ انکے سرکاری دورے سیرو تفریح گلپوشی اور اڈریس لینے تک محدود نہ تھے بلکہ وہ جہاں جاتے تھے وہاں کی حالت کا معائنہ کرتے تھے اور رعایا کے درد دکھ سے واقف ہوکر اسکی تسکین اور اسباب آسائش مہیا کرنے کی کوشش کرتے تھے آج سنہ۱۳۶۸ھ کے ختم پر جو آپ بلدیہ کی سڑکیں روشنی ۔ ڈرنیج وغیرہ دیکھ رہے ہیں وہ سب نتیجہ ہیں ان کاوشوں اورتحریکوں کا جو مہا راجہ بہادر نے سنہ ۱۳۴۰ھ میں شروع کیں ۔ ۱۶ ۔ رجب سنہ ۱۳۴۰ھ وہ تاریخ تھی کہ جب مہا راجہ بہادر نے بلدہ کے بعض محلوں کا معائنہ کیا اور معتمد صاحب سیاسیات صفائی بلدہ کو لکھا :—

معتمد صاحب سیاسیات (صفائی بلدہ)

"بلدہ میں اکثر حصہ آبادی کا ملزیا سے تباہ حال ہے ۔ اس مرض کی سرایت عام ہوگئی ہے جس سے صحت عامہ کی خرابی عام کاروبار میں خلل انداز ہی نہیں ہے بلکہ صورت حال بجائے خود خطرناک ہوگئی ہے ۔

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہونکہ اس مرض کے مقابلہ کے لئے صفائی بلدہ نےشہری خدمت کا کیا حق ادا کیا ہے اور آئندہ ملیریا کے انسداد کے لئے کیا خاص تدابیر زیر غور ہیں ۔

مجلس صفائی اپنے پہلے اجلاس میں بشرکت ناظم صاحب طبابت (جو مجلس صفائی کے ممبر ہیں) ملیریا کے مسئلہ پر تجاویز مناسب پر غور کرنے کا انتظام کرے اوربتوسط صدر المہام صاحب متعلقہ جلد ایک موثر اورعملی اسکیم پیش کرے ۔

مجلس صفائی کی کارگزاری کا اندازہ کرنے کے لئے میں چاہتا ہوں کہ مجلس صفائی گذشتہ دو سال پیش شدہ تحریکات کی ایک فہرست نہایت مختصر شرح کیفیت کے ساتھ ہر تحریک سے متعلق کیا کارروائی ہوئی بتوسط معمولی پیش کرے ۔

اس فہرست میں مجلس صفائی اپنی تحریکات کو جگہ دے جو مجلس کے خیال میں ضروری اور اہم ہوں ۔ فقط ۱۶ ۔ رجب سنہ ۱۳۳۵ھ ۔

اور اسی طرح پلیگ کی روک تھام کے متعلق معتمد صاحب طبابت کو توجہ دلائی۔
نواب صمد یار جنگ معتمد طبابت ۔

آج علاج پلیگ کے دوا خانوں کے معائینہ میں آپ کے اور کوتوال صاحب کی مستعدی کا اور نیز عہدہ داران سررشتہ طبابت و صفائی کی کارگزاری کے دیکھنے کا مجھکو موقع ملا ۔ مجموعی طور پر جو کچھ انتظامات دیکھے گئے وہ ایک حدتک لائق اطمینان ہیں مگر مریضوں کے آسائش کا انتظام تشفی بخش نہیں ہے اور نہ نرسوں کی تعداد مریضوں کی تعداد سے کوئی مقررہ نسبت رکھتی ہے ضرورت ہے کہ بغیر مزید وقت ضائع کرنے کے نرسوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے ۔ موجودہ نرسوں میں جو خاص طور پر محنت کرتے ہیں اور جو سسٹرس قابل ذکر ہیں اونکے خدمات کے نسبت میری طرف سے اظہار خوشنودی کیا جائے ۔

ف مریضوں کے دوا خانوں پر پہنچانے کا انتظام مجھکو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہایت نا مناسب اور بد نما ہے بیماروں کو کچرے کی موٹر میں دوا خانہ پرپہنچانا جیسا کہ وردھنی تھیٹر میں میں نے دیکھا میری شرمندگی کا باعث ہوا پس بلا مزید سونچ یا انتظار کے کم از کم چار شورلیٹ یا ڈاج کرایہ پر مقرر کئے جائیں اور حسب رائے سب کمیٹی اونکو جا بجا متعین کیا جائے ۔

ف ویوک وردھنی تھیٹر میں متاثرہ لباس کو ڈس انفکٹ کرنے صحت یافتہ مریضوں کو باھر منتقل کرنے اور مایوس العلاج بیماروں کو علحدہ وارڈ میں منتقل کرنے کا انتظام ضروری ہے پس یا تو صفائی سے تین روز کے اندر زنک شیڈ اور چھپر ڈلوائے جائیں یا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ضروری رقمی گنجائش بہم پہنچائی جاکر مجھکو اطلاع دیجائے ۔

ف ۔ یہ معلوم کرایا جائے کہ اون صحت یافتہ مریضوں کو جن کے ھاں اپنے گھروں پر واپس ہونے کا اطمینان بخش انتظام نہو دوا خانہ سے رخصت کے موقع پر کیا سہولت بہم پہنچائی جاتی ہے ۔

ف ۔ سب کمیٹیوں کا انعقاد ہر ایک دن آڑ اور پلیگ کمیٹی کا اجلاس ہر ہفتہ کے روز لازمی نظر آتا ہے ۔ ہر سب کمیٹی اور پلیگ کمیٹی کی روئداد کو راست میرے پاس کمیٹی کے بعد پہنچنے کا انتظام کیا جائے ۔

ف ۔ سکندرآباد میں جو دوا خانہ علاج پلیگ کے لئے قائم ہے اوس کا معائنہ سب کمیٹی جلد کرے اور اسکے بالمقابل جو کمیٹیاں ہمارے دواخانوں میں ہوں اون کو پورا کرنے کی نسبت انتظام کرکے رپورٹ بصراحت روانہ کی جائے ۔

ف ۔ معائنہ کردہ دواخانوں میں ایک بھی ایسا نظر نہ آیا کہ جہاں متوسطین بہ آرام رہ سکتے ہوں نہ مستورات کےلئے پردہ ھی کا انتظام مناسب ہے اس کمی کو بھی جلد پورا کیا جائے کہ میں آئندہ معائنہ میں کسی سقم کو محسوس نکروں ۔ اور احکام مذکورہ بالا کے تعمیل کو مکمل و معمل پاؤں ۔

مثنی ۔ خدمت مسٹر وامن نایک صاحب اطلاعاً مرسل ہے ۔ فقط ۸ شعبان سنہ ۱۳۳۶ ھ

دوا خانہ عثمان آباد اور رائچور کے متعلق حکم دیا

مقدمہ

انتظام لیڈی ڈاکٹر بہ دوا خانہ عثمان آباد ۔ رائچور و انتظام رھائش مریضان دوا خانہ جات ۔

صدر المہام بہادر طبابت ۔

دوا خانہ مستقر عثمان آباد اور رائچور پر لیڈی ڈاکٹر کے نہ ہونے کی شکایتیں پیش ہوئی ہیں ۔ رائچور کے متعلق جو شیکایت کہ پیش ہوئی اس سے یہ ظاھرھوا کہ سررشتہ طبابت نے رائیچور پر لیڈی ڈاکٹر کے بھیجنے میں پوری توجہ نہیں کی ۔ پس ان دونوں کارروائیوں کا ضروری تصفیہ جلد فرمایا جائے ۔

میں نے تقریباً ہر شفا خانہ کے معائنہ کے وقت یہ دیکھا کہ کہیں بھی ان پیشنٹ مریضوں کےلئے بستر اور بلانکٹ کا انتظام نہیں ہے بعض مریضوں کو اگر کوئی بستر دیا بھی گیا تو وہ بالکل ناھموار اور بلاکٹ پنبہ کی تھی ایسے اوڑ نے بچھونے سے موسم سرما میں مریضوں کو جو تکلیف ہوئی ہوگی وہ ظاہر ہے ۔ روئی کی جھلجھلی بلانکیٹوں کے عوض بہتر تو یہی ہوتا کہ دیہاتی اونی کمل دئے جاتے ۔ غرض مریضوں کی حالت دیکھنے سے بیحد افسوس ہوا جو واقعی سررشتہ طبابت کے انتظام کےلئے باعث ننگ ہے۔ امید کہ آپ کی ذاتی توجہ ان ذیلی اور جزئی اصلاحات کے حق میں قرار واقعی طور پر موثر ثابت ہوگی براہ کرم ان خرابیوں کے متعلق سررشتہ کی رپورٹ میرے پاس بھیجنے کےلئے مہربانی سے ھدایت کی جائے ۔ ۳ ۔ شعبان سنہ ۱۳۳۶ ھ ۔

قیام بیت المعذورین کے سلسلے میں صدر المہام لوکل فنڈ کویوں متوجہ کیا ۔

مقدمہ

قیام بیت المعذورین بہ مستقرھائے اضلاع

معزز صدر المہام صاحب لوکل فنڈ

میں نے اپنے ہر دورہ میں یہ محسوس کیا ہے کہ تعلقات اور اضلاع کے مستقروں پر اکثر ایسے معذور نظر آتے ہیں کہ جنکی پرورش اور دستگیری کے کوئی سامان نہیں

ہوتے اور نہ وہ اپنی معذوری کی وجہ سے اس قابل ہی ہوتے ہیں کہ مانگ کر اپنا پیٹ پال لیں ۔ اس طبقہ کی دستگیری یقیناً گورنمنٹ کے ذمہ ہے اور اس کا بوجھ لوکلفنڈ پر ڈالنا قرین صواب نظر آتا ہے ۔ میرا یہ خیال ہے کہ ایک مناسب پیمانہ پر ہر مستقر ضلع پر بہ نگرانی مجلس لوکلفنڈ ضلع ایک بیت المعذورین قائم ہو جسکی وسعت اور ترقی میں ضلع متعلقہ کے مخیر اور متمول اشخاص بھی حصہ لے سکیں ۔ میں خاص طور پر آپکی ہمدردانہ توجہ اس مسئلہ پر منعطف کراتا ہوں اگر آپ نے سررشتہ متعلقہ کے مشورہ سے اس خیال کو پورا کردیا تو واقعی بڑی انسانی خدمت ہوگی جو یاد گار رہے گی اور معذور خلق اللہ کو جو فائدہ پہونچیگا وہ ظاہر ہے ۔ فقط ۴ ۔ شعبان سنہ ۱۳۴۶ ھ

نظام آباد کے دوا خانہ سرکاری کا معائنہ کرنے کے بعد صدر المہام متعلقہ کو لکھا۔

معزز صدر المہام بہادر صیغہ طبابت ۔

نظام آباد کے دوا خانہ انگریزی میں دواؤں کی قلت ہے ۔ مریضوں کے آھنی پلنگوں پر بجائے نرم بستر کے صرف چاندنیاں بچھائی گئی ہیں پلنگ بھی کہنہ ہوگئے ہیں ۔ اس دوا خانہ میں عرصہ سے کوئی مستقل سیول سرجن نہیں ہے ۔ اس وجہ سے مریضوں کا علاج کماحقہ نہیں ہوتا ۔ امید ہے کہ ان امور پر آپ توجہ مبذول فرمائینگے ۔
۷ ۔ صفر سنہ ۱۳۴۷ ھ ۔

بضمن معائنہ دار الطبع محبس اور دارالمجانین کا میں نے سر سری معائنہ کیا ۔ انتظامات اور صفائی اچھی پائی گئی ۔ اصلاح انتظام محابس کے متعلق ذمہ دار عہدہ داران سرکاری کی توجہ بصیغہ کوتوالی و عدالت مبذول ہے اور تجاویز مناسب کے روبکار ہونے پر موجودہ شکایت کی بڑی حدتک رفع ہونے کی امید ہے دار المجانین کا انتظام بجائے خود نہایت بدنما اور اس ریاست کے شایان شان نہیں ۔ ایک ایسے ضروری اور رفاہ عام کے انسٹی ٹیوشن کی ایسی بڑی تنظیم بہت جلد لائق اصلاح ہے۔ مجھکو امید ہے کہ موجودہ صدر ناظم کوتوالی دار المجانین کو ایک مہذب معزز اور قید خانے سے دور ایک علاج گھر کی شکل میں بدل دینے کی کوشش کرینگے اور ‌اس حدتک مجھ سے ممکن ہو ضروری امداد دونگا ۔ دارالمجانین کے ڈاکٹر میر احمد علی صاحب بہت دلچسپی سے کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جس قدر بھی آرام مجانین کو پہونچانا ان کے بس میں ہے شائد اس میں کوتاھی نہیں ہوتی ہے ۔ مہتمم محبس رائے تلجا پرشاد بھی اپنی خدمت کو مستعدی اور قیام ضبط کے ساتھ انجام دیتے ہوئے نظر آئے ہیں ۔ ۲۶ شعبان المعظم سنہ ۱۳۴۶ ھ ۔

معتمد صاحب کار ھائے ڈرینج کو ھدایت فرمائی ۔

معتمد صاحب سررشتہ کار ھائے ڈرینج ۔

معائنہ کار ھائے ڈرینج کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ جس مستعدی اورسرعت

کے ساتھ آپ کا سررشتہ شہر کی ضرورت ڈرینج کو پورا کر رہا ہے وہ تشفی بخش ہے مگر پروگرام کار کے لحاظ سے جس کا آپ نے مجھ سے ذکر کیا تھا شائد تکمیل کے لئے موجودہ رفتار سے دس برس درکار ہونگے تدابیر حفظ صحت کو موثر بنانے اور شہر کی اسکیم ڈرینج کو جلد تر مکمل کرنے کے لئے کیا یہ تجربہ جو اس وقت تک حاصل ہوا ہے اس مسئلہ کے تصفیہ میں مدد نہیں دے سکتا کہ باضافہ رقم موازنہ اس کام کو جلد ختم کیا جائے اس معاملہ میں غور کرنے کے لئے ایک مہینہ کے اندر باطلاع معزز صدر المہام بہادر تعمیرات و فینانس بمشورہ معتمد صاحب فینانس ضروری رپورٹ فرمائیے کہ کونسل میں اس مسئلہ پر غور ہوسکے نیز یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ایا سررشتہ کار ہائے ڈرینج بحالت موجودہ ڈرینج کے کام کے سوائے بلحاظ اسکے کہ فن تعمیرات کے مستعد اور قابل انجنیروں کی خدمات اس سررشتہ کو حاصل ہیں ۔ کیا اور بھی تعمیری کام جو شہر سے متعلق ہوں اپنے ذمہ لے سکتا ہے ۔ فقط ۹ ۔ شوال سنہ ۱۳۴۶ ھ

اسکیم آب رسانی مستقر محبوب نگر کے سلسلہ میں حکم دیا ۔ کیمپ شاد نگر ۔

مقدمہ

اسکیم آبرسانی مستقر ضلع محبوب نگر

جناب صدر المہام صاحب لوکلفنڈ ۔

مستقر محبوب نگر پر آبنوشی کی بہت قلت ہے ۔ کئی سال سے منجانب لوکلفنڈ آبنوشی کے انتظام کے لئے بصرف کثیر عملہ قائم ہے ۔ اور ایک بڑی باؤلی بھی موجود ہے جس سے ناکافی طور پر محبوب نگر کی آبادی کے محدود رقبہ کو بہ اوقات مقررہ پانی دیا جاتا ہے اس عدم کفاف آب کے مد نظر ایک اسکیم کتہ چرو سے محبوب نگر کو پانی پہونچانے سے متعلق مرتب ہوئی ۔ جسکی لاگت کا اندازہ بتیس ہزار اور کچھ روپیہ تھا ۔ کہتے ہیں کہ برسوں سے یہ کارروائی معتمدی لوکلفنڈ میں زیر تصفیہ ہے ۔ حالیہ انتظام سے لوکلفنڈ کا صیغہ معتمدی مال میں منتقل ہوچکا ہے ۔ اور مسٹر ٹاسکر اس صیغہ کی اصلاح میں کوشاں بھی ہیں ۔ میں یہ امید کرتا ہونکہ خاص طور پر اس اسکیم کو آپ طلب کرکے دیکھیں اور بہت جلد منظوری کے مراحل طے کردیں ۔ میں نے بھی اس تالاب کا معائنہ کیا ۔ اس تالاب کی بلندی اور پہاڑی گردو پیش یہ یقین دلاتے ہیں کہ بہ کفایت و کامیابی اس تالاب سے آبرسانی کا انتظام ہو جائیگا ۔ غالباً علی نواز جنگ بہادر نے اس اسکیم کی تائید کی ہے ۔ یہ امر بھی لائق لحاظ ہے کہ محبوب نگر کی آبرسانی کا انتظام علاقہ لوکلفنڈ کے کسی ایسے افسر کے تفویض کیا جائے جو آبرسانی کے کاموں کا تجربہ اور اہلیت رکھتا ہو اور اگر مہتمیمان لوکلفنڈ میں آبرسانی کے کام سے واقف کوئی عہدہ دار نہوں تو ایسے واقف کار کا سررشتہ تعمیرات سے حاصل کرنا قرین صواب ہوگا مبادا ناواقف کار ہاتھوں میں کام خراب ہو ۔ فقط ۲ ۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۶ ھ

باؤلیات کے سلسلے میں یہ حکم جاری کیا کہ

مقدمہ

منی وری رقم برائے مرمت باؤلی موضع مغل گدہ (تعلقہ پرگی)

منجانب سید محمد مہدی معتمد صدر اعظم ۔

خدمت شریف جناب میرمجلس صاحب لوکلفنڈضلع محبوب نگربتوسط معتمدصاحب لوکلفنڈ۔

عالی جناب سر مہا راجہ صدر اعظم بہادر کو معائنہ موضع مغل گدہ کے موقع پر یہ معلوم ہوا کہ اس گاؤں میں آبنوشی کی قلت ہے گاؤں کی باؤلی جس کا نام کڑپلا باؤلی ہے لائق مرمت ہے ۔ اس کی مکمل مرمت کا اندازہ (   ) کیا جاتا ہے ۔ اگر اس کی تعمیر ہو جائے تو گاؤں والوں کو آرام ملیگا ۔ اس گاؤں سے لوکلفنڈ کی آمدنی (   ) سالانہ وصول ہوتی ہے گذشتہ دس برس میں کہا جاتا ہے کہ بہ مشکل (   ) اس موضع پر کار ہائے لوکلفنڈ کے ضمن میں صرف ہوئے ہیں ۔ لہذا عالی جناب صدر اعظم بہادر نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس باؤلی کی ضروری مرمت کرا دیجائے ۔

ف ۲ ۔ اس ضمن میں عالی جناب صدر اعظم بہادر نے یہ دریافت فرمایا ہے کہ محاصل لوکلفنڈ کے منجملہ ممالک محروسہ میں کسقدر رقم کار ہائے دیہات پر اور کسقدر رقم مستقر ہائے تحصیل و ضلع پر گذشتہ دس سال میں صرف ہوتی رہی ہے ۔ اس کی نسبت بہ ہدایت تحت ضروری گوشوارے مرتب و پیش کرائے جائیں کہ کار ہائے دیہی پر مصارف لوکلفنڈ کا زمانہ گذشتہ سے اندازہ ہو ۔

ف ۳ ۔ عالی جناب صدر اعظم بہادر نے یہ منشا بھی ظاہر فرمایا ہے کہ لوکلفنڈ کی جسقدر بھی رقم وصول ہو وہ حتی المقدور موضع متعلقہ کی مقامی ضرورتوں پر صرف ہو اور اس حقیقت کے طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ لوکلفنڈ کی رقموں کا مصرف گذشتہ سالوں میں بڑی بے دردی کے ساتھ بے عمل ہوا ہے اور یہ توقع ظاہر فرمائی ہے کہ حالیہ انتظامات میں لوکلفنڈ کے صیغہ کا معتمدی مال میں ضم کیا جانا نشاندادہ قباحتوں کو ضرور رفع کردیگا ۔ امید کہ براہ کرم باتباع حکم مصرحہ فقرہ (۲) مطلوبہ مواد کا تختہ ارسال فرما کر جملہ امور مندرجہ صدر کے نتیجہ کارروائی سے بھی ایما فرمایا جائیگا ۔ فقط

۱۰ ۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۶ ھ

صدر المہام مال کو بیدر شریف کی اضافہ ذریعہ آبنوشی کی طرف اس طرح توجہ دلائی ۔

مقدمہ

اضافہ ذرائع آبنوشی بیدر شریف

خدمت صدر المہام صاحب مال صیغہ لوکلفنڈ ۔

حال میں جب بیدر کے دورہ پر گیا تھا - تو وہاں کی رعایا نے میرے پاس یہ درخواست پیش کی تھی کہ مستقر ضلع بیدر میں آبنوشی کی سخت قلت ہے بالخصوص موسم گرما میں پانی کا میسر ہونا دشوار ترین ہے کوئی ذریعہ بہم رسانی آب کا مستقر ضلع پر ایسا نہیں ہے جس سے ہر وقت اور ہر موسم میں سہولت ہو - یہاں کی باؤلیات بہت عمیق ہیں شدید محنت اور دقتوں سے پانی ہاتھ آتا ہے مستقر پر آبنوشی کی جو کچھ بھی باؤلیاں ہیں پہلے تو ان کی قلت تعداد کی وجہ سے خاطر خواہ پانی کی سربراہی نہیں ہوسکتی دوسرے موسم گرما میں یہ باؤلیاں اسقدر خشک ہو جاتی ہیں کہ آبنوشی کے لئے گونا گون مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوتا ہے جبکہ سرکارعالی سے انتظام سربراہی آبنوشی بہ مستقر ہائے اضلاع کےلئے خطیر رقمیں منظور ہوئی ہیں تو اس ضلع کے مستقر پر بھی آبنوشی کا انتظام منجانب سرکارعالی ہو تو خلق اللہ کےلئے آئے دن کے مصائب سے نجات اور سہولت کا باعث ہوگا اس درخواست کی نسبت تعلقدار صاحب ضلع سے مقامی حالت دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں کی رعایا قلت آب کی وجہ سے بے حد پریشان حال رہتی ہے جسکے اندفاع کےلئے سربراہی آب کا انتظام منجانب سرکارعالی ہونا ضروری ہے سررشتہ لوکلفنڈ کی جانب سے جس طرح اور اضلاع میں آبنوشی کا انتظام کیا جا رہا ہے یہاں بھی سربراہی آب کے وسائل اختیار کرنے کےلئے ایک مکمل اسکیم کا پیش ہونا ضروری ہے پس براہ کرم جلد تر عملی کارروائی کی غرض سے آپ اور معتمد صاحب مال تدابیر اختیار کرکے تجاویز بغرض منظوری پیش فرمائیں کہ اس قدیم تاریخی با رونق آبادی کی معمولی مگر اہم ضرورت جلد سے جلد پوری ہوسکے - بیدر ایک ایسی صحت بخش جگہ ہے کہ جسکی صحت بخشی کو آبنوشی کے اچھے انتظام سے ترقی دینا خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے - عنقریب آپ کا دورہ بھی اس ضلع کے طرف ہونامناسب معلوم ہوتا ہے - فقط ۱۳ - جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ھ

صدرالمہام صاحب فینانس اور امداد باہمی کو لکھا -

مقدمہ

کندیدگی باؤلیات برائے رعایائے ضلع بیدر شریف

خدمت صدرالمہام صاحب فینانس و امداد باہمی

صدر بنک امداد باہمی ضلع بیدر کے معائنہ کے وقت اکثر اراکین انجمن ہائے امداد باہمی نے باولیوں کی کھدوائی کےلئے سرکاری امداد تقاوی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے امداد کی درخواست کی ہے - جو اعداد و شمار تقسیم تقاوی کے تحت باؤلیوں کی کھدوائی اور ان کے تحت سیراب شدہ رقبہ کی نسبت پیش کی گئی وہ بہت محدود ہیں یہ ظاہر کیا گیا کہ اس امداد سے تقریباً (   ) یکر تری کاشت باؤلیوں کے تحت ممکن ہوسکے پس اس رقمی امداد کی توسیع کےلئے جو نہایت ضروری ہے کارروائی مناسب

فرمائی جائے فقط - ۳۱ - جمادی الاول سنہ ۱۳۳۶ ھ

صدر المہام بہادر لوکلفنڈ -

کو لاتور اور رائچور کے انتظام آبنوشی کے متعلق ضروری کارروائی سررشتہ متعلقہ سے جاری ہے مگر میں نے اس دورہ میں یہ محسوس کیا کہ ان ہر دو مقامات پر انتظام آبنوشی کے جلد سے جلد مکمل کرنے کی شدید ضرورت ہے - میں متوقع ہوں کہ اس مسئلہ کو بتوجہ خاص جلد سے جلد پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی - نیز دیگر بڑی آبادیوں میں جن کےلئے واٹر ورکس اسکیم برسوں سے زیر غور ہیں اون کو بھی جلد سے جلد روبکار لانے کی ضرورت ہے میرا رجحان یہ ہوگیا ہے کہ یکے بعد دیگرے ان اسکیموں کو پورا کرنے کے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وافر ہنگامی عملہ کی مدد سے ہر ضروری اسکیم آبنوشی کا آغاز اسی سال میں کرادیا جائے ضروری فنڈ کے عدم کفاف کا مسئلہ ضروریات آبنوشی کے موجودگی نیز اوس نقصان کے مد نظر کہ جو بڑی آبادیوں کے صحت عامہ اور دیگر مادی ترقیوں کے راستہ میں حائل ہیں سرکارعالی کی عام بچت سے بشکل مناسب پورا کیا جاسکتا ہے - پس اس خصوص میں میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ آپ اپنی ذاتی توجہ سے بعجلت ممکنہ ان مسائل کو طے کردینگے - ۴- شعبان سنہ ۱۳۳۶ ھ

۱۲ - آبان سنہ ۱۳۳۶ ف کو جو نوٹ مہا راجہ بہادر نے کیفیت موازنے پر لکھا اوس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مہا راجہ بہادر بجٹ کی تیاری میں اور اسکی تنقید کرنے میں خاص دلچسپی لیتے تھے - اور انکی دور بین نظر کے سامنے ان اندیشوں کی پر چھائیاں تھیں جو ریاست کے طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے اور جنھوں نے ۲۰ برس کے اندر باہر ہی ایک خوف ناک شکل اختیار کرلی - اگر اسی وقت سے مہا راجہ بہادر کی تحریکات کے مطابق کماحقہ طور پر زرعی قرض داری سے کاشتکار کو نجات دلائی جاتی اسکے معاشی فلاح کی دوسری راہیں نکالی جاتیں تو ملک کے بعض اضلاع میں جو شورش پھیلی اور اغیار کو رعایا کے اکسانے کا جو موقع ملا وہ نہ ملتا اور جو مالی نقصان جانوں کی تباہی اور انتظامی دشواریاں پیدا ہوئیں ہرگز نہ ہوتیں - انجمن ہائے امداد باہمی دہی پنچائیت اور مزارعین کی حالت کو درست کرنے والی دوسری تدبیروں سے انکو کسقدر لگاؤ تھا مندرجہ ذیل تحریرات سے عیاں ہورہا ہے -

بشیر قانون بتوسط صدر المہام صاحب متعلقہ

قوانین مروجہ ملک سرکار عالی میں " امداد مزارعین " کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے کوئی خاص قانون موجود نہیں ہے - برطانی ہند کے صوبوں میں وقت بوقت اس مسئلہ پر ہمدردی سے غور کیا گیا ہے - اور قانون مراعات منظور کئے گئے ہیں - امداد مزارعین کے اہم مقصد کو پورا کرنے کیلئے ریاست میسور و کشمیر میں بھی قوانین کے منظوری کی اطلاع ملی ہے -

"امداد مزارعین" | اس ریاست ابد پائیدار میں بھی طبقہ مزارعین کو عام رعایا میں اکثریت حاصل ہے جنکی حمایت و حفاظت اس ریاست اور اسکے رئیس کا روایتی نصب العین ہے بتوسط صدر المہام صاحب متعلقہ کیفیت پیش کی جائے کہ کیوں نہ امداد مزارعین کے قانون کا مسودہ مجلس وضع قوانین میں پیش کیا جائے۔ کیفیت مطلوبہ میں میسور و کشمیر کے قوانین مذکورہ کا بھی بصراحت ذکر کیا جائے۔

"دیہی پنچایت" | مشیر قانونی بتوسط صدر المہام صاحب متعلقہ قدیم دیہی پنچایت کو با اثر اور مفید بنانے کے لئے ممالک محروسہ میں کوئی قانونی رعایت موجود ہو تو اس کی نسبت با حوالہ کیفیت پیش کی جائے۔ اور یہ ظاہر کیا جائے کہ کیوں نہ اس ریاست میں بھی قانون پنچایت دیہی بتمثال قانون پنچایت دیہی مروجہ برطانوی ہند نافذ کرایا جائے۔ ۶۔ رجب سنہ ۱۳۴۵ ف

مقدمہ

مسودہ قانون دادرسی کاشت کاران

دیہی پنچایت کی ضرورت اور امداد مزارعین کے واجبیت میں کسی بحث کی گنجائش نہیں ہے جبکہ دوسرے صوبہ جات ہند اور حیدرآباد سے کمتر درجہ کی ریاستوں میں ان امور پر عملی توجہ کی گئی ہے تو ہمارا تامل اس ریاست کے اور اپنی فیاضی اور ہمدردی اور بہی خواہی رعایا سے بعید ہوگا۔ ہمارے دیہاتیوں کو قوم کی تعلیمی حالت کیسی ہی گری کیوں نہو انتظام پنچایت کا تجربہ اور علم صدیوں سے حاصل ہے۔ اگر ہماری دیہاتی پنچایت کی تنظیم عمل میں آئے اور مزارعین کو قانونی امداد بھی دی جائے تو یہ باور کرنے کی معقول وجہ ہوسکتی ہے کہ آئندہ لجسلٹیو کونسل کی صحیح نیابت حاصل ہوسکے گی۔ جب تک کہ بنیاد قائم نہو اس وقت تک لیجسلیٹو کونسل کی اساسی حیثیت مستقل طور پر قائم نہوسکیگی میری تجویز کا مقصد اصلی فی الوقت دیہات کی تنظیم اور دیہاتیوں کی امداد سے ہے اس سے بڑھ کر مباحث میں ہم کو جانے کی ضرورت نہیں ہے قانون کی خوبی یہ ہونی چاہئے کہ وہ ایسا سہل العمل لچکدار اور وسعت پذیر ہو کہ آئے دن کے ضرورتوں کے اس میں ترقی کی گنجائش ملحوظ رکھی جائے۔ اور بحالت موجودہ وہ ایسا سہل اور محدود ہو کہ جسکے نافذ کرنے کے بعد دیہی پنچایت کی ناکامیابی کا اندیشہ جو غیر موزون قانون کے ذریعہ سے پیدا ہونے کا امکان خیال میں آسکتا ہے وہ باطل ہو جائے۔

نوٹ۔ اس کارروائی کو گشت میں بھیجا جائے۔ معتمد صیغہ قانونی اس مثل کے ساتھ ان قوانین اور قواعد کو بھی منسلک کریں۔ جو اس خصوص میں دیگر صوبہ جات ہند میسور اور کشمیر میں رائج ہے۔ فقط ۱۲۔ ذیحجہ سنہ ۱۳۴۵ ھ۔

جناب صدر المہام صاحب سررشتہ انجمن ہائے امداد باہمی۔

امداد باھمی کے سررشتہ کے قیام سے اب تک اس ترقی ملک کی تحریک امداد باھمی پر کسقدر سرکاری روپیہ صرف ہوا ھے - اس صرفہ سرکاری کے مقابلہ میں رعایا ملک کو کیا حقیقی فائدہ پہونچا ھے - کیا آپ کی رائے میں یہ تحریک مستحکم بنیاد پر قایم ھے - کیا اس سررشتہ کا انتظام پورا پورا تشفی بخش ھے - کیا پبلک کا سرمایہ پوری طرح محفوظ ھے -

کیا عام طور پر وہ رعایا جو اس تحریک میں شریک ھے اپنی ذمہ داریوں سے باخبر ھے - کیا سررشتہ کے جملہ ملازم اپنے فرائض سے آگاہ ھیں -

کیا شرکاء تحریک امداد باھمی کے ضروریات کی تکمیل اور واجبی امداد و رھنمائی کےلئے سررشتہ جات تعلیمات - مال - عدالت - افزائش نسل مویشی اور صنعت و حرفت کی کماحقہ اور حسب ضرورت امداد اور ھمدردی حاصل ھے -

یہ جانتے ھوئے کہ آپ اس تحریک سے گھری دلچسپی رکھتے ھیں مجھکو آپ کی بلا رعایت رائے کی ضرورت ھے کہ کس طرح اس قیمتی اور اھم تجربہ کو کامیاب بنایا جاسکتا ھے فقط - ۱۶ - رجب سنہ ۱۳۴۵ھ

اس تحریک کی گذشتہ اور موجودہ حالت کے مد نظر جبکہ اس تحریک کی عمر حیدرآباد میں تقریبا بارہ تیرہ برس کی ھوچکی ھے کیا یہ مناسب نہوگا کہ جیسا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اس تحریک کے تجربات پر نظر ڈالنے اور آئندہ کے واسطے ایک مسلک قرار دینے کے واسطے ایک کمیٹی مقرر کی تھی اور جیسا کہ میسور میں بھی کمیٹی مقرر ھوئی تھی نیز صوبہ جات متحدہ میں بھی ایسے کمیٹیاں مقرر ھوئی تھیں حیدرآباد میں بھی ایک ایسی کمیٹی مقرر ھو جس میں ھندوستان کے وہ مشہور ماھران امداد باھمی شریک کئے جائیں جنکی رائے گورنمنٹ آف انڈیا اور دیگر ریاستوں کے نزدیک قابل قدر رھی ھے - مثلا اس کمیٹی میں سر للو بھائی سانول داس مسٹر مہتا جو ان کے فرزند ھیں - مسٹر آٹور التفالڈ - خان عبدالمجید خان سابق رجسٹرار کواپریٹیو جیسے اشخاص شریک کئے جائیں - اس کارروائی کو گزارش کے طور پر مکمل کرکے پیش کیا جائے کہ تجویز مناسب کے ساتھ کونسل میں پیش ھوسکے - ۲۳ - جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ -

مقدمہ

درخواست خواجہ نظام الدین صاحب نسبت تقرر خود بہ عہدہ ماھر فن کاغذ سازی تحت محکمہ صنعت و حرفت

صمد یار جنگ سابق معتمد کے نوٹ کا اغلب حصہ یہ ظاھر کرتا ھے کہ سرکارعالی نے نہ صرف اپنے رحجان سے بلکہ ڈاکٹر فولر جیسے ماھرفن مسٹر پیالرٹ اور مسٹر ویکفیلڈ کی دلچسپ تحقیقات کے بعد جو رائے قائم کی اس سے یہ مان لیا گیا کہ اس ریاست میں

صنعت کاغذ سازی کے قیام و فروغ کا بھی امکان موجود ہے چنانچہ میں نے اپنی سابقہ تجویز میں نظام الدین کا تقرر اس صریح سمجھوتے کے ساتھ کیا تھا کہ وہ اپنی اسکیم کی تکمیل میں مصروف رہیں ۔ وہ اس بات کے ذمہ دار قرار دئے جائیں کہ دیہاتی صنعت کاغذ سازی کو جس سے متعلق صدیوں سے صدھا افراد وابستہ رہے ہیں اسکی ترقی اپنا اہم مقصد قرار دیں سر علی امام نے دور بینی اور دانشمندی کے ساتھ جبکہ ایک فرزند وطن کو سرکاری بیش بہا مصارف کے ساتھ صنعت کاغذ سازی کےلئے تیار کیا ۔ اور جیسا کہ مسٹر کالنس نے نظام الدین کی فنی اہلیت کا اعتراف کیا ہے یہ غور طلب ہے کہ گورنمنٹ کیوں قیام صنعت کاغذ سازی کے مسئلہ کو اس آسانی کے ساتھ کھو بیٹھے ۔ جبکہ اس زمانہ میں میسور جو بالکل از سر نو اس صنعت کو قائم کرنیکی تیاریاں کر رہا ہے اور کشمیر حیدرآباد کے قدیم ملازم کی مدد سے اس صنعت کے فروغ کے کوشش میں مصروف ہے ۔ میری تجویز کا منشاء یہ ہے کہ دیہاتی کاغذ سازی کے صنعت کو نظر انداز نہ کیا جائے ۔ قیام کار خانہ کے مسئلہ کو حقیقی دلچسپی کے ساتھ اور ماہران فن کے مشورہ حاصل کرتے ہوئے تازہ رکھا جائے اس خصوص میں اگر صدر المہام صاحب صنعت و حرفت کو مجھ سے اتفاق ہو تو مسٹر وسوشریا کو اس مسئلہ میں رائے دینے کی زحمت دی جائے نظام الدین کو بعوض ایکسو پچاس کے تین سو پچاس پر حسب تجویز سابق مامور کیا جائے ۔ اور صدر ناظم صاحب صنعت و حرفت حسب صوابدید خود ہندوستان کے اور کار خانہ جات کاغذ سازی اور بلب سازی کے تجربے حاصل کرنےکےلئے مشار الیہ کو بھیج سکتے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ مسٹر کالنس حیدرآباد کے روایتی صنعت کاغذ سازی کے اہمیت سے بخوبی اس وقت واقف ہونگے جبکہ ان دہات کا معائنہ کریں گے جہاں کہ یہ کام ہوتا ہے ۔ چنانچہ میری جاگیر سوم پیٹھ میں بھی یہ کام دیکھنے کے قابل ہے کہ جہاں صدیوں سے یہ صنعت اکثر خاندانوں کی پرورش کا سبب اور ذریعہ ہے ۔ ۱۷ ۔ محرم سنہ ۱۳۴۶ ھ

صوبہ گلبرگہ کے دورے کے بعد صدر المہام صاحب فینانس کو لکھا ۔

مقدمہ

قیام انجمن امداد باہمی بہ ضلع عثمان آباد مصنوعات انجمن کفش دوزان رائچور از سررشتہ امداد باہمی ۔

معزز صدر المہام صاحب فینانس و امداد باہمی

ضلع رائچور اور گلبرگہ میں امداد باہمی کی انجمنوں کا کام تشفی بخش ہونا نہیں سنا گیا ناظم صنعت و حرفت کی ان اضلاع سے متعلق خاص توجہ کی ضرورت ہے رائچور میں کفش دوزوں کی انجمن والوں نے مجھ سے یہ شیکایت کی کہ انکے پیدا کردہ مصنوعات کے فروخت کا انتظام کرنے میں سررشتہ سے مدد نہیں مل رہی ہے یہ شکایت لائق توجہ ہے ۔

گلبرگہ کے مدرسہ فوقانیہ انگریزی کے معائنہ کے وقت یہ معلوم ہوا کہ یہاں ایک کامیاب اسٹور برسوں قائم رہا جو اس وقت بری حالت میں ہے ۔ اس ابتری کے کیا اسباب ہوئے ہیں اس کی دریافت صدر ناظم صنعت و حرفت کا کرنا ممکن ہے کہ اسٹور کو سنبھال لے ۔

ضلع عثمان آباد میں کہا جاتا ہے کہ اس وقت تک ایک بھی انجمن قائم نہیں ہوئی ہے ۔ ممالک محروسہ کے بعض دیگر اضلاع کے مقابلہ میں اس ضلع کا دس پندرہ برس پیچھے رہنا غور طلب ہے امید کہ آپ کی ضروری توجہ فرمائی اس ضلع کو بھی امداد باہمی کے برکات سے مستفید کریگی فقط ۴ ۔ شعبان سنہ ۱۳۴۶ ھ

وشوا بھارتی شانتی نکیتن یونیورسٹی کو ایک ہزار روپیہ ماہانہ امداد کی سفارش کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ۔

اس کی بھی امید ہے کہ مثل بنگال گورنمنٹ کہ اس ریاست کے طلباء اورملازمان سررشتہ زراعت کو اس یونیورسٹی کے تحت جو زراعتی درسگاہ قائم ہیں ان سے تعلیمی فائدہ اٹھانے کا قوی تر استحقاق پیدا ہو جائے گا ۔ اس طرح سڑکوں اور نالیوں کی درستی کی طرف متعدد بار مہاراجہ بہادر نے توجہ دلائی ترقی معیار بلدیہ اور میونسپالٹیوں کے قیام کے متعلق تجویزیں کیں تحفظ عمارات قدیم کا خاص خیال کیا ۔ ایک مرتبہ بیدر میں ایک صاحب کے یہاں نادر تصاویر وکتب قلمی سکہ جات وغیرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو مہا راجہ بہادر نے صدر المہام صاحب آثار قدیمہ کو توجہ دلائی کہ :-

خدمت صدر المہام صاحب آثار قدیمہ ۔

مولوی رفیع الدین صاحب وکیل ساکن بیدر کے پاس چند بیش بہا قیمتی تصاویر سکہ جات و چند نادر کتب موجود ہیں علاوہ اسکے اور بھی سامان ہے جو قابل تحفظ اور اپنی ضرورت و قدامت کے لحاظ سے لائق نمائش ہے ناظم صاحب آثار قدیمہ کو متوجہ کیا جائے کہ وہ ان اشیاء سے متعلق ذاتی واقفیت حاصل کرنے کے بعد ان کے اور مولوی رفیع الدین کو ان کے بدل دینے کے متعلق ضروری تجاویز پیش کریں فقط

۱۴ ۔ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ ھ

جب کوئی بڑا افسر کسی ضلع میں جاتا ہے تو قیام کیمپ اور اسکی سجاوٹ میں بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ بیچارے مزدور پیشہ پس جاتے ہیں مہا راجہ بہادر ایسے رحم دل کب اسکو گوارا کرسکتے تھے کہ انکی وجہ سے کسی کی روزی ماری جاوے اور جائز مزدوری سے مستفید نہ ہو چنانچہ صوبہ گلبرگہ کے دورے کہ بعد انہوں نے معتمد صاحب مالگزاری سے استصواب کیا ۔

معتمد صاحب مالگزاری

اول تعلقداران رائچور عثمان آباد اور گلبرگہ سے دریافت کیا جائے کہ میرے

دورہ کے زمانہ میں قیام کیمپ سے متعلق جو انتظامات کئے گئے اور جس عملہ سے کام لیا گیا اس میں سوائے ماہوار یاب عملہ لوکلفنڈ کے کتنے مزدوروں کوکام پر لگایا گیا اور ایسے کام کی بابتہ آیا ان کو کوئی مزدوری دی گئی اگر مزدوری دیگئی ہے تو کس گنجائش سے اور فی کس کیا مزدوری دیگئی اگر نہیں دیگئی ہے تو ان مزدوروں کی فہرست اور جو مزدوری کہ اونکو ادا ہونی چاہئے اوس کا تختہ مرتب کر کے روانہ کریں آئندہ کے لئے کیا یہ مناسب نہوگا کہ ہر ایسے موقع پر جبکہ کسی بڑے کیمپ کے قیام کی ضرورت ہو اور مزدور کام پر لگائے جائیں تو ایسے مزدوروں کی مزدوری کا تصفیہ بھی بر وقت کردینے اور باقاعدہ رجسٹر حاضری مزدوران و قبض الوصول مرتب رکھنے کے لئے ذمہ دار عہدہ داروں کو بذریعہ گشتی محکوم کیا جائے اور صراحت ہو کہ سربراہی میں کونسے اشیا خوش خریدی ہوئے اور کونسے اشیا ایسے ہیں جنکی قیمت ادا نہیں ہوئی ۔ فقط

۴ ۔ شعبان سنہ ۱۳۴۶ھ

سنہ ۱۳۴۰ف کے موازنہ پر جو نوٹ مہا راجہ بہادر نے لکھا وہ بھی اپنی اندر ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور اسکے پڑھنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ مہا راجہ بہادر محض ایک نمائشی صدر نہ تھے وہ صدارت ہی کہ صرف اہل نہ تھے بلکہ اپنی اہلیت کو کام میں لاتے تھے اور جہاں مخالفت کا موقع ہو تو مخالفت ، جہاں تعریف کا موقع ہو تعریف اور جہاں ۔

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

کی ضرورت ہے وہاں وہ اپنی رائے کے مطابق عمل کرانے میں ایک قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے ۔

کیفیت موازنہ کے دیکھنے سے حقیقی مسرت ہوتی ہے کہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر کی پختہ سمجھ اور عملی قابلیت نے حیدرآباد کے فینانس کو اس قدر کامیاب رکھا ہے کہ اس کا عملی ثبوت ہم کو ہر سال کے تجربہ سے ملتا رہا ہے ۔ اس کامیابی کے لئے حیدرنوازجنگ قابل مبارک باد ہیں اور گورنمنٹ بھی لازمی طور پر انکی خدمات کی گہری قدر کرتی ہے ۔ جہاں اور مفید کاموں کے لئے اور مادی اصلاحات کے واسطے بجا طور پر روپیہ صرف کیا گیا ہے اور آئندہ کے لئے گنجائش رکھی گئی ہے یہ بھی اوسی طرح ضروری ہے کہ معزز فینانس ممبر حیدرآباد کی آبادی کو باصحت رکھنے کے لئے جیسی کہ ڈرینج کے لئے گنجائش بہم پہنچائی ہے ۔ موجودہ ٹرافک کی کثرت کے لحاظ سے بہتر قسموں کی سڑکوں کو ایک مرتبہ بنوادینا ضروری ہے کہ آئے دن امراض سینہ کی بیماری میں کمی واقع ہو ۔ یہ امر پائیہ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ حیدرآباد میں دق اور سیل میں بہت کثرت ہوگئی ہے جسکی ایک وجہ گرد کی زیادتی بیان کی جاتی ہے ۔ پس ایک مناسب اندازہ میں حیدرآباد کے بڑے بڑے شاہراہ مکاڈم طریقے پر بنا دیئے جائیں اس ضروری تجویز کے سوائے دوسری اہم تجویز جس کے لئے موازنہ میں گنجائش رکھنے ہماری ریاست کے

شایان شان اور عامہ رعایا کے حق میں ایک بڑا احسان ہے وہ یہ کہ زرعی قرضداری سے نجات دینے کے لئے ہر سال سرکاری طور پر مناسب انجمنوں کے توسط سے خواہ وہ کواپریٹیو بنک ہوں یا زمین گروی بنک ہوں کم شرح سود اور زیادہ مدت کےلئے قرضہ جات کا زیادہ انتظام کیاجائے تاکہ رعایا کے افلاس اور نکبت کے نفع بخش اور نفع آور طریقے پر سرکار کی محفوظ رقم کام آسکے اور بالواسطہ ملک کی فلاح و بہبودی میں ترقی ہو ۔ اور ذرائع آمدنی میں توفیر ۔ ان دو امور پر لحاظ مناسب کیا جائے تو موازنہ میرے نزدیک مکمل ہو جائیگا ۔

۲۱ - ربیع الاول سنہ ۱۳۴۶ھ م ۱۲ - آبان سنہ ۱۳۳۶ف

نوٹ ۔ میونسپالٹی کی مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ حیدرآباد کی سڑکوں کو وہ کبھی درست کرسکے اس لئے یہ تجویز کی گئی ۔

مقدمہ

انتخاب نائب میر مجلس صفائی حیدرآباد

گو حیدرآباد کا درجہ برطانیہ ہند میں چوتھے شہر پر ہے مگر یہاں کی میونسپالٹی کی حیثیت اور اہمیت بلحاظ اقتدارات اور نیابت کے علاقہ انگریزی کے قصبات کی میونسپالٹی سے بھی کم ہے حیدرآباد میں میونسپالٹی کا درجہ اس شہری مناسبت سے قائم ہونا چاہئے میری علحدہ تحریک ممالک محروسہ میں میونسپالٹیوں کے قیام سے متعلق غالباً گشت میں ہے قبل اس کے کہ اس مسئلہ کا تصفیہ کیا جائے حیدرآباد کی میونسپالٹی کی حدتک صدر المہام صاحب متعلقہ سے مجھکو امید ہے کہ حیدرآباد میونسپالٹی کو نیابتی اصول پر ترقی دینے کی عاجلانہ کوشش کریں ۔

ف ۔ وینکٹ راما ریڈی صاحب کا تقرر منظور کیا جاتا ہے ۔ ۲۰ - ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ

صدر المہام بہادر تعمیرات و ٹیلیفون کو لکھا :-

میری تجویز کی بناء پر دفاتر معتمدین و نظماء اور انکے سکونتی امکنہ پر ٹیلیفون نصب کرنے کی نسبت جو عرضداشت بصیغہ فینانس بارگاہ خسروی میں گذرانی گئی تھی اس پر فرمان مبارک مترشدہ ۲۴ - جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ھ سفارشات کونسل کو منظوری کا شرف عطا کرتے ہوئے عز صدور لایا ہے پس بہ تعمیل فرمان مبارک بہ سہولت کارہائے سرکاری ضرورت ہے کہ سررشتہ ٹیلیفون بطور خاص متوجہ کیاجائے کہ عہدہ داران صدر کے دفاتر اور امکنہ پر جہاں ٹیلیفون سرکاری نصب نہ ہو تنصیب کا انتظام بعجلت ممکنہ کرکے اطلاع دے ۔ فقط ۲۷ - جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ھ

صدر المہام بہادر فینانس وظیفہ یابان کی سہولت کے مد نظر تحریر فرمایا کہ :-

میرے پاس اکثر درخواستیں وظیفہ پر علحدہ ہونے والے ان عہدہ داروں کی پیش ہوتی رہتی ہیں جنکا وظیفہ بلحاظ کمی مدت نصف منظور نہوسکتا ہو اس میں رعایتی اضافہ کیاجائے ۔

اسی ضمن میں یہ بھی محسوس کرنے کا موقع ملا ہے کہ ان وظیفہ یابوں کے وظیفہ جو سلریز کمیشن کے مجوزہ اسکیل سے متاثر ہوئے ہوں - بحالات موجودہ گذر بسر کے لئے کفاف نہیں کرتے پس کیا یہ واجبی نہ ہوگا کہ جس طرح ملازمان سرکاری سے اضافہ ماھوار میں بتقاضائے ضرورت رعایت ملحوظ رکھی گئی - اسی طرح وظیفہ یابوں کے وظیفہ میں بھی ایک عام اسکیم اضافہ منظور کیا جائے -

سنا گیا ہے کہ برٹش انڈیا میں ایسی رعایت کی گئی ہے - پس اس خصوص میں براہ کرم آپ اپنی ہمدردانہ رائے بحوالہ عمل برٹش انڈیا جلد روانہ فرمائے - فقط

۲۷ - جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ھ

مہا راجہ بہادر کی سرکاری زندگی کے متعلق ناظرین کے سامنے مشتے نمونہ از خروارے بعض حالات پیش کردئے گئے ہیں مگر ان میں یہ یاد رکھنا چاھئی کہ مہا راجہ کے اختیار میں اپنی طاقت کے مطابق کوشش و تدبیر کرنے کے سوا کچھ نہ تھا انکے ھاتھ میں حکومت کی باگ تھی مگر کس حدتک اس کا تذکرہ بار بارفضول ہے- بجائے اسکے کہ انکی کوششوں سے ملک اور اھالیان ملک کو کیا فائدہ پھونچا یہ دیکھنا چاھئے کہ انھوں نے کیا کیا فائدے پھونچانے کےلئے کیا کیا کوشش کی - اس زاویہ نگاہ سے دیکھنے میں ہمیں ان کے کاموں اور ارادوں میں اس طلائی زنجیر کی ابتدائی کڑیاں ملیں گی جو زمانہ مستقبل میں ملک کی آنے والی نسلوں کے خدمات سے ترتیب پانے والی ہیں - قدرت نے جس درجہ عملی قوت انہیں عطا کی تھی وہ ان کاموں پربس کرنے والی نہ تھی جو عموماً ایک امیر اور دولت مند کو مصروف رکھتی ہے انکا رجحان طبیعت امیرانہ بھیس میں فقیرانہ تھا - وہ دل مارکر بیٹھ نہ سکتے تھے - انکی جستجو چلو دو چلو پانی کی نہ تھی - انکی دوڑ ہمیشہ چشمہ و دریا کی طرف تھی تا کہ وہ دوسروں کو بھی سیراب کرسکیں - صدارت عظمی کے بعد بھی چونکہ اونکے اثرات دونوں فرقوں پر یکساں تھے اس لئے جب ملک میں ہندو مسلم فساد نمو دار ہوا تو انھوں نے آنسو بہائے - جس جوش کے ساتھ اس بڑھاپے میں اس دھارے کو پلٹ دینے کی لہر ان کے دل میں اوٹھی وہ فی الواقعی حیرت انگیز تھی اور وہ حکومت سے علحدہ ہونے کے باوجود ملک کو پیدا شدہ اندیشوں کے خوفناک نتائج سے بچانا چاہتے تھے مگر انکی طاقت جواب دے چکی تھی - انکی طبیعت میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی انہیں جو اپنے خاندان سے محبت تھی اسکی جیتی جاگتی شہادتیں موجود ہیں خاندان کی محبت سے کچھ کم انکی حب الوطنی نہ تھی جو آخر میں حسرت سے بدل گئی تھی انکی جد و جہد ایک محب وطن کی طرح انکے اعمال خیر کا سلسلہ تھا جو آخر دم تک جاری رہا - جسطرح سورج کی گرمی سے پانی کا ایک حصہ سطح سمندر سے بلند ہو جاتا ہے اسی طرح محبت کی آنچ سے وہ اپنے طبقے کی عام سطح سے بالا تر ہوگئے تھے وہ اپنے رفیقوں - نوکروں اور گلے بندھوں کے ساتھ آخری عمر تک نبھانا چاہتے تھے - انکی سیر چشمی اور فراغ دلی نے مال و زر کی ہوس سے انھیں بے نیاز رکھا جو کچھ انکے ھاتھ میں تھا اسکو مستحقوں

کی امداد اپنی آسائش ۔ سچی عزت اور نیک نامی کی راہ میں وہ لٹاتے رہے ۔

انتقال کے کچھ ماہ قبل انکی دل کی دھڑکن بڑھ گئی پھر بائیں ہاتھ میں درد اٹھنے لگا اور سونڈ ھے کے جوڑ میں بیحد تکلیف شروع ہوئی ۔ یہ ہاتھ پوری طرح اٹھتا نہ تھا ۔ علاج معالجے سے عارضی سکون ہو جاتا ۔ رفتہ رفتہ بخار شروع ہوا جو بڑھتے بڑھتے ایکسو پانچ درجے تک پہونچ گیا ۔ ھچکیاں شروع ہوئیں اور تنفس بڑھ چلا اور وہ آثار پیدا ہو چلے جو موت کا پیش خیمہ ہوتے ہیں آخر ۸ ۔ تیر سنہ۱۳۴۹ ف کو دوشنبہ کے دن چار بجکر ۵ منٹ شام کو ان کی روح قالب عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور وہ ستتر سال اس دنیا ئے فانی کی بہاریں دیکھکر اس عالم جاودوانی میں پہونچ گئے جہاں کی مسرتیں لازوال ہیں ۔

ان کی موت پر بلا تخصیص و ملت و مذہب امیر غریب سب نے یکساں رنج و افسوس کا اظہار کیا جسکی مثال ملنا دشوار ھے ۔ ھزاروں تعزیت کے پیام آئے ۔ کوئی سوسائٹی یا انجمن ایسی نہ تھی جسنے انکا سوگ نہ منایا ہو ۔ کوئی اخبار و رسالہ ایسا نہ تھا جس نے اس جانکاہ حادثہ پر اظہار غم نہ کیا ہو ۔ سیکڑوں شعراء نے مرثیے اور تعزیتی نظمیں لکھیں ۔ ھم انکے پرانے ھم صحبت اور رفیق قدیم شاعر مولوی مسعود علی صاحب محوی وظیفہ یاب ششن جج کے مرثیے کو درج ذیل کرتے ہوئے اپنا آخری خراج عقیدت اس شخص کی روح کو پیش کرتے ہیں جو گذرے ہوئے تمدن کی یادگار تھا ۔ جسکی آنکھوں میں نیا تمدن کھیل رہا تھا اور جس کا دماغ ہمیشہ امید افزا مستقبل کے نقشے بناتا تھا اور خود انسانی ھمدردی خوش مذاقی اور فراست کا مجسمہ تھا ۔

مرثیہ

مرثیہ سر مہا راجہ کشن پرشاد بیکنٹھ باشی سابق صدر آعظم باب حکومت سرکار عالی

بند اول

بیک گردش تہ و بالا جہانست	زمین گردندہ تر از آسمانست
بہ ہر خانہ است بر پاشور ماتم	بہ ہر جا زور مرگ ناگہانست
نہ در امن ست زد درویش مسکین	نہ از وے بے خطر شاہ شہانست
برابر میکند شاہ و گدا را	یکے پیشش قوی و ناتوانست
چہ جوئی را ز مرگ و زندگانی	کہ آن بالا تر از و ہم و گمانست
ز آزارش دل نادان چہ نالی	کہ آن حکم خدائے انس و جانست
بحکم او سر طاعت نہادن	وجوب عام و فرض خاص گانست
نہ این دنیا ست منزل گاہ مقصود	نہ این جائے قیام جاو دانست

چو از خاکست باید خاک گشتن ❊ هر انسان را که در این خاک دانست
مگو این مرد کافر آن مسلمان ❊ که این علم خدائے عیب دانست
در دیر و کلیسا و حرم را ❊ چونیکو بنگری یک آستانست
چه جائے سرزنش گر آشنائے ❊ به هجر آشنائے نوحه خوانست
چه گویم با تو دل آزاری هجر ❊ که شب کوته در از این داستانست

مشو منکر که قول صادقانست
که بعد این جهان هم یک جهانست

بند دوم

سہا راجه چو عزم آن جهان کرد ❊ جهانے در غمش آه وفغان کرد
بسے رخساره گلگون و شاداب ❊ غم او زرد تراز زعفران کرد
مژه در چشم نوک نیشتر شد ❊ نفس اندر گلو کار سنان کرد
مدام اندر سفر یک کاروان داشت ❊ چگونه این سفر بے کاروان کرد
همیشه در حضر بادو ستان بود ❊ ندانم چون کنار از دوستان کرد
زقطره مایل بذل و سخا بود ❊ بوسع خویش بذل بیکران کرد
چو سرمست تصوف بود شبها ❊ بخلوت میکشی بامیکشان کرد
بہارے بود بزم اهل فن را ❊ خزان از رفتنش آن گلستان کرد
هزاران نو نهالان دکن را ❊ دبیر و شاعر شیریں زبان کرد
به هر ملک است شور نوحه او ❊ نه تنها ماتمش هندوستان کرد
موحد بود از یزدان عجب نیست ❊ اگر آتش بر او باغ جنان کرد
چو در دل دهشت روز جزا داشت ❊ دعائے بخشش او می توان کرد

دعائے مستمندان مستجاب است
نزول رحمت حق بیحساب است

بند سوم

چه می پرسی سہا راجه چها داشت ❊ نشان مجدد و آثار علا داشت
بجان همدرد هر ایک آشنا بود ❊ چو در پهلو دل‌درد آشنا داشت
عطا یش پرده پوش هر خطا بود ❊ پیے هریک خطا چندین عطا داشت
باین دریا دلی بذل و سخاوت ❊ زدست کوته خود نا لها داشت
نمی داد از بقدر همت خود ❊ ز روئے سایل مسکین حیا داشت

سخن را سر پرست و قدر داں بود ‌ ‌ نگاہ نکتہ بین فکر رسا داشت
فدائے علم و شیدائے ہنر بود ‌ ‌ مذاق شعر از عہد صبا داشت
اگر از دل نہ دربند خدا بود ‌ ‌ چہ ساں الفت بمردان خدا داشت
بشکر نعمت الطاف شاہی ‌ ‌ زباں وقف دعائے بادشا داشت
بسے چوں محوی آشفتہ خاطر ‌ ‌ ہوا خواہ و محب بے ریا داشت
سپر ہائے دعائے مستمنداں ‌ ‌ بہ ہر مشکل پئے رد بلا داشت
ولے درجنگ مرگ و زندگانی ‌ ‌ نہ حرز امن از تیر قضا داشت

زنیکی در جہاں نام و نشان یافت
پس از مردن حیات جاوداں یافت

بند چہارم

بہ ہر بزمیکہ ممتاز و متیں بود ‌ ‌ مہا راجہ دراں کرسی نشین بود
ثنائے مصطفی ، حمد خدا کرد ‌ ‌ گمانم اینکہ از اہل یقین بود
بہ آئین قدیم شہ پرستی ‌ ‌ بعزم راسخ و رائے زرین بود
مروت بود گر شخص مجسم ‌ ‌ یمین السلطنتہ دست یمین بود
دل بیمار زد می یافت تسکین ‌ ‌ بگفتارش شفائے انگبین بود
بہ مہانداری و بیکس نوازی ‌ ‌ امیر بے مثال و بیقرین بود
قبول دعوتش از ہرکہ و مہ ‌ ‌ سزا وار ہزاران آفرین بود
خموشی ، سرگرانی ، کج ادائی ‌ ‌ چو خوباں ہر ادایش دلنشین بود
بدو نیکش چو بر خلق است روشن ‌ ‌ چہ گویم آن و این چنین بود
بقول شہ بساط اولین را ‌ ‌ یکے از مہرہ ہائے آخرین بود
زتہذیبے کہ و رجان کند نیہاست ‌ ‌ دم آخر ، نگاہ واپسین بود
زمین میخواست گیرد درکنارش ‌ ‌ فلک درفکر غسل آتشین بود
زمین مغلوب گشت و چرخ غالب ‌ ‌ چو برتر ازین چرخ برین بود
زبخششہائے شاہ بندہ پرور ‌ ‌ امارت بود خاتم او نگین بود
پے ہر بادہ کش تا بود ساقی ‌ ‌ شراب خوشدلی درسا تگین بود

نہ آں بادہ است درساغر نہ ساقیست
اگر باقیست ذکر خیر باقیست

ضمیمہ سوم

شعر و سخن

شاد کا مذہب شاد ہی جانے
آزادی آزاد ہی جانے

شاعر فطری طور پر (Free Thinker) آزاد خیال ہوتا ہے۔ وہ راستی و صداقت کی جستجو میں رہتا ہے۔ حق جہاں بھی اور جس رنگ میں نظر آئے وہ اسی کا اعتراف کرتا ہے۔ مہا راجہ بہادر کی شاعری میں اور اون کے طرز زندگی میں آزاد خیالی (Free Thinking) کی شان اول سے آخر تک نظر آتی ہے ۔ کرشن جی کی امت میں ہونے کے باوجود اونہیں محمد و آل محمد سے بھی سچی عقیدت ہے ۔

حضرت علی ۔ حضرت فاطمہ زہرا ۔ حضرت امام حسین کی مدح میں مہا راجہ بہادر نے بہت کچھ کہا ہے اور خلوص سے کہا ہے ۔ اس میں کسی مصلحت اندیشی یا ریا کاری کو ہرگز دخل نہیں ۔ اون کا ایمان تھا کہ ہند کے پیغمبروں رام ۔ کرشن ۔ گوتم بدھ کے علاوہ فطرت نے اور قوموں کی برگزیدہ ہستیوں کو بھی شرف نبوت و امامت بخشا ہے۔ حق شناسی و حق پرستی۔ یہی تھا ان کا ایمان ۔

مہا راجہ بہادر کا دور حیات اگر چہ انیسویں اور بیسوین صدی سے متعلق تھا لیکن تاریخ ہند کا بہترین دور عروج و اقبال یعنی اکبر ۔ جہانگیر اور شاہجہاں کا عہد رواداری و خوشحالی جو ہندوستان کو نہ پہلے کبھی میسر ہوا تھا نہ آئندہ ہوسکا (اور اب کیا ہوگا) اِن کی چشم تصور کے سامنے رہتا تھا ۔ اپنے طبعی رجحان ۔ اپنے خاندانی اثرات و روایات کی بدولت اون میں وہ صلح جوئی و رواداری جڑ پکڑ گئی تھی کہ بیسوین صدی کے زہریلے اثرات بھی اون پر کارگر نہ ہوسکے ۔ مہا راجہ بہادر کی ایک مثنوی ''پریم دربن،، ان کے دل کی آواز ہے جس میں شاہان مغلیہ کی رواداری و رعایا نوازی کے ثبوت میں شہنشاہ جہانگیر کی زندگی کا ایک تاریخی واقعہ نظم کر کے مصنف نے خود اپنی پاکیزگی نفس کا ثبوت دیا ہے ۔

مثنوی کی ابتداء میں ساقی سے خطاب فرماتے ہیں ۔

بادہ الفت کے متوالے ساقی ہم ہیں محبت والے
بے کینہ ہے اپنا سینہ یہ ہے جواہر کا گنجینہ

وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مصنف یہ فال مطابق حال ہے ۔

خمخانہ کی خیر مناؤں اپنی بیتی تجھ کو سناؤں
تجھ سے سن میں کون ہوں کیا ہوں رنگ پریدہ کی میں صدا ہوں
اک آواز شکست دل ہوں نغمہ ساز شکست دل ہوں

اپنی بیتی کا لفظ صاف کہہ رہا ہے کہ زوال سلطنت مغلیہ کے بعد انگریزوں کے راج میں ہندوستانی تہذیب ۔ ہندوستانی شرافت و مردانگی کی جو مٹی خراب ہوئی مصنف کو اس کا درد ہے ۔ وہ اس تباہی کو اپنی تباہی سمجھتے اور اپنی بیتی تعبیر کرتے ہیں ۔ ایک سچے ہندوستانی کو سلطنت مغلیہ کی تباہی کا جتنا بھی غم ہو بجا ہے ۔ کیوں کہ ہندوستان کی ساری تاریخ میں ایسا عہد زرین کبھی آیا ہی نہیں اقبال مندی و خوش حالی ۔ خلوص و محبت کی ایسی پاکیزگی کبھی نصیب ہی نہیں ہوئی ۔

(شرف انسانیت)

ہستی میری شان خدا ہے روح مری فرمان خدا ہے
گیتی کی آبادی میں ہوں ہستی کی آزادی میں ہوں
باغ میں ہوں میں باد بہاری قدرت کی ہوں میں گلکاری
میں ہوں ہندو میں ہوں مسلماں ہر مذہب ہے میرا ایماں
شاد کا مذہب شاد ہی جانے آزادی آزاد ہی جانے

آزادی کا سچا قدر شناس اور آزادی کا مستحق وہی ہے جو اپنے علاوہ دوسروں کو بھی آزاد دیکھ سکے ۔ جہاں شرف انسانیت کا احساس پیدا ہوا وہاں انسانی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہونا بھی اک لازمی امر ہے ۔ لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کا جو ذمہ دار گردانا گیا ہو فطرت نے جسے وسعت نظر عطا کی ہو جو حق و صداقت کا طالب ہو اسے ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ صداقت نظر آئے گی ۔ انہی شریفانہ احساسات نے اکبر کو دنیا کی تاریخ میں اکبر اعظم کے مرتبہ پر پہونچایا ۔ مہا راجہ بہادر بھی اسی مذاق کے آزاد خیال انسان تھے ۔ فرماتے ہیں ۔

عبرت خیز کہانی میری سن تو لیجئے زبانی میری
قوم کا میں اک نوحہ سرا ہوں دل ہوں میں اور غم سے بھرا ہوں

ہندو مسلم ایک تھے پہلے — بیر نہ تھا کچھ ۔ نیک تھے پہلے
بغض و حسد سے پاک تھا سینہ — دل سب کا تھا صاف آئینہ
دونوں باہم شیر و شکر تھے — صاحب دل تھے ۔ اہل نظر تھے
خلق و کرم پر اپنا عمل تھا — آج نہیں وہ لطف جو کل تھا
ہے دل دور افسانہ اپنا — غمکدہ ہے خمخانہ اپنا
عہد اکبر بھول گیا کیا — دور گذشتہ آہ ہوا کیا
اکبر کی یہ پالیسی تھی — بیٹی دیکر بیٹی لی تھی
راجہ مان و جگت سنگھ کیا تھے — دربار اکبر کی ضیا تھے
بڑھ کے عزیزوں سے تھے ہندو — طاقت دل تھے ۔ قوت بازو
منشا یہ تھا ۔ مطلب یہ تھا — اکبر شاہ کا مذہب یہ تھا

(جہانگیر کا روپا کو بیٹی بنالینا)

اک نادر قصہ میں سناؤں — دیکھا نہیں جو تم کو دکھاؤں
بہر شکار اک روز جہانگیر — آیا بن میں درپے نخچیر
شاہنشاہ ہندستان تھا — رعب شہی چتون سے عیاں تھا
لو کے سبب تھی دھوپ میں حدت — پھونک رہی تھی پیاس کی شدت
شہ کا رخ سو نلایا ہوا تھا — منہ پہ پسینہ آیا ہوا تھا
ایک بیاباں دور سے دیکھا — گھوڑا اڑا کر وان تک پہونچا
دیکھا پختہ اک مندر ہے — مندر کتنا خوش منظر ہے
سامنے اسکے چشمے جاری — اور ترو تازہ پھولوں کی کیاری
برگد کا وان ایک شجر ہے — جس کا سایہ ہی اک گھر ہے
دیکھا وان اک حور لقا کو — حسن کی دیوی ہوشربا کو
ماتھے پر چندن کا ٹیکا — جس سے قمر کا رنگ ہو پھیکا
میلی سی بوسیدہ ساڑی — اس پہ بھی صورت پیاری پیاری
روپ سنگارا نام تھا اس کا — کہتے تھے سب پیار سے روپا
شاہ کے چہرے پر جو نظر کی — خوف کے مارے وہ کانپ اٹھی
شرم و حیا یا رعب شہی سے — آنکھ جھکالی اس لڑکی نے
دیکھ جہانگیر اسکی یہ حالت — کہنے لگا اس سے بہ محبت

میں ہوں مسافر رہ گم کردہ — بھول کے رستہ یاں آ نکلا
تشنہ جگر کی آگ بجھادے — بیٹی تھوڑا پانی پلادے
ہو کے مودب بولی وہ لڑکی — آپ مسافر ہیں میں سمجھی
بہتر ہے گھوڑے سے اترئے — پانی ابھی لاتی ہوں گھر سے
لڑکی گھر میں گئی اور آئی — کھانا پانی جا کر لائی
تھالی میں دو روٹیاں جوکی — ایک طرف تھوڑی سی تلا جی
پیتل کی لٹیا میں پانی — لائی اور ادب سے بولی
باسی منھ تو پانی نہ پیجئے — ٹکڑا روٹی کا کھا لیجے
تھی درخواست محبت آگیں — کر نہ سکا رد شاہ جہاں بیں
کھانے لگا وہ جوکی روٹی — بھولا لطف طعام شاہی
غور سے دیکھا کی وہ لڑکی — کی مہماں کی خاطر داری

یہ ہے مقام انسانیت ۔ میزبان اور مہمان دونوں اس وقت انسانیت کے صحیح روپ میں آمنے سامنے ہیں ۔ یہاں احساس کمتری و برتری کا نام و نشان تک نہیں ۔ میزبان یہ دیکھکر خوش ہے کہ اسے خدمت کا موقع ملا اسکی خدمت قبول ہوئی ۔ اور جہانگیر اس وقت دائرہ شاہنشاہی سے باہر ایک انسان کی حیثیت سے خلوص و محبت کی فضا میں سانس لے رہا ہے ۔ پاکیزہ مسرت کے یہ چند لمحے یاد گار رہینگے ۔ اللہ میاں بھی دور سے یہ تماشا دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں ۔

ہاتھ میں تھی سلطاں کے انگوٹھی — جس میں تھا یا قوت عراق
آنکھ پڑی لڑکی کی اس پر — گھر میں گئی اور آئی باہر
کاغذ کا اک بستہ لائی — بستہ تھا اس کا آبائی
کاغذ اک اس میں سے نکالا — لکھنے لگی وہ چاردہ سالہ
شاہنشاہ ادھر تھا ششدر — سوچ رہی تھی یاں کچھ دختر
بولی ادب سے وہ مہہ پارہ — دیکھوں ذرا میں ہاتھ تمہارا
شاہ نے دھنا ہاتھ بڑھایا — ہاتھ کا لکھا اوسکو دکھایا
ہاتھ جو دیکھا دل کو سنبھالا — کاغذ پھر اک اور نکالا
زائچہ اس کاغذ میں بنا تھا — چہرے سے شہ کے اسکو ملایا
لانے لگا اب رنگ خوشی کا — ہنس مکھ چہرہ اوس لڑکی کا

اب روپا نے اپنی ماں کو آواز دی ۔ وہ آئی اور بیٹی سے پوچھا یہ کون ھیں ۔ شاھنشاہ نے بڑھیا کے آگے سر تسلیم جھکا دیا اور بولا میں دلی کا رھنے والا ایک سپاھی ھوں ۔ شاھی لشکر سے چھوٹ کر راستہ بھول کر بھوکا پیاسا ادھر آنکلا ۔ اس لڑکی نے مجھے کھانا کھلایا پانی پلایا میں اس کا شکرگذار ھوں ۔ یہ سنکر روپا ھنسنے لگی اور سر جھکا کر کہا آپ جو چاھیں فرمائیں مگر میں پہچان گئی ۔ میرے پتا نے جو کچھ بتایا تھا وہ سچ نکلا ۔ دیکھیئے یہ اون کا بنایا ھوا زائچہ ھے جو آپ کے ھاتھ کے بالکل مطابق ھے ۔ اون کا علم صحیح تھا اور اب مجھے یقین آگیا کہ آپ ھمارے بادشاہ ھمارے ان داتا ھیں ۔ جہانگیر لڑکی کی یہ ذکاوت دیکھ کر بہت خوش ھوا اور پھر ضعیفہ سے کہا کہ اماں کچھ اپنا حال تو سناؤ ۔ آخر اس سنسان جنگل میں تمہارے رھنے کا کیا سبب ھے ۔ اور ذریعہ معاش کیا ھے ۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اپنا حال کیا کہوں ۔ ھم لوگ بھی کبھی خوشحال تھے ۔ میرے پتی پنڈت بیاس بیجاپور کے شاھی منجم تھے ۔ وھاں سے نا خوش ھو کر گھر بار چھوڑ کر یہ جنگل بسایا ۔ اپنا علم بیٹی کو سکھایا ۔ ایک دن پنڈت جی نے بیٹی سے کہا کہ اس دھرتی کا زائچہ میں بناتا ھوں تو بھی اک زائچہ بنا ۔

زائچہ اس نے ایک بنایا ۔ باپ کو اپنے لاکے دکھایا
باپ نے اپنا اور روپا کا ۔ زائچہ بالکل یکساں پایا
کہنے لگے چھاتی سے لگا کر ۔ بیٹی تیرا بخت ھے یاور
ایک دن ایسا ھے آنے والا ۔ بگڑے کام بنانے والا
ھوگا مہماں شاہ دھلی ۔ اس کی کریگی تو سہمانی
ھاتھ میں اسکے ھوگی انگھوٹی ۔ جس کا نگین یاقوت ھے اصلی
آپ کو روپا نے پہچانا ۔ ھاتھ کو جب دیکھا تو جانا
آپ کا کہنا میں ھوں سپاھی ۔ دور افتادۂ لشکر شاھی
کون اس کو تسلیم کریگا ۔ آپ ھمارے ھیں ان داتا
شاھنشاہ ھنسا اور بولا ۔ کوئی بھی ھوں میں اس سے غرض کیا
آج سے تم اماں ھو میری ۔ روپا میری بیٹی حقیقی
پھر وہ انگھوٹی شہ نے اتاری ۔ بیٹی کہہ کر اس کو دیدی
گرنے لگی قدموں پر روپا ۔ اشک مسرت آنکھ سے ٹپکا
شاہ نے اس کے سر کو اٹھا کر ۔ پیار کیا چھاتی سے لگا کر
ناگاہ اک آواز بگل کی ۔ مندر کے نزدیک سے آئی
دستہ سواروں کا بھی آیا ۔ خوش ھوئے سب جب شاہ کو دیکھا
سامنے آکر کی صف بندی ۔ فوج نے بڑھکر سلامی اتاری

کوہستانی میدان گونجا شاہنشاہ سلامت بادا
بولی ضعیفہ ہنسکر شاہا ہوکے رہا جو رب نے چاہا
میرے پتی کا علم تھا سچا کھل گیا اب تو راز تمہارا
کر نہ سکا پوشیدہ راز اب شاہ اس سے یہ کہنے لگا تب
مائی سچ ہے یہ ساری تحریر شاہ دہلی میں ہوں جہانگیر
یہ ہے علم نجوم میں ہندوستانیوں کے کمالات کی ایک تاریخی مثال ۔
بولی ضعیفہ پھر روپا سے شہ کی امانت شاہ کو دیدے
اک خط لائی جاکر روپا شہ کو دیا وہ شاہ نے کھولا
فارسی اس کی عبارت دیکھی کاتب خط کی بشارت دیکھی
شاہنشاہ ہند سلامت روز افزوں ہو عمر و دولت
شاہی ہے تیری شاہنشاہی حکم ہے تیرا حکم الٰہی
ہندوستان کا راج مبارک تخت مبارک تاج مبارک
تابع فرمان ہوگا دکن بھی ہو پامال ترا دشمن بھی
ہے افسوس مجھے یہ شاہا دیکھوں رخ شہ ۔ رب نے نہ چاہا
ایک وصیت ہے یہ میری بیوارث ہے میری بچی
اسکی حمایت دل سے کیجے اسکو اپنے سایہ میں لیجے

(روپا کا محل شاہی تک پہونچنا)

قسمت نورجہان تک لائی وہ بھی محبت سے پیش آئی
حسن و سلیقہ دیکھ کے اوس کا نور جہان تھی دل سے شیدا
زیور و زر سے اسکو سنوارا تازہ دلہن تھی روپ سنگارا
شہ کے محل میں رہی وہ چندے نوکر چاکر سب تھے بندے

(روپا کی شادی اک برھمن سے)

شاہنشاہ نے اوسکی منگنی ٹالی کوٹہ میں ٹھہرائی
ایک برھمن تھا باعزت حوصلہ مند و اہل فضیلت
حسن جوانمردانہ میں یکتا ہمت ہمادر دانہ میں یکتا
علم و ذکاوت میں لاثانی حسن و وجاہت میں لاثانی
دھوم سے کردی اسکی شادی شادی تھی خانہ آبادی
بادشاہ خود اور اوسکے ساتھ شاہزادہ (شاہجہاں) شادی میں شریک ہوتا ۔

اراکین دولت براتی بن کر ساتھ ساتھ ہیں ۔ اسطرح مغل سلاطین رعایا کے دلوں کو مسخر کرلیتے ہیں ۔ رعایا کی شادمانی و مسرت کا کیا پوچھنا ۔

تھا پر لطف عجب وہ منظر شاھنشاہ جب آیا اندر
شاھجہان بھی ساتھ تھا اسکے کل درباری اسکے پیچھے
تخت شہی کے جملہ اراکین تھے یہ براتی باصد تمکین
بھنوری دیکھی رسمیں برتیں مذھبی اور ملکی جتنی تھیں

فقط شریک ھی نہیں ھیں ھندوؤں کی مذھبی رسمیں بھی برت رہے ھیں ۔ یہ تھا عمل تسخیر

نکلا جہیز اندر سے باھر صحن محل کا بھر گیا یکسر
ٹالی کوٹہ کی بھی ریاست شاہ نے کی روپا کو عنایت
سولہ لاکھ کا حاصل جسکا نام پہ تھا روپا کے لکھا
پھر اس میں لاکھوں کا اضافہ شاھجہاں نے بھی فرمایا
عالمگیر نے بھی شاھانہ دی جاگیر اسے سالانہ
جدو پدر کے مانند اس نے لاکھوں ھی کے بخشے اضافے
آج بھی ہے وہ ھند میں شامل جس کا ہے سی لاکھ اب حاصل
جز یہ سے مثنیٰ کرکے دی تحریر معہ زیور کے
بیش بہا وہ شہ نے انگھوٹی اول دن روپا کو جودی تھی
ہے محفوظ خزانہ میں اب تک رکھی ہےتو شک خانہ میں اب تک
شاھانہ یہ طرز عمل تھا نخل محبت کا یہ پھل تھا
ھندو مسلم یوں باھم تھے خلق و کرم میں یوں ھمدم تھے
برگ و ساز تھے ھم گلشن کے سبزہ زار تھے ھر اک بن کے
حسن عمل آئینہ تھا اپنا معدن الفت سینہ تھا اپنا
اور اب قوم کی حالت دیکھو دیکھا علم ۔ جہالت دیکھو
گائے کی قربانی پہ جھگڑا آگ پہ جھگڑا ۔ پانی پہ جھگڑا
مسجد کی دیوار پہ جھگڑا باجوں کی جھنکار پہ جھگڑا
سنگھٹن کی تنظیم پہ جھگڑا کونسل کی اسکیم پہ جھگڑا
ھم ھیں اپنے آپ ھی دشمن اپنے لئے ھم آپ ھیں رھزن
آئی خزاں گلشن پر اپنے بجلی گری خرمن پر اپنے
جھونکے چلے جب تیز ھوا کے جاری ھوئے احکام قضا کے

برگشتہ تھی اپنی قسمت — دے بیٹھے غیروں کو حکومت
مایہ عبرت ہم ہیں جہاں میں — ننگ شرافت ہم ہیں جہاں میں
عیب ہوئے جو ہم میں ہنر تھے — جھوٹے ہیں اب جو سچے گھر تھے

پرانی قدریں ہی بدل گئیں وہی راست بازی - وہی خلوص جو پہلے بھلے آدمیوں کا شعار تھا اب حماقت سمجھا جاتا ہے

بزم میں اب احباب نہیں وہ — دیکھا تھا جو خواب نہیں وہ
شاد جو ہو دلشاد تو کیونکر — ہو پابند آزاد تو کیونکر
تاریخی لکھا ہے یہ قصہ — میرے قلم کا تھا یہ حصہ
آمد ہے آورد نہیں ہے — صاف ہے یہ مئی درد نہیں ہے

یہ تھا ایک مختصر سا تذکرہ اس ہندوستان کا جس میں کبھی خوش بختی وخوش وقتی کا راج تھا - زوال سلطنت مغلیہ کے بعد ہندوستان اس باھمی خوشنودی و ہم آھنگی کی فضا کو (جس پر مغل حکومت قایم تھی) ہمیشہ کے لئے ترستا ہی رہ گیا - انگریزوں کے راج میں امن و امان - نظم و نسق کی چستی - علم و فضل کی روز افزوں ترقی - وسائل آمد و رفت کی سہولت - یہ تمام برکتیں نازل ہوتی گئیں مگر اپنی تمام حکمت و دانش - اپنے مستحکم آئین جہانداری کے باوجود انگریز حکمران رعایا کی خوشنودی ( ) کسی زمانے میں حاصل نہ کرسکے - برخلاف اسکے مغل بادشاہوں نے ہندوستان کو اپنا گھر سمجھا ہندوؤں کو اپنے عزیزوں سے بڑھکر وفا دار و جاں نثار بنا لیا - مغلیہ دور میں ہندوستانی کیرکٹر - ہندوستانی شرافت و مردانگی کو کوئی نقصان نہیں پہونچا بلکہ معیار اخلاق بلند اور شائستہ ہوتا گیا - برخلاف اسکے انگریزوں کے راج میں ہندوستانی اخلاق کو ایسا صدمہ پہونچا - نیتوں میں اتنا فتور پیدا ہوگیا یا پیدا کرادیا گیا کہ آئندہ کے لئے اصلاح حال کی امید تو کیا توقع تک باقی نہ رہی -

(نیرنگی دھر)

ساقیا بھر دے شراب خوشگوار — سر میں اب تک ہے جوانی کا خمار
اپنی چشم مست کی گردش دکھا — دور میں لا جام اے جم اقتدار
رات دن گردون دوں گردش میں ہے — ایک لمحہ بھی نہیں اسکو قرار
آج کل کا کیا بھروسہ دھر میں — ہے زمانے پر کسے یاں اختیار
ہر زماں ہر وقت ہیں تبدیلیاں — اس کی چالوں کا کسے ہے اعتبار
جسکی فطرت میں ہے لازم انقلاب — کس طرح سے اسکو آئیگا قرار
دل شگفتہ ہے کسی کا مثل گل — خار حسرت سے کوئی سینہ فگار

کوئی آسودہ ہے جاہ و مال سے ‌ ‌ ‌ مفلسی سے ہے کسی کو انتشار
تنگ ہے نان شبینہ سے کوئی ‌ ‌ ‌ ہے کسی کے پاس گنج بے شمار
زہد پر اپنے کسی کو ناز ہے ‌ ‌ ‌ اور گناہوں سے ہے کوئی شرمسار
ہجر دلبر میں کوئی ناکام ہے ‌ ‌ ‌ وصل جاناں سے کوئی ہے کامگار
ہے کسی کو اپنی قوت پر گھمنڈ ‌ ‌ ‌ ناتوانی سے کسی کا حال زار
سبحہ و زنار میں کوئی اسیر ‌ ‌ ‌ کوئی آزادہ روش آشفتہ کار
بت پرستی میں کوئی مشغول ہے ‌ ‌ ‌ بعض کا آتش پرستی ہے شعار
کوئی کہتا ہے مسلماں آپ کو ‌ ‌ ‌ کوئی مندر میں ہے مورت پر نثار
کوئی میخانہ کو جاتا ہے مدام ‌ ‌ ‌ بن گیا کعبہ کسی کا کوئے یار
خلعت زرتار میں ہے کوئی مست ‌ ‌ ‌ جیب و داماں ہیں کسی کے تار تار
الغرض ہر آن میں اک شان ہے ‌ ‌ ‌ ہے حقیقی شان ـ شان کردگار
جن کو کل دیکھا تھا ہم نے شادماں ‌ ‌ ‌ رو رہے ہیں آج وہ زار و قطار
زیب سر تھا جسکے تاج کیقباد ‌ ‌ ‌ ان کو اک حبہ نہیں ملتا ادھار
بخشتے تھے گاؤں جو انعام میں ‌ ‌ ‌ خانماں برباد ہیں وہ ذی وقار
کہہ رہی ہیں صاف یہ نیرنگیاں ‌ ‌ ‌ رنگ دنیا کے نہیں ہیں پائیدار
ہے وہی اچھا سبھوں سے آدمی ‌ ‌ ‌ جس کا ہے اللہ پر دار و مدار
فقر کی مسند پہ تکیہ جس کا ہے ‌ ‌ ‌ ہے اسی کے دل کو دنیا میں قرار
صبر و استقلال ہیں جس کے رفیق ‌ ‌ ‌ کچھ نہیں ہے اس کو خوف گیرودار
اس جہاں میں جسکی ہے ہمت بلند ‌ ‌ ‌ ہے موافق اس بشر کا روزگار
جو بہادر اور دل کا ہے شجیع ‌ ‌ ‌ ہے اسی کے ہاتھ دشت کارزار
دو جہاں میں وہ رہیگا بہرہ ور ‌ ‌ ‌ جس کا ہوگا عدل پر دار و مدار
جو موحد ہے وہ ہوگا حق پرست ‌ ‌ ‌ کفر و ایماں کا نہوگا کچھ بچار
ہے نظر میں عارف کامل کی ایک ‌ ‌ ‌ کوئی مسلم ہو کہ ہو زنار دار
کفر کیسا ـ کیسا ایماں اے خدا ‌ ‌ ‌ تو مرا ایماں ہے پروردگار

جلوہ کرشن

یمین السلطنتہ مہا راجہ سر کشن پرشاد نے اس مثنوی میں سری کرشن جی کی زندگی کے ابتدائی حالات نظم کرنے میں جذبہ محبت و عقیدت کے علاوہ شاعرانہ افسانہ نگاری کا وہ کمال دکھایا ہے کہ بقول مولانا سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی

اردو زبان اس تصنیف پر ناز کرے تو بجا ہے - مثنوی کی صنف میں شاعر کی جولانی فکر کا اصل میدان معاملات کی تصویر کھینچنا ہے - اس میں مصنف موصوف نے اپنا حق ادا کردیا ہے - ہوش بلگرامی (نواب ہوشیار جنگ) نے اس تصنیف پر اک مقدمہ لکھا ہے جس میں سری کرشن جی کے حالات زندگی اور ان کے شائستہ عادات و اطوار پر اک والہانہ انداز میں تبصرہ کیا ہے جس کا کچھ اقتباس یہاں درج کردینا نامناسب نہوگا۔

ملاحظہ ہو۔

" جسودھا کی گود میں نشو و نما پانے والے کو کون نہیں جانتا - نند کے آغوشی فرزند کو کون نہیں پہچانتا - دیو کی کے لاڈلے اور واسدیو کے صلبی فرزند سے کون واقف نہیں - متھرا کے کنہیا کا سکہ کون ہے جسکے دل پر بیٹھا ہوا نہیں ہے - بانسری کی دلکشی کی دلکش پکار کس کو متوالا نہیں بناتی - "

بندرا بن کے عاشقانہ ذرات اب بھی گوپیوں کے لئے افشاں کا کام دے جاتے ہیں - غرض یہ کہ ہند میں ہزاروں سال سے اسی کا ترانہ ہے اور اسی کی جئے کے نعرے -

بھادوں کی تاریک گھٹاؤں میں کال آگرہ محل کے زندان میں دیو کی کے پیٹ سے وہ جنم لیتا ہے جس کے گلے میں جینے کی لڑ مالا اور راجدھانی کے لئے سر پر مکٹ (تاج) کا قدرتی خلعت تھا (ہندو نقط نظر سے) - یہ آثار دیکھ کر دیو کی کی آتما مسرت سے لرز گئی - واسدیو کا قلب کنس کے ظالمانہ سلوک سے تھرا گیا - یہ آٹھواں مولود تھا اور یہی ان دونوں کا آخری سہارا - واسدیو نے ایک ٹوکری کے آغوش میں اس ننھی سی جان کو ڈالا اور اپنے پیروں کی آہٹ کا احترام کرتا ہوا زندان کے دروازہ سے نکل کر جمنا کو عبور کیا اور گوکل میں پہونچکر جسودھا کے معصوم پرور آغوش میں سونپ دیا -

جسکی زندگی دیو کی کے پیٹ سے انسانیت کا پیام لے کر نکلی تھی وہ خوش اس لئے تھا کہ اسکو پرماتما نے ۹۸ سال زندہ رکھنے کے لئے پیدا کیا تھا ورنہ کنس کے ہندی توہمات اسکو تو پہلی سانس بھی نہ لینے دیتے - اسکو تو ارجن کا رتھ بان بننا تھا - اور مہا بھارت کے معرکہ کار زار میں بقا روح کا فلسفہ سمجھانا تھا کہ جسم کا ناش ہوتا ہے مگر آتما امر اور غیر فانی ہے - بنارس کے نندی شاستری بتاسکیں گے کہ انہوں نے اپنے سپوت کو علوم و معارف کے کون کون سے سبق دئے - ہند کا یہ اوتار موسیقار بھی تھا اور رقاص بھی - اپنی بانسری کی روح پرور صداؤں سے زندگی کی مضمحل نبضوں میں حیات کی بجلیاں بھر دیتا تھا - اور اپنی جوشیلی تقریروں سے سرفروشی کے لئے تیار کردیتا تھا -

سری کرشن نے اپنے شائستہ اطوار اپنے سانچے میں ڈھلی ہوئی سیرت اور تعلیم و تلقین سے جو نتائج و اثرات صفحہ ہند پر چھوڑے تھے وہ ان کی انسانی عظمت کو منوائے بغیر نہیں رہتے - انکی ۹۸ سالہ زندگی ایشور پرستی ہی میں گذری - ان کا مشرب موحدانہ تھا - ان کا مسلک صوفیانہ - ان کی زندگی کا ہر لمحہ غرق تھا ادائے

فرض میں ۔ دھرم پر ایقان رکھنے میں ۔ اوقات کی پابندی میں ۔ ثبات قدمی میں ۔ انسانیت کے احترام میں اور رحم و ہمدردی کے انسانی صفات میں ۔ مگر افسوس ہے امتداد زمانہ نے حقیقت پرستی میں اوہام پرستی کی آمیزش کردی اور اصلیت کو مسخ کرکے رکھدیا ۔ مہا راجہ سری کرشن خود پرست برھمنوں کی طرح نہ اپنے علم و فضل پر ناز کرتے تھے نہ اپنی ھستی کو اپنے ھم جنسوں سے بالاتر سمجھتے تھے ۔ نہ وہ چھتریوں کی طرح اپنے شجاعانہ کار ناموں کا ڈھنڈورا پیٹتے تھے ۔ نہ ویشوں کی طرح دولت سمیٹنے کی دھن میں لگے رہتے تھے ۔ نہ شدروں کی طرح اپنی انسانیت کی خود توھین کرتے تھے ۔وہ انسانیت کو خدا کا اولین عطیہ سمجھتے تھے ۔ اور خود وہ انسانیت ھی کے حامل بن کر آئے تھے ۔ اور انسانیت پر قائم رھنے کے لئے انسانوں کو سبق دیا تھا ۔ مگر افسوس کہ ناقص اور باسی دماغوں کی پیدا وارنے انسانیت کو یکسر بھلا دیا اور ذات پات کی تفریق ۔ اور چھوت چھات سے کراھت پیدا کرکے انسانیت کو مجروح کردیا اور اس پر یہ بوالعجبی کہ اسکو اپنے دماغ کا بہترین کارنامہ سمجھا ۔ کاش تخلیق کی غایت پر غور کرتے اور انسانیت کا جنازہ اپنے کاندھوں پر نہ اٹھاتے ۔ آج ھندوستان اسی دماغی مرض میں شدت سے مبتلاء ھے بھگوت گیتا کے مصنف کی زندگی ۸۳ سال تک جنگ و پیکار میں گذری ۔ کنس کو چودہ سال کی عمر میں پچھاڑ کر دنیا پر ھندوستان کواسکے ناقابل برداشت مظالم سے نجات دلادی ۔ جراسندہ کا مقابلہ اس نے کیا ۔ کرناٹک اور بنارس کی مہمات اس نے سر کیں ۔ شیشپال سے یہ نبرد آزما رہا ۔ مہا بھارت کے خونیں مناظر اسکی آنکھوں نے دیکھے اور دروپدی کے سوئمبر میں ارجن کی تیر اندازی پر صدائے تحسین اس نے بلند کی ۔

مہا راجہ بہادر کی ایزانہ طبیعت کو شاعری کے ساتھ بچپن سے لگاؤ ھے ۔ بیسویں صدی میں حیدرآباد کے کشن کی شاعرانہ طبیعت کا دریا اس مثنوی (جلوہ کرشن) میں موجیں مارتا نظر آتا ھے ۔

اوم

ساقی مئے نو معرفت دے — عرفان کی جس میں ھو صفت دے
میخانہ ھے میرا عالم زر — ھوں محرم راز رب اکبر
ھے میری نظر میں جلوہ ذات — سمجھا ھوں نفی کو عین اثبات
ھستی کے ھیں راز مجھ سے ظاھر — جو قدرت حق کے ھیں مظاھر
ھے میرا طریق صوفیانہ — توحید ھے بس مرا ترانہ
دلدادۂ حسن سرمدی ھوں — وارفتہ نور ایزدی ھوں
میں کیا کہوں کون ھوں میں کیا ھوں — اک آیت قدرت خدا ھوں
مجھ کو نہ سمجھ تو بے حقیقت — ساقی میں ھوں رہرو طریقت
جام مئے معرفت دئے جا — میرے لئے حشر تک جئے جا

آئین کرم کو تازہ کردے	عرفان کی مئے سے جام بھر دے
عادی مئے تند کا نہیں ہوں	میں عارف حق کا جانشیں ہوں
میں اپنے کرشن کا کشن ہوں	وہ شمع ہے اور میں انجمن ہوں
جو راہ خدا کا رهنما ہے	جو قوم کا اپنی پیشوا ہے
کہتے ہیں سری کرشن جس کو	اس کو جونہ چاہوں چاہوں کسکو
اوتار اوسے جانتا ہوں میں بھی	ہادی اسے مانتا ہوں میں بھی
بیخود ہوں ۔ خودی مٹا چکا ہوں	متھرا کو بھی جا کے آچکا ہوں
تاریخ کا واقعہ سنا دوں	دیکھا ہے جوخواب وہ دکھادوں
دل سوز ہے سوزش نہانی	سن لے یہ کتھا مری زبانی
اس ہند میں خاندان دو تھے	تھی قوم تو اک نشان دو تھے
سورج بنسی تھا ایک کا نام	چندر بنسی تھا دوسرا نام
تھے قوم کے کھتری زبردست	توحید پرست ۔ بیخود و مست
تلوائے جہاں میں تھے وہ مشہور	نشۂ میں بہادری کے مخمور
راجے مہا راجے جتنے گذرے	وہ سب انہیں دو کی نسل سے تھے
تفریق نہ تھی کچھ ان میں اصلا	بس اک کا جواب دوسرا تھا
اجداد مرے بھی تھے مہذب	شمشیر و قلم کے تھے دھنی سب
میں بھی اسی باغ کا شجر ہوں	سوکھے ہوئے نخل کا ثمر ہوں
ٹوڈر مل اکبری رتن تھے	سر دفتر اهل انجمن تھے
چندو لال آصفی کی عزت	وہ شان رفیع و جلالت
فیاض و کریم تھے سخی تھے	وہ اهل هنر کے جوهری تھے
ایسا تو سخی ہوا نہ ہوگا	سب دیدیا ۔ پاس کچھ نہ رکھا
اک میں بھی ہوں جانشین شادان	بد نام کنندۂ بزرگان

هندوستان میں چھتریوں کے دو خاندان مشہور ہیں ۔ اجودھیا کا چھتری خاندان سورج بنسی اور متھرا کا چھتری خاندان چندر بنسی کہلاتا تھا ۔ سری کرشن جی باپ کی طرف سورج بنسی اور ماں کی طرف سے چندر بنسی ہیں ۔ حقیقت حال یوں ہے کہ متھرا جسے مدھو بن بھی کہتے تھے وہ راجہ مدھو کا پایہ تخت تھا ۔ یہ راجہ چندر بنسی خاندان سے تھا ۔ اجودھیا کی سورج بنسی نسل کا اک شاهزادہ اتفاق وقت سے متھرا میں وارد ہوا جس کا نام تھا هری سوا ۔ راجہ مدھو نے اس شاهزادہ کی شاهانہ اندازسے میزبانی کی اور اپنی لڑکی کے ساتھ اسکی شادی کردی ۔ راجہ مدھو کے کوئی بیٹا نہ تھا

جو وارث تاج و تخت هوتا - اسکے انتقال کے بعد یہی داماد وارث تخت و تاج قرار پایا - انہیں راجہ هری سوا کی آٹھوین نسل میں سری کرشن جی هیں - متھرا میں راجہ هری سوا کی جو نسل چلی اس میں اک راجہ سور نامی گزرے هیں - جو اس گدی کے مالک هوئے اوسی زمانے میں چندر بنسی خاندان کا ایک راجہ تھا اگر نام - اس نے متھرا پر چڑھائی کرکے راجہ سور کو قتل کر ڈالا ان کے راج کا مالک بن بیٹھا - راجہ سور کا نام لیوا ان کا اک فرزند رہ گیا واسدیو نام - خدا کی قدرت کہ اس یتیم بچہ (واسدیو) کی پرورش راجہ اگر کے ایک چھوٹے بھائی دیوک کے هاتوں هوئی جو ایک رحمدل انسان تھا - اسی راجہ اگر کی بیٹی تھیں دیو کی جی اور کنس ظالم کنس تھا اسی کا بیٹا - یعنی دیوکی جی کنس کی سگی بهن تھیں قدرت کے کھیل دیکھئے کہ یہی کنس اپنے باپ راجہ اگر کو معزول کرکے تاج و تخت کا مالک هوگیا اور اپنے باپ کو قید کردیا - اور آگے چلکر اپنی سگی بهن دیوکی کی شادی اوسی شہزادے واسدیو سے کردی جسے اوسکے چچا دیوک نے پرورش کیا تھا - یہی واسدیو جی سری کرشن جی کے باپ اور دیوکی جی انکی ماں هیں - اس قصہ کو مصنف نے یون بیان فرمایا ھے -

متھرا جسے کہتے تھے مدھو بن — تھا راجہ مد هو کا وان سنگھا سن
جرار و دلیر تھا وہ راجہ — چندر بنسی کی نسل سے تھا
متھرا تھا اسکی راجدھانی — کرتا تھا هر اک کی میزبانی
راجہ جو تھا شہرا جودھیا کا — سورج بنسی کی نسل سے تھا
اس نسل کا ایک شہزادہ — متھرا میں وہ آیا بے ارادہ
کی راجہ مدھو نے میزبانی — دعوت بھی کی تو خسروانی
تھی راجہ مدھو کی ایک لڑکی — شہزادے کے ساتھ شادی کردی
شہزادے کا تھا هری سوا نام — داماد بنا وہ نیک انجام
راجہ کا کوئی پسر نہیں تھا — جو وارث تاج و تخت هوتا
جب هوگیا انتقال اس کا — هر اک کو هوا ملال اس کا
شہزادے نے تخت و تاج پایا — داماد بنا تو راج پایا
یہ آٹھوین جد کرشن کے هیں — سورج بنسی یہ باپ سے هیں
متھرا میں چلی جو نسل انکی — حاکم هوئے راجہ سور نامی
تھا راجہ اگر مخالف ان کا — چندر بنسی وہ نسل سے تھا
متھرا پر چڑھائی کی اگر نے — مالک هوا انکو قتل کر کے
شہزادہ یتیم واسدیو — تھا سور کا ایک نام لیوا

بھائی تھا اگر کا ایک کو چک — خوش خلق - حسین - نام دیو کد
یہ شان خدا ہے - یہ کریمی — دیوک ہوا ضامن یتیمی
قدرت کے عجب ہیں کارخانے — جو جانتا ہے وہی یہ جانے
جس گھر سے ملی اسے یتیمی — دشمن بھی ہوا حمایتی بھی
قدرت کے یہ کھیل ہیں نظر میں — موسی بھی پلے عدو کے گھر میں
بیٹی تھیں اگر کی دیوکی جی — شہرت جن کے جمال کی تھی
اور کنس شقی اک اس کا بیٹا — سفاک - لعین - کینہ ور تھا
اس کنس نے ظلم و غضب کر کے — معزول کیا پدر کو اپنے
فرعون بنا جفا کا خوگر — خود مالک تخت و تاج بن کر
اس نے نہ اسی پہ اکتفا کی — دی باپ کو قید کی بھی سختی
تھی راجہ اگر کی وہ جو بیٹی — وہ کنس ہی کی سگی بہن تھی
تھی علم و عمل میں اس کی شہرت — عاقل تھی-حسین تھی-نیک سیرت
تھی بسکہ جوان شہزادی — کی کنس نے جلد اسکی شادی
دولھا بنا واسدیو اوس کا — دو بنس ملے - ہوا اجالا
اک برج میں چاند سورج آئے — قدرت نے تماشے یہ دکھائے
ہے آج کا وقت کیا سہانا — مرغان سحر کا خوش ترانہ
گلزار میں گل مہک رہے ہیں — مرغان چمن چہک رہے ہیں
جلوہ کیا خسرو طرب نے — گھونگھٹ الٹا عروس شب نے
میکے سے دلھن سوار ہوکر — خوش خوش اپنے دولہا کے گھر
خادم بنا کنس خود بہن کا — نکلا تھا جلوس جب دولہن کا
قدرت کا ہے طرفہ کار خانہ — پلٹا کھاتا ہے یوں زمانہ

واسدیو سے دیوکی کی یہ شادی دیکھ کر درباریوں میں کھلبلی مچ گئی سازشیں ہونے لگیں - نجومیوں کو ابھار کر کنس کے کان بھرے گئے - ان لوگوں نے پیشین گوئی کی کہ اک دن اسی دیوکی کا بیٹا تجھے قتل کریگا - اور ایسا ہی ہوا -

حساد کی واں کمی نہیں تھی — زہریلی ہوا تھمی نہیں تھی
دیکھا نہ گیا یہ دشمنوں سے — بھڑکا یا اسے نجومیوں نے
تو سر سے تاج اتارتا ہے — پاؤں میں کلہاڑی مارتا ہے
اک دن اسی دیوکی کا بیٹا — قاتل تری جان و تن کا ہوگا

اولاد سے اسکی ہم کو ڈر ہے ‏— اندیشہ ہے - خوف ہے - خطر ہے
رتھہ بان بنا ہے آج جس کا ‏— تاراج پسر کریگا اس کا
دیوانے کو ایک ہو ہے کافی ‏— یہ سن کے نہ حد تھی برھمی کی
آنکھوں میں اندھیرا چھارہا تھا ‏— غصے میں وہ لب چبا رہا تھا
تلوار پہ ہاتھ جاھی پہونچا ‏— اور میان سے کھینچکر یہ بولا
اس رتھہ سے نکالو دیوکی کو ‏— میں قتل کرونگا چاہےجو ہو
تلوار جو سونت کر اٹھائی ‏— ہونے لگی ہر طرف دھائی
انصاف یہ کہتا تھا یہ کیا ہے ‏— کیا جرم ہے اسکا - کیا خطا ہے
آخر یہ تری بہن ہے ظالم ‏— نا کردہ گنہ پہ یہ مظالم
بت بن کے کھڑا رہا ستمگر ‏— ضامن ہوئے سب براتی ملکر
بھڑ کی ہوئی آگ کو بجھایا ‏— ہر طرح سے نیک و بد سمجھایا
کہنے لگا پھر یہ دیوکی سے ‏— بیزار ہوں تیری زندگی سے
لیکن تو خوب یہ سمجھ لے ‏— میں جینے نہ دونگا تیرے بچے
ہر بچے کو قتل خود کرونگا ‏— ان ہاتھوں کو خون سے بھرونگا
القصہ جو آگیا وہ دن بھی ‏— بیٹا جنی رانی دیوکی جی
راجہ کو خبر ملی اسی دم ‏— وہ تخت سے اٹھا ہوکے برھم
جو ذہن میں تھا عمل میں آیا ‏— غصے میں بھرا محل میں آیا
دیکھا تو محل دلہن بنا ہے ‏— ہر سمت خوشی کا چہچہا ہے
خواہر شغل سرود میں ہے ‏— اک ننھی سی جان گود میں ہے
دودھ اپنا اسے پلا رہی ہے ‏— زانو پہ لئے ہلا رہی ہے
ظالم نے پکڑکے پاؤں کھینچا ‏— پتھر پہ اٹھا کے اسکو پٹکا
سر ہوگیا پاش پاش اس کا ‏— قاتل ہوا بد معاش اس کا
جوگود ابھی بھری پڑی تھی ‏— اک آن میں ہوگئی وہ خالی
القصہ گذر گیا زمانہ ‏— رہتی ہے خوشی نہ غم کسی کا
صبر آگیا - شان ہے خداکی ‏— تھنڈی ہوئی آگ مامتا کی
پھر چمکا ستارہ دوسرے سال ‏— پیدا ہوا یعنی اور اک لال
ظالم نے اسے بھی آکے مارا ‏— پھر ڈوبا خون میں وہ ستارا
ان دو ہی پہ منحصر نہیں تھا ‏— چھ بچوں کو یوں ہی مار ڈالا
جو سنتا جگر وہ تھام لیتا ‏— یہ ظلم وستم سنا نہ دیکھا

متھرا میں پڑی ہوئی تھی ہلچل　　تھے مرد وزن اس قسم سے بیکل
پہلے ہی تھا کون خوش عدو سے　　اب تو ہوئے اس ستم کے چرچے
رانی کو یہ حمل ساتواں تھا　　آیا تھا حمل میں پھر ستارا
تدبیر کی سب نے مل ملا کر　　لے جائے بچہ کو چھپا کر
جس طرح سے ہو - اسے بچائیں　　سینہ میں جگر کی طرح رکھیں

(ظہور نور یعنی کرشن جی کی ولادت)

اٹھی ہے گھٹا وہ کالی کالی　　پگڑی کسی رند نے اچھالی
متھرا کی سیاہ کاریوں پر　　گرنے کو ہے برق قہر داور
ایوان ہے دیوکی کا زندان　　دھڑکے میں ہے واسدیو کی جان
راجہ کو خبر پہونچ چکی ہے　　امید سے رانی دیوکی ہے
اس حمل میں آٹھواں پسر ہے　　اب راجہ کی جان کا خطر ہے
بیتاب ہوا یہ سن کے راجہ　　دیوانوں کی طرح اچھلا کودا
تارے ہوئے ظلم کے ارادے　　چاہا کوئی داغ پھر نیا دے
قدرت کا تھا انتظام کچھ اور　　قسمت کا تھا اہتمام کچھ اور
تقدیر کی طاقت اور کچھ تھی　　تدبیر کی حکمت اور کچھ تھی
تھا بے خبر انتقام حق سے　　جاگا کیا رات بھر قلق سے
لو آگیا وقت نور چمکا　　وہ سر جھکا لوح پر قلم کا
چھائی ہے اندھیرے میں وہ زردی　　بدلی ہے گھٹا نے کالی وردی
نقارۂ رعد بج رہا ہے　　بادل اٹھکر گرج رہا ہے
ہشیار رکہ شیر کی ہے آمد　　عالم کے دلیر کی ہے آمد
بنیاد ستم کی ڈھانے والا　　احکام خدا سنانے والا
پیدا ہوا پیشوا مبارک　　پورا ہوا مدعا مبارک
اغیار کی آنکھ سے بچاؤ　　نظروں سے ہر ایک کی چھپاؤ
گلچین کی کہیں نظر نہ لگجائے　　اس گل کی مہک الگ الگ جائے
مولود کی دیوکی سے لیکر　　راہی ہوئے واسدیو مضطر
وہ رات اندھیری اور وہ تنہا　　بہادوں کا مہینہ - ابر چھایا
دریا پہ جو پہونچا وہ بہادر　　دامن میں چھپائے بے بہادر
جمنا اس وقت جوش پر تھی　　طوفان کی صدا خروش پر تھی

وہ اسکی روانی اور وہ دھارا آتا ہی نہ تھا نظر کنارا
یہ دیکھکر واسدیو ٹھٹکا بھگوان کا نام لے کر اترا
قدرت کا یہ انتظام دیکھا فطرت کا یہ اہتمام دیکھا
پھیلا ہوا دامن اس کا سمٹا پا یاب ہوئی سمٹ کے جمنا
جمنا میں چلا وہ بے تکلف تھا یہ بھی کرشن کا تصرف

یکایک ایسے وقت میں جمنا کا پایاب ہو جانا بادی النظر میں بیسویں صدی کے مادہ پرست انسان کو یک انوکھی اور ان ہونی بات معلوم ہو تو ہو اسے کرشن جی کا روحانی تصرف تسلیم کرنے میں تامل ہو تو ہو مگر ان سب شبہات کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فطرت جب کسی کو زندہ رکھنا چاہتی ہے تو ناموافق پورنا ممکن حالات میں بھی غیر متوقع طور پر موافق اسباب پیدا کر کے اسے زندہ رکھتی ہے۔ اروان چڑھاتی اور بڑے بڑے کام لیتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ فطرت کو سری کرشن جی سے بڑے بڑے کام لینے تھے۔ یہاں پر مصنف نے پھر ساقی کو آواز دی ہے۔

چلتے چلتے قلم اڑا پھر ساقی کو پکارنا پڑا پھر
ساقی مئے ارغوان پلادے دریا دلی اپنی اب دکھا دے
یہ تیرے ہی جام کا اثر تھا نشہ جو چڑھا تو اترا دریا
جام ایسا ہی پھر مجھے پلا دے دشمن کی نگاہ سے چھپادے
ہوں گوشہ عافیت کا طالب مضمر ہیں اسی میں کچھ مطالب
طے کرتا ہوں کیسی رہ گذر کو لاتا نہیں دھیان میں خطر کو
آتا ہے پدر لئے پسر کو کرتا ہے عبور بحر و بر کو
کس خوف میں واسدیو آیا بچے کو مگر چھپا کے لایا

(اوتار کو لیکے پار اترا)

گوکل میں وہ رفتہ رفتہ پہونچا ظلمات میں ہو گیا اجالا
تھا ایک گوال نند نامی سب کی نظروں میں تھا گرامی
تھی اسکی رفیق زندگی ایک نام اوس کا جسودھا۔ رحمدل۔ نیک
گھر اس کا تھا بے چراغ لیکن امید میں کاٹے زیست کے دن
بیچاری کے آل تھی نہ اولاد دنیا تھی برائے نام آباد
مولود کو واسدیو لیکر پہونچا غرض آکے نند کے گھر
کی دونوں نے اٹھ کے پیشوائی امید جسودھا کی برائی

آغوش میں لے لیا قمر کو — سینے سے لگا لیا جگر کو
ناشاد کو حق نے یوں کیا شاد — خالق نے کیا گھر ان کا آباد
پوشیدہ کیا کرشن جی کو — اصلا نہ ہوئی خبر کسی کو
دائی تھی کرشن کی جسودھا — دن رات جھلا یا کرتی جھولا
قسمت پہ تھا اپنی ناز اس کو — تھا قوم میں امتیاز اس کو
حاصل تھی اسے بڑی بصیرت — سمجھے ہوئے تھی وہ نیک سیرت
اک راہ نما کی ہوں پرستار — اعلی مرے فخر کا ہے معیار
تا حشر رہیگا نام میرا — بھگوان کا ہے یہ کام میرا
بھگوان نے دی ہے مجھکو نعمت — نعمت ہے کرشن کی محبت
وہ دن بھی کرشن جی کا آیا — طفلی کا جو پردہ تھا اٹھا یا
آغوش سے ماں کی نیچے اترے — بیٹھے اٹھے وہ کھیلے کودے
ماں باپ یہ سمجھے ہوش آیا — ہاتف نے اونہیں وہیں سنا یا
بیہوش ہی کب تھا یہ خرد مند — تھا قاعدہ سبب کا پابند
کیا جانے وہ طفلی و جوانی — یہ راز ہے راز آسانی
گنجینہ عقل و ہوش لیکر — آئے تھے کرشن جی زمین پر
بچپن کی وہ شوخیاں دکھاتے — ہمسایہ کے گھر میں آتے جاتے
پڑ جاتی تھی چیز جو نظر میں — پھینک آتے تھے جاکے رہگزر میں
غلے کے ظروف پھوڑ دیتے — پانی کے گھڑوں کو توڑ دیتے
ہنس ہنس کے لنڈھاتا شیر و جغرات — بچپن کی ہے شوخیوں کا اثبات
سب گوپیوں کی آنکھ کا تھے تارا — کرتے تھے خوشی سے سب گوارا
ہنستے تھے سب انکی شوخیوں پر — جادو کا اثر تھا گوپیوں پر
لائے تھے یہ غیبی ایک طاقت — تھی ان سے ہر ایک کو محبت
خلقت کی طبیعتیں تھیں راغب — سمجھے ہوئے طاعت انکی واجب
کل مرد و زن اونکے شیفتہ تھے — دل اسے وہ سبھی فریفتہ تھے

بانسری

کرشن کی بانسری ترانہ عرفان سنانے والی ۔ ایمان کی لہر دوڑانے والی ۔ انسان کو انسان بنانے والی ۔

ساقی مئے معرفت پلا دے — پردہ مری آنکھ سے اٹھا دے
توحید کا ایک جام بھر دے — تو شاد کو شاد کام کردے

دے عشق کا درد میرے دل میں — شعلے بھڑکا دے آب و گل میں
ہر ذرے میں دیکھوں نور تیرا — ہر چیز سے ہو ظہور تیرا
آئین نہ نظر میں میری اغیار — دیکھوں تو میں دیکھوں جلوۂ یار
ہو جائے جو نشہ بیخودی کا — جلوہ دیکھوں کرشن جی کا
پربت میں عیاں ہے نور اس کا — ہر ذرہ میں ہے ظہور اس کا
بھگتی میں - گیان میں - کرم میں — سندر میں یہ ہیں - یہی صنم میں
سنسار ہے جسم - روح یہ ہیں — کشتی ہے جہاں - نوح یہ ہیں
ایمان سے دل بڑھانے والے — عرفان کا سبق پڑھانے والے
وہ جاننے والے تھے خدا کے — پہچاننے والے تھے خدا کے
دل ان کا ہے اک وسیع عالم — وحدت کے جو راز کا ہے محرم
ماہیت قدرت الہی — دریافت انہوں نے کی کما ہی
علم ابدی جو ہے مقدر — ہے ختم سری کرشن جی پر
مقصود عمل تھا - علم ان کا — شکتی کی پریم - حلم اون کا
تھا نور کا اک مجسم اوتار — کہتا ہے کرشن جسکو سنسار
عرفان خدا ہے جسکو حاصل — معمور ہے جس کا نور سے دل
مرشد ہے وہی - وہی ہے ہادی — بنیاد ہی شرک کی مٹادی
وہ شیام سندر زمانے والا — بن میں مرلی بجانے والا

(کرشن کا درس عمل)

مقصود عمل تھا علم ان کا - فرماتے ہیں کہ دھرم کو اسی نے جانا ہے جو کرم سے من سے اور زبان سے سب کی بھلائی میں لگا ہوا ہے اور جو سب کو ہمیشہ پیار کرتا ہے۔ مسٹر تلک نے اپنی کتاب رازگیتا میں سنیاس مارگ والوں یعنی ترک دنیا کا سبق دینے والوں کی غلطی پر اچھی خاصی بحث کی ہے - اس فرقہ کا خیال یہ ہے کہ برھم گیان ہونے سے جب بدھی یعنی عقل بے لاگ - بے غرض اور مستقیم ہو جاتی ہے تو پھر انسان کو زندگی میں کچھ کام کرنے کےلئے باقی نہیں رھجاتا - ایسے گیانی شخص کو اس دنیائے فانی کے دکھہ بھرے اور خشک کاروبار ترک کردینا چاھئے - مگر اس فرقہ کے علماؑ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کرم یوگ یا گرھست آشرم کے کاروبار کا بھی کوئی شاستر ہے جس پر سب کو غور کرنا چاھئے - یہ تو مسلم ہے کہ سنیاس لینے سے پہلے چت کی شدھی (صفائی قلب) ہو جانی چاھئے جس کے بعد گیان حاصل ہوتا ہے - اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے سنیاس مارگ فرقہ کے علماؑ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا داری کے تمام کام ایسے طریقوں سے کرتے رھیں جس سے دل کی رغبت و خواھش

پاک ہو۔ اس بنا' پر ان کا خیال یہ ہے کہ دنیا داری میں ہر وقت پھنسے رہنا پاگل پن ہے ۔ جتنا جلد ہوسکے ہر انسان کو سنیاس لے لینا چاھئے کیونکہ وہ اسے سب سے بڑا فرض سمجھتے ہیں ۔

مگر اس مسلک کو صحیح مان لینے سے کرم یوگ یا گرھست آشرم کی کچھ عظمت باقی نہیں رھتی ۔ بھگوت گیتا سنیاس مارگ کا یہ مسلک قبول نہیں کرتی کہ حصول نجات کے لئے کرموں کو بالکل چھوڑ دینا چاھئے ۔ گیتا کی تعلیم ہے کہ برھم گیان کے ذریعہ سے عقل مستقیم حاصل ھو جائے تو ایسے گیانی کو اپنے کاروبار میں لگے رھنا چاھئے ۔ کیونکہ دنیا سے اگر ان کرموں کو بھی (جوگیان کے ساتھ کرگڑھون) نکال ڈالیں تو دنیا اندھی رھجا ئیگی ۔ اور بہت جلد فنا ھو جائیگی ۔ مگر بھگوان کی مرضی یہ نہیں ہے کہ دنیا فنا ھو جائے بلکہ چلتی رہے ۔ تو پھر اک گیانی کو یہی چاھئے کہ دنیا کے تمام کام کرتے ھوئے معمولی لوگوں کو اپنے نیک طرز عمل سے راستے پر لگائے ۔ زندگی کا صحیح نمونہ پیش کرے ۔

میخوار ہوں ساقیا ازل کا — عامل ہوں میں نشہ کے عمل کا
متھرا کی فضا' کو دیکھتا ہوں — یا شان خدا کو دیکھتا ہوں
اک طفل حسین جو واں کھڑا ہے — قدموں پہ جہان جھک رہا ہے
روشن وہ جبین کہ لمعہ نور — سینہ دریائے علم مستور
اک بانسری وہ بجا رہا ہے — جو نغمہ ہے اس کا دلربا ہے
وہ اسکی رسیلی تانیں دلکش — سنکر جسے سننے والے ہوں غش
گوکل کی گوالنیں ہیں بیدم — ہے مستی و بیخودی کا عالم
ہر تان پہ سب پھڑک رہی تھیں — سب شیام سندر کو تک رہی تھیں
ظاہر تھی مجاز سے حقیقت — کثرت میں عیاں تھی شان وحدت
تھی معجزہ بانسری کی آواز — فوق العادت تھا سوز میں ساز
کچھ ایسا سماں بندھا ہوا تھا — سبزہ بھی زمین پہ لوٹتا تھا
پھر بانسری کو بنا کے ناقوس — پیدا کر دی فغان طاؤس
تنبیھہ تھی غافلوں کی منظور — جو بانسری تھی وہ بنگئی صور

بانسری کی وھی رسیلی تانیں مور کی جھنکار میں تبدیل ھوگئیں بعد ازاں وھی بانسری کی صدا صور کی ڈراؤنی آواز بنگئی ۔ اللہ رے کمال نئے نوازی ۔

پہلے تھی سلوک و مہر کی شان — اب جذب کی شان کا ہے اعلان
واں رحم و کرم سے دل لبھایا — یاں قہر سے غیظ سے ڈرایا

تسخیر کیا کبھی دلوں کو / چونکا دیا گاہ غافلوں کو

(ساقی نامہ)

میخانہ میں اب تو آچکا ہوں / ساغر سے نظر لڑا چکا ہوں
اس بادہ کا کیف ہم سے پوچھو / کیفیت جام جم سے پوچھو
بیخود ہوں - خودی مٹا رہا ہوں / بے حال ہوں - حال لا رہا ہوں
فوارہ درد ہے مرا دل / تاریک ہے بحر - دور ساحل
پیمانہ بدست ہوں میں کب سے / ہوں رند مگر ہوں دور سب سے
مئے پی لوں تو ہوش آئے مجھکو / اک قصہ نو سناؤں تجھکو
گوکل کا ہرا بھرا ہے جنگل / جنگل میں منا رہا ہوں منگل
چھایا ہوا نشہ ہے جو سر میں / نظارہ اک اور ہے نظر میں
تھا شیام سندر کا ذکر گھر گھر / یعنی ہے کرشن حق کا مظہر
وہ حسن جہان فروز اس کا / وہ عشق میں ساز و سوز اس کا
مسرور حیات جاودانی / مخمور شراب کامرانی
ظلمات ستم مٹانے والا / تاریکی دہر کا اجالا
تعلیم وعمل کی برتری کا / دنیا کو سبق پڑھانے والا
یہ تو نہیں کہتے وہ خدا ہے / ہاں مظہر ذات کبریا ہے

(متھرا میں کرشن جی کے چرچے)

متھرا میں بھی رفتہ رفتہ پہونچی / گوکل سے خبر کرشن جی کی
اک لڑکا حسین و مہہ جبین ہے / وہ خاتم حسن کا نگین ہے
بچپن میں دلیر ہے - جری ہے / رگ رگ میں بہادری بھری ہے
سرگوشیاں کر رہے تھے باہم / اوہام پرست اہل عالم
کہتا تھا کوئی یہ بے تامل / ہیں گلشن دیوکی کے یہ گل
بولا کوئی ہیں گوال وحشی / تعلیم سے تربیت سے عاری
یہ قابلیت کہاں ہے ان میں / یہ سب ہیں خلاف عقل باتیں
کہنے لگا ایک سر ہلا کر / دیکھ آیا ہوں ان کو خود میں جا کر
گوپیوں کی یہ صورتیں نہیں ہیں / وہ راجکمار ہیں حسین ہیں
وہ چاند سی شکل پیاری پیاری / چندر بنسی کی شان ساری
ہیں برج شرف کے دو ستارے / بحر صمدی کے دو کنارے

(کنس کا انجام)

تھا شیام سندر کا وہ جو ماموں / سفاک و ستم شعار ملعون
اس نے بھی سنا کرشن کا نام / انجام کو سوچا وہ بد انجام
سن پایا تھا وہ کہ قاتل اس کا / ہو گا اس کی بہن کا بیٹا
کہنے لگا سنکے اس خبر کو / یہ ہو نہو میرا بھانجا ہو
افواہ کی تہہ میں تھی حقیقت / کانپ اٹھا وہ بانی شقاوت
اک تیر لگا جگر پہ اس کے / تھی موت کی تیغ سر پہ اس کے
بولا وہ مصاحبوں سے اپنے / پہچانوں جو دیکھوں میں نظر سے
خبروں کا نہ یوں یقین کرونگا / جبتک کہ نہ اوس کو دیکھ لونگا
جھوٹی یہ خبر اوڑائی کس نے / یوں اپنی قضا بلائی کس نے

کنس کے دل میں تو ڈر سمایا ہوا ہے مگر وہ اس افواہ کو صحیح سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہے - اپنی رعایا پر غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے کہ یہ غلط افواہ جن لوگوں نے پھیلائی ہے انہیں سزائے موت دی جائے گی -

ہیں دیوکی واسدیو تو قید / ہے انکے ہی دوستوں کا یہ کید
بولے امراء کہ عرض یہ ہے / ان داتا کا پہلا فرض یہ ہے
دریافت تو کیجئے پہلے حالات / اڑتی ہیں یہ کیسی خبریں دن رات
کھل جائیگا جھوٹ سچ ہر اک کا / پوشیدہ ہیں ان میں راز کیا کیا
ہیں بھانجے آپ کے اگر یہ / کچھ شک نہیں راست ہے خبر یہ
دشوار نہیں ہے قتل ان کا / آسان ہے ہر فتنہ کو مٹانا
شیروں کو تمام کر دیا جائے / جنگل میں یہ کام کر دیا جائے
گر جھوٹ ہے پہلوان ملے دو / کرلینگے شریک فوج ان کو
قدر ان کی ہمارا فرض ہوگا / راجہ کا ہے اس میں بول بولا

راجہ کے درباری یہ صلاح دے رہے ہیں کہ ہان مناسب یہی ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو پہلے بلا کر اپنی نظر سے دیکھ لیا جائے - اگر یہ آپکے بھانجے ثابت نہوں تو پھر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دو بہادر پہلوان ہمیں ملگئے - انہیں فوج میں رکھ لینگے - ان کی قدر کرینگے -

یاں ان کو بلا کے دیکھ تو لو
تحقیق بھی ہو تو اس طرح ہو

راجہ کو پسند آئی یہ رائے
بولا کوئی آدمی وہاں جائے

لائے کسی عذر و حیلہ سے یاں
دیکھوں توسہی ہیں کیسے انساں

کہنے لگا ایک بے مروت
کیا حیلہ و عذر کی ضرورت

کشتی کا زمانہ آرہا ہے
ہرگرو خوشی منا رہا ہے

راجہ پرجا سبھی ہیں آتے
کرتب اپنے ہیں سب دکھاتے

ان دونوں کو یاں بلایا جائے
دینے کوئی واں بلاوا جائے

دیکھیں وہ ہیں پہلواں کیسے
دکھلائیں تو کچھ ہنر وہ ایسے

جب آئیں وہ دونوں طفل تردست
یاں سے بڑھیں پہلواں زبر دست

بس کام تمام اون کا کردیں
کشتی کا اکھاڑہ خون سے بھر دیں

تجویز ہوئی پسند جس کو
کہنے لگا واں پہ بھیجیں کسکو

تھا ایک امیر نام اکرور
بولا مجھے کیجئے اس پہ مامور

القصہ گیا - سنایا پیغام
آمادہ ہوئے کرشن و بلرام

گذرے شب و روز چند یوں ہی
دن آیا قرار پائی کشتی

میداں وہ وسیع و صاف و سادہ
مثل دل عارفاں کشادہ

واں جمع ہوئے پئے تماشا
صد ہا زن و مرد - راجہ پرجہ

فوج ایک طرف پرا جمائے
اسوار ہیں خیل خیل آئے

ہر شہر کے پہلواں شہ زور
بانکے ترچھے بڑے سلحشور

اک سمت قطار ہاتھیوں کی
اونٹوں کی بھیڑ اک طرف تھی

تھے کرسیوں پر امیر ذی شان
دربار کی تھی اکھاڑے میں شان

خیموں میں تھا رانیوں کا مجمع
تصویر کا گویا تھا مرقع

تھے دیوکی واسدیو بھی وہاں
لرزاں تھے وہ دیکھکر یہ ساماں

تھے نند جسودھا دل کو تھامے
دامن تلک اون کے چاک جامے

کہتے تھے دل پہ چلتے ہیں تیر
دکھلاتی ہے کیا کرشمہ تقدیر

تجزیز قرار پاچکی تھی
وہ آئیں تو چھوڑدیں مست ہاتھی

بچ جائیں گر اس سے اتفاقاً
دو گرد پچھاڑیں آکے فوراً

میداں میں دونوں طفل تر دست
یاں سے بڑھیں پہلواں زبر دست

القصہ بپا ہوا وہ دنگل
دنگل تھا کہ آدمی کا جنگل

جب ہوچکا انتظام سارا
ناگاہ نقیب نے پکارا

ہے کس کی آج تاجداری ۔ هشیار کہ آتی هے سواری
دنگل کے کنارے اس کا تھا تخت ۔ بیٹھا سر تخت آکے بد بخت
هر شخص کی آرزو یہی تھی ۔ هر شخص کی گفتگو یہی تھی
شہزادوں کی خیر هو الٰہی ۔ هو کنس کے راج کی تباهی
وہ گرد اٹھی غبار چھایا ۔ هر شخص نے اپنا سر اٹھایا
آوازیں هوئیں بلند یکسر ۔ وہ آئے وہ آئے دونوں صفدر
گھوڑوں پہ سوار آرهے هیں ۔ اک شان خدا دکھا رهے هیں
تھی فتح و ظفر جلو میں انکے ۔ اقبال و حشم تھا آگے آگے
راجہ سے کہو کہ شان دیکھے ۔ ان بچوں کی آن بان دیکھے
دنگل میں جب آئے وہ دلاور ۔ جئے جئے کی صدا دی سب نے اٹھکر
لوگوں کا وہ جوش خیر مقدم ۔ شہزادے کی جئے کے نعرے پیہم
راجہ سب دیکھ سن رها تھا ۔ غصہ سے سر کو دھن رها تھا
میدان میں جب آئے شاهزادے ۔ تکتے تھے سوار اور پیادے
انگاروں پہ لوٹتا تھا راجہ ۔ یہ جوش و خروش دیکھتا تھا
پہلے هی سے یہ کبھی بدی تھی ۔ اک سمت سے چھوٹا مست هاتھی
آیا وہ سوئے کرشن و بلرام ۔ گھبرا گئے سارے خاص و عام
برهم تھیں صفیں۔ بھرے تھے توڑے ۔ جیوٹ جو تھے اونکے چھکے چھوٹے
سب جان چرا کے اپنی بھاگے ۔ بڑھ آئے کرشن سب سے آگے
کوئی یہ ثبات عزم دیکھے ۔ یہ وقت تھا امتحان کا انکے
تلوار لئے اڑے رهے وہ ۔ جس جا تھے کھڑے کھڑے رهے وہ
جب آیا قریب مست هاتھی ۔ اک وار میں سونڈ کاٹ ڈالی
وہ ضرب وہ اوس کا دست عالی ۔ تھی قہر خدا وہ ضرب کیا تھی
نیزہ لیکر جو پھر رگیدا ۔ بلرام نے کان اوس کا چھیدا
چنگھاڑ کے فیل مست بھاگا ۔ پیچھا دیکھا نہ اوس نے آگا
اک شور هوا کرشن کی جئے ۔ اوتار کا ضرب و زور یہ هے
پھر هنس کے کرشن نے پکارا ۔ آئے کوئی اب اجل کا مارا
یہ سنتے هی پہلوان نکلے ۔ اون کے تن و توش تھے کہ گینڈے
دو دیوؤں کے آگے وہ پریزاد ۔ برگد کی لپیٹ میں هیں شمشاد

مصنف نے یہاں اک اچھوتا استعارہ پیدا کیا هے ۔ ان دونوں نوجوانوں کو شمشاد اور ان قوی هیکل پہلوانوں کو برگد سے تعبیر کرنا تازگی فکر کی روشن مثال هے ۔

بچوں سے جوان لڑنے آئے　　اور اپنی قضا کو ساتھ لائے
شیطان کے مرید دیو صورت　　فولاد کے تن خبیث سیرت
اک سوئے سری کرشن آیا　　بلرام کو دوسرے نے تاکا
آئے جو مقابلے کو دشمن　　گردانا کرشن نے بھی دامن
وہ دیو تھے گر تو یہ سلیمان　　حیوان تھے وہ یہ کامل انسان
القصہ ہوئی شروع کشتی　　کشتی تھی کہ موت کی درشتی
بےبس ہوئے بس چلا نہ جب کچھ　　کشتی کے ہنر دکھائے سب کچھ
لڑتے رہے دونوں بے ارادے　　کھیلا کئے دونوں شاہزادے
ہر اک کی نظر لڑی ہوئی تھی　　کشتی میں گرہ پڑی ہوئی تھی
سب دیکھنے والے ڈر رہے تھے　　دل سے وہ دعائیں کر رہے تھے
کہتے تھے کہ دیکھیں ہوتا کیا ہے　　کشتی نہیں طرفہ ماجرا ہے
یہ دیو کہاں یہ بچے　　ظلمات میں نور کے ہیں پتلے
قدرت کو تو اور کچھ تھا منظور　　بجھتا نہیں مہر و ماہ کا نور
وہ پیچ کیا کرشن جی نے　　لی سانس تلک نہ مدعی نے
اک طفل نے دیو کو پچھاڑا　　آواز سے گونج اٹھا اکھاڑا
بلرام اسی کا منتظر تھا　　وہ پیچ کیا کہ پھر نہ سنبھلا
دیکھا تو وہ چاروں شانے چت تھا　　چھاتی پہ ہے ایک طفل بیٹھا
گوپوں کے جواں نکل کے آئے　　سب کود کے اور اچھل کے آئے
کاندھے پہ کرشن کو اٹھا کر　　پھرنے لگے شور و غل مچا کر
ہر شخص کی یہ زبان پر ہے　　ہاں بولو سری کرشن کی جئے
راجہ نے جو دیکھا یہ نظارہ　　بیدم ہوا ایسا دم نہ مارا
لشکر کی طرف نظر اٹھائی　　یعنی کریں مل کے سب چڑھائی
دونوں کو سب ایک ساتھ ماریں　　سر تن سے کرشن کا اتاریں
ہر سمت نظارے ہو رہے تھے　　آنکھوں میں اشارے ہو رہے تھے
راجہ کا سمجھ گیا جو منشا　　شہزادے کو اب تو غیظ آیا
پہونچا سر تخت جست کر کے　　شیر آ ہی گیا زغند بھر کے
اے شاد خدا کے کام دیکھو　　قدرت کا یہ انتظام دیکھو
اک اجنبی طفل تخت پر ہے　　ادبار عدو کے تخت پر ہے
آتا نہیں اب کوئی مدد کو　　موقع دیا صید کا اسد کو

مٹھی میں پکڑ کے بال سر کے
جھٹکا دیا تن کو فتنہ گر کے
پھر غیظ میں یہ کہا کہ دیکھا
قدرت کے طلسم کا تماشا
اب تو کوئی آرزو نہو گی
میری تجھے جستجو نہو گی
میں ہوں وهی دیو کی کا بیٹا
ھے راجہ کرشن نام میرا
پھر بالوں کو دیکے ایک جھٹکا
سفاک کو تخت پر سے پٹکا
سنکھہ اوسکی اجل کا بج چکا تھا
کام آئی نہ حکمر انی اصلا
آلوده بخوں تڑپ رہا ھے
سر تن سے جدا کہیں پڑا ھے
تھا جس کا دماغ آسماں پر
کرتا تھا جو حکم اک جہاں پر
تھے تابع حکم جس کے لشکر
اسوار پیادے اور افسر
آیا نہ کوئی اوسے بچانے
وہ قتل ہوا کھلے خزانے
کہتے رہے سب یہ ہو کے بیباک
ظالم سے جہاں اب ہوا پاک
اک یہ بھی کرشن کا تھا حصہ
پاپی کا کیا تمام قصہ

تاج بخشی

نظارے یہ ختم ہوگئے جب
اعیان ارکان آئے تب سب
کی عرض کہ راج ھے تمہارا
یہ تخت یہ تاج ھے تمہارا
دادا کو تمہارے قتل کرکے
قبضہ کیا تخت پر اگر نے
اب کیجئے قبول تخت اور تاج
یہ ملک مبارک اور یہ راج
تھا کنس بھی اور اگر بھی غاصب
کاذب تھا اگر بھی یہ بھی کاذب
حقدار تمہیں تمہیں ہو ذی حق
ھے ملک و ملل کی تم ھی رونق
فرمایا کرشن نے یہ سن کر
کس کا ھے یہ تخت و تاج و کشور
مجھکو نہیں خواهش حکومت
جائز نہیں رکھتا میں خصومت
ظالم سے کیا ھے ملک خالی
یہ پھانس جگر میں تھی نکالی
میرا یہی فرض منصبی تھا
قصہ کروں پاک فتنہ گر کا
طاقت مجھے یہ خدا نے بخشی
ھستی جو مٹادی اوس شقی کی
یہ راج مرا ھے جانتا ہوں
حق میرا ھے میں یہ مانتا ہوں
جبراً مرے جد کو قتل کرکے
قبضہ کیا ملک پر اگر نے
کرتا ہوں وہ قصہ میں فراموش
تم سب بھی ہو میری طرح خاموش
حاجت نہیں مملکت کی مجھکو
خواهش نہیں سلطنت کی مجھکو

حقدار ہے اس کا اب اگر سین — بیٹے کے ستم سے ہے جو بے چین
درخواست یہ کرتا ہوں اگر سے — وہ تخت پہ آکے قبضہ کر لے
زیبا ہے انہی کو تخت شاہی — مسعود کرے اونہیں الہی
ویسی ہی کرونگا میں اطاعت — کی جیسی مرے بڑوں نے طاعت
یہ تخت یہ تاج ہو مبارک — یہ ملک یہ راج ہو مبارک
بولا یہ جھکا کے سر اگر سین — ہے تم سے جہاں کی زینت ارین
ہے عین خوشی مری اسی میں — تم بھی ہو شریک اس خوشی میں
میں ایک ضعیف و ناتوان ہوں — اپنا ہی میں آپ نوحہ خوان ہوں
لو تخت پہ بیٹھو نذر دیں ہم — ان آنکھوں کو پاؤں پر ملیں ہم
فرمایا کہ ہو چکا مقدر — ہو زیر نگین ترے یہ کشور
حقدار اب تم ہو اسکے بیشک — تم راج کرو تمہیں مبارک
میرا ہے جو راج اور ہی ہے — تخت اور ہے تاج اور ہی ہے
یہ کہہ کے پکڑ کے ہاتھ اوس کا — خوش خوش اوسے تخت پر بٹھایا
بجنے لگے شادیانے ہر سو — ہونے لگے سب کے خشک آنسو
جب کر چکے شیام تاج بخشی — جئے ہونے لگی کرشن جی کی
گوپوں سے کہا یہ پھر کہ دیکھا — قدرت کا خدا کی کچھ تماشا
میں شکر گذار ہوں تمہارا — بچپن کا مرے ہو تم سہارا
کیا کیا نہ اٹھائے ناز میرے — ہر دم رہے دلنواز میرے
برسوں میں تمہارے ساتھ کھیلا — تم سب مجھے کہتے تھے کنھیا
یاد آئینگی الفتیں تمہاری — بھولونگا نہ شفقتیں تمہاری
اب ختم ہوا مرا زمانہ — اک راز تھا میرا یہ فسانہ
اب دوسرا دور آگیا ہے — یہ وقت کچھ اور آگیا ہے
کرنے ہیں کچھ اور کام مجھکو — یاد آؤ گے تم مدام مجھکو
اب میری ہے دائمی جدائی — تم میرے ہو میں تمہارا بھائی
لو آخری اب سلام میرا — اب ختم ہوا کلام میرا

اعلی کیرکٹر پاکیزہ مذاق کے الو العزم افراد کا اپنے زمانے اپنے ماحول سے بلکہ آمادہ پیکار ہو جانا کوئی تعجب یا افسوس کی بات نہیں ہے - ایسے یدہ افراد اپنے ماحول کو مطابق بھی بنالے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے اعلی کیرکٹر احول پر قربان کردینا گوارا کرلیں - مگر وہ ایسا نہیں کرتے - ماحول سے آمادہ پیکار

ہوجانے کا سبب یہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ماحول کی مطابقت نہیں کرسکتے بلکہ یہ سبب کہ وہ تاریک و پست ماحول کو روشن اور بلند دیکھنا چاہتے ہیں ۔ کسقدر دھوکا دیتے ہیں وہ لوگ جو ماحول سے بر سر پیکار رہنے والی برگزیدہ ہستیوں کو خطا وار ٹھہراتے اور ناقص سے ناقص ماحول کی بھی مطابقت کو ضروری ٹھہراتے ہیں ۔ اگر دنیا کے اولوالعزم افراد تاریک و پست ماحول کی اصلاح کی خاطر جنگ نہ کرتے تو آج تمدن اس مرتبہ پر پہونچ ہی نہ سکتا ۔

سری کرشن جی نے ظلم و ستم کے ماحول میں جنم لیا ۔ اور فطرت نے اسی ماحول میں انکی پرورش کرائی ۔ آخر وہ دن بھی آگیا کہ سری کرشن جی کو ظالم کا مقابلہ کرنا پڑا ۔ ظالم پر فتح پائی اور قتل کرکے دنیا کو اسکے ظلم و ستم سے نجات دلائی اس کا راج اسکے بوڑھے باپ کو سپرد کردیا اسے تخت پر بیٹھایا تاج بخشی کی ۔ رعایا کہتی رہی کہ مہا راج اب اس راج پاٹ کو آپ سنبھالیں ۔ مگر آپ نے قبول نہ فرمایا ۔ اسی طرح زمانے کی فضاء ہی بدل دی ۔ خیر کرشن جی کا زمانہ تو ست کا زمانہ تھا ۔ مگر تاریخ ہند میں مغلوں نے بھی غنیم پر فتح پاکر دریا دلی اور تاج بخشی کی مثال پیش کی ۔ خیر و برکت کی وہ فضاء پیدا کردی جو کبھی نصیب ہی نہوئی ۔

او بانسری کے بجانے والے ہر ایک کا دل لبھانے والے
مرلی کی صدا مجھے سنا دے وہ نغمہ جاں فزا سنا دے
سنتوس ہو من وہ روپ دکھلا بھگوان بھگت کے بس میں آ جا

غزلیات

(تصوف)

ہر قطرہ میں اک بہتا دریا نظر آتا ہے ہر ذرہ میں تابندہ جلوہ نظر آتا ہے
کر آنکھ تو بند اپنی اور محو تصور ہو پھر تجھکو دکھاؤں میں کیا کیا نظر آتا ہے

محو تصور ہونا ۔ دھیان باندھکر غور و فکر کرنا یہی ہے نسخہ معرفت یہی ہے عین عبادت کیا کیا نظر آتا ہے اس کا تجربہ دھیان باندھنے کے بعد ہی ہوتا ہے ۔ پردے اٹھتے جاتے ہیں دور کا مضمون نزدیک ہوتا جاتا ہے ۔

عشق

دل ہے کس کام کا جو عشق نہیں نہیں سودا تو پھر یہ سر کیا ہے
آفت جاں و فتنہ محشر پوچھتے کیا ہو مجھ سے کیا ہے عشق
کس مزہ کو میں اس پہ دوں ترجیح نعمت زیست کا مزہ ہے عشق

بیسوین صدی میں عشق و محبت کا شور انگیز کار نامہ شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم اور مسز سمسن کا معاشقہ باھمی ھے جس نے ایسی پیچیدہ صورت اختیار کرلی کہ آخر شہنشاہ کو اپنے تخت و تاج سے دست بردار ھو جانا پڑا۔ برطانوی پارلیمنٹ کی دیرینہ روایت ہرگز اس امر کو گوارا نہیں کرسکتی تھی کہ اس کا بادشاہ غیر کفو سے شادی کرلے بادشاہ نے دیکھا کہ جب ھم اپنے ذاتی معاملہ میں بھی آزاد نہیں رہ سکتے تو پھر ایسی حکومت ایسی سلطنت کس کام کی۔ آخر تخت سے دست بردار ھوکر اپنی معشوقہ سے شادی کرلی۔

پوچھتے کیا ھو مجھسے کیا ھے عشق

(راضی برضا)

بندے کی بھی وھی رضا ھے مولا جس میں تری خوشی ھے
میرا تو تجھ پہ ھے بھروسہ میری تو تجھی سے لو لگی ھے
بھر دے منگتا کی جھولی بھر دے داتا ترے گھر میں کیا کمی ھے
پی چاھے جسے وھی سہاگن یوں تو ھر شخص مدعی ھے
دربار محبت کا قانون ھی ایسا ھے دیوانہ ھے فرزانہ۔ فرزانہ ھے دیوانہ
کیا خوب گذرتی ھے ھم دونوں کی آپس میں وہ میرا ھے دیوانہ۔ میں اسکا ھوں دیوانہ
ہاں سیر کرو دل کی اور اسکی ھوا کھاؤ آبادی کی آبادی۔ ویرانے کا ویرانہ

اھل اللہ کے نزدیک علم رسمی محض قیل و قال کے سوا کوئی فائدہ نہیں پھونچاتا۔ علم عشق ھی وہ علم ھے جو انسان کو انسانیت کے بلند مرتبہ پر پھونچاتا ھے۔ علم رسمی میں تمھیں کتنا ھی دسترس ھو جائے پھر بھی پست کے پست رھوگے۔

(بھائی)

در علم رسوم چہ دل بستی بر آو جست اگر چہ برد پستی
ھم کبھی تو کرتے تھے توبہ عہد رندی میں اس سے بھی گئے گذرے اب تو پارسا ھوکر
شاد آپکی باتیں جیسے غیب کی آواز آپ نے جو فرمایا بس وھی رھا ھو کر

عام مشاھدہ کی بات ھے کہ نماز و روزہ کی رسمی پابندی کرنے والوں۔ راگ و رنگ سے پرھیز کرنے والے زاھدان خشک کو اور کچھ حاصل ھو چاھے نہو مگر اک جھوٹا غرور تو ضرور پیدا ھو جاتا ھے۔ ایسے لوگ خود اپنا محاسبہ نفس تو کرتے نہیں اپنے کرتوت کو دیکھتے نہیں البتہ بیچارے غریب بے نمازیوں اور نشہ پینے والوں کو نفرت و حقارت سے ضرور دیکھتے ھیں۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ ان گنہگاروں پر کوڑے پھٹکارنے لگیں بندگی کرتے کرتے یہ کمبخت خدا بن جانا چاھتے ھیں۔

خاک کا تو ذرہ تھا ذات میں فنا ہو کر
کیا سے کیا ہوا آخر بندۂ خدا ہو کر

نام تھا فقط میرا۔ میں نہ تھا تو خود ہی تھا
اسطرح نہاں مجھ میں تو ہوا خدا ہو کر

درد سے اماں پائی ۔ عمر جاوداں پائی
شاد کو سنا اس کا لگ گیا دعا ہو کر

حسن ہے جبہ و دستار کا دشمن اے شیخ
عشق میں ساری کرامات چلی جاتی ہے

یہی مذہب ہے ہمارا تو یہی مسلک ہے
دوست و دشمن سے مدارات چلی جاتی ہے

بہار عالم فانی رہے رہے نہ رہے
پلا شراب ۔ جوانی رہے رہے نہ رہے

ہجوم غم ۔ وفور ناتوانی دیکھتے جاؤ
مری حالت براہ مہربانی دیکھتے جاؤ

اسے دیکھو گے تم کیا۔ ہوش میں آؤ کلیم اللہ
تجلی میں بھی شان لنترانی دیکھتے جاؤ

(عرفان)

کون ہے گل میں اور گل کیا ہے
باغ میں جاکے تو نے کیا دیکھا

اس کے جلوے کا حال کیا کہئے
جو سنا اس سے بھی سوا دیکھا

مشاہدۂ رنگا رنگ پر تخیل کا جب عمل ہوتا ہے تو حقیقت کے نت نئے جلوے نظر آتے ہیں ۔

برہم ہیں وہ اپنے آئینے سے
کچھ عکس سے آج ہو پڑی ہے

آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر غرور یکتائی باطل ہو گیا ۔ اس میں آئینے کی خطا کیا ہے ۔

ناچ دھن

ناچ دھن میں مصنف کے یہ اشعار تازہ کیفیت رکھتے ہیں

من تنم و من تنم ۔ من تنم و من تنم
من منم و من منم ۔ من منم و من منم

نالہ زنم بے دھن ۔ تار زنم بے سرود
من زنم و من زنم ۔ من زنم و من زنم

نیست کسے غیر من ۔ زیب صنم خانہ ہا
من صنم و من صنم ۔ من صنم و من صنم

عشق کنم من زخویش ۔ عاشق خویش آمدم
من کنم و من کنم ۔ من کنم و من کنم

شاد بخور جام مئے ۔ رقص کن و باز گو
تن تننا تن تنم ۔ تن تننا تن تنم

(فریب امید)

پھر دیا ہے اس نے آنے کا فریب
پھر امید زیست پیدا ہو گئی

آگئی پیری ۔ گیا عہد شباب
زندگی کیا چیز تھی کیا ہو گئی

عشق سے ملتی ہے البتہ حیات جاوداں
ورنہ انجام بشر غیر از فنا کچھ بھی نہیں

ھائے رعب حسن سے کہنے نہ پایا حال دل　اسنے پوچھا مجھسے میں نے کہدیا کچھ بھی نہیں
گلرخوں کو پھول سے تشبیہ دینا ہے غلط　رنگ اچھا ہے مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں
ذکر سے اس کے میں ہوا بیخود　خیر گذری کے سامنا نہوا
میرا ہی دل تھا یہ کہ اف بھی نہ کی　ظلم ہونے کو کونسا نہوا
دل کو کس ناز سے پالا تھا مگر کیا کہئے　وہ بھی کمبخت مری جان کا خواہاں نکلا

اللہ اللہ بندہ کس قدر مجبور ہے دشمن جان کو بھی جان بوجھ کر پالنا پڑتا ہے ۔ اس کا مزہ تو کوئی بادشاہوں سے پوچھے ۔

اٹھگیا شیوۂ انسانیت انسانوں سے　لاکھانسانوں میں بھی ایک نہ انساں نکلا
شاد کہتے ہیں جسے سب وہ ہے صوفی لاریب　نہ تو ہندو ہی رہا وہ نہ مسلماں نکلا
دیکھکر حیرت کرینگے سب مسلماں شاد کو　جام ہوگا ہاتھ میں اور حوض کوثر سامنے
بس ایک خدا کو مانو تم　اور اپنے کو پہچانو تم

خدا کو ایک مان لینا تو آسان ہے مگر اپنے کو پہچاننا مشکل ۔

وہ اپنے عاشق ناشاد کا دل شاد کرتے ہیں　یہ انکی مہربانی ہے کہ مجھکو یاد کرتے ہیں
بتان سنگدل چاہیں ستا نا تو ستانے دو　وفا کی داد ملتی ہے جو وہ بیداد کرتے ہیں

وفا داروں پر جور و ستم ۔ یہی تو محبت کی کسوٹی ہے ۔

محبت بھی عجب شئے ہے کہ دل سے راہ ہے دل کو　وہ ہمکو یاد کرتے ہیں ہم انکو یاد کرتے ہیں
عشق کیا شئے ہے کوئی واقف نہیں　دل دیا ہے دل لگی کے واسطے
جسکو دیکھو اپنی اپنی ہے پڑی　کون مرتا ہے کسی کے واسطے

(تسلیم و رضا)

موت مانگوں مری غیرت کا تقاضا ہی نہیں　اس میں بدنامی تسلیم و رضا ہوتی ہے
طور عشاق کے دنیا سے نرالے ہیں تو کیا　عشق کمبخت کی فطرت ہی جدا ہوتی ہے
جہاں میں کوئی کام کرکے دکھاؤ　نہیں کام آتا حسب اور نسب کچھ
یا الٰہی تیری قدرت حسن بھی کیا چیز ہے　ان حسینوں میں تھے جتنے عیب پنہاں ہو گئے
وقت جب آیا رقیبوں کی اصالت کھل گئی　آتے ہی میدان میں جوہر نمایاں ہو گئے

حسن اور دولت یہ دونوں چیزیں بہتیرے عیبوں کو چھپا دیتی ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ عیب پر حسن کا رنگ چڑھا دیتی ہیں ۔ سوسائٹی میں بعض خوبصورت وجیہہ آدمی خواہ مخواہ عقلمند بھی سمجھ لئے جاتے ہیں ۔

(تخلیق عالم)

کن کہا اس نے نمودار ہوئے دونوں جہاں   کھیل کا کھیل تماشے کا تماشا بھی ہے

طفل مزاجوں کی خوشنودی کے لئے مذہب نے جہاں اور دل خوش کن باتیں ذہن نشیں کردی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ خدا نے اک لفظ کن کہہ کر دونوں عالم پیدا کردئے۔ گویا یہ کھیل کا کھیل ہے اور تماشے کا تماشا۔ بقول مرزا غالب
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

مگر غور کرنے سے اتنا سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ سارا سنسار یکا یک نیست سے ہست نہیں ہوا بلکہ عمل ارتقاء سے رفتہ رفتہ اس دنیا کی اور تمام عالم کی نشو و نما ہوتی گئی ہے۔ اور یہ عمل ارتقاء کبھی ختم نہوگا یوں ہی جاری رہے گا۔

جانتے بوجھتے انجان بنے بیٹھے ہیں   کیسے دانا ہیں کہ نادان بنے بیٹھے ہیں
اس سے جو مانگے وہ دے۔ ہے یہی عادت اسکی   یاد رکھ دل سے جو ہو اسکو دعا کہتے ہیں
چال دنیا کی ہے الٹی کرے شکوہ کس سے   ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
جو خموشی نہیں کچھ اسکا مرے پاس جواب   آپ جو کہتے ہیں واللہ بجا کہتے ہیں
عشق حقیقی ہی تھا عشق مجاز   ذکر بتاں ذکر خدا ہوگیا
چھوڑ دیا جس کا دو عالم نے ساتھ   اس کا طرفدار خدا ہوگیا
اٹھا پردہ دوئی کا دیکھ جلوہ نور وحدت کا   مرقع دیکھتا ہے کیا اس آئینے میں کثرت کا
نہ پہونچا فلسفہ کا ھاتھ کنہ ذات واحد تک   الجھ کر رہ گیا حلقہ کمند عقل و حکمت کا
سناتا ہوں جو اسکو داستان درد دل اپنی   تو کہتا ہے عمل پڑھئے کوئی ترک محبت کا
جو واقف ہے طریق امتحاں سے   الہی ایسا دل لاؤں کہاں سے
عدم کو دیکھو اور ہستی کو دیکھو   چلے آئے کہاں تک ہم کہاں سے
نشان ہے بے نشانی ہی ہمارا   مکاں کی حد ملی ہے لامکاں سے
یہ کیا آنکھوں سے چھپکر دل میں رہنا   اٹھا بھی دو یہ پردہ درمیاں سے
وصل کی شب جو ستایا تو کہا جھنجلا کر   ارے کمبخت نہیں جاتی یہ عادت تیری
یہ کیا گفتگو ہے ذرا منہہ سنبھالو   بہت ہوچکی بد زبانی تمہاری

کتنا برجستہ شعر نکلا ہے زبان زد ہوجانے کے قابل

دیکھکر یہ تردد و تدبیر   میری تقدیر مجھ پہ ہنستی ہے
وصل کی شب ہے نہ شرماؤ خدا کے واسطے   میری جاں آغوش میں آؤ خدا کے واسطے

مطلب تو اپنا ہے اور واسطہ دیتے ہیں خدا کا ۔ کیا شوخی بیان ہے

بیٹھے بٹھائے گھرمیں یہ دولت ہوئی نصیب　　اس ماھوش کا خواب میں دیدار ہوگیا

کیونکر نہ کھائیں خار عدو اس بہار سے　　وہ رشک گل گلے کا مرے ہار ہوگیا

یہ بہار کتنی تازہ بہار ہے - دوست گلے کا ہار ہوگیا - دشمنوں کے دم پہ بن گئی -

جب اکیلے گھر میں گھبراتے ھیں ھم　　سر کو دروازے سے ٹکراتے ھیں ھم

یہ دل ناداں سمجھتا ھی نہیں　　سو طرح سے اسکو سمجھاتے ھیں ھم

اس قدر نفرت ہے دل کو غیر سے　　اپنے سایہ سے بھی گھبراتے ھیں ھم

جو ھر پہ پڑگیا ھے عرض کا یہ کیا نقاب　　خورشید اپنے جلوے کا خود ہوگیا حجاب

سبحان اللہ - مطلع کیا ھے مطلع انوار ھے - عرض نقاب ھوگیا جوھر کا اس کا ثبوت دوسرے مصرع میں قابل دید ھے -

غائب کا ھے شہود میں وہ نور جلوہ گر　　موجود ھر وجود میں ھے مثل آفتاب

تجھ سے ھے اسکی ذات کا عالم میں نور شاد　　لیلی کا چہرہ قیس کے باعث ھے بے نقاب

قدرتیں سب کچھ ھیں پھر کچھ کر نہیں سکتا بشر
اور تم کو کیا بتاؤں کیا ھے جبر و اختیار
چاھتا ھے تو جسے وہ ھر جگہ موجود ھے
کس کا آنا کس کا جانا اور کس کا انتظار
تیری فریاد سے کیا خاک پسیجے کوئی
اپنے دل میں تو ذرا پہلے اثر پیدا کر
طاعتیں گر نہیں ھوتیں تو خطائیں ھی سہی
جس طرح ھو دل محبوب میں گھر پیدا کر
مشہور اس کا ھو کے میں بدنام ھوگیا
اب رفتہ رفتہ دیکھئے کیا کیا دکھائے دل
اگلی سی مجھ سے اس کو محبت نہیں رھی
اس کا ثبوت یہ ھے کہ وہ بدگماں نہیں

سچ ھے جب تک محبت کی لاگ باقی ھے جب ھی تک بدگمانیوں کا موقع ھے - جب تعلق نہ رہا مرد سبکدوش ھے پھر -

نہیں ھے درد جو دل میں تو پھر گداز نہیں
جو یہ نہیں ھے تو پھر سوز اور ساز نہیں

کسی کی شان کا دن رات دھیان رہتا ہے
ہے ربط دید سے گو صاحب نماز نہیں
جو میرا کعبہ ہے اس کا طواف کرتا ہوں
مرا جو عشق ہے منت کش حجاز نہیں
کرتا ہوں سجدہ شاد اسے دیکھتا ہوں جب
کیونکر پڑھوں نماز جو وہ روبرو نہیں

جب رجوع قلب نہو نماز مہمل ۔ نماز صحیح تو جب ہی ہوگی جب کیفیت حضوری حاصل ہو۔

حق کہنے والوں کے لئے ہے دار کی سزا
بن جائے جان پر اگر ایمان کی کہوں

الحق ۔ جان دیئے بغیر حق ادا نہیں ہوتا۔

دیوانگی میں بھی رہے رٹ اس کے نام کی
میں بدحواس ہو کے بھی اوسان کی کہوں
میری چپ سے عیاں ہے عشق مرا
سب پہ افشا ہے راز پنہائی
ہو خطاؤں پہ اپنی تو نادم
کام آئیگی یہ پشیمانی
بدل گئی ہے ہوا کس طرح زمانے کی
رہی نہ تاب کسی دل میں ناز اٹھانے کی
پتے کی جو کہے دیوانہ کہتے ہیں اس کو
عجب سمجھ ہے عجب عقل ہے زمانے کی

آج یہ قول لفظ بہ لفظ حیدرآباد پر صادق آرہا ہے ۔ مگر آخر وہی ہو کر رہا جو ہونا تھا ۔ عجب سمجھ ہے عجب عقل ہے زمانے کی۔

ہمیشہ دیکھتے ہیں وہ غضب آلود آنکھوں سے
خدا جانے کہ دشمن کان کیا ہر روز بھرتے ہیں
نکلکر بزم دلبر سے پھر آئے بزم دلبر میں
مبارک یہ ہمارے واسطے قسمت کا چکر ہے
جب اس کی یاد آئی وہ ہوا پیش نظر موجود
کوئی ساعت مقرر ہے نہ کوئی دن مقرر ہے

آپ اپنا ہے خود تماشائی کیا تری شان خود نمائی ہے
لیگئی دل نگاہ دز دیدہ شاہ خوبان تری دہائی ہے

(غرفان)

اپنے کو دھونڈھتا ہوں تو پاتا ہوں اوسکو میں
حیران ہوں مثل آئینہ ۔ کیا ہوگیا مجھے

اپنی جستجو میں چلے تو خود اپنا پتا نہ رہا ۔ اب معلوم ہوا کہ یہ میں نہ تھا وہی وہ تھا ۔ اوسی کے دم کی روشنی تھی ۔

جیتے جی مر گئے تھے تجھ پہ جو مرنے والے
یون گذر جاتے ہیں ہستی سے گزرنے والے
نہ پوچھ بہر خدا دل کی آرزو ہم سے
ہمیں یہ ڈر ہے کہ آرزدہ ہو نہ تو ہم سے
برائیوں کو سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں
نہیں ہمارا زیادہ کوئی عدو ہم سے
کرینگے جستجو ہم لامکاں تک
رہیگا چھپ کے تو ہم سے کہاں تک
نہ کیوں ہم بے پتا ہوجائیں اے شاد
پہنچنا ہے ہمیں اس بے نشاں تک

رکھدو تم ہاتھ قلب مضطر پر اور اس درد کی دوا کیا ہے

کتنا سچا کتنا سادہ شعر نکلا ہے ۔ سبحان اللہ

میں ادھر چپ ہوں وہ ادھر خاموش اک تماشا ہے یہ حیا کیا ہے

کہہ کے پچتائے ہم اوس شوخ سے منشاء اپنا
اپنے ہاتھوں سے کیا خون تمنا اپنا
نکلی جاتی ہے مرے پاؤں کے نیچے سے زمین
ہائے میں جس راہ میں ہوں واں کوئی منزل نہیں
حال دل اون سے کہوں وہ تھنڈے دل سے سن بھی لیں
ہے یہ بات ایسی کہ جس کا میں کبھی قائل نہیں

پائے همت میں کہاں اگلی سی وہ جولانیاں
جو جوانی میں تھی اب وہ سعی لاحاصل نہیں
جھڑکیاں هوں کہ هوں دشنام گوارا هیں همیں
آپ اچھے هیں تو هے آپ کی هر بات اچھی
داماں گل پہ لوٹ رهی هے نگاہ شوق
نکھرا هوا هے رنگ کچھ ایسا بہار کا
اے شاد دیکھ چشم حقیقت شناس سے
داماں دشت و کوہ میں عالم بہار کا
کہتے هو تم کہ صبر سے لو کام هجر میں
یہ جبر تو نہیں هے مرے اختیار کا
یاد میں اوسکی گذر جاتا هے وقت
هجر کی بھی کیسی پیاری رات هے
محو کرے زاهد بیا ن معرفت
کیا ترا منہہ کیا تری اوقات هے
صورت نظر فریب تھی دل تجھ پہ آگیا
اس میں مرا قصور نہ تیرا قصور تھا
تیری آنکھوں کی شرم کہتی هے
کہ مرے دل کی بات پائی هے
عشق با زی اگر نہ کی تم نے
پھر یہ کس کا م کی جوانی هے

نہ سمجھو تم کہ هم پر مہرباں هے
یہ ظا لم آسماں پھر آسما ں هے

زمانے کے بدلتے کیا دیر لگتی هے - دیکھتے دیکھتے برطانیہ کی سی عظیم الشان سلطنت پارہ پارہ هوگئی -

آرهے هیں مزے محبت کے وہ بگڑتا هے هم مناتے هیں

سارا زمانہ میرا عدو هو تو کیا مجھے
بیٹھا هوں میں علی کا سہارا لئے هوئے

*25

(قصیدہ در مدح حضرت شفیعہ روز جزا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا)

نظروں سے گری جنت اور اوس کی وہ دلچسپی
آراستہ آج ایسا ایوان رسالت ہے
جبریل کی سدرہ سے آتی ہے صدا پیہم
خاتون قیامت کا یہ جشنِ ولادت ہے
سنکر یہ صدا لکھے اسے شاد یہ چند اشعار
مخدومہ عالم سے ہمکو بھی عقیدت ہے

مطلع

مخدومہ عالم کو مریمؑ پہ فضیلت ہے
یہ فرع نبوت ہے یہ اصل امامت ہے
ہے راضیہ مرضیہ - معصومہ و مرحومہ
سرتاج دو عالم ہے خاتون قیامت ہے
تیرا ہے وہ گھر جس میں قرآن ہوا نازل
اس گھر میں نبوت ہے اس گھر میں امامت ہے
ایمان و ہدایت کا مرکز ہے ترا ہی گھر
یاں زہد و سخاوت ہے آخر میں شہادت ہے
ہے سجدہ گہ رضواں ہر نقش قدم تیرا
خاک کف پا تیری سرمہ پئے امت ہے
وابستہ الفت ہوں میں آل محمد کا
سچ یہ ہے کہ یہ اپنا اظہار عقیدت ہے

(رباعیات)

جو عالم قدس سے یہاں آتا ہے
ساتھ اپنے وہ عرفان خدا لاتا ہے
مخلوق میں رہکر جو ہو حق سے واصل
پیغمبر بر حق وہی کہلاتا ہے

رباعی

جو دیدار حق ہیں جو آٹھ پہر
تن من کی ہے سدھ اونکو نہ کچھ اپنی خبر
سر شار مئے عشق ہیں وہ شاد بدام
بیخود ہیں وہ کس طرح خودی پر ہو نظر

رباعی

ظاہر میں کتابوں کی تو جلدیں ہیں حسین
مضمون کتاب دیکھا وان کچھ بھی نہیں
ہر علم کی بحث ہے معارف سے جدا
ظنی ہیں وہ سب علم - یہ ہے علم یقین

رباعی

غافل ہیں جو دن رات پڑے سوتے ہیں
سرمایہ عیش زندگی کھوتے ہیں
کرتے ہیں جو ابتدا میں غفلت اے شاد
انجام میں سر پکڑ کے وہ روتے ہیں

رباعی

منظر وہ دل آویز دکھاتی ہے شام
انسان کو عجب وجد میں لاتی ہے شام
چن چن کے گلستان طرب کی کلیاں
پھولوں کی نئی سیج بچھاتی ہے شام

رباعی

کیوں آنکھ کوئی اور تماشا دیکھے
یہ حسن - یہ تنویر - یہ جلوہ دیکھے
کہتی ہے پکارے - یہی دلچسپی شام
مجنوں ہے کہاں - صورت لیلی دیکھے

رباعی

اپنوں کی بھی غیروں کی بھی حالت دیکھی
شاھوں کی فقیروں کی بھی صحبت دیکھی
پرسان نہیں کوئی بھی کسی کا اے شاد
دنیا میں عجب ھم نے قیامت دیکھی

رباعی

یا خاک لگائیں یا لنگوٹی باندھیں
دنیا کے نظارے سے رکھیں بند آنکھیں
خالق کے جمال کا نہیں جن کو دھیان
اندھے ھیں وہ عرفان نہیں حاصل ھے انہیں

رباعی

آفات میں ھیں مفلس و منعم ھردو
سرمایہ و افلاس کا غم ھے سب کو
دولت دی ھے خدا نے دینے کے لئے
اس ھاتھ سے دو شاد اور اس ھاتھ سے لو

ھاں کبھی ایسا بھی ھوتا ھے کہ خلوص کے ساتھ کوئی کار خیر کیا جائے تو اوس کا نعم البدل مل جاتا ھے ۔

رباعی

اللہ عنایت کرے گر سیم و زر
دے راہ میں اوسکی تو کبھی بخل نہ کر
تو راہ میں اوسکی دے تجھے وہ دیگا
ھے شاد یہ لین دین سب سے بہتر

رباعی

محنت سے نہیں تونے یہ پائی دولت
اللہ نے دی تو ھاتھ آئی دولت

مصرف نہو اس کا اگر نیکی میں
افسوس ہے مفت میں اڑائی دولت

کسی دولت مند کے گھر میں پیدا ہوگئے مفت کی دولت ہاتھ آئی دونوں ہاتھوں سے لٹائی - یہ بھی اک مصرف ہوا وہ براہی سہی مگر اون بد نصیبوں کو کیا کہئے کہ دولت ورثہ میں پائی مگر مفت گنوائی وقت پر کام نہ آئی - غیروں کے ہاتھ لگ گئی - خود منہہ تکتے رهگئے -

رباعی

فرعون نے دعوی جو خدائی کا کیا
اللہ کا دشمن ہوا اور موسی کا
پہلو میں عدو تھا اور دیکھا نہ گیا
خود دشمن عقل نے عدو کو پالا

رباعی

جو کہتے ہیں دنیا میں ہمیں ہیں موجود
ہم دیکھتے جو کچھ ہیں وہ اپنا ہے وجود
عارف نہیں یہ - ان کی غلط فہمی ہے
موجود ہے حق - سب کی اوسی سے ہے نمود

رباعی

تقدیر جب انسان کی بن جاتی ہے
کوشش کا نتیجہ خوب دکھلاتی ہے
تقدیر پہ شاکر رہے - کوشش بھی کرے
جب جا کے امید دل بھی بر آتی ہے

رباعی

راحت ہو مصیبت ہو کہاں سے آئی
قسمت نے ہر اک شکل تجھے دکھلائی
اعمال کا ہر شخص کو ملتا ہے ثمر
نیکی تری شاد تیرے آگے آئی

انسان کی کوشش بھی بہ‌حصہ رسدی ضروری ہے۔ دنیا کے ذمہ دار دیانت دار دانشمند لوگ معمولی لوگوں کی طرح اپنے ہر عمل کو حسب دلخواہ نتیجے سے وابستہ نہیں کرلیتے بلکہ بے غرض ہوکر دنیاوی کاروبار میں حصہ لیتے ہیں ۔

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اون کا فرض ہے فقط کام کا انجام دے لینا ۔ نتیجہ قدرت کے ہاتھ ہے ۔ اگر اونہیں ادائے فرض کے بعد بھی ناکامی کا منہہ دیکھنا پڑے تو اس سے آزردہ نہیں ہوتے ۔

ایک طبیب یا وید جانتا ہے کہ جب تک عمر کی رسی دراز نہو یعنی مریض میں زندہ رہنے کی طاقت موجود نہو تو لاکھ دوا کیجئے ہرگز فائدہ نہوگا ۔ اور اس رشتہ عمر کی مضبوطی طبعی طور پر موروثی اثرات کا نتیجہ ہوتی ہے ۔ وید اس رشتہ عمر کو دراز تو نہیں کرسکتا ۔ پھر بھی وہ مریضوں کا علاج کرتا ہے اپنا فرض سمجھ کر اسی بےغرضانہ طور پر کام کرنے کے بعد بھی اگر کوئی مریض اچھا نہوسکے تو وہ رنجیدہ نہیں ہوتا ۔ کیونکہ اوس نے اپنا حق ادا کردیا ۔ نتیجہ اچھا نکلا یا برا یہ بات اوس کے بس کی نہیں نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن ہم اپنا کام کرتے ہیں ۔

ضمیمہ چہارم

خطبہ تقسیم اسناد جامعہ عثمانیہ

جناب نائب امیر - رفقاء و طیلسانین جامعہ و معزز حاضرین -

بلحاظ اس دلی تعلق کے جو مجھکو اس جامعہ سے ہے اس تقریب تقسیم اسناد میں آپ سب کا خیر مقدم میرا اولین فریضہ ہے - جامعہ عثانیہ کی تقسیم اسناد کا جلسہ صرف ادائے رسم کی ایک تقریب نہیں ہے جو اور یونیورسٹیوں میں بھی ہر سال ہوا کرتی ہے بلکہ یہ وہ تقریب ہے جس میں ہر سال اہل ملک کی نگاہیں جامعہ کے ان ابنائے وطن طیلسانین کی طرف اٹھتی ہیں جنہوں نے اپنے ملک اور اپنی زبان میں اعلی تعلیم حاصل کی ہے - جنکی ذہنی - اخلاقی اور عملی جدوجہد پر آئندہ اس ملک کے ذہنی- اخلاقی اور اقتصادی ارتقاء کا دار و مدار ہے -

اس موقع پر ان طیلسانین کے دلوں میں اگر وہ اعلی جذبات موجزن ہیں جو ان کی علمی اور عملی زندگی کے محرک ہوسکتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ دن قریب ہے جبکہ ابنائے ملک جامعہ کے مقاصد کو پورا ہوتے ہوئے دیکھینگے-

ہمارے موجودہ فرمانروا خلد اللہ ملکہ کے عہد میمنت مہد کی ایک امتیازی شان یہ بھی ہے کہ اس دور حکومت سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جو اوس مہتم با لشان خصوصیت کے لحاظ کرتے جو تمام ہندوستان میں صرف جامعہ عثانیہ کو حاصل ہے - دکن کا عہد زرین کہلاسکتا ہے -

تعلیم کے مقاصد کو پورا کرنے والے عاملین دو ہیں ایک فطرت دوسرے تربیت - فطرت سے مراد طالب علم کا وہ جوہر قابل ہے جو قدرتی اسباب کی بناء پر اوس میں موجود ہے اس کے ابھارنے یا سنوارنے کا نام تربیت ہے - کسی قوم و ملت کی ذہنی اور اخلاقی تربیت اوس وقت تک نا ممکن ہے جب تک کہ ارباب تعلیم طلباء کی قومی خصوصیات و روایات اور انفرادی مذاق و رجحان اور دوسری فطری قابلیتوں کو مد نظر رکھ کر ان کی زبان میں تعلیم دیں - ماہرین تعلیم کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ بجائے

غیر زبان کے وطنی زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دینا قومی ترقی کا پہلا زینہ ہے - اس لحاظ سے جامعہ عثمانیہ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے مگر کیا ہم صرف اردو زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دیکر یہ سمجھ لیں کہ اب ترقی کی شاہراہ کھلی ہوئی ہے اور ہم ان منازل کو بآسانی طے کرتے ہوئے چلے جائینگے جو اس راہ پر ہیں - ہرگز نہیں - اس راستہ میں صعوبتیں ہیں جن کے برداشت کرنے پر ایک طرف ارباب تعلیم کو اور دوسری طرف تمام اہل ملک اور خصوصاً جامعہ کے فارغ التحصیل نوجوانوں کو بھی آمادہ رہنا چاہئے - کیونکہ تعلیمی مقاصد کی تکمیل کا اخلاقی فریضہ ان پر بھی ہے نصاب تعلیم کی ایک مناسب تنظیم ضروری ہے - جب تک اس کےلئے عملی تدابیر اختیار نہ کی جائیں ایک مقررہ اور محدود نصاب کی تکمیل اور اسناد کی تحصیل تک طلبائے جامعہ کی علمی جدوجہد محدود رہے گی -

یہ دیکھا گیا ہے کہ یونیورسٹیوں کی موجودہ طرز تعلیم ملک میں طیلسانین کی صرف ایسی تعداد کو بڑھاتا رہا ہے جن کےلئے ملازمت ہی حصول معاش کا ذریعہ ہے اس سے سند یافتہ نوجوانوں کی تعداد کے ساتھ معاشی مسائل کی پیچیدگیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں -

اس پر اعتراض کا امکان ہے کہ اعلی تعلیم کو جس سے ذہن کی نشوو نما اور علمی شرافت مقصود ہے معاشی سود مندی کے معیار پر نہیں جانچنا چاہئے مگر صرف ادبیات اور تاریخ وغیرہ کے ایک مقررہ نصاب کی تکمیل کس طرح اعلی تعلیم کے مقاصد کو پورا کرسکتی ہے - اعلی تعلیم کے مقاصد صرف اوسی وقت پورے ہوسکتے ہیں جب ادبی ماحول اور عالی مذاق کی ایک ایسی فضا پیدا کی جائے جو علمی جدوجہد تحقیق تصنیف و تالیف کے حق میں روح پرور ہو بے شک جہاں ایسی فضا ہے وہاں اعلی تعلیم کے مقاصد صرف معاشی سود مندی کے معیار پر نہیں جانچے جاتے - مگر ہمارے ملک میں موجودہ اقتصادی حالات کے نظر کرتے ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو ذہنی نشوونما (کلچر) کے ساتھ معاشی اور اقتصادی پہلو کو بھی نظر انداز نہ کرے -

انسان کو جو فوقیت موجودات ارضی پر حاصل ہے اور اشرف المخلوقات کی عزت سے معزز اور مفتخر ہے جو نص قرآن سے ثابت ہے وہ صرف اوس جوہر فکر و تجسس کا نتیجہ ہے جسکی بدولت اوس نے کتاب فطرت کا مطالعہ کیا - بغیر اس قابلیت کے وہ تمدنی ارتقاء کے منازل کو ہرگز طے نہ کرسکا کتاب فطرت کی دلچسپیاں اوس کے گوناگوں مضامین اون کا باہمی ربط و تعلق یہ سب ملکر انسان کے قلب و دماغ پر ایسے پراسرار تاثرات پیدا کرتے ہیں - جو ایک طرف حق شناسی اور دوسری طرف عالم شناسی کی محرک ہیں - انسانی قلب و دماغ کے انہیں دو محرکات یعنی خدا پرستی اور علم دوستی یامذہب اور حکمت پر اوس تمام جدو جہد کا دار و مدار ہے جس کے محل تذکرہ کا نام تاریخ تمدن ہے -

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسے
اور محقق کا عارفانہ قول ہے کہ علم تین چیزیں سکھاتا ہے ۔ یعنے حق شناسی عالم شناسی اور خود شناسی ۔ حق شناسی اور عالم شناسی کے ساتھ خود شناسی پیدا ہوتی ہے ۔

عالم شناسی سے انسان کو کائنات کی لامتناہی وسعت اور نظام قدرت کی لاتعداد طاقتوں سے متعلق ایسے مفید (مگر محدود) معلومات حاصل ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے انسان قدرت کی طاقتوں کو اپنا محکوم بناتا ہے اور اپنی ہستی اور امکان کو بھی سمجھنے کا شعور پیدا کرنے لگتا ہے ۔ مگر ساتھ ہی ایک پراسرار عظمت بھی اسکے دل پر طاری ہوتی ہے جو مذہب کی محرک ہے ۔ یہیں وہ اپنی پستی کو سمجھنے لگتا ہے اور اس رشتہ باطنی کو محسوس کرتا ہے جو عبد اور معبود کے درمیان ہے ۔ یہی حس باطنی مذہب کی مختلف ارتقائی شکلوں میں رہی اور اسی کی وجہ سے دنیا میں باوجود مادی ترقیوں کے عقل فریبیوں کے حامیان الحاد و تشکیک کو فروغ نصیب نہ ہوا ۔ مذہب قلب انسان کو تسکین دیتا ہے ہمدردی کے شریفانہ جوہر کو جلا دیتا ہے ۔ مذہب ہی کے زیر اثر انسانی اخلاق معاشرت علوم نظری اور فنون لطیفہ کی نشوونما ہوئی ۔ خود شناسی اور حق شناسی در حقیقت ایک دوسرے کی لازم و ملزوم ہیں ( ) خصلت انسانی کے عرفان کے خزانے کی کلید ہے بشرطیکہ مذہب کی تصویر افراط وتفریط کے خط و خال سے پاک ہو ۔ مگر بغیر علم و حکمت کے نہ تو خدا شناسی صحیح معنوں میں خدا شناسی ہوسکتی ہے اور نہ خود شناسی ہی ممکن ہے ۔

فرد بل کے نزدیک تعلیم کا مقصد اسکے الفاظ میں یہ ہے تعلیم انسان کو اپنی ہستی کے سمجھنے اس کے اور موجودات کے ربط باہمی کو معلوم کرنے اور خدا کے ساتھ یگانگت کو محسوس کرنے میں مدد دیتی ہے ۔ بہ الفاظ دیگر علم انسان کو اوس رفعت تک پہونچاتا تھا جہاں وہ خدا شناسی عالم شناسی مردم شناسی اور خود شناسی کے قابل بنتا ہے اور ایک مقدس و پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے ۔ غرض کہ حصول علم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان اپنی فضیلت اور شرافت کو سمجھے ۔

انسانی ہستی کے اعلیٰ جوہر کو جلا دینے کےلئے ایک حد تک ایسی تعلیم کی بھی ضرورت ہے ۔ جس سے مذہبی وجدان اور اخلاق کی تربیت ہو ۔ ہمارے روشن دل فرمانروا نے اسی ضرورت کو پیش نظر رکھکر جامعہ عثمانیہ میں مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا انتظام بھی مناسب سمجھا ۔ مذہبی تعلیم ہر انسان کو خدا شناسی کے ادائے فرائض میں مدد دیتی ہے اگر مذہبی تعلیم قومی خصوصیات اور ان آبائی روایات کے برقرار رکھنے کی محرک ہو جو کسی مذہب و ملت کی روحانی اور مادی ترقی میں کار آمد ہوسکتے ہیں تو اس تحریک کا ہرگز یہ منشا نہیں ہوسکتا کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا حریف و عنید بنے ہندوستان کی اقتصادی اور سیاسی ترقی اوسی وقت ممکن ہے جب مذہبی اور فرقہ واری تعصب اور تنگ نظری کا خاتمہ ہو جائے مذہبی تعصب اور اس کے نا عاقبت اندیش

نتائج سے ہندوستان جیسے پر امن ملک میں آئے دن جو فسادات پیدا ہو رہے ہیں ہندوستانی قومی زندگی کے حق میں خطرناک بلکہ مہلک ہیں ۔ افسوس ہے کہ تنگ نظر اور ناعاقبت اندیشی قائدین مذہب کو اپنی ذاتی دلچسپیوں کا آلہ بنا کر قوم کو تباہ کر رہے ہیں ۔ ان کو یہ بھی گوارا نہیں کہ قوم کے وسیع مفہوم کا اطلاق بھی اپنے مذہب کے دائیرہ سے باہر غیر مذہب ہم وطنوں پر ہوسکے ۔ جس ملک میں قومیت کے یہ معنے ہوں اسکی فلاح و بہبود کی تدابیر کا کارگر ہونا مشکل ہے ۔ عناد اورتعصب کی کجروی کو مذہب کا مسلک حقیقی سمجھنے والے لوگ ہمارے اخلاق ذہنیت اور قومیت کے ارتقاء کے دشمن ہیں ۔ یہ وہ جراثیم ہیں جن کے مہلک اثرات کا استیصال ہر روشن خیال پاک مشرب تعلیم یافتہ شخص کا فرض ہے ورنہ اگر اس مہلک وبا کے اثرات خدا نخواستہ بڑھ جائیں تو تنازع للبقا میں ہماری کوئی جد و جہد کارگر نہوسکے گی۔

حضرات اس وقت چند گندم نما جوفروشوں کے جذبات ایک طرف اور ہندوستان کی قومی زندگی کے فنا و بقا کا سوال دوسری طرف ہے ۔ ہر تعلیم یافتہ محب وطن کا فرض ہے کہ توازن اور تقابل میں دور اندیشی سے کام لے کر قوم اور ملک کے مستقبل کافیصلہ کرے ۔ اس کے لئے اخلاق جرات اورکیرکٹر کی ضرورت ہے ۔کیرکٹر کی تربیت صرف کردار و افعال اور خیر و شر سے متعلق چند قدیم و جدید خیالات کے معلوم کرنے سے نہیں ہوسکتی ۔کیرکٹر کی تربیت کے لئے ایک ایسے ماحول کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے ۔ جس میں اعلی تعلیم کی بدولت ذہنی اخلاق اور اقتصادی حسن عمل کے نتائج کے پیدا کرنے کی ذمہ داری بہت کچھ ان اصحاب پر ہے جو جامعہ کی علمی جمہوریت کے ارکان مقتدر ہیں ۔ جامعہ کے نظام تعلیم کی تقسیم تین حصوں میں ہوسکتی ہے ۔

(۱) کلچرل تعلیم ۔ جس سے طلباء کی ذہنی قابلیت کی اعلی نشوونما ہو علمی تحقیق تنقید اور تجسس کی اہلیت طلباء میں پیدا ہو۔

(۲) صنعتی اور پیشہ وری تعلیم ۔ اس کےلئے طلباء کی اہلیت اور مذاق کے جانچنے کا بھی ایک معیار ہونا چاہئے ۔

(۳) مروجہ مضامین کی تعلیم ۔ ان طلباء کےلئے جو صرف امتحانات کامیاب کرنے کا شوق رکھتے ہوں ۔

جامعہ کے نصاب تعلیم کی تنظیم ایک ایسے نہج پر ہونی چاہئے جو طلباء میں علمی اور عملی قابلیتوں کے پیدا کرنے میں مدد دے ۔ میری دانست میں یہ مقصد نہ تو صرف اس مقولہ کے تحت آسکتا ہے کہ تعلیم کا مقصد حصول معلومات ہے اور نہ یہ صرف معاشی ترقی کا پیش خیمہ سمجھا جاسکتا ہے بلکہ اس کو ایک ایسے نصب العین کے تحت ہونا چاہئے جو جامع طور پر طلباء کے علمی اور عملی نشوونما کا محرک ہو۔ صورت حال یہ ہے کہ جو ثانوی تعلیم کو ختم کرتا ہے جامعہ کی اعلی تعلیم پانا اپنےلئے

اس لئے لازمی خیال کرتا ہے کہ بغیر اس کے معاشی اور معاشیاتی نقطۂ نظر سے اس کا مستقبل اوسکو تاریک نظر آتا ہے ۔ ایسی صورت میں اعلی تعلیم کے حقیقی مقصد کے فوت ہو جانے کا امکان اور ایک ایسے ماحول کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے جو بعوض اس کے کہ روح علمی کے حق میں حیات بخش ثابت ہو سم قاتل بن جائے ۔

کسی ملک کے افراد صرف ادبیاتی تعلیم پانے اور ادبیاتی مذاق کے پیدا کرنے سے معاشرت و تہذیب کے مدارج طے نہیں کرسکتے ایک جامعہ پر جامعیت کا اطلاق اوسی وقت ہوسکتا ہے جب اوسکے مختلف شعبوں سے ایسے افراد نکلیں جو اپنی علمی اور عملی کوششوں سے ملک کے حقیقی خدمت گزار ثابت ہوں ۔

زرعی اور صنعتی تعلیم ۔ ہمارے ملک میں زرعی و صنعتی ترقی کے قدرتی اسباب موجود ہیں اون سے فائدہ اٹھانے کےلئے زرعی و صنعتی تعلیم کا رائج ہونا ضروری ہے ۔ اس کےلئے جامعہ میں شعبہ زراعت کا قیام بھی مناسب ہوگا ۔ شعبہ زراعت کے ساتھ ایک ایسے عمل کی بھی ضرورت ہوگی جہاں ملک کی زرعی پیدا وار کےکثیر پیمانہ پر حاصل کرسکنے کے اسباب معلوم ہوں ۔ اسکی سخت ضرورت ہے کہ جامعہ کےطیلسانین کافی تعداد میں یورپ یا امریکہ جاکر زرعی کیمیا کی عملی تعلیم حاصل کریں سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے ان کو اس کی ترغیب دیجائے مگر ایسے تعلیم یافتہ افراد کے وجود سے اوسی صورت میں فائدہ ہوسکتا ہے جب وہ سرکاری ملازمتوں اور ترقیوں کی آرزوؤں پر علمی اور ملکی خدمات کی انجام دہی کو ترجیح دیں ایک حدتک اون کو شخصی منافع کا ایثار کرنا ہوگا ۔ چناچہ اس ملک میں رشیون کا مسلک کوئی چھپی ہوئی حقیقت نہیں ہے ۔ دنیا کی علمی تاریخ میں ایسے لوگوں کی مثالیں بکثرت ہیں جنہوں نے کسی خاص شعبہ علم میں دلچسپی پیدا کرنے کے بعد علمی خدمات کی خاطر ذاتی اغراض کو پیش نظر نہیں رکھا اوس میں کتنے ایسے ہوں گے جنکی زندگی میں ملک و قوم کی طرف سے ان کی خدمات کا اعتراف تک نہوسکا وہ خود بھی کسی ذاتی شہرت یا حصول سود مندی کےخواہش مند نہ تھے یہی وہ لوگ ہیں جن کے نام کو بقائے دوام حاصل ہے اپنی قوم و ملت کے سچے خدمت گزار یہی ہیں ۔

شعبہ تعلیم امداد باہمی

شعبۂ زراعت کے ساتھ شعبہ امداد باہمی کا قیام بھی مناسب ہے جسطرح یورپ کے بعض ممالک جیسے فرانس اور جرمنی میں تعلیم امداد باہمی کے شعبے قائم ہیں اوسیطرح زرعی معاشیات امداد باہمی اور عام معاشیات امداد باہمی کی تعلیم کےلئے ایک مستقل شعبہ امداد باہمی کی اس جامعہ میں بھی ضرورت ہے ۔ اس شعبہ کے قیام سے قبل جامعہ کے کسی اہل لکچرار کا یا کسی معاشیات کے ممتاز طیلسانی کا امداد باہمی میں اعلی سند حاصل کرنے کےلئے یورپ بھیجنا بھی مناسب ہوگا ۔

شعبہ تعلیمات جامعہ

مجوزہ توسیع کا لحاظ کرتے ہوئے ایک شعبہ تعلیمات کے بھی قیام کی ضرورت ہے۔ تعلیم کے اغراض اسی وقت پورے ہوسکتے ہیں جب تحتانی وسطانی و فوقانی جماعتوں کی تعلیم مناسب اصول پر دیجائے۔ ایسی تعلیم دینے کے وہی لوگ اہل ہوسکتے ہیں جو اصول طریقہ تعلیم سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہوں مدرس کا صرف تعلیم یافتہ اور شائیستہ ہونا اغراض تعلیم کے لئے کافی نہیں ہے اوس کے لئے فن تعلیم سے واقف ہونا بھی لازمات سے ہے۔ ہمارے پاس مٹرک اور ایف۔ اے پاس شدہ مدرسین کی تعلیم کا انتظام ہے۔ مگر موجودہ ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ان دشواریوں کا لحاظ کرتے ہوئے جو ہمارے مدرسین کو بیرون ممالک محروسہ بھیجنے میں پیش آتی ہیں ایک ایسے شعبہ تعلیم کے قیام کی ضرورت ہے جو بی۔ ٹی۔ اور یم۔ ٹی۔ کے مدارج تک تعلیم دے سکے"۔

انتظام السنہ مغربی

علوم مغربی کے حصول کے لئے صرف انگریزی ہی کی تعلیم کافی نہیں ہے ضرورت اس کی ہے کہ کچھ فرنچ و جرمن زبان کی تعلیم کا انتظام جیسا کہ دنیا کی اور یونیورسٹیوں میں ہے جامعہ عثمانیہ میں بھی کیا جائے۔

تحقیقات

اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہمارے طیلسانین سائینس کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سائینٹیفک تحقیقات میں حصہ لیں سائینس کے مختلف شعبوں میں تحقیقات کی سہولت پیدا کرنے کے لئے اعلی پیمانہ پر معلمون کی ضرورت ہے جن کے لئے ان کثیر مصارف کے لحاظ سے درکار ہیں جامعہ کو ایک مستقل فنڈ کا اضافہ کرنا ہوگا۔ ایک مناسب اسٹاف کے علاوہ اس کے لئے ایک مخصوص عمارت بھی چاھئے جس میں ہر شعبہ تحقیق کی ضروریات کے لحاظ سے اعلی پیمانہ پر آلات اور اسباب تجربی ثابت ہوں۔ بحالت موجودہ جبکہ جامعہ کے لئے مناسب امکنہ و عمارات کا انتظام نہیں ہے یہ خیال کسی قدر قبل از وقت ہے مگر اسکی توقع ہے کہ عنقریب جامعہ کے لئے مناسب مقام کا تعین اور تعمیر امکنہ کا کام شروع ہو جائیگا اوس وقت ایسے ایک مکمل۔ دارالتجارب کے قیام کا مسئلہ بھی پیش نظر رھیگا۔ سرکار کی طرف سے تعلیمی مصارف کے لئے کافی طور پر موجودہ ضرورتوں کے لحاظ سے گنجائش رکھی گئی ہے آئیندہ بھی ایسے مصارف میں جن سے ہمارے علمی مستقبل کے شاندار ہونیکی توقع ہوسکتی ہے۔ سرکار مزید مصارف کا بار اٹھانے میں بحد امکان دریغ نہ کریگی۔ مگر کسی ملک میں علم و عمل کا احیا صرف حکومت کی یکطرفہ کوشش سے نہیں ہوا۔ یورپ کے جامعات کا تو کیا ذکر برطانوی ہند کے سرکاری جامعات میں بھی ایسے سیکڑوں عطیات اوقاف ہیں جو علم دوست اور ذی مقدرت اصحاب کی عالی مذاق

کی مستقل یادگارین هیں ۔ میں آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے بعید الوقوع مقامات تک لےجا کر وهان کے عطیات سے واقف نہیں کرانا چاهتا قریب ترکلکته هی کو جائیے که جهان کی یونیورسٹی میں عطایا کے دین کی گونج آپ کے کانون میں پهنچے بغیر نہیں ره سکتی ۔ جن میں خاص طور پرکلکته یونیورسٹی میں صنعتی تعلیم کےلئے سر راس بهاری گهوش آنجهانی کا شاندار عطیه قابل اشاره هے ۔ ان اچهی مثالون کی تقلید حیدرآباد میں بهی ممکن هےجس کے لئے مجله جامعه کو بهی توجه کرنی هوگی ۔ اسکے ساته میں یه بهی کہونگا که سائینس کے فارغ التحصیل طلبا اپنی علمی دلچسپی کا مواد خود بهی بعد امکان فراهم کریں ۔ دنیا کی علمی تاریخ اس بات کی شاهد هے که اکتشافات اور اختراعات کی دنیا میں عظیم ترین کارهائے نمایان اکثروبیشتر ایسے هی علم دوست اشخاص نے کئے هیں جنکو اپنی ضرورتون کے لحاظ سے سامان وافر مهیا کرنے کا امکان نه تها مگر انهون نے یه ثابت کر دکهایا که حقیقی علم دوستی اور تحقیقاتی جدوجهد کے شوقؐ کا خواه کیسے هی حقیر پیمانه پر آغاز هو اعلی انجام هوتا هے۔

تصنیف و تالیف

سائنٹیفک روح تحقیق کے دوش بدوش ادبی روح تنقید اور تصانیف و تراجم کی سرگرمی کا هونا بهی ضروری هے ۔ اردو زبان میں ایک جامعه کےلئے علمی مواد فراهم کرنے کی ایک چهوٹے سے دار الترجمه سے توقع رکهنا بیجا هے ۔ دار الترجمه سے نصابی کتب کے ترجمه کا جو کچه بهی کام هوا اور هورها هے وه بهی موجوده حالات کےاعتبار سے قابل تحسین هے ۔ صرف درسی کتب کے چند ترجمون سے زبان اردو کی علمی دولت نهیں بڑه سکتی ۔ مگر هم کو اس قلیل سرمایه سے کثیر منافع کی توقع هے ۔ وه طیلسانین جن کی ذهنی اور ادبی قابلیتون کی نشو و نما جامعه عثمانیه کی تعلیم سے هوئی هے اپنے اپنے مذاق اور رحجان کی مناسبت سے تصنیف و تالیف میں دلچسپی ظاهر کریں گے تو مجهے یقین هے که هماری زبان کو وه دولت حاصل هوگی جس کی اب وه تقریباً محتاج هے ۔ مجهکو یه معلوم کرکے نهایت خوشی هوئی که جامعه کے بعض طیلسانین اور طلباء تصنیف و تالیف کے کام میں بذات خود دلچسپی لے رهے هیں ۔ امید هے که اونکی سعی و دلچسپی کے نتائج بار آور هونگے اور یه ملک میں علمی مذاق کے نشر و اشاعت کرنے والون میں شمار هونے کا امتیاز حاصل کرینگے ۔ جامعه ایک علمی اور ذهنی جمهوریت هے جس میں هر طیلسانی اور طالب علم اپنے حقوق و فرائض رکهتا هے ان فرائض کی ادائی بهی خاص دلچسپی اور اهمیت رکهتی هے ۔ یه دلچسپی وهی پیدا کرسکتے هیں جوعلمی دنیا میں رهنے اور اسکی دلفریب فضا سے لذت اندوز هونے کی اهلیت رکهتے هوں ۔ اعلی تعلیم کا سب سے پهلا لازمه یه هے که علمی مذاق کی وسعت کے ساته تحقیق وتنقید کی روح پیدا هو اور اس علمی مواد میں اضافه هو جو بطور ارث هم کو اسلاف سے ملا هے ۔ صرف دوسرون کی ادبی نازک خیالیون اور علمی اکتشافات کی داد دینے کی قابلیت پر اکتفا

کرنا اوس نصب العین سے دور ہے جس سے ایک جامعہ پر جامعیت کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ ادبی تنقید اور علمی تحقیق کی روح اوسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب اوس کے لئے ایسا ماحول موجود ہو جس میں علمی بلند خیالی اور آزادی کی گنجائش ہو۔ مذہبی تعصبات اور پارینہ توہمات مفقود ہوں۔ ایسے صحت بخش اثرات ہوں جو طلباً کے ذہنی نشوونما کےلئے لازمی ہیں اور علمی خیالات کے باہمی تبادلہ کے ذرائع موجود ہوں۔ طلبا یہ محسوس کریں کہ اس علمی ماحول میں علم و تحقیق کی ایک روح اجتماعی ان کے انفرادی مساعی کی محرک ہے۔

علمی رسالے

ایسے علمی رسالوں اور مجلوں کی اشاعت بھی ضروری ہے جو علمی زندگی کےحق میں ممد حیات ہوں۔ اس موقع پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان متعدد ماہواری اور سہ ماہی رسالوں اور مجلوں میں جو ملک میں ادبی سرگرمی اور بیداری پیدا کرنے میں کوشاں ہیں۔ بجز دو ایک رسائل کےکوئی اور علمی رسالہ اس معیار پر نظر نہیں آتا۔ اسکی سخت ضرورت ہے کہ سائینس اور علوم و فنون کے دیگر شعبوں میں بھی اس قسم کے رسالے نکلیں جو علمی مذاق کے وسیع کرنے میں کامیاب ثابت ہوں۔ معاشیات۔نفسیات وفلسفہ۔ طب جدید و تشریح زراعت و فلاحت کےشعبوں میں بھی خاص کر انکی ضرورت ہے۔

لکچرز

جامعہ کے پروفیسروں کی علمی خدمات صرف متعلمین کی حد تک محدود رہنے سے پبلک کو جامعہ کی علم گستری سے مستفید ہونے کا کم موقع ملتا ہے۔ اس کےلئے یہ ضروری ہے کہ جامعہ کی طرف سے بشرط فرصت ہر ہفتہ ایک نہ ایک لکچر پبلک کےلئے ترتیب دیا جائے جس کے ذریعہ علمی۔ ادبی اور دیگر مفید مباحث پر روشنی ڈالی جائے اور پبلک کے مذاق علمی کو استوار کرنے کی کوشش کی جائے۔ جیسا کہ فارسی زبان کےلئے ہمارے علم دوست داعی الاسلام آقا محمد علی پروفیسر نے ابتداً کی ہے اور برابر کام جاری ہے۔ ایسا انتظام یقیناً پبلک کی نظروں میں جامعہ کی وقعت اور سود مندی کو بہت بڑھا دیگا۔

معلمین اور متعلمین کے تعلقات

معلمین و متعلمین کے تعلقات باہمی بھی کیرکٹر کے بنانے اور سنوارنے میں بہت بڑا حصہ لے سکتے ہیں۔ معلمین کے خیالات اور برتاؤ کا غیر محسوس اثر۔ نوخیز متعلمین پر بہت جلد ہوتا ہے۔ قدیم مشرقی تعلیم میں متعلم اور معلم کا تعلق تقریباً خادم ومخدوم کا سا تھا۔ در حقیقت معلم اپنے شاگردوں کا مخدوم و محسن ہے۔ مگر دور جدید کی

ضرورتوں نے اس تعلق میں ایک ایسی ہمواری پیدا کی ہے جو آزادانہ تبادلہ خیالات کے لئے اور طلباء کے کیرکٹر کے بنانے میں زیادہ موزوں سمجھی جاتی ہے ۔ کلیات جامعہ کے اعلی مدارج میں معلم و متعلم کا تعلق زیادہ ہموار ہونا چاھئے ۔ نو عمر طبائع فطرتاً زیادہ تقلید پسند ھوا کرتے ھیں ۔ طلباء کی تقلیدی قابلیت کو مفید مطلب ڈھب پر لگانا اور انکے طبائع کو مناسب سانچہ میں ڈھالنا دانشمند معلمین کا فرض ہے ۔ اگر معلمین نے تعصبی اور ذہنی آزادی کے ساتھ ۔ قومی جذبات ۔ ملکی خصوصیات اور روایات کے برقرار رکھنے میں اچھی مثالیں قائم کریں گے تو ان کے مفید اثرات بھی طلباء پر مترتب ھونگے ۔ اس مقصد کے پورا ہونے میں بحالت موجودہ جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ غالباً جامعہ کےلئے مناسب عمارتیں اور دار الاقامہ کا نہونا ہے جسکی وجہ سے جامعہ کی علمی زندگی کے عناصر کچھ تو مفقود اور کچھ پراگندہ حالت میں ھیں ۔

دار الاقامہ اقامتی نظام تعلیم

اس نقص کے رفع کرنے کی تدابیر کو بعجلت تمام عملی جامہ پہنانا چاھئے ۔ درس دینے والے جامعات اور اقامتی جامعات میں یہی فرق ہے کہ اول الذکر جامعات میں معلمین اور متعلمین ایک دوسرے سے سرسری طور پر واقف ہوتے ھیں ۔ معلمین کی صحبت کے صحت بخش اثرات سے متعلمین زیادہ مستفید نہیں ہوتے ۔ اقامتی جامعات کا مطمح نظر ہی جداگانہ ہے جدید جامعات کی تنظیم آج کل اقامتی اصول پر ہو رہی ہے۔ یہ بات آج کل تعلیم یافتہ طبقوں میں عام طور پر محسوس ہو رہی ہے کہ امتحان دینا اور اسناد حاصل کرنا موجودہ تعلیمی ضروریات کےلئے بالکل ناکافی ہے ۔ یہ تو اوسی عہد گذشتہ کےلئے سزا وار تھا جبکہ تحصیل علم اور حصول اسناد کا منتہائے مقصد حصول ملازمت سمجھا جاتا تھا ۔ موجودہ تعلیم کا مقصد ایسی جماعتوں کا پیدا کرنا ہے جن میں ایثار نفسی کے مادہ کے ساتھ زیادہ تر آزاد پیشے اختیار کرنے والے ۔ علمی خدمات انجام دینے والے ہوں اور کچھ سرکاری خدمات کے ذمہ دارانہ فرائض کو انجام دینے والے افراد بھی ہوں ۔ دور حاضر کے جامعات کو وہ تمام اسباب فراہم کرنا چاھئے جو طلباء کو اس قابل بنائیں کہ وہ تہذیب نفس اور اصلاح معاشرت کے قابل بنیں اور سیاسی دنیا میں خود کو آزادانہ ملک اور قوم کے عالی حوصلہ خادم ثابت کریں ۔ اور ان پر انسان کامل کا وصف صادق آسکے ۔ عرصہ سے دکن میں تصوف کا اسکول قائم ہے جو کسرنفس ۔ ایثار اور مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور یہاں کی فضا میں ایسی تعلیم جامعہ کے ذریعہ باشندگان ملک کی ذاتی آمادگی کے لحاظ سے یقیناً کامیاب بھی ثابت ہوگی ۔

تعلیم نسوان

ہماری معاشرتی اصلاح کے اہم فرائض کی ادائی میں طبقہ نسوان کو بہت بڑا حصہ لینا ہے ۔ آج کل دنیا کے ہر حصہ میں نسوانی تعلیم کی ایسی سہولتیں پیدا کی جا رہی

ہیں کہ جامعات کی اعلی تعلیم کے تقریباً ہر شعبہ میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق مل رہے ہیں - یورپ کے جامعات میں بھی ایک زمانہ دراز تک عورتوں کو مردوں کے برابر شرکت کے حقوق حاصل نہیں تھے - انگلستان میں تو سنہ ۱۸۷۸ع یعنے گذشتہ صدی کے اواخر تک عورتوں کےلئے اعلی تعلیم کا سدباب تھا ھمارے ھاں ابتدائی اور وسطانی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوکر شائد تیس سال سے زاید عرصہ نہیں ہوا - فوقانی تعلیم کا بھی آغاز ہوکر گو ایک عرصہ ہوا مگر میں جہاں تک خیال کرتا ہوں وہ برسوں تک برائے نام رہی - مگر گذشتہ دس سال کے نتائج کے لحاظ کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترقی کی رفتار امید افزا ہے - حال ھی میں نام پلی زنانہ کالج میں بی - اے تک تعلیم کا انتظام بھی ہوچکا ہے - تعلیم نسوان کی سست رفتاری کے میری دانست میں دو وجوہ ہیں -

۱ - ملک میں تعلیم نسوان کی ضرورت کے احساس کا فقدان اور رائے عامہ کی نا واجبی مخالفت -

۲ - ایک ایسے نصاب تعلیم اور نظام تربیت کا نہونا جسمیں ہمارے ملک اورقوم کی ذہنی اور معاشرتی خصوصیات کا کافی طور پر لحاظ ہو -

نسوانی تعلیم میں تعلیم انتظام خانہ داری اور فنون لطیفہ کو وسعت دینا چاہئے اور اسکے ساتھ مذہبی تعلیم کا بھی سلسلہ رہے - خانگی زندگی معاشرت اور تمدن کی پہلی منزل ہے - اس میں عورت اور مرد کے حقوق اور اختیارات یکساں نہیں ہیں - عورت کو ہر اعتبار سے اس میں فوقیت حاصل ہے - کیونکہ تہذیب معاشرت اور تدبیر منزل میں عورت کی ذمہ داری نسبتاً مرد سے زیادہ ہے - ہماری معاشرت کی بعض خامیاں اور خرابیاں جو جہل کی تاریکی اور توہمات سے پیدا ہوئی ہیں قابل استیصال ہیں - اس کےلئے عورتوں کی ذہنیت کی تربیت بھی لازمی ہے - مگر طبقہ نسوان کی ذہنیت کی تربیت یا اونکے علمی جمود و سکون کو مٹانے میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لینا چاہئے - کیونکہ ذہنی تربیت کے ساتھ ان اعلی حسیات - خصوصیات اور روایات کا برقرار رکھنا بھی نہایت ضروری ہے - جن سے ہندوستانی نسوانیت کی روح زندہ ہے - ہندی خواتین اعلی تعلیم پائیں - ہر شعبہ علم وفن میں مردوں کے برابر رہیں - مگر ساتھ ھی اسکے ہندی نسوانیت کی خصوصیات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں - غیر اقوام کی کورانہ تقلید ہندیوں کی مفلس مشرقی قوم کے حق میں خودکشی ہے - عورتیں مردوں سے زیادہ ذکی الحس ہیں اس مناسبت سے ان کی اعلی قابلیتوں کو سنوارنے کا بہترین ذریعہ فنون لطیفہ کی تعلیم ہے -

میں نے اپنے خیالات اور مشوروں کے اظہار میں آپ سب کا بہت وقت لیا - تقسیم اسناد کے سلسلہ میں سال حال نواب حیدر نواز جنگ بہادر کا نام بھی ہے - حیدر نواز جنگ بہادر سرکار آصفی کے ایک مقتدر اور دیرینہ عہدہ دار ہونے کے علاوہ

جامعہ عثمانیہ کی مجلس اعلیٰ کے رکن رکین اور جامعہ کے روح رواں ہیں حیدرآباد میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا مسئلہ مختلف مقاصد کے تحت تقریباً نصف صدی سے سرکارعالی کے پیش نظر رہا ہے ۔ سنہ ۱۸۸۴ع میں مسٹر بلنٹ نے حضرت غفران مکان کے نام ایک مکتوب میں ایک محمڈن یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ پیش کیا تھا جو ایک تصویر خیالی کی طرح طاق نسیان میں رہ گیا ۔ بعد ازاں میرے زمانہ مدار المہامی میں جبکہ پنجاب یونیورسٹی سے دار العلوم کے عدم الحاق کی وجہ سے امیدواران امتحان کےلئے گوناگون مشکلیں پیدا ہوگئی تھیں جنکو رفع کرنے میں بعض علماء جیسے ڈاکٹر اگھورناتھ اور علی حیدر صاحب طباطبائی نے اپنے طور پر عملی حصہ بھی لیا تھا مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم نے دار العلوم کی ترقی کے سلسلہ میں ایک یونیورسٹی کے قیام کی اسکیم بڑی محنت سے تیار کی تھی اور میں نے عبد الحلیم صاحب شرر اور مولوی شبلی نعمانی کو اس کام کےلئے طلب بھی کیا تھا ۔ مگر تحریک جامعہ عثمانیہ کا وجود میں آنا دور عثمانی کے لئے مشیت نے مخصوص رکھا تھا ۔ اس مہتم بالشان کام کے انجام دینے میں نواب حیدر نواز جنگ بہادر اور انکے معاونین نے قابل قدر سعی کی ۔

نواب حیدرنواز جنگ بہادر ایک علم دوست علم پرور فاضل ہیں ۔ ہندوستان کے مختلف علمی حلقوں میں آپ عملی حصہ بھی لیتے رہے ہیں جسکی وجہ سے دور حاضر کے سربرآوردہ مصلحین تعلیم میں آپ کا شمار ہوتا ہے ۔ ایل ۔ ایل ۔ ڈی کی ڈگری عطا کرکے جامعہ عثمانیہ آپ کی علمی شغف کا اعتراف کرتی ہے ۔ مگر آپ نے جامعہ کی خدمت جس دلسوزی اور انہاک سے کی ہے اس کا اعتراف صرف وہ شہرت کرسکے گی جسکی بدولت آپ کا نام جامعہ عثمانیہ کی تاریخ کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہےگا ۔ میں نہایت مسرت کے ساتھ نواب حیدر نواز جنگ بہادر کو ایل ۔ ڈی کی اعزاز پرمبارکباد دیتا ہوں ۔

اس خطبے کے اختتام سے پہلے مجھے چند باتیں طلیسانین کو مخاطب کرکے کہنی ہیں ۔

اے طلیسانین و فرزندان جامعہ ۔ میں آپ کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں جس سے آج آپ کو علمی امتیازات حاصل ہوئے ۔ میری دلی تمنا ہے کہ زندگی کے ہر جد و جہد میں آپ کو کامیابی کے اعلیٰ مراتب نصیب ہوں ۔ مراحل زندگی کو وہی لوگ کامیابی کے ساتھ طے کرسکتے ہیں جو میدان عمل کے تنازع للبقا میں اطمینان قلب اور اخلاقی جرات سے مزاحم کا مقابلہ کریں ۔ جامعہ کی تعلیم نے آپ کے ذہنی اور اخلاقی قوی کی تربیت کی ہے ۔ اب آپ کا کام ہے کہ ان تربیت یافتہ قابلیتوں کی مدد سے زندگی کے ہر دائیرہ عمل میں کامیابی حاصل کریں ۔

تحصیل علم کے بعد سب سے پہلی فکر جو نوجوانوں کو دامنگیر ہوتی ہے وہ تلاش ذریعہ معاش ہے ۔ افسوس ہے کہ اب بھی اکثر تعلیم یافتہ نوجوان حصول ملازمت ہی کو بہترین معاشی ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ جب اپنی کوششوں سے ناکامیاب ہوکر

همت ھا رتے ھیں تو انکو خیال ھوتا ھے کہ ان کی ساری علمی محنت رائیگاں ھوئی ۔ میری دانست میں وہ سراسر غلطی پر ھیں ۔ تعلیم انسان کو ان کو ان تمام قوتوں سے جن کی تربیت ھوئی ھے کام لینے کا طریقہ سکھاتی ھے ۔ اگر کوئی سمجھے کہ تمام قوتوں کا مصرف ایک ھی طرف ھوسکتا ھے تو اوسکی عملی قابلیت محدود اور مطمح نظر پست ھے ۔ پیدائش دولت کا سب سے بڑا ذریعہ محنت ھے جو شخص اپنی محنت کو کسی راستے اور ٹھکانے لگانے کا سلیقہ رکھتا ھے اوس کو دنیا کبھی تنگ و تاریک نظر نہیں آسکتی ۔ اور نہ وہ پست همت ھوتا ھے ۔ ھمارے ملک میں پیدائش دولت کے قدرتی اسباب وافر ھیں ۔ صرف صنعتی و زراعتی تعلیم کے نہ ھونے اور سرمایہ دار اھل ملک کی عدم توجہی اور کم ھمتی سے افلاس زیادہ نمایاں ھے ۔ دنیا میں محض چھوٹے ممالک ایسے ھیں جہاں پیدائش دولت کے قدرتی اسباب محدود یا تقریباً مفقود ھیں ۔ مگر اھل ملک کی محنت سلیقہ اور کاروباری تنظیم کی بدولت وہ ممالک متمول ھیں ۔ یورپ میں ڈنمارک اور ھالینڈ ھی کی مثال لیجئے کہتے ھیں وھاں معدنی پیدا وار تقریباً مفقود ھے ۔ مگر دانشمند اھل ملک نے زراعتی ترقیوں کی بدولت ان کو ایسا بنایا کہ ڈنمارک اور ھالینڈ دوسرے مساوی رقبہ کے یورپین ممالک سے زیادہ متمول ھیں ۔ آپ کو چاھئے کہ کسی کام یا پیشے کو باعث ننگ و عار نہ سمجھیں ۔ ھر ایک پیشہ بلحاظ اسکے کہ وہ تمدنی ضروریات کو پورا کرتا ھے باوقعت و قابل احترام ھے ۔ قدیم ھندوستان میں ذات پات کی تقسیم سے پیشوں کی تخصیص بھی ھوگئی تھی ۔ تمدنی مصالح کی بناء پر کسی زمانے میں ایسی تقسیم شاید اچھی تھی ۔ مگر موجودہ زمانے میں کوئی تعلیم یافتہ شخص کسی پیشے کو ذلیل نہیں سمجھتا ۔ ناخواندہ جاھل اشخاص کوئی پیشہ اختیار کرتے ھیں تو اپنی اخلاق کمزوریوں کی وجہ سے اس پیشے کو بھی دوسروں کی نگاھوں میں ذلیل کرتے ھیں ھر پیشہ ور کو چاھئے کہ وہ فنی معلومات رکھے کام سے دلچسپی اور اسکو کامیابی کے ساتھ چلانے کا سلیقہ رکھے دغا فریب وعدہ خلافی کی اخلاقی کمزوریوں کو اپنے میں نہ ھونے دے ۔ ایک تعلیم یافتہ پیشہ ور میں سب خصائل با حسن وجوہ جمع ھوسکتے ھیں ۔

اے نوجوانوں

آپ سے ملک کی توقعات وابستہ ھیں ۔ ملک و قوم کی مدد آپ اسی وقت کرینگے جب اپنی آپ مدد کریں ۔ وہ نوجوان نہیں ھیں جو اپنے پیروں پر آپ کھڑے نہیں رہ سکتے اور دوسروں کا سہارا ڈھونڈھتے ھیں ۔ آپ کو چاھئے کہ اس علمی مذاق اور دلچسپی کو جو جامعہ کی تعلیم نے آپ میں پیدا کی ھے کسی حال اور کسی مجبوری میں ترک نہ کریں ۔ علم ھی وہ چراغ ھدایت ھے جسکے بغیر شاھراہ عمل میں عقل و تدبیر کی رھبری بھی بیکار ھے ۔ یہی وہ خزینہ ھے جو لاتعداد دلچسپیوں کے سامان آپ کے لئے فراھم کریگا ۔

آخر میں خاص طور پر آپ سے میری یہ بھی توقع ہے کہ آپ قوائے جسانی کی ترقی کو بھی ہمیشہ اپنی مساعی میں داخل رکھیں کہ اچھے قوائے جسانی پر علمی ادبی اور ملکی خدمات کا پورا انحصار ہے کہ بقول کسی کے تندرست جسم مانند ایک معبد کے ہے جس میں پاک روح اور پاک خیالات رہتے ہیں -

اب میں اپنے آقائے ولی نعمت کے حق میں دست بدعا ہوتا ہوں جس کے شاہانہ التفات سے جامعہ عثانیہ کی علمی زندگی برقرار ہے اور ہمیشہ رہے گی - ہارا مالک حقیقی اپنا ظل رحمت ہارے مالک مجازی کی صورت میں ہارے سروں پر تا دیر قائم رکھے -

ضمیمہ پنجم

فہرست تصانیف

نام	سنہ تالیف و اشاعت	توضیح
۱۔ لطایف بے نظیر	سنہ ۱۳۰۲ھ	بظاہر مہا راجہ مرحوم کا پہلا علمی کام ہے کسی فارسی کتاب سے اردو ترجمہ فرمایا ہے اور آج بھی اخلاقیات کے متعلق بلالحاظ مذھب و ملت بہترین درسی کتاب وسطانی مدارس کے طلباء کےلئے ھوسکتی ہے ۔
۲ ۔ باغ بہار عجیب	سنہ ۱۳۰۲ھ	یہ اردو سے فارسی میں ترجمہ کی گئی ہے طبع
۳ ۔ سرمایہ سعادت	سنہ ۱۳۰۲ھ	ہونے کا ذکر مہا راجہ مرحوم کے خودنوشتہ تذکرہ اردو میں دو بھائیوں کا قصہ ہے جس میں ایک خوانده دوسرا ناخواندہ ہے دونوں کی طرز معاشرت اتفاق و نفاق کا نتیجہ دکھلایا گیا ہے انکی طباعت کا اورکسی اھل زبان کی نظر میں پہونچنے کا اور یوں ھی طبع کرادینے کا ذکر ہے یہ دونوں رسالے نظر سے نہیں گزرے ھیں ۔
۴ ۔ ارض الرمل	سنہ ۱۳۰۷ھ	فن رمل میں تالیف کی گئی اپنی خود نوشتہ سوانح حیات میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ استاد رمل درویش علی شاہ صاحب کے انتقال سے نا تمام رہ گئی تکملہ کرکے ناظرین کی خدمت میں پیش کروں گا ۔
۵ ۔ فسانۂ شیدا		پہلا افسانہ اور دوسرا درویشان عارفین کے
٦ ۔ بزم عشاق		حالات میں رھنا اور زیر تالیف ہونے کا تذکرہ مہا راجہ مرحوم نے کیا ہے ۔ یہ تینوں رسالے غیر مکمل رہے اور شائع نہ ہوئے نہ مسودہ نظر سے گزر سکا ۔

نام	سنہ تالیف واشاعت	توضیح عالی
۷ - شکار شیر		اپنی جاگیر میں اپنے شکار شیر کے واقعات کو روز نامچہ کی صورت میں مرتب کیا رسالہ حسن میں طبع ہوا ہے علاحدہ شائع ہونے کا پتہ نہ چلا - اس لئے مہا راجہ مرحوم کے سنجیدہ مذاق اور نوجوانی سے ہی سنجیدگی پر روشنی پڑتی ہے -
۸ - باغ شاد	۱۳۰۸ھ	پہلا دیوان مہاراجہ کی اردو شاعری کا شائع ہوا ہے طباعت کے لحاظ سے تاریخی نام ہے - آخر میں تقاریظ کا معتدبہ حصہ ہے جو قدیم اردو تالیفات کے متعلق رواج کی بناء پر مہاراجہ کے متوسلوں نے لکھے ہیں -
۹ - ارمغان زیبا یے نذر سلطان	سنہ ۱۳۱۲ھ سنہ ۱۸۹۹ع	ایک شاہزادے میر غلام عبد القادر علی خاں حضرت غفران مکان کے مشکوئے معلی میں پیدا ہوئے اونکی تہنیت میں صفت توشیح میں قصیدہ وغیرہ بارگاہ شاہی میں گزرانا گیا صفت توشیح کو بھی ملحوظ رکھا گیا تھا اس کی طباعت ہوئی ہے -
۱۰ - گلبن تاریخ	سنہ ۱۳۱۲ھ	مدح شاہی سالگرہ مبارک کی تقریب میں
۱۱ - روضہ شریف	سنہ ۱۳۱۴ھ	لارڈ لٹن کے استقبال کے لئے بطور نمایندہ شاہی اونکے روضہ شریف الورا دولت آباد کی سیر کے وقت روانہ کردئے گئے تھے - مہا راجہ نے ان تینوں مقاموں کے حالات باختصار بڑی خوبی سے لکھے ہیں پہلے دبدبہ آصفی میں طبع ہوا پھر کتابی صورت میں بھی علاحدہ طبع ہوا ہے -
۱۲ - نذر شاد	سنہ ۱۳۱۶ھ	شکار شیر میں کامیابی پر ذات شاہانہ کو عرض تہنیت اور تاریخیں - اردو نظم میں طبع ہوا ہے -
۱۳ - نسیم سحر	سنہ ۱۳۱۶ھ	واپسی سفر شکار پر حضرت غفران مکان کا خیر مقدم اردو نظم میں -
۱۴ - صبح امید	سنہ ۱۳۱۷ھ	سفر کلکتہ سے واپسی حضرت غفران مکان پر

نام	سنه تالیف و اشاعت	توضیح عالی
		خیر مقدم اردو نظم میں ۔
۱۵ ۔ شکار شیر شاهی	سنه ۱۳۱۷ھ	مامڑ پلی جاگیری موضع میں حضرت غفران مکان شکار شیر کے لئے رونق افروز ہوئے تفصیلات نزول اجلال مہا راجه نے لکھے اور شائع کرائے ھیں مگر نظر راقم نہیں سے گزرے ۔
۱۶ ۔ رقعات شاد	سنه ۱۳۱۸ھ	مہا راجه کے معروضوں اور مکتوبات کا انتخاب جو اونکے فرزند راجه چندا پرشاد مرحوم نے پنڈت رائے ناتھه کے اهتمام سے شائع کرانا شروع کیا مگر اونکی موت کے بعد طبع ہو کر شائع ہوا راجه چندا پرشاد کا دیباچه اور مہا راجه کی تقریظ غم متاثر کرتی ھے رقعات خود مہا راجه کی طرز تحریر اور جذبات احساسات کا بہترین مرقع ھیں ۔
۱۷ ۔ سپاس نامه		اس نام کی کتاب کا ذکر بھی مہا راجه مرحو کے تالیفات میں ھے سنه ۱۳۱۶ھ حضرت غفران مکان کی سالگره پر جو سپاس نامے گزرانے اور شاھی تقاریر مجموعه نور افشان کے نام سے شائع ہوا ھے اور اسکے متعلق رقعات شاد میں نواب سر امین جنگ بہادر کا موسومه مکتوب مہا راجه بہادر ھے جس میں ایک سپاسنامه و تقریر شاھی کی نقل طلب کی گئی ھے غالباً وھی مجموعه کی طرف اشاره ھے اسکو پچاس سال قبل دیکھا گیا ھے اوس وقت کے وفا داری رعایا اور رعایا نوازی پر بہترین روشنی پڑتی ھے اب نایاب ہو گیا ھے ۔

ماه نامه دبدبه آصفی و گلدسته محبوب الکلام کی اشاعت کو مہا راجه مرحوم نے سنه ۱۳۱۶ھ میں آغاز کی مہا راجه کے مضامین غزلوں کی اشاعت بھی اسکے ذریعه ہوتی رھی ھے ۔

نام	سنہ تالیف و اشاعت	توضیح عالی

تالیفات مطبوعہ دور مدار المہامی

نام	سنہ تالیف و اشاعت	توضیح عالی
۱۸ - ارمغان وزارت	سنہ ۱۳۲۰ھ	سرفرازی مدار المہامی کے بعد شائع ہوئی ہے نظر سے نہ گزری ہے غالباً جمع و طبع کرایا گیا ہے ۔
۱۹ - سفر دو ہفتہ	سنہ ۱۳۲۰ھ	اپنے فرزند راجہ محبوب پرشاد کے انتقال پر ملال پر تسکین طبیعت کے لئے اورنگ آباد و ناندیڑ گئے سرکاری دفاتر کا معاینہ کیا اوس کو بطور سفر نامہ شائع کیا بیٹے کے انتقال پر اپنے تاثرات بھی بڑے سوز و گداز کے ساتھ درج کئے ہیں ۔
۲۰ - مطلع خورشید	سنہ ۱۳۲۰ھ	ناول کے طور پر جس میں حیدرآبادی امراء
۲۱ - چنچل نار	سنہ ۱۳۲۱ھ	کی معاشرت اور زندگی کی توضیح ہے ۔
۲۲ - ریپیچ افتتاح محبوب گنج نظام آباد		دورہ کے موقع پر گنج کا افتتاح کرتے ہوئے جو تقریر فرمائی ۔
۲۳ - آزادی		اس میں پیش روی نظم و نسق اور صنعت و
۲۴ - ضلع جگت	سنہ ۱۳۲۳ھ	حرفت وغیرہ کے لئے معاشرتی ثقافتی اصلاح کے متعلق اپنے مرکوزات کو واضح کیا ہے کتاب ضلع جگت یا ادبیات اردو کے لئے مواد ضلع جگت کسی زمانہ میں اردو ادبیات ولطف سخن کے لئے مروج تھا ۔
۲۵ - مثنوی حسن و عشق فارسی	سنہ ۱۳۲۴ھ	مہا راجہ مرحوم کے اردو مقدمہ کے ساتھ ۔
۲۶ - نغمہ شاد	سنہ ۱۳۲۵ھ	ہندی کلام مہا راجہ مرحوم اردو فارسی کلام کے ساتھ ۔
۲۷ - جذبات شاد	سنہ ۱۳۲۷ھ	اپنے معتقد مسلمان ہندو درویشوں کا تذکرہ اور اپنے خیالات و جذبات درویشوں سادھوؤں کے متعلق ۔
۲۸ - موتیوں کی لڑی		حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال کا ترجمہ اردو ۔

نام	سنہ تالیف و اشاعت	توضیح عالی
۲۹ - خمکدۂ رحمت	سنہ ۱۳۲۷ھ	نعتیہ شاعری میں تاریخیں جو مختلف مواقع پر کہی گئی ہیں -
۳۰ - شگوفہ بہار	سنہ ۱۳۲۷ھ	عطایائے حضرت غفران مکان پر مداحی
۳۱ - بزم خیام	سنہ ۱۳۲۷ھ	بطور ناول تین جلدوں میں حیدرآبادی امراء کی معاشرت و ثقافت کا مرقع -
۳۲ - فرحت کدۂ آفاق اسی زمانہ کا ہے		عشرت کدۂ آفاق تالیف مہا راجہ چندولال کا ترجمہ مترجمہ راجیشور راؤ جو مہا راجہ کے نام معنون ہوا اور مہا راجہ کے شائع ہوا۔
۳۳ - کلیات شاداں	سنہ ۱۳۲۷ھ	مہا راجہ چندو لال کا دیوان مہا راجہ کے پیش لفظ کے ساتھ جس میں مہا راجہ چندولال کے حالات بھی درج ہیں دلچسپ کتاب ہے حیدرآبادی ثقافت نظم و نسق حکومت پرجو اوس زمانہ میں تھا روشنی ڈالی گئی ہے -
۳۴ - ایک سفر نامہ	سنہ ۱۳۲۹ھ	کرنل پنھے رزیڈنٹ آنے کے قبل بوجہ علالت مزاج تبدیل آب و ہوا کے لئے کوئی مختصر سفر کیا تھا اسکے حالات اور اپنی طرز زندگی و جذبات کی اوس میں توضیح کی ہے اونکے سفر ناموں میں یہ بڑا دلچسپ ہے مگر اب دستیاب نہیں ہوا ہے -

سرکاری دورہ کی رپورٹیں اور سفر نامے بھی مرتب ہوئے ہیں - دھلی دربارزمانہ لارڈ کرزن اور والٹیر وغیرہ کے سفر کے حالات بھی مرتب ہیں یہ دستیاب نہ ہوئے -

سبکدوشی مدارالمہام کے بعد کے تالیفات

۳۵ - مجموعہ مناجات		اپنی پریشانیوں کا تذکرہ نظم میں -
۳۶ - سیر ناگپور	سنہ ۱۳۳۱ھ	اپنے فرزند راجہ عثمان پرشاد کی علالت شدید سے ناگپور تک پریشانی میں نکل گئے جہاں بابا تاج الدین صاحب مجذوب و درویش منش سے سے ملاقات ہوئی سفر کے حالات اور مذھب کے متعلق تبصرہ موجود ہے - اس کتاب کی طباعت سوم بنام ” آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش

نام	سنہ تالیف و اشاعت	توضیح عالی
		میں ،،خواجہ حسن نظامی صاحب کے ذریعہ ہوئی ہے۔
۳۷ - رباعیات شاد مع قطعات تاریخی	سنہ ۱۳۳۳ھ	حضرت بندگان عالی کے جلوس اورسبکدوشی مدار المہامی کے بعد جو شاعری مدح وعرض حال میں کی ہے وہ بڑی اہمیت اور حقیقی جذبات کی حامل ہے۔
۳۸ - سیر پنجاب	سنہ ۱۳۳۳ھ	
۳۹ - سیر سفر	سنہ ۱۳۳۴ھ	ہندوستان کا سفر
۴۰ - جام جہاں نما	سنہ ۱۳۳۵ھ	ہندوستان کا سفر
۴۱ - ماتم حسین	سنہ ۱۳۳۶ھ	مرثیہ حضرت امام حسین علیہ السلام
۴۲ - مخزن القوافی	سنہ ۱۳۳۶ھ	قافیہ کے لئے مترادف الفاظ کا مجموعہ ادبی شاعرانہ تالیف۔
۴۳ - مثنوی آئینہ وحدت	سنہ ۱۳۳۷ھ	اپنے مذہبی خیالات کے متعلق توجیہہ نظم میں۔
۴۴ - مثنوی سوجود	سنہ ۱۳۳۸ھ	مذہبی خیالات اور فلسفہ آفرینش نظم میں۔
۴۵ - نظم دو سینہ	سنہ ۱۳۳۸ھ	مدح خواجگان چشت نظم اردو میں۔
۴۶ - مثنوی آئینہ وجود	سنہ ۱۳۳۸ھ	حمد و نعت نظم فارسی
۴۷ - آشوب عظیم	سنہ ۱۳۳۸ھ	پہلی جنگ یورپ کے اختتام پر۔
۴۸ - قومی سندر	سنہ ۱۳۳۹ھ	قومی سندری قومی ترقی و اتحاد پرخیالات نثر اردو میں۔
۴۹ - نعرۂ مستانہ	سنہ ۱۳۴۰ھ	مناجات اپنے مقاصد قلبی و انقلاب عالم پر نظم اردو۔
۵۰ - عرض حال	سنہ ۱۳۴۰ھ	اپنے تفکرات پر۔
۵۱ - رن بیر	سنہ ۱۳۴۰ھ	شجاعان راجپوت پر مضمون۔
۵۲ - روزنامچہ شہر گلبرگہ	سنہ ۱۳۴۱ھ	گلبرگہ وغیرہ کا سفر۔
۵۳ - جمال یار	سنہ ۱۳۴۱ھ	مولوی جمال الدین کی عرضی کسی کے تعاون کے لئے مع جواب مہا راجہ بہادر۔
۵۴ - جذبہ قومی	سنہ ۱۳۴۱ھ	قومی نظم اسلاف کی تعریف میں۔
۵۵ - رباعیات شاد		
۵۶ - بیاض شاد	سنہ ۱۳۴۲ھ	کلام اردو
۵۷ - ناوک غم	سنہ ۱۳۴۳ھ	مرثیہ حضرت امام حسین علیہ السلام۔
۵۸ - وظائف الشاد	سنہ ۱۳۴۳ھ	پیران طریقت سے اجازت شدہ عربی وظایف معہ ترجمہ اردو۔

نام	سنہ تالیف و اشاعت	توضیح عالی
۵۹- تفریح شاد	سنہ ۱۳۴۳ ھ	سفر اورنگ آباد
۶۰- پریم درپن	سنہ ۱۳۴۵	قومی نظم اردو

مکتوب بعد صدارت عظمی

۶۱ - جلوہ کرشن	سنہ ۱۳۴۷ ھ	سری کرشن جی کے متعلق نظم اردو -
۶۲ - آئینہ عقیدت	سنہ ۱۳۵۲ ھ	جلوس عثمانی کے بعد تہنیت و تشکر نظم اردو -
۶۳ - مرثیہ طباطبائی	سنہ ۱۳۵۲ ھ	حیدر یار جنگ مرحوم طباطبائی کا مرثیہ -
۶۴ - قربانی	سنہ ۱۳۵۲ ھ	قربانی گائے کے متعلق آصفی فرمانرواوں کا طریقہ عمل -
۶۵ - رباعیات شاد	سنہ ۱۳۵۲ ھ	اردو نظم -

سنہ معلوم نہ ہوا مگر غالباً اسی دور کی ہیں

۶۶ - نوحہ شاد		مرثیہ محرم شریف -
۶۷ - خمار شاد		اردو فارسی نظمیں ہندو مسلم اتحاد کے لئے دعا -
۶۸ - سور بہ کاشی		وحدت مذاہب پر اردو مضمون -
۶۹ - دین متین		حضرت امام حسین علیہ السلام اور خلافت راشدہ پر خیالات -
۷۰ - نامہ منظوم		ہندو مسلم اتحاد اور اکابرین کے متعلق اردو نظم -
۷۱ - کرشن کلا		ہندو مسلم اتحاد اردو مضمون -
۷۲ - گیان درپن		تصوف اور صوفیوں کے متعلق مضمون -
۷۳ - جواب باصواب		کسی گمنام خط کے مندرجہ شکایات کا جواب
۷۴ - رین بسیرا		خواجہ حسن نظامی صاحب کے مکان کے متعلق نظم
۷۵ - نور چشم نور		اپنے زمانہ کے بعض تاریخی واقعات اور اپنے نانا کی تربیت پر جو اونکی اہم معلومات اور خیالات پر تحریر فرماتے ہیں -
۷۶ - دیوان سنجر		مہا راجہ مرحوم کے پیش لفظ کے ساتھ -

صدارت عظمی کے دور میں متعدد ماہناموں کی خصوصی اشاعتوں کا خاص مضامین اکابر رجال ملک کے حالات اور مغلیہ ثقافت اور قومی اتحاد پر تحریر فرمائے اور شائع بھی ہوئے زمانہ صدارت عظمی کی رپورٹ ہائے دورہ و تقریریں بھی بہت ھی شائع ہوئیں سفر کے روز نامچے بھی لکھے ہوئے ہیں جو شائع نہ ہوئے۔ ان سب کو ملانے سے انکے مقالات و تالیفات کی تعداد کم و بیش ایک سو تک ہو جاتی ہے۔

تصاویر



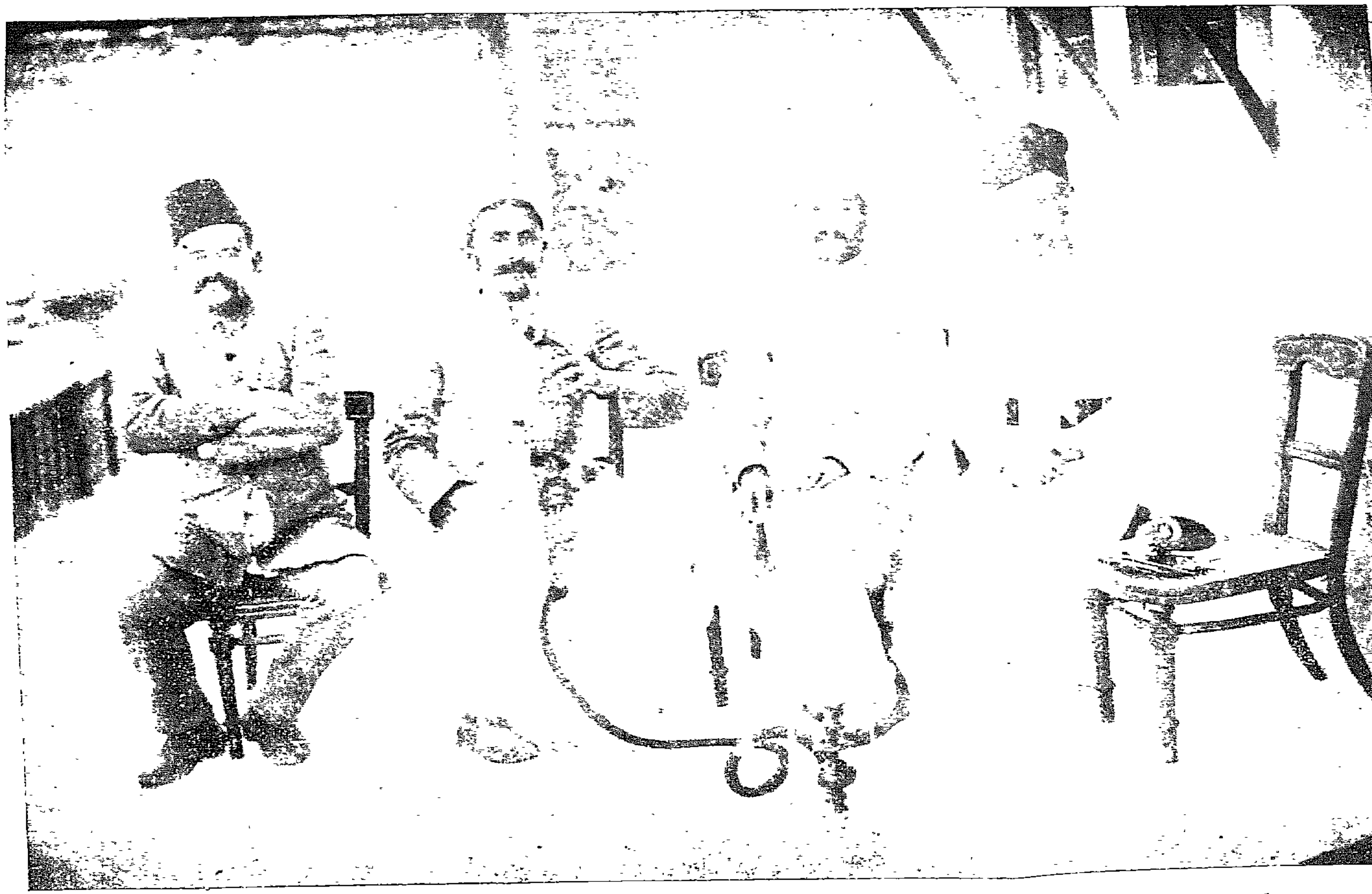
مہا راجہ چندو لال



راجہ نارائن پرشاد سہا راجہ نرندر بہادر



مها راجه سر کشن پرشاد یمین السلطنه شاد



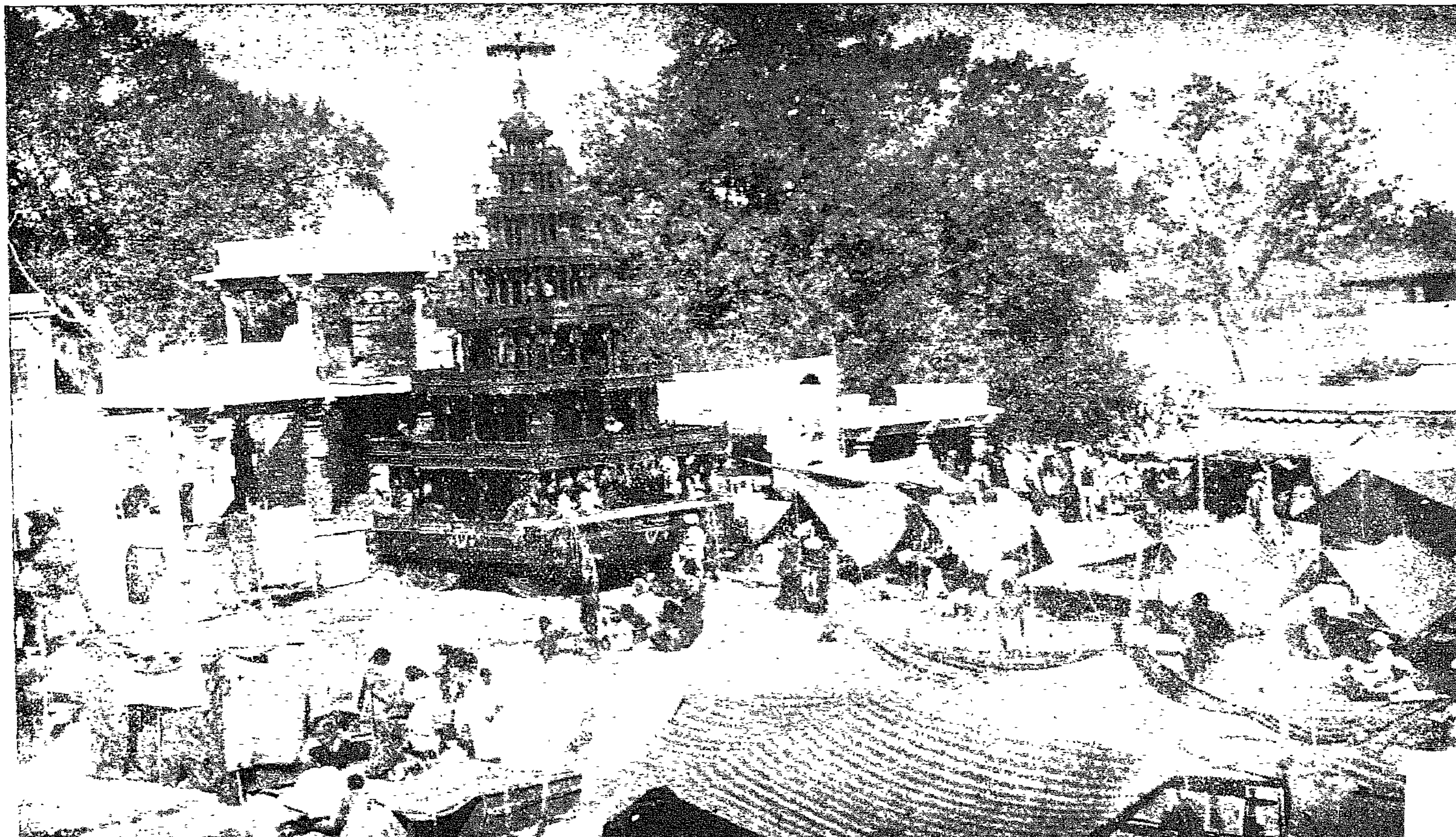
راجہ کشن برشاد بحیثیت پیشکار وزیر افواج پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ساتھ یہ تصویر اُس زمانہ کی ہے جبکہ راجہ کشن پرشاد ادبی سرگرمیوں علمی مشاغل میں منہمک ہیں



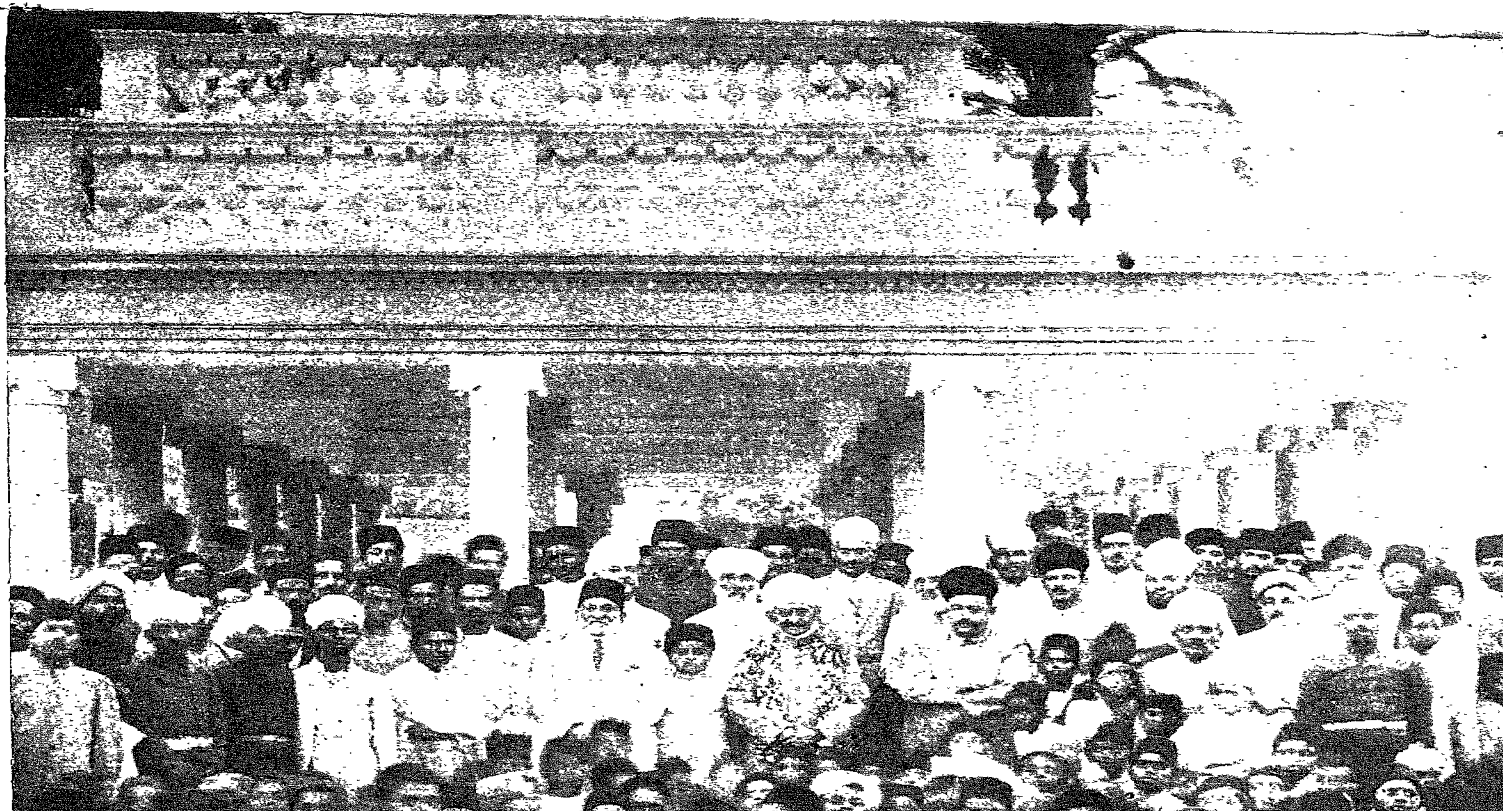
مہا راجہ کشن پرشاد مدار المہامی پر تقرر کے وقت



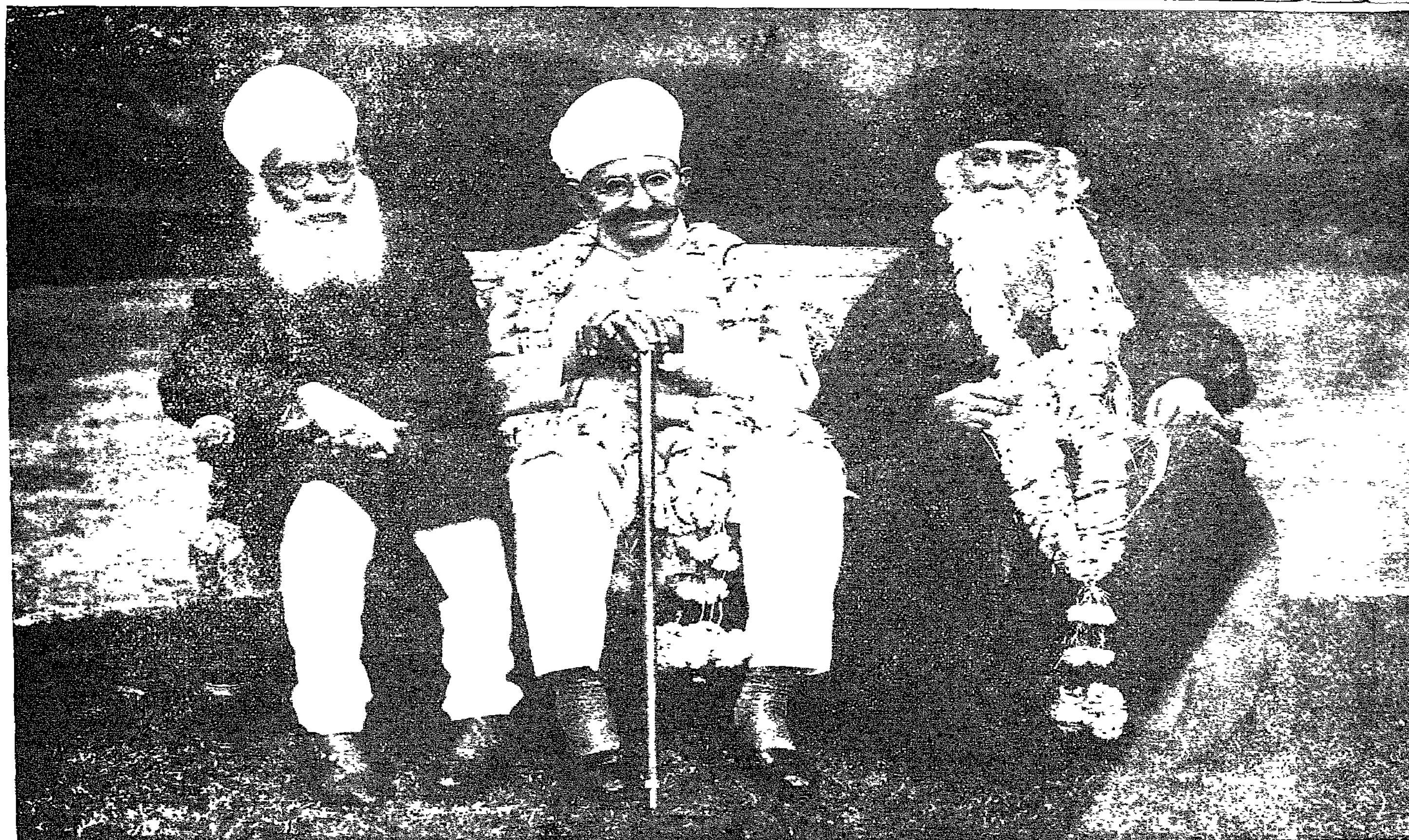
میر محبوب علی خان غفران مکان کے ساتھ شکار گاہ میں
مہا راجہ کے دو فرزند ایک غفران مکان کے پیچھے کھڑے ہیں دوسرے غفران مکان کی گود میں



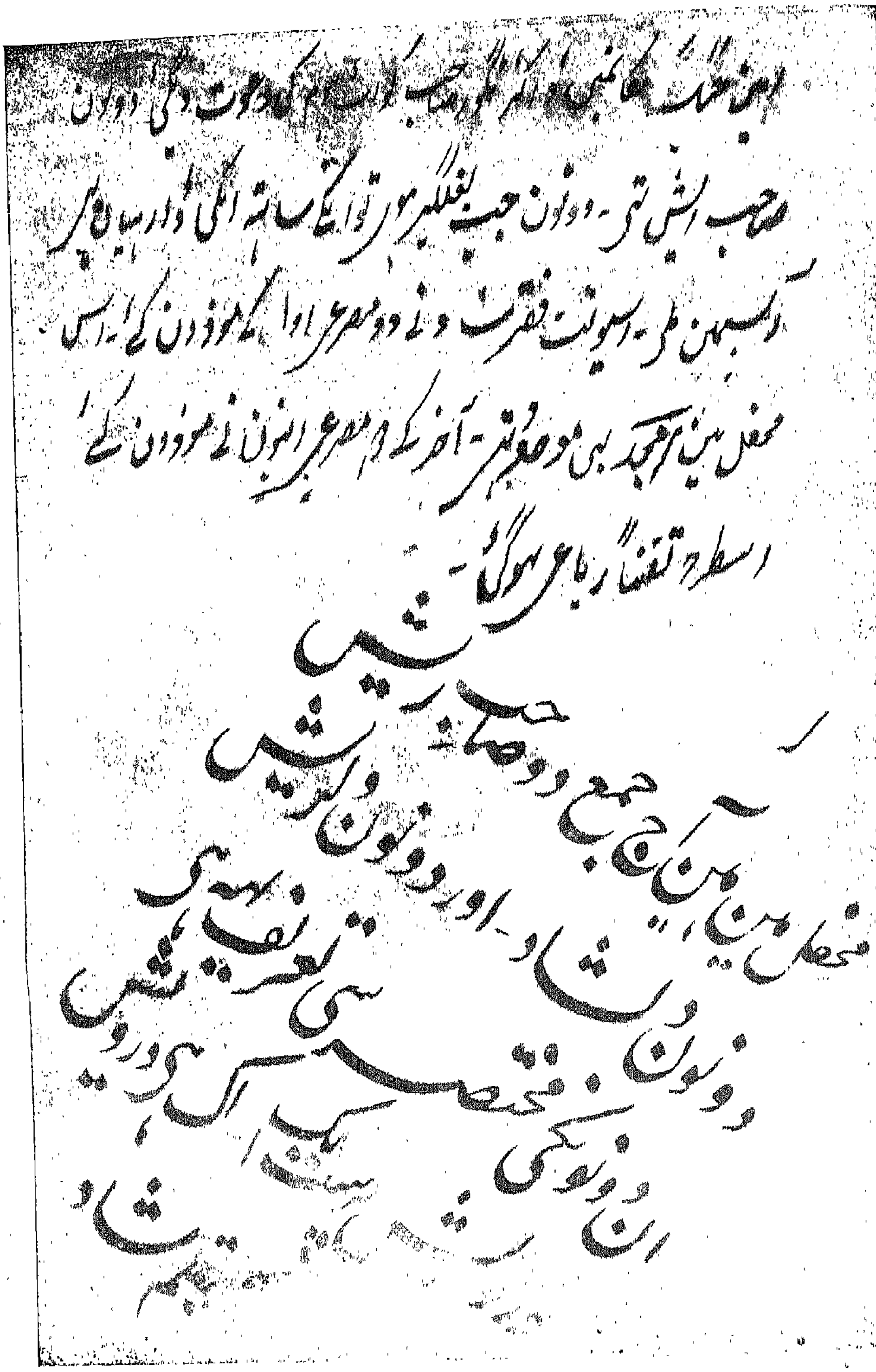
الوال کی مشہور جاترا جس میں مہا راجہ بہت دلچسپی لیتے تھے



مہا راجہ نے اپنی اقتداری رقم سے شہر میں بیسیوں کام کرائے جن میں قابل ذکر لیڈیز کلب مقابل بشیر باغ وائی - یم - سی - اے نارائن گوڑہ صدر جمعیت اتحاد امداد باہمی کی عمارت عورتوں کے لئے حمام بچوں کے متعدد بازی گاہ اور بارہ دریاں ہیں یہ تصویر مغلپورہ کے بازی گاہ اور بارہ دری کی ہے



ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹاگور - مہا راجہ کشن پرشاد - سر احمد حسین امین جنگ


[illegible] صاحب [illegible] کی دعوت دلی دروازہ
صاحب ریش تھے - دونوں جب بغلگیر ہوئے تو ایک ساتھ انکی داڑھیاں آپس
میں ملیں - اس وقت [illegible] نے دو مصرعے ادا کئے موزوں کئے - اس
محفل میں [illegible] بھی موجود تھے - آخر کے دو مصرعے انہوں نے موزوں کئے
اس طرح تقاضا رباعی ہو گیا -
[illegible] دو صاحبان ریش
محفل میں آپس میں جمع دونوں ریش
[illegible] اور دونوں بھی تعریف
دونوں [illegible] ریش
[illegible]

اس قطعہ کی وجہ تصنیف خود سہا راجہ نے اپنے قلم سے لکھدی ہے



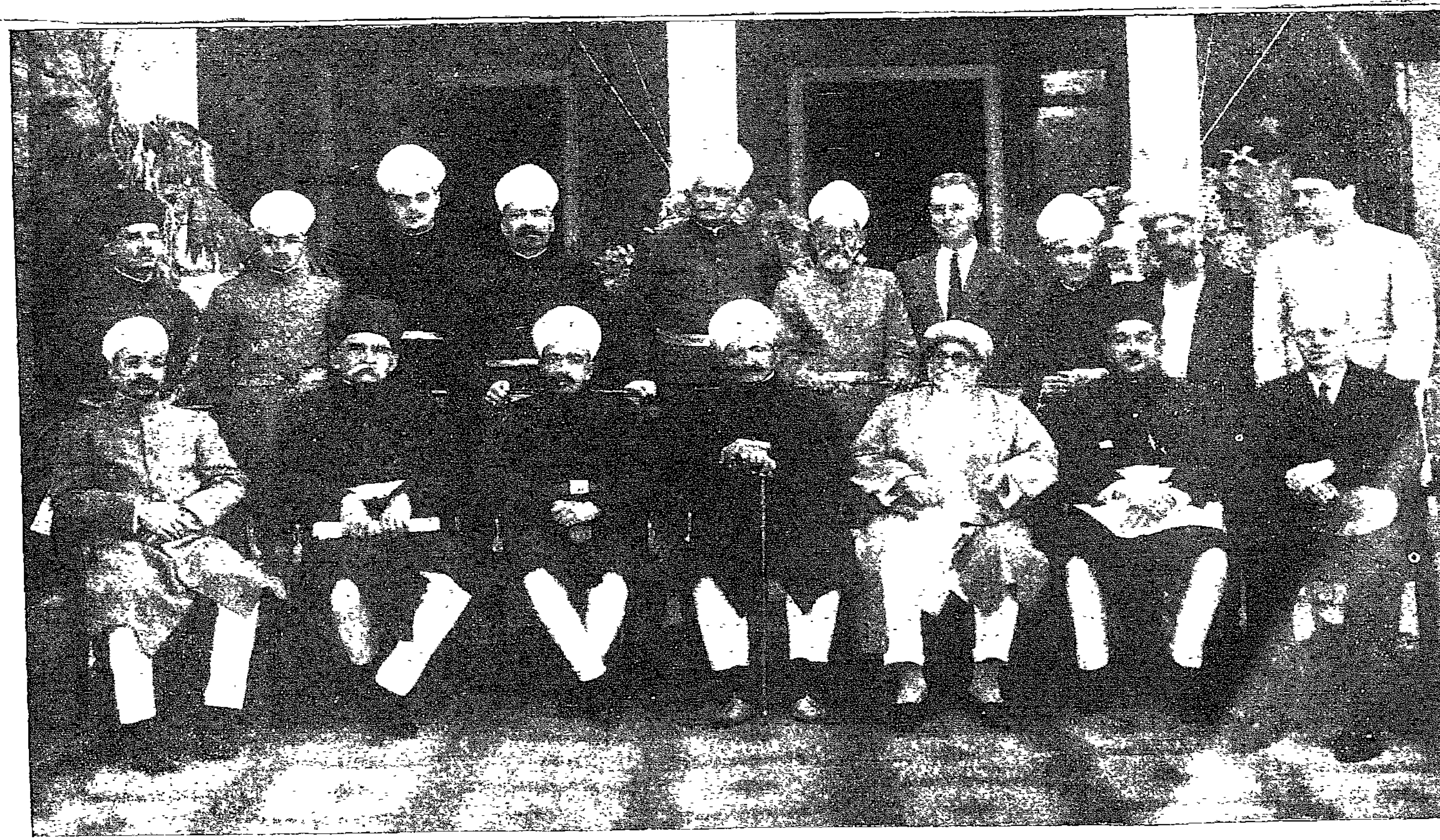
مہا راجہ کے مسانک لاج حیدرآباد کے صدر منتخب ہونے کے موقعہ پر



لیڈی اور لارڈ ولنگڈن ہزاگزالٹیڈ ہائنس دی نظام کی ضیافت عصرانہ کے موقعہ پر



مہا راجہ فن خطاطی کے ماہر تھے ہزاروں قطعات مختلف تحریروں میں لکھے ہیں منجملہ ان کے یہ ایک نمونہ ہے ۔



مسٹر ٹاسکر - نواب مہدی یار جنگ - سر اکبر حیدری - مہاراجہ - نواب لطف الدولہ - نواب عقیل جنگ - راجہ شامراج بہادر
(یوسف علی صاحب) یوسف یار جنگ - ہاشم یار جنگ - صمد یار جنگ - مسٹر کرافٹن - فخر یار جنگ - علی نواز جنگ - ذوالقدر جنگ
حسن نواز جنگ - رئیس جنگ - سید محمد مہدی (مہدی نواز جنگ)

مطبوعۂ دارالطبع حکومت حیدرآباد